آفتابِ ہدایت

ردِّ رفض و بدعت

رئیس المناظرین
ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ

اسلامک سنٹر
محمد علی روڈ بھنڈی بازار ممبئی (بھارت)

تردید و تفہیم شیعیت پر بے نظیر تحقیق

آفتابِ ہدایت

ردّ

رفض و بدعت

مُصنّف

رئیس المناظرین، شیرِ اسلام، فاضل بے بدل، وکیل صحابہؓ

ابوالفضل مولانا قاضی محمد کرمُ الدّین دبیر رحمہ اللہ

(المتوفی ۱۹۴۶ء)

مقدمہ

قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ (ابنِ مصنفؒ)

ادارہ مظہر التحقیق کھاڑک

ملتان روڈ لاہور

نام کتاب ——— آفتاب ہدایت ردِ رفض و بدعت
مصنف ——— حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ
ناشر ——— اسلامک سنٹر۔ بھنڈی بازار، بمبئی،
صفحات ——— 516
قیمت ——— -/450 روپے

انتباہ

میرے دادا جی مولانا قاضی کرم الدین دبیرؒ کی جملہ کتابیں صرف ادارہ مظہر التحقیق لاہور کو شائع کرنے کی اجازت ہے۔ مولانا حافظ عبدالجبار سلفی صاحب نے میری اجازت سے ہی ہندوستانی احباب کو آفتاب ہدایت شائع کرنے کی اجازت دی اور کوئی ادارہ قصد طباعت نہ کرے۔

قاضی محمد ظہور الحسین اظہر
مرکزی امیر تحریک خدام اہلسنت پاکستان

انتساب

میں اپنی اس ناچیز تصنیف کو حضور سرورِ دو عالم سرکارِ مدینہ ﷺ فداہ اَبی و اُمی کی ذاتِ اقدس سے منسوب کرتا ہوں۔ جن کے یارانِ خاص اصحابؓ پاک و ازواج مطہراتؓ کے تحت ناموس و دفع مطاعن معاندین کے لیے لکھی گئی ہے۔ کیا عجب کہ میری یہ ناچیز خدمت بارگاہِ الٰہی اور دربارِ مصطفوی ﷺ میں منظور ہو کر میرے گناہان بے حد و عد کی مغفرت کا وسیلہ بنے اور یہ ذرّۂ بے مقدار (کتاب) آفتاب نصف النہار ہو کر میری اندھیری گور کو روشن کرے اور جسر جہنم کے اس ہولناک راہ گذر سے مرکب باز رفتار بن کر مجھے پار کر دے اور قیامت میں شفاعت شفیع المذنبین ﷺ اور دیدارِ رب العالمین نصیب ہو۔

رَبِّ اغْفِرْ لِذُنُوبِی وَاسْتُرْ لِعُیُوبِی بِحُرْمَتِ نَبِیِّکَ الْکَرِیْمِ وَاٰلِهِ الْاَطْهَارِ وَاَصْحَابِهِ الْکِبَارِ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْنَ.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ ناشر

"**آفتاب ھدایت ردّ رفض و بدعت**" ہندوستان میں پہلی مرتبہ ہم شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ اس سے قبل پاکستان سے اس کے درجن سے زائد اڈیشن نکل چکے ہیں۔ یہ کتاب اپنے انوکھے اسلوبِ تحریر اور طرزِ استدلال کی بناء پر اس موضوع پہ لکھی جانے والی کتابوں میں انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے مصنف ابوالفضل مولانا محمد کرم الدین دبیر رحمہ اللہ تھے، جو موضع بھیں، چکوال (پنجاب) کے رہنے والے تھے، اور پاکستان کے معروف عالم دین حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کے والد گرامی تھے۔ ان کی سوانح حیات پاکستان سے حال ہی میں "احوالِ دبیر رحمہ اللہ" کے نام سے چھپی ہے اور آفتابِ ہدایت کے موجودہ نسخے پر مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنے والد گرامی کے حالات زندگی پر جو مضمون لکھا تھا، وہ بھی شامل کر دیا گیا ہے۔

زمانۂ طالب علمی سے ہی یہ کتاب ہم نے اپنے بڑوں کی نگاہوں میں گھومتے دیکھی، اساتذہ سے تعریف سُنی اور جب خود مطالعہ کیا تو اسے متاعِ بے بہا پایا، گذشتہ سال رائیونڈ اجتماع کے موقع پر جانا ہوا تو ارادہ کر کے گیا تھا کہ واپسی پہ اس کتاب کے کافی سارے نسخے خرید کر ساتھ لاؤں گا اور اہل علم کو بطور تحفہ پیش کروں گا لیکن پاکستان جا کر پتہ چلا کہ یہ کتاب ایک مدت سے نایاب ہے، چنانچہ ایک کرم فرما حافظ عبدالجبار سلفی سے رابطہ کر کے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ "آفتاب ہدایت" پر گذشتہ کئی سالوں سے پاکستان میں پابندی لگا دی گئی ہے۔ لہٰذا خواہش اور ضرورت کے باوجود ہم اپنے وطن کے قانون کے احترام میں اس کی فی الحال اشاعت نہیں کر سکتے...... البتہ پرانے ایڈیشن کا ایک نسخہ بطور مطالعہ آپ کو فراہم کر دیا جائے گا۔ حافظ صاحب موصوف سے کتاب لے کر واپس ہندوستان آیا تو سوچا کیوں نہ

یہیں سے یہ کتاب چھپوا کر ہند کے اہل علم کے خدمت میں پیش کر دی جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کام شروع کر دیا گیا اور اب مختلف مراحل سے گذرنے کے بعد یہ بے مثل تصنیف آپ کے ہاتھوں میں ہے...... پاکستان جا کر یہ بھی پتہ چلا تھا کہ اس کتاب ''آفتابِ ہدایت'' کی اشاعت کے چالیس سال بعد پاکستان ہی کے کسی شیعہ نے ''تجلیات صداقت'' کے نام سے جواب لکھا تھا، لیکن اس کا بھی مفصل ردّ علامہ ڈاکٹر خالد محمود مدظلہ نے ''تجلیاتِ آفتاب'' کے نام سے کر دیا ہے اور اس سے پہلے مصنف آفتابِ ہدایت کے فرزند مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ''ایک اجمالی نظر'' کے نام سے بھی مختصر جواب دے دیا تھا۔ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کے ہمارے دیارِ ہند کے اہل علم مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ، مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ اور مولانا سید مرتضیٰ حسن چاند پوری رحمہ اللہ کے ساتھ مخلصانہ تعلقات تھے، اور مرحوم نے اپنے بیٹے مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ کو دارالعلوم دیوبند تعلیم کے لیے بھی بھیجا تھا، جنہیں بعد ازاں مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے خلافت بھی ملی۔

بہرحال ہمیں یہ سعادت حاصل ہو رہی ہے کہ یہ کتاب ہندوستان سے شائع کروانے میں قرعہ فال ہمارے نام نکلا ہے۔ قوی امید ہے کہ بھارت کے غیور اہل سنت والجماعت اس کی خوب قدردانی کریں گے۔

اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں اور ذریعہ نجات بنائیں۔ آمین ثم آمین

والسلام

ڈاکٹر تابش فاروقی
رکن اسلامک سنٹر، محمد علی روڈ،
بھنڈی بازار، ممبئی (ہندوستان)

حُسنِ ترتیب

تقریظ (طبع ششم)

از قلم: فاضل محقق حضرت علامہ مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
مصنف گلدستہ توحید، تبرید النواظر، راہ سنت، مقام امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ، طائفہ منصورہ وغیرہ

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى.

أمـا بـعـد تمام ادیان اور مذاہب میں جو مقام اور شان دین اسلام کو حاصل ہے، وہ اور کسی دین کو حاصل نہیں ہے اور یہ خدا تعالیٰ کا آخری اور مکمل دین سراسر رحمت خداوندی ہے۔ یہ دین حق حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ نے امت مرحومہ کو دیتے وقت یہ فرمایا تھا کہ میں تمہیں دو چیزیں دے کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان کو مضبوطی سے پکڑو گے، کبھی [illegible] گے: ایک کتاب اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ ﷺ۔ دین کی ان اصولی اور بنیادی چیزوں کی حفاظت سب سے پہلے جن حضرات نے کی ہے، وہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ اگر خدانخواستہ وہی کافر و منافق، مرتد و بے ایمان ثابت ہوں (معاذ اللہ) تو پھر قرآن کریم پر کیا اعتبار؟ اور حدیث پر کیا اعتماد؟ پھر کیا معلوم ان میں کیا کچھ ردّ و بدل اور حک و اضافہ ہو چکا اور کر دیا گیا ہوگا؟ **الحمد للہ** کہ اہل سنت والجماعت قرآن و حدیث اور ان اوّلین محافظین کو ان کے اپنے مقام پر رکھتے اور سمجھتے ہیں۔ جن میں ازواجِ مطہراتؓ اور اہل بیتؓ بھی شامل ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم کلھم۔ مگر شیعہ اور اہل رفض اس کے خلاف کچھ کہتے ہیں۔ کتابِ پیش نظر "**آفتاب ہدایت**" جو مناظر اسلام حضرت مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیر مرحوم کی تصنیف ہے، اپنے انوکھے طرزِ بیان اور ٹھوس استدلال، مسکت و منصفانہ جوابات اور عمدہ تشریح کی وجہ سے اپنے باب میں اردو زبان کے اندر لاجواب کتاب ہے۔ تمام اہل سنت حضرات کے لیے بالعموم اور علمائے کرام اور طلبۂ عظام کے لیے بالخصوص یہ بہت ہی مفید اور کارآمد ہے۔ اور اس کی

نشر واشاعت خالص دینی خدمت ہے۔ اس کا مفید اور معلومات افزا مقدمہ مؤلف مرحوم کے فرزند ارجمند، ہمارے مخلص بزرگ اور شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہٗ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ کے قلم حق گو کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں بہت سے مخفی گوشے اجاگر کر کے پیش کیے گئے ہیں۔

دعـــا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مؤلف مرحوم اور ان کے لائق فرزند اور متوسلین حضرات کے لیے زادِ آخرت اور عام مسلمانوں کے لیے تازگیٔ ایمان کا ذریعہ بنائے۔ آمین، ثم آمین!

احقر ابوالزاہد محمد سرفراز
خطیب جامع گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم
متصل گھنٹہ گھر، گوجرانوالہ
۹ رجب ۱۳۸۱ھ، ۱۸ دسمبر ۱۹۶۱ء
یوم الاثنین بعد از نماز ظہر

عرضِ حال (طبع ششم)

"**آفتابِ ہدایت**" کا چھٹا ایڈیشن ہے۔ جو قوم وملت کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ کتاب اپنے موضوع کے اعتبار سے تمام اُردو تصانیف میں ایک ممتاز مقام حاصل کر چکی ہے اور بلاشبہ اپنی خصوصیات کی بناء پر ایک بہترین تصنیف ہے۔ جس میں ان الزامات ومطاعن کا عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے تسلی بخش جواب دیا گیا ہے۔ جو دشمنانِ دین نے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے جان نثار اصحاب وخلفاء پر وارد کیے ہیں اور قرآن وحدیث کی روشنی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت شان اور علو مرتبت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ حق تعالیٰ نے مصنف مرحوم کے قلب میں تحفظ ناموس صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک غیر معمولی داعیہ پیدا کر دیا تھا۔ جس کی بنا پر آپ نے یہ کتاب تالیف کی اور آپ کے اسی جذبہ وہمت کا ثمرہ ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ کتاب اہل دین میں قبولیت عامہ کا شرف حاصل کر چکی ہے اور دن بدن اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ بلاشک حق تعالیٰ نے اصحابِ رسول ﷺ کو ایسے بلند مقام پر سرفراز فرمایا ہے کہ اگر ان کی مقدس زندگیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے ان کی للّٰہیت اور دینی خدمات کا انکار کر دیا جائے تو العیاذ باللہ اسلام اور داعی اسلام ﷺ کی حقانیت وبرتری ہی مشتبہ اور مخدوش ہو جاتی ہے اور تکمیلِ دین اور خلافت علیٰ **منہاج النبوۃ** کے قرآنی وعدے محض خواب پریشاں بن کر رہ جاتے ہیں۔

؎ شد پریشاں خواب من از کثرتِ تعبیر ہا

حقیقت الامر یہ ہے کہ اس دار الابتلاء میں حق وباطل ہر زمانہ میں برسرِ پیکار رہے ہیں۔ توحید الٰہی اور سنت نبوی ﷺ کے مقابلہ میں شرک وبدعت نے ہمیشہ جنگ آزمائی کی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

بعثتِ محمدیہ سے پہلے کی دنیا پر جب کہ شرک والحاد کی تاریکیاں چھائی ہوئی تھیں، رحمت خداوندی نے **آفتاب رسالت** کے ذریعہ انوارِ توحید وسنت سے عالمِ انسانی کو منور کیا۔ **فیضانِ نبوت** سے ہزارہا انسانی نفوس کا تزکیہ ہوا اور ایک لاکھ سے زائد قلوب نے حیات ابدی حاصل کی۔ **آفتاب نبوت** کے بعد نسل انسانی کے لیے خداوند عالم نے اصحاب رسول ﷺ کو نجوم ہدایت بنایا۔ آسمان علم وحکمت رشد وعمل کے ان درخشندہ ستاروں نے جہان میں ایمان وعمل کی روشنی پھیلائی۔ اور حق یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس زندگیاں محبوب خدا ہادیٔ عالم ﷺ کے مبلغانہ ومربیانہ کمالات کا ناقابل انکار نشان ہیں۔ خاتم الانبیاء ﷺ کے شیون واحوال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ظرف وحوصلہ کے مطابق اپنے اندر سمو لیا تھا۔ ذواتِ صحابہ رضی اللہ عنہم دراصل جمال وکمال محمدی کے مختلف مظاہر ہیں۔ اگر مفہوم قرآنی اور مراد ربانی کی تعیین آنحضرت ﷺ کے ارشاد پر موقوف ہے تو تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سنن نبوی ﷺ کی بقاء وحفاظت کا بہت مستحکم ذریعہ ہے۔ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی سیرت اگر اہل علم وصلاح کے لیے رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے تو ارباب جاہ وحکومت کے لیے اس میں عدل وانصاف کا مکمل نمونہ ملتا ہے۔ چونکہ مخالفین اسلام نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے کمالات ومحاسن کو اشاعت واستحکام اسلام کا ایک قوی ترین سبب سمجھ لیا تھا، اس لیے انہوں نے بربادیٔ اسلام کے لیے پہلے انہی اساتین دین کو گرانے کی کوشش کی۔ قرونِ اولیٰ میں اگر اسلام کی برق رفتاری کو روکنے کے لیے اصحاب رسول ﷺ کو مطعون ومجروح کرنے کی ناپاک تحریک شروع ہوئی تو عصر حاضر میں براہ راست سنت رسول ﷺ پر حملہ کر کے تجدید اسلام کے مقدس عنوان سے تخریب اسلام کے لیے ایک نامسعود تحریک منظم کی جارہی ہے۔ حالانکہ دونوں کا منشاء ومقصود ایک ہی ہے۔ ان حالات

میں علماءِ حق کا فریضہ ہے کہ اپنی عالمانہ بصیرت اور مخلصانہ عمل سے ہر اس فتنہ کے استیصال کی کوشش کریں جو توحید وسنت کے مقابلہ میں رونما ہو۔

وَاللّٰہ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌا

الاحقر مظہر حسین غفرلہ
متوطن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم ❶
(مغربی پاکستان)
(۲۳ شعبان ۱۳۷۴ھ/ ۱۷/اپریل ۱۹۵۵ء)

---

❶ نوٹ: اس زمانہ میں چکوال ضلع جہلم کی تحصیل تھی' اب یہ مستقل ضلع ہے۔

آفتابِ ہدایت کا طلوع

مقدمہ طبعِ سوم...... از مظہر حسین رحمہ اللہ (ابن مؤلف)

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ اَجْمَعِیْنَ. امابعد!

برادرانِ اسلام کی خدمت میں عرض ہے کہ حق تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے سلسلہ نبوت قائم فرمایا۔ ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کی اصلاح فرمائی۔ منکرات کے مٹانے اور نیکیوں کے پھیلانے میں اپنی قوتیں صرف کر دیں تا آنکہ پیغمبر آخرالزمان سرورِ کون و مکان حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ملک عرب میں مبعوث ہوئے۔ جو اس وقت ہر قسم کی گمراہیوں کا مرکز تھا۔ آفتابِ نبوت کی شعاعیں شرق و غرب تک پھیلیں اور انسانی قلوب کو روشن کر گئیں۔ مردہ روحوں نے دوبارہ زندگی حاصل کی۔ انوارِ نبوت کے فیض سے ان تیرہ دل اور درندہ خصلت انسانوں میں ملکوتی صفات پیدا ہو گئیں۔ ٹوٹے ہوئے دل اپنے خالق سے جا ملے۔ حق تعالیٰ کی محبت اور رحمت عالم ﷺ کی اطاعت لوگوں کی زندگی کا مقدس فریضہ بن گیا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنے تیئس سالہ زمانہ تبلیغ میں ہزارہا مسلمانوں کی ایک ایسی مقدس جماعت منظم کر لی، جس کا ہر فرد محبت الٰہی میں سرشار اور محبوب خدا ﷺ کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی عزیز جان قربان کرنے کو تیار تھا۔ زمانہ جاہلیت کے ان بھٹکے ہوئے انسانوں میں اتنا فوری اور زبردست انقلاب آنحضرت ﷺ کا ایک عظیم الشان معجزہ ہے۔ حضور ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اطاعت خدا اور رسول ﷺ میں وہ بلند مقام حاصل کیا، جس کی نظیر امم عالم میں نہیں مل سکتی۔ ان کا مقصود حیات محض رضاء الٰہی کا حصول تھا۔ حق تعالیٰ نے قرآن میں ان کے کمال کی خبر دے دی۔

يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا . (پ ۲٦، سورة الفتح: ۲۹)

(اور اللہ کا فضل اور اس کی رضا مندی چاہتے ہیں)۔

آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے ان کے قلوب جملہ امراض معنویہ سے پاک ہوگئے۔ ارادہ خداوندی کے سامنے ان کے اپنے ارادے فنا ہوگئے۔ ان کا ہر عمل اللہ کے لیے ہوتا تھا۔ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ (وہ اللہ کی ذات کے طالب ہیں)۔ (پ ۱۵، سورۃ الکہف: ۲۸)

وہ اگر زندگی کے خواہاں تھے تو اطاعت حق کے لیے، اور موت کی تمنا تھی تو لقائے محبوب کے لیے۔ حق تعالیٰ نے ان کو اس دنیا میں رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کی بشارتیں سنا دیں۔ حق تعالیٰ نے اصحاب رسول ﷺ کے دلوں میں ایمان کی کامل محبت ڈال دی۔ اور کفر و ضلالت سے ان کو طبعی نفرت ہوگئی۔

حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ. (پ ٢٦، سورة الحجرات: ۷)

(اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت ڈال دی اور کفر و بدعملی اور نافرمانی کی نفرت تم میں پیدا کر دی)۔

جب قدسیوں کی یہ جماعت ہر طرح کامل و مکمل ہوگئی اور دوبارہ ان کے قلوب صافیہ میں کفر و ضلالت کے عود کرنے کا کوئی خطرہ باقی نہ رہا تو منصبِ نبوت کی تکمیل کے بعد خداوند عالم نے اپنے محبوب ﷺ کو واپس بلا لیا۔ اور امت کی باگ اکملین صحابہ رضی اللہ عنہم کے حوالہ ہوئی۔ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور اہل بیتؓ نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کے فضائل و کمالات کی بنا پر رسول اللہ ﷺ کا خلیفہ برحق تسلیم کیا۔ آپ کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بالترتیب خلیفۃ المسلمین بنائے گئے اور یہ ترتیب خلافت حق تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تھی۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کا وہ وعدہ خلافت [1] پورا ہوا، جس کی قرآن مجید میں پیشین گوئی فرمائی گئی تھی۔ اگر نزولِ قرآن سے اصولاً دین اسلام کو تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہوا تو

---

[1] مسئلہ خلافت پر مفصل بحث آفتاب ہدایت میں ملاحظہ فرمائیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اس مقدس جماعت کے ہاتھوں اسلام عملاً تمام ادیان پر غالب آ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیغام حق کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچایا۔ توحید وسنت کے انوار ہر جگہ پھیل گئے۔ قیصر و کسریٰ جیسے باجبروت سلاطین کی عظمتیں خاک میں مل گئیں۔ خلافت اسلامیہ کے ذریعہ ظلم وعدوان مٹا اور عدل وانصاف کی برکات سے مخلوق خدا نے اپنا دامن بھر لیا۔ یہ سب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت کے اثرات تھے اور حق یہ ہے کہ ہر ایک صحابی کا وجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ایک مستقل معجزہ ہے۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ اَجْمَعِیْنَ.

انکارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کا فتنہ

حق تعالیٰ نے کائنات میں اضداد کا سلسلہ قائم کیا ہوا ہے۔ نور وظلمت، کفر وایمان، جہل وعلم، خیر وشر، ہدایت وضلالت، اصلاح وفساد، توحید وشرک وغیرہ سب اضداد میں سے ہیں۔ لیکن حق تعالیٰ کی تکوینی حکمت بالغہ کے ماتحت ہمیشہ دونوں کا وجود رہا ہے۔

در کارخانۂ عشق کفر ناگزیر است
آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ اگر ظلمت نہ ہو تو نور کی قدر نہ رہے۔ جہل نہ ہو تو علم کی قدر دانی کون کرے؟

وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْأَشْيَآءُ

داعیان حق کے مقابلہ میں ہمیشہ مفسدین امت موجود رہے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے گوناگوں کمالات موہوبہ سے متصف ہو کر کب مفسدین کے شر سے محفوظ رہ سکتے تھے؟ بہت جلد ہی امت میں ایک حیرت انگیز فتنہ کا ظہور ہوا۔ کچھ ایسے مدعیانِ اسلام پیدا ہوئے جنہوں نے نہ صرف اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن کا انکار کیا بلکہ بڑی شدت سے اللہ تعالیٰ کے ان قدسی صفات بندوں پر کفر ونفاق کا الزام لگایا۔ اور یہاں تک کہہ دیا کہ

آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد سب مہاجرین و انصار ❶ مرتد ہو گئے۔ صرف معدودے چند حضرات ایمان پر مستقیم رہے۔ ان لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کر دیا کہ رسول خدا ﷺ کے بعد خلافت بلا فصل کے مستحق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اصحاب ثلاثہ نے اپنے اقتدار کے ذریعہ ان سے خلافت چھین لی۔ منکرینِ خلافت نے یہاں تک جسارت کی کہ حضور اکرم ﷺ کی ان پاک بیبیوں کو بھی صاف طور پر منافق و کافر کہہ دیا جو آخری دم تک حضور ﷺ کی زوجیت میں رہیں اور قرآن کریم میں صاف طور پر ان کو مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے:

وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ. (پ ۲۲، سورۃ احزاب: ۶)

(رسول خدا کی بیویاں تمام مسلمانوں کی مائیں ہیں)۔

صرف اسی پر بس نہیں کی بلکہ اصحابؓ ثلاثہ کے خلاف یہ الزام بھی تراشا کہ انہوں نے قرآن پاک میں تغیر و تبدل کر دیا اور اہل بیت کے فضائل میں جو آیات نازل ہوئی تھیں، ان کو نکال دیا اور اپنے فضائل میں آیات وضع کر لیں۔ العیاذ باللہ۔ ان عقل کے اندھوں نے نہ صرف اصحابؓ ثلاثہ کو معطون کیا، بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کی محبت کی آڑ لے کر یہ فتنہ اٹھایا گیا تھا، ان پر بھی یہ اتہام قائم کیا کہ انہوں نے اصلی قرآن کو جمع کر کے اصحابؓ ثلاثہ کے سامنے کیا تھا۔ چونکہ اس میں اہل بیتؓ کے فضائل کا بیان تھا اور اصحابؓ کے کفر و نفاق پر صریح آیات تھیں، اس لیے اصحابؓ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جمع کردہ قرآن کو قبول نہ کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس اصلی قرآن کو چھپا دیا اور غصہ میں آ کر قسم کھالی کہ امام مہدی کے ظہور تک تم اس قرآن کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر

---

❶ دیکھو فروع کافی جلد ۳، کتاب الروضہ ص ۱۱۵، ترجمہ۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے، صرف یہ تین اصحاب مسلمان رہ گئے: مقدادؓ، سلمان فارسیؓ، ابوذرؓ۔ اس کی تفصیل کتاب میں آئے گی۔

کتنا بڑا بہتان ہے؟ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ خدا کی کلام کو جو ہدایت عالم کے لیے نازل ہوئی، پوشیدہ کر سکتے تھے؟ غرضیکہ اس گروہ کے مطاعن سے نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب رضی اللہ عنہم محفوظ رہے، نہ اہل بیت رضی اللہ عنہم۔

خنجر ناز تو تنہا نہ مرا کشتہ و بس
یعلم اللہ کہ جہاں جملہ قتیل است و قتیل

چونکہ قرآن پاک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے فضائل و کمالات اس کثرت سے بیان ہوئے ہیں کہ ان کا انکار مشکل تھا۔ اس لیے عقیدہ تحریف قرآن وضع کیا گیا اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے اہل بیت رضی اللہ عنہم نے اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ کی خلافت کو تسلیم کر لیا تھا۔ ان کی اقتداء میں نمازیں بھی پڑھتے رہے اور کبھی ان کے خلاف قتال نہیں کیا۔ ان حقائق کا جھٹلانا آسان نہ تھا اس لیے تقیہ کا عقیدہ ایجاد کیا۔ اور تقیہ (یعنی دین میں جھوٹ بولنے) کو جزو دین تسلیم کیا اور چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو صاحبزادیوں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا و ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو یکے بعد دیگرے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دیا۔ اس لیے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ باقی تین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں ہونے سے ہی انکار کر دیا۔ غرضیکہ انکار صحابہ پر بڑے بڑے عقائد فاسدہ متفرع ہوئے۔

خشت اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ دراصل اس فتنہ کی بنیاد انکار قرآن پر رکھی گئی تھی، لیکن صراحتاً قرآن کے انکار کی تحریک چونکہ مسلمانوں میں پھیل نہیں سکتی تھی۔ اس لیے اہل بیت رضی اللہ عنہم کی محبت کی آڑ لے کر اصحاب ثلاثہ کی خلافت حق کو مطاعن کا نشانہ بنایا گیا اور امامت و عصمت ائمہ اور بداء (خدا کا بھول جانا) وغیرہ کے عقائد فاسدہ وضع ہوئے۔ انکار و بغض صحابہ کا فتنہ کوئی معمولی فتنہ نہیں۔ اصحاب رضی اللہ عنہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مخلص اور غیر مومن تسلیم کرنے سے بہت بُرے نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ جس کی وجہ سے سارا دین مشکوک ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

① امام الانبیاء ﷺ کی بعثت کا مقصود اعلائے کلمۃ اللہ فوت ہو جاتا ہے۔

② حضور ﷺ کی تعلیم کا ناقص ہونا لازم آتا ہے۔

③ اللہ تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے کہ قرآن میں ان لوگوں کے فضائل ایمانی بیان فرمائے جو آخر میں کافر و مرتد ہونے والے تھے۔ العیاذ باللہ

④ قرآن کریم کی پیشین گوئیاں اور بشارتیں سب غلط ثابت ہوتی ہیں۔

⑤ بالخصوص، وعدہ استخلاف باطل ٹھہرتا ہے، کیونکہ اس میں امن عامہ ہونے کی پیشین گوئی ہے۔ جو باقی علامات موعودہ کے ساتھ صرف اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں پوری ہوئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں امن نہیں تھا۔

علاوہ ازیں منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا تم رسول اللہ ﷺ سے بھی زیادہ ایمان شناس ہو کہ ایک طویل زمانہ اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ رہنے کے باوجود ان کے کفر و نفاق پر آپ ﷺ مطلع نہیں ہو سکے۔ فراست نبوی ﷺ سے بھی ان کو نہ پہچانا۔ اور ان کے ایمان پر اتنا زبردست اعتماد کیا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹیوں سے خود نکاح کر لیا۔ اور اپنی پیاری صاحبزادیاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دے دیں۔ اپنی بیویوں کے ساتھ تو حضور ﷺ کو شب و روز کا گہرا تعلق رہتا تھا۔ اگر ان میں کفر و نفاق کا کچھ اثر بھی ہوتا تو ان کو حضور ﷺ طلاق ❶ دے دیتے۔ کیونکہ کافر اور منافق عورتوں سے نکاح ایک عاصی مسلمان کا بھی درست نہیں ہو سکتا، چہ جائیکہ ہادی عالم ﷺ ان سے نکاح کر لیں۔ حضور ﷺ کی ازواج کا تو یہ مرتبہ ہے کہ ان کی علوشان قرآن پاک کی متعدد آیات میں صاف طور پر بیان کی گئی ہے۔ بالخصوص حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جو تہمت لگائی گئی

---

❶ طلاق کے متعلق بھی شیعہ صاحبان نے ایک عجیب و غریب روایت وضع کر لی۔ چنانچہ حیات القلوب، جلد ۲، ص ۶۷، مطبوعہ نولکشور میں لکھا ہے کہ رسول خدا ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ازواج کے متعلق طلاق دینے کا اختیار دے دیا تھا اور بعد وفات رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی۔ یا للعجب۔

تھی، اس سے برأت کا اعلان خود حق تعالیٰ نے سورۂ نور میں تفصیلاً فرمایا اور آپ کے مخالفین کو سخت زجر و توبیخ فرمائی ہے۔

علاوہ ازیں یہ امر قابل غور ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں قائم مقام امام نماز بنایا تھا۔ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے امر نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ سب جلیل القدر اصحاب نے آپ کی اقتدا میں نماز ادا کی تھی۔ کیا سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کافر و منافق کے پیچھے نماز پڑھ سکتے تھے؟ یہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے افضل الامت ہونے کی زبردست دلیل ہے۔ پھر ہم منکرین صحابہ سے پوچھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و دیگر اکابر اہل بیت جن کو تم اپنا مقتداء و مطاع سمجھتے ہو، بلکہ ان کے معصوم عن الخطا ہونے کے قائل ہو، جب انہوں نے اصحابؓ ثلاثہ کی بیعت کر لی اور ان کو برحق خلیفہ سمجھتے ہوئے ان سے کبھی جنگ تک نہ کی، تو اب تم صدیاں گذر جانے کے بعد اصحابؓ ثلاثہ کے خلاف کیوں برسرِ پیکار ہو؟ اور سب سے زیادہ تم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لعن طعن کا ہدف بناتے ہو؟ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کو کافر نہیں کہا۔ طرفین میں جو لڑائیاں ہوئیں، وہ صرف دمِ عثمان رضی اللہ عنہ پر مبنی تھیں۔ جس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبہ میں اعتراف فرمایا ہے۔ ہاں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس میں اجتہادی غلطی تھی لیکن اس خطاء سے ان کے ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جس طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا باہمی نزاع مذکور ہے۔ حالانکہ دونوں مقدس نبی تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غلبۂ جوش میں حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی سے پکڑا، اور سر کے بالوں کو کھینچا، لیکن یہ سب کچھ چونکہ غلط فہمی پر مبنی تھا اس لیے نہ حضرت ہارون علیہ السلام کی علوشان میں کوئی فرق آیا اور نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے من جانب اللہ مواخذہ ہوا، تو اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان اجتہادی خطا جو (معصوم نہ تھے) کی بنا پر باہم لڑائی ہو جائے تو ان کے ایمان و اسلام میں کب فرق آسکتا ہے؟ اور یہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ کے خلاف نہیں۔ علاوہ ازیں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت خود

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ❶ کے حوالہ کر دی اور ان سے بیعت بھی کر لی۔ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی اس مصالحت پر راضی تھے۔ کیا امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کسی کافر و منافق کو خلافت اسلامیہ سپرد کر سکتے تھے؟ کیا تم امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ سے بھی زیادہ متقی ہو کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اتفاق کر لیا اور تم اب تک ان کو کوستے رہتے ہو۔ بھائیو! یہ اتباع حق نہیں بلکہ اتباع نفس ہے۔ اگر تم صحیح معنوں میں حضرات اہل بیتؓ کی تابعداری کو باعث نجات سمجھتے ہو تو ان کے طرزِ عمل کو مان لو۔

ترجوا النجاۃ ولم تسلک مسالکھا
ان السفینۃ لاتجری علی الیبس

(ترجمہ: تو نجات کا امیدوار ہے حالانکہ نجات کے راستوں پر تو نہیں چلا۔
بلاشک کشتی کبھی خشکی پر چل نہیں سکتی)۔

بہر حال انکار صحابہ اور اس پر مبنی تمام عقائد فاسدہ چونکہ براہ راست کتاب و سنت سے ٹکراتے تھے، اس لیے علمائے امت نے اس فتنہ کے استیصال کی طرف ہمیشہ توجہ ❷ فرمائی۔ متقدین و متاخرین علماء نے بڑی بڑی مبسوط کتابیں لکھیں، جن میں حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر عائد کردہ الزامات و مطاعن کے نہایت شافی و کافی جوابات دیئے گئے۔

---

❶ علامہ علی بن عیسیٰ اردبیلی نے امام حسن رضی اللہ عنہ کا سارا خطبہ درج کیا ہے، جس میں حضرت امام فرماتے ہیں: فرأیت ان اسالم معاویۃ واضع الحرب بینی وبینه وقد بایعته ورأیت ان حقن الدماء خیر من سفکھا ولم ارد بذلك الا صلاحکم وبقائکم (کشف الغمہ فی معرفۃ الائمہ مطبوعہ ایران، ص ۱۷۰) ترجمہ: پس میں نے اس کو بہتر سمجھا کہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لوں اور باہمی جنگ ترک کر دوں۔ چنانچہ میں نے معاویہ رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی اور مسلمانوں کے خون بچانے کو ان کے خوف بہانے سے بہتر سمجھا۔ اور میری مراد اس مصالحت سے محض تم مسلمانوں کی صلاح و بقا ہے۔ (خطبہ طویل ہے، ہم نے بوجہ عدم گنجائش کے یہاں سارا خطبہ درج نہیں کیا)۔

❷ قطب الاقطاب غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہٗ نے بھی غنیۃ الطالبین میں روافض کا خوب رد فرمایا ہے اور مسلمانوں کو ان کے اثرات سے محفوظ رہنے کی تحت ہدایت فرمائی ہے۔

متاخرین اکابر ہند میں سے امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بڑی استقامت سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور اس موضوع پر محققانہ قلم اُٹھایا۔ آپ کے بعد شیخ العالم قدوۃ المحققین حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ازالۃ الخفاء اور مرجع الکاملین، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی نے تحفہ اثنا عشریہ لاجواب تصانیف فارسی میں لکھیں۔ جس سے مجتہدین شیعہ کی کمر ٹوٹ گئی۔ بعدازاں مجاہد جلیل حضرت شاہ اسماعیل شہید قدس سرہٗ نے اس فتنہ کی سرکوبی کے لیے سخت قدم اٹھایا اور روافض کے میل جول سے مسلمانان اہلسنّت میں جن رسوم و بدعات کا شیوع ہو گیا تھا، ان کا قلع قمع کیا۔ عصر حاضر کے علمائے محققین نے بھی مدلل کتابیں ردّ شیعہ میں تصنیف کیں۔ چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند نے بھی باوجود دیگر مشاغل کثیرہ کے فدک کے مسئلہ پر ایک مستقل کتاب **ہدیۃ الشیعہ** کے نام سے تصنیف فرمائی۔ ہندوستانی علماء میں سے اس فتنہ کے انسداد میں سب سے بڑا کارنامہ حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کا ہے۔ جنہوں نے ہر موضوع پر نہایت محققانہ لاجواب رسائل تصنیف کیے۔ علمائے شیعہ سے معرکۃ الآرا مناظرے کیے اور آپ کی سرپرستی میں اخبار ''النجم'' و آفتاب نے اس معاملہ میں بے نظیر خدمات انجام دیں اور مجتہدین شیعہ کا ناطقہ بند کر دیا۔ پنجاب کے علماء میں جناب مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب دبیرؔ ساکن بھیں تحصیل چکوال ضلع جہلم نے ردِ شیعیت میں بہت نمایاں کام کیا ہے۔ اپنی عمر کا بیشتر حصہ آپ نے اس فتنہ کے استیصال میں گذار دیا۔ تحریر و تقریر کے ذریعہ منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کی تلبیسات کا ازالہ کیا اور اپنے بعد اس سلسلہ میں ایک جامع اور لاجواب تصنیف **آفتابِ ہدایت** بہترین یادگار چھوڑ گئے۔

یہ کتاب آپ نے سلیس اردو زبان میں لکھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر علمائے شیعہ کی طرف سے جو الزامات لگائے جاتے ہیں، ان کا مفصل اور مدلل ردِ فرمایا ہے۔ قرآن کریم کی بیسیوں آیات سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل ثابت کیے ہیں۔ بلکہ کتب شیعہ سے بھی اصحابِ ثلاثہ کے کامل الایمان اور خلیفہ برحق ہونے کا ثبوت فراہم کیا ہے اور ساتھ ہی

منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے ان کے خودساختہ مذہب کا آئینہ بھی رکھ دیا ہے تاکہ وہ اس میں اپنا چہرہ دیکھ لیں۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مولانا کرم الدین صاحب مرحوم کی یہ تصنیف اہل اسلام کے ہاں بہت مقبول ہوئی ہے۔ چنانچہ مصنف کی حیات میں دو مرتبہ طبع ہو کر ملک کے دور دراز گوشوں تک اشاعت پذیر ہوئی۔ تیسری دفعہ طبع کرانے کا مصمم ارادہ تھا۔ کتابت کی ابتداء بھی ہو چکی تھی لیکن مولانا کی اچانک موت نے اس کام کو معرض التواء میں ڈال دیا۔ قوم کو اس کتاب کی بڑی ضرورت تھی۔ اطراف ملک سے خطوط آتے رہے، لیکن طباعت کا انتظام نہ ہو سکا۔ ۱۹۴۹ء میں راقم الحروف جیل سے رہا ہوا تو احباب نے اس کتاب کو طبع کرانے کی فرمائش کی۔ خود بھی اس کی ضرورت محسوس کی۔ کیونکہ عوام میں ان کی جہالت و بے عملی سے فائدہ اٹھا کر رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ کبار کے خلاف بغض و عناد کے جراثیم پھیلائے جا رہے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس بندۂ ضعیف کو اس مفید کتاب کی طباعت کی توفیق عطا فرمائی، جو اب قوم کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔ کتاب کی خوبیاں اس کے مطالعہ سے ہی معلوم ہوں گی۔

آفتاب آمد دلیل آفتاب

سابق ایڈیشن میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک مضمون اور شہدائے کربلا کے اسمائے گرامی سہواً درج نہ ہو سکے تھے۔ اب اس کمی کو پورا کر دیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر حسبِ ضرورت راقم الحروف نے مختصر حواشی کا اضافہ کیا ہے اور وہاں فرق کے لیے اپنا نام بھی ظاہر کر دیا ہے۔ متن میں کہیں کہیں معمولی حذف و ترمیم بھی ہوئی۔ ماشاء اللہ یہ کتاب مناظرین اہل سنت کے ہاتھ میں ایک زبردست حربہ کا حکم رکھتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے دوسری مبسوط کتابوں کے مطالعے کی چنداں ضرورت نہیں رہتی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما دیں جو رفض و تشیع کی ظلمات کے لیے واقعی

آفتاب ہدایت ثابت ہو۔ اور مصنف مرحوم کے لیے آخرت میں مغفرت کا وسیلہ بنے۔
آمین، آمین

شیعہ صاحبان سے عرض ہے کہ وہ تعصب سے ہٹ کر بغور اس کتاب کا مطالعہ کریں۔ ہم آپ کو حضرات اہل بیت کی سچی محبت واتباع کی دعوت دیتے ہیں۔ اہل بیت، ازواج مطہرات اور دوسرے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ ان سے محبت کرو اور ان کے نقش قدم پر چلو۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اور ہم کو ان سب مقبولانِ خدا کی محبت وتابعداری نصیب فرمائیں۔ (هوالله الهادی)

جناب مصنف رحمۃ اللہ علیہ کے مختصر حالات زندگی

مولانا ابوالفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم پنجاب کے مشہور فضلا میں سے ہیں۔ موضع بھیں ایک غیر معروف بستی تھی جو آپ کا مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہوگئی۔ آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں رہی لیکن اندازہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۸۵۷ء سے چار پانچ سال پہلے کی ہے۔ ابتدائی درسی کتب آپ نے اپنے وطن میں ہی پڑھیں اور امرتسر اور لاہور کے مختلف مدارس میں علوم و فنون کی تکمیل کی عربی ادب کی بعض کتابیں آپ نے حضرت مولانا فیض الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ تلمیذ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہ سے لاہور میں پڑھی ہیں اس کے بعد فن حدیث کی تکمیل کے لئے حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں سہانپور چلے گئے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے عمزاد بھائی حضرت مولانا محمد حسن ❶

---

❶ مولانا فیضی مرحوم ادب عربی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ عربی نظم میں ممتاز تھے اور اکثر بے نقطہ قصائد عربی میں لکھا کرتے تھے۔ مدرسہ نعمانیہ لاہور میں چند سال تدریس کرتے رہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے فتنہ کے استیصال میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دیں۔ ۱۲ فروری ۱۸۷۹ء کا واقعہ ہے کہ مولانا ممدوح نے ایک غیر منقوط عربی قصیدہ لکھا اور مرزا قادیانی کے پاس سیالکوٹ پہنچے۔ مرزا جی سے کہا کہ اگر آپ کو الہام ہوتا ہے تو مجھے آپ کی تصدیق الہام کے لئے یہی کافی ہے کہ اس قصیدہ کا مطلب حاضرین مجلس کو واضح سُنا دیں۔ مرزا صاحب اس قصیدہ کو بہت دیر تک چپکے دیکھتے رہے لیکن اس کی عبارت بھی نہ سمجھ سکے۔ حالانکہ خوشخط لکھا ہوا تھا پھر اپنے ایک حواری کو دیا اُس نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ ہم کو تو اس کی سمجھ نہیں آتی۔ فَبُہِتَ الَّذِی کَفَرَ وہ قصیدہ تازیانہ عبرت میں چھپا ہوا ہے۔ فیضی صاحب کی زندگی میں تو مرزا غلام احمد بغلیں جھانکتے رہے لیکن جب مولانا مرحوم تقدیر الٰہی سے ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو اس دار فانی سے انتقال فرما گئے تو مرزا جی نے حسب عادت مرحوم کی وفات کو بھی اپنی صداقت کا ایک نشان بنالیا چنانچہ حقیقۃ الوحی ص ۲۲۸ میں نشان کے ماتحت لکھا ہے۔ ایسا ہی مولوی محمد حسین بھیں والا میری پیشگوئی کے مطابق مرا۔ مواہب الرحمٰن میں لکھتا ہے۔ نشان نمبر ۱۵۳ ''مولوی محمد حسن'' بھیں والے نے میری کتاب اعجاز احمدی کے حاشیہ پر لعنۃ اللہ علی الکاذبین لکھ کر اپنے تئیں مباہلہ میں ڈالا چنانچہ اس تحریر پر ایک سال نہیں گزرا تھا کہ مر گیا۔ لیکن مرزا کی یہ پیشگوئیاں گلے کا ہار بن گئیں اور مقدمہ میں مجسٹریٹ کے سامنے صاف انکار کر دیا۔ خسر الدنیا و الآخیرۃ

صاحب فیضی مرحوم بھی تحصیل علم کیلئے گئے تھے لیکن دونوں بھائی بوجہ آب و ہوا کی ناموافقت کے وہاں بیمار ہو گئے اور بہت قلیل مدت رہ کر دونوں واپس چلے آئے اور امرتسر میں بقیہ کتب ختم کیں۔ درسیات سے فارغ ہونے کے بعد مولانا کرم الدین مرحوم اپنے گاؤں میں طلبہ کی تدریس میں مشغول ہو گئے اور چند سال تک کامیاب درس دیا۔

قادیانی فتنہ:

اس زمانہ میں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعاویٔ باطلہ کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا اور اپنے خیال میں بیک وقت کیا سے کیا بن جاتے تھے۔ اس فتنہ کے جراثیم پھیلنے کا اندیشہ تھا مولانا مرحوم کی حساس طبیعت نے اس شجرہ خبیثہ کے استیصال کی طرف اپنی تمام توجہات مبذول کر دیں۔ جس کی وجہ سے ناچار تدریس کا سلسلہ ترک کرنا پڑا۔ ان دنوں جہلم میں آپ کے ایک دوست مولانا فقیر محمد صاحب مرحوم نے ہفتہ وار اخبار "سراج الاخبار" جاری کر رکھا تھا۔ مولانا ابوالفضل مرحوم اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور مرزا قادیانی کے خلاف زور مضامین لکھنے شروع کیے آپ کے دلائل میں قوت تھی تقریرات اور تحریرات کے ذریعہ مرزا کے دجل فریب کے پردوں کو چاک کر دیا۔ اردو، فارسی اور عربی نظم ونثر پر آپ کو قدرت حاصل تھی۔ مرزائی علماء آپ کے سامنے عاجز آ گئے حتی کہ متنبی قادیان مرزا غلام احمد مقابلہ کی تاب نہ لا کر گھبرا اُٹھا۔ مولانا مرحوم کے دلائل کا جواب تو بن نہ سکتا تھا۔ اپنی خفت کو مٹانے کے لئے حسب عادت حکومت کی پناہ لی او مولانا کی تحریرات کو بہانہ بنا کر آپ کے خلاف مقدمات کی ابتداء کر دی۔ پہلا مقدمہ مرزا کے ایک حواری حکیم فضل دین بھیروی کی طرف سے ۱۴ نومبر ۱۹۰۲ء کو زیر دفعہ ۴۱۷ تعزیرات ہند گورداسپور میں دائر ہوا۔ حق تعالیٰ کی نُصرت شاملِ حال ہوئی اور آپ اس مقدمہ میں صاف بری ہو گئے حالانکہ اس مقدمہ کی نسبت مرزا قادیانی نے اپنی فتح کے الہامات متواتر شائع کئے تھے۔ دوسرا فوجداری مقدمہ بھی حکیم فضل دین بھیروی مذکور نے ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو مولانا مرحوم کے خلاف گورداسپور میں دائر کیا۔ اس میں بھی آپ کامیاب ہوئے اور مرزائیوں کا مقدمہ خارج ہو گیا۔ پھر تیسرا مقدمہ شیخ یعقوب علی تراب ایڈیٹر اخبار الحکم کی طرف سے

مولانا مرحوم اور مولوی فقیر محمد صاحب مالک سراج الاخبار دائر ہوا جس میں ہر دو مستغاث علیہا پر صرف ۵۴ روپے جرمانہ ہوا جو ادا کر دیا گیا اور کوئی اپیل نہ کی۔ مرزا غلام احمد حسب معمول اپنی پیشینگوئیاں شائع کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ ۱۷ رجنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں ایک مطبوعہ کتاب مواہب الرحمٰن تقسیم کی جس میں مولانا مرحوم کے خلاف سخت توہین آمیز کلمات استعمال کیے گئے مثلاً لکھا کہ ومن آیاتی ما انبانی العلیم فی امر رجل لئیم وبہتانہ العظیم، ترجمہ۔ واز جملہ نشان ہائے من اینست کہ مرا در بارۂ معاملہ شخص لئیم و بہتان بزرگ او خبر داد۔ اس میں یہ بھی لکھا ہے فاذ اظہر قدر اللہ علی عدو مبین اسمہ کرم الدین (ترجمہ) پس ناگاہ ظاہر شد تقدیر خدائے تعالیٰ بر دشمن صریح کہ نام اُو کرم الدین است'' چونکہ مرزائیوں کی طرف سے پہلے مقدمات کی ابتداء ہو چکی تھی اس لئے مولانا مرحوم نے بھی انتقاماً مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا، جو بعد میں حق و باطل کے مابین ایک عظیم الشان معرکہ کی صورت اختیار کر گیا اور مرزا قادیانی کے لئے سوہان روح بن گیا اہل حق کی طرف سے شہادت میں بڑے بڑے فضلاء پیش ہوتے تھے اور فریق مخالف کی طرف سے مولوی نور الدین بھیروی اور خواجہ کمال الدین لاہوری بھی اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے مولانا ابو الفضل مرحوم نے نہایت استقلال اور ثابت قدمی سے مرزا قادیانی کا مقابلہ کیا۔ آپ عدالت میں کتنے کتنے گھنٹے خود اتنی زبردست جرح کرتے تھے کہ مخالفین تلملا اُٹھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مرحلہ پر آپ کی امداد فرمائی تقریباً دو سال تک یہ مقدمہ چلتا رہا آخر ۱۸ اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی عدالت سے مرزا غلام احمد قادیانی کو پانچ سو روپے جرمانہ یا چھ ماہ قید محض اور حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپے جرمانہ یا پانچ ماہ قید کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ پھر اپیل میں ایک انگریز وکیل کی مدد سے بمشکل رہائی حاصل کی گورداسپور کے ان مقدمات کے متعلق مرزا جی نے اپنی کتاب حقیقۃ الوحی ص ۲۱۳ میں متعدد نشانات بیان کئے ہیں۔ مثلاً نشان نمبر ۱۸ میں لکھا ہے۔ ''کرم الدین جہلمی کے مقدمہ فوجداری کیلئے گورداسپور گیا تو مجھے الہام ہوا۔ یسئلونک عن شانك و قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون نشان نمبر ۱۷ میں لکھا ہے'' ۲۹ جون ۱۹۰۳ء کو رات کے وقت یہ فکر ہو رہی تھی کہ مقدمات کرم الدین

کا کیا انجام ہوگا، الہام ہوا۔ان اللہ مع الذین اتقو والذین ھم محسنون نتیجہ یہ ہوا کہ مقدمات کا فیصلہ ہمارے حق میں ہوا"۔ مرزا جی نے یہاں سفید جھوٹ بولا ہے کیونکہ آپ کو اس مقدمہ میں پہلے سزا کا فیصلہ سنایا گیا تھا نیز مندرجہ نشانات کے الفاظ خود ہی مرزا جی کے سخت پریشانی کی پردہ کشائی کر رہے ہیں۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اس مقدمہ [1] میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے حواریوں کو سخت ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔ پیشگوئیاں بھی سب غلط ثابت ہوئی اور مولانا ابو الفضل مرحوم ایسے شیر دل فاضل نے بامداد خداوندی مرزائیوں کی کرتوڑ کر رکھ دی۔لیحق الحق و یبطل الباطل و لو کرہ المجرمون۔

مولانا مرحوم کے کامیاب مناظرے:

مخالف کے سامنے دلائل سے حق واضح کر دینا کا نام مناظرہ ہے۔علمائے حق نے مناظرہ کو بھی اشاعت حق کا ذریعہ بنایا ہے۔اس زمانہ میں مناظرہ اگرچہ اکثر مجادلہ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔تاہم حسب ضرورت علماء مناظرہ کے ذریعہ مخالفین کو ساکت کرتے رہتے ہیں۔ مولانا ابو الفضل مرحوم نے بھی اس میدان میں نہایت مضبوط قدم رکھا اور اس فن میں خاص شہرت حاصل کی۔آپ بہت ذکی الطبع تھے اور حاضر جوابی کا اللہ تعالیٰ نے خاص ملکہ عطا فرمایا تھا۔ دلاور بہت تھے۔آپ نے اپنی زندگی میں مختلف فرقوں کے ساتھ متعدد مناظرے کیئے اور غالب رہے۔مرزائیت اور شیعیت کے استیصال میں آپ نے زندگی کا بیشتر حصہ خرچ کیا۔مرزا غلام احمد قادیانی کے بعد مولوی اللہ دتہ وغیرہ مرزائی مناظرین کے ساتھ مولانا مرحوم کے مناظرے ہوئے اور ان کو ہر مرتبہ شکست فاش دی۔جب قادیانی مشن کے بانی ہی کو آپ نے پچھاڑ دیا تھا تو اس کے پیروؤں کی کیا بساط تھی کہ آپ سے بازی لے جاتے۔ہمیشہ ذلت کا سامنا نصیب ہوا۔

شیعہ مذہب کے علماء سے بھی آپ نے کامیاب مناظرے کیئے اور جو ایک بار

---

[1] گورداسپور و جہلم کے ان تمام مقدمات کی تفصیل مولانا محمد کرم الدین صاحب مرحوم نے اپنی کتاب "تازیانہ عبرت" المعروف بہ متنبی قادیان قانونی شکنجہ میں بیان کر دی ہے۔کتاب بہت پسندیدہ و قابل دید ہے۔کتاب کی ابتداء میں مرزا کے دوسرے عقائد باطلہ کا بھی لطیف رد ہے۔

سامنے آیا دوبارہ اس کو میدان میں آنے کی ہمت نہ ہوئی۔ گندیاں ضلع میانوالی میں ایک دفعہ آپکا مناظرہ مرزا احمد علی مشہور شیعی مناظر سے ہوا۔ مولانا مرحوم کے دلائل سے اسقدر مرعوب ہوا کہ گھبرا کر اثنائے مناظرہ میں یہ کہنے لگا کہ آپ بلند اسٹیج پر کھڑے ہیں اس لئے مجمع پر آپکی تقریر کا اثر ہو رہا ہے۔ مولانا نے جواب دیا کہ یہ اسٹیج کی بلندی کا اثر نہیں بلکہ حق کی بلندی کا اثر ہے اگر میں آپ کی جگہ پر کھڑا ہو جاؤں تو پھر بھی میری تقریر کا اثر وہی ہوگا کیونکہ الاسلام یعلوا ولا یعلی (اسلام غالب ہوتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا) اس مناظرے کے بعد مرزا احمد علی صاحب نے پھر کبھی آپ سے مناظرہ کرنے کا نام نہیں لیا جہاں مولانا مرحوم کی آمد کی خبر ہوئی، کترا گئے۔ مولانا مرحوم کی مناظرات میں عظیم الشان کامیابیوں کا غلغلہ اتنا بلند ہو گیا تھا کہ پھر شیعہ، مرزائی وغیرہ مناظرین کو مقابلہ میں آنے کا حوصلہ ہی نہ پڑتا تھا۔ بسا اوقات آپ کا نام لینا ہی کافی ہو جاتا تھا۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشآء مولانا مرحوم حنفی المذہب تھے۔ حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ علماء اہلحدیث کے ساتھ بھی مختلف فیہ مسائل میں آپ کے کامیاب مناظرے ہوئے۔ چنانچہ مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری مشہور مناظر اہلحدیث سے تقلید شخصی وغیرہ موضوع پر دو مرتبہ زبردست مناظرہ ہوا۔ پہلا مناظرہ بتاریخ ۳ مئی ۱۹۲۰ء کو میرپور میں ہوا اور دوسرا ۴/اپریل ۱۹۲۳ء کو چک رجادی ضلع گجرات میں ہوا۔ باوجود یہ کہ مولوی ثناءاللہ صاحب مرحوم بھی فن مناظرہ میں خاص شہرت کے مالک تھے لیکن مولانا مرحوم کے سامنے آپ نے بھی ہتھیار ڈال دیئے اور چک رجادی کے مناظرہ کے اختتام پر مولوی ثناءاللہ صاحب نے یہاں تک کہہ دیا آئندہ میں مولوی کرم الدین صاحب سے تقریری مناظرہ نہیں کرونگا۔ ان مناظرات کی مختصر روئداد "مناظرات ثلاثہ" میں چھپی ہے۔ اہل قرآن آریہ اور عیسائیوں کے ساتھ بھی آپ کو مناظرہ کرنے کی نوبت آئی۔ آپ نے ایک دفعہ چکوال میں پادری عبدالحق عیسائی مناظر کو چیلنج دیا تھا لیکن اسکو مقابلہ کرنیکی ہمت نہ ہوسکی۔ بعض علمائے احناف سے بھی بعض فقہی مسائل میں اختلاف کی بناء پر آپ کے مناظرے ہوئے ہیں۔

مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع:

اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دیوبند کو علمی و روحانی فیوض کا سرچشمہ بنایا ہے۔ اکابر

دیو بند جامع الظاہر والباطن تھے۔ تجدید واحیاء دین میں ان بزرگوں نے وہی فرائض انجام دیئے جو ہر زمانہ کے مجددین کا نصب العین رہا ہے مسلمانوں میں عموماً بدعات و رسوم کا رواج تھا۔ عقائد واعمال میں افراط وتفریط پیدا ہوگئی تھی۔ علمائے دیوبند نے کتاب وسنت کی روشنی میں اہل اسلام کوان کے صحیح موقف سے آگاہ کیا اور اظہار حق کے نتیجہ میں ان کو انہی مراحل سے گزرنا پڑا جو بہ تبعیت انبیاء ہمیشہ علمائے ربانین طے کرتے رہے ہیں۔ قوم کے ناحق شناس طبقہ نے شدید مخالفت کی۔ علمائے دنیا نے ان بزرگوں پر کفر والحاد کے فتوے لگائے اور اتنا مکروہ پروپیگنڈا کیا گیا کہ بہت سے نیک نیت لوگوں میں بھی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ علمائے دیوبند کی عبارتوں میں کتر وبیونت کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصنفین کی مراد سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ مولانا کرم الدین مرحوم بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے اور آپ کو اگرچہ حضرات دیوبند کے خلاف غلو نہ تھا لیکن ان کے احوال و کمالات سے ناواقفیت کی بنا پر ان کی صحیح عقیدت وعظمت حاصل نہ کر سکے۔ چونکہ زیادہ تر شیعیت ومرزائیت کی طرف توجہ رہتی تھی اسلئے اکابر دیوبند کی تصانیف مبارکہ کو براہ راست مطالعہ کرنے اور ان کے پیش کردہ حقائق کو سمجھنے کا بہت کم موقعہ مل سکا۔ ان حضرات کے متعلق آپ کے دل میں کچھ شبہات تھے جن کا منشاء زیادہ تر مخالفین ہی کی تصانیف تھیں۔ غالباً ۱۹۲۳ء کا واقعہ ہے کہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں علماء دیوبند اور علماء بریلی کے مابین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم غیب کلی ❶ اور ماکان و مایکون کے موضوع پر ایک معرکۃ الآرا مناظرہ ہوا جس میں مولانا مرحوم علماء بریلی کی طرف سے صدر مقرر ہوئے۔

---

❶ اس بارہ میں علماء دیوبند کا یہ عقیدہ ہے کہ علم ''ماکان ومایکون'' یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ہر آن میں ہمیشہ کے لئے صرف اللہ کا خاصہ ہے یہ کسی مخلوق کو حق تعالیٰ نے ایسا علم محیط کائنات کلی تفصیلی عطا نہیں فرمایا۔ ہر جگہ حاضر ناظر صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ باقی حضور سرور کائنات ﷺ کو اولین وآخرین میں سب سے زیادہ علم بخشا ہے۔ تکوینیات کے متعلق بھی آنحضرت ﷺ کو اتنے علوم غیبیہ سے مطلع فرمایا ہے جس کا شمار نہیں ہوسکتا یہ عقیدہ کتاب وسنت پر مبنی ہے اور مولانا مرحوم نے بھی آفتاب ہدایت میں علم ماکان ومایکون کو ذات باری تعالیٰ کا خاصہ تسلیم کیا ہے۔۱۲

اس مناظرہ سے واپس آ کر آپ نے راقم الحروف سے دیوبندی مناظر مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی تہذیب و متانت کی بہت تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ خدا جانے آپ نے اس مناظرہ سے کیا کیا اثرات لئے کہ اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دے دی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ شیخ الحدیث دیوبند کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔'' حضرت والا مدظلہ نے سلہٹ آسام سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ اپنے لڑکے کو ابتداء شوال میں دیوبند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے وہ مہربانی فرمائیں گے۔'' حضرت کے گرامی نامہ کو مولانا مرحوم نے اپنے لئے باعث افتخار جانا اور فرمایا کہ آج ہندوستان کی ایک بڑی شخصیت کا خط آیا ہے۔ یہ الفاظ آپ نے بڑی عقیدت سے کہے تھے۔ شوال میں بندہ دارالعلوم میں داخل ہو گیا شعبان ۱۳۵۸ھ میں جب میں وہاں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو جناب والد مرحوم سے اکابر دیوبند کے حالات بیان کئے حضرت مدنی مدظلہ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لئے تھے۔ تو آپ نے حضرت کے متعلق فرمایا ''کہ آپ ولی اللہ ہیں''۔ قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ اور امام العالم، حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ شیخ الہند کے حالات سنکر فرطِ عقیدت سے والد صاحب کی آنکھیں بعض اوقات آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔ تمام اکابر دیوبند سے مولانا مرحوم کو عقیدت کا گہرا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ راولپنڈی کے کتب خانہ میں آپ کو امام الطریقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ کی تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات سننے کا موقعہ ملا راولپنڈی جیل میں عند الملاقات بندہ کے سامنے اس تفسیر کی بہت تعریف کی اور اس کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں ایک دفعہ آپ نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند مواعظ منگوائے اور مجھ کو جیل میں مطالعہ کیلئے بھیجے۔ غرضیکہ اکابر دیوبند کے متعلق جو پہلے شبہات تھے وہ ذائل ہو گئے اور یہ حضرات اکابر کی کرامت ہے۔

پیرانہ سالی میں مصائب کا ہجوم:

حق تعالیٰ اپنے بندوں کو آزمائش اصلاح کیلئے مصائب میں بھی ڈالتے ہیں۔ ہر تکلیف صورتاً مصیبت ہوتی ہے اور باطناً مومن کیلئے وہ رحمت ثابت ہوتی ہے۔ مولانا مرحوم کی عمر غالباً ۹۰ برس سے متجاوز ہو چکی تھی چند سال سے آنکھوں میں موتیا بند ہونیکی وجہ سے لکھنے پڑھنے میں معذور تھے۔ ایک آنکھ میں کچھ بینائی تھی جس سے کچھ چل پھر سکتے تھے۔ بتقاضائے عمر بدنی ضعف بھی بہت ہو گیا تھا اور فتق کا بھی عارضہ تھا کہ یکا یک جون ۱۹۴۱ء میں آپ پر حوادث کا نزول ہوا ایک قتل کے سلسلہ میں راقم الحروف مع تین رفقاء کے گرفتار ہوا اور برادرم مولوی منظور حسین ❶ صاحب شہید مرحوم نے تھانہ ڈوہمن کے ڈاک بنگلہ

❶ برادرم مولوی منظور حسین صاحب مرحوم نے انگریزی تعلیم بی اے تک باقاعدہ کالج میں حاصل کی تھی۔ کالج کی زندگی میں آپ کو جسمانی قوت بڑھانے کا زیادہ شوق تھا جسمیں آپ نے بڑا کمال حاصل کیا۔ موٹر کار کو آپ سامنے سے سینہ سے لگا کر مضبوطی سے پکڑ لیتے تھے اور پھر خواہ کتنی سپیڈ سے چلائی جائے روکے رکھتے تھے۔ لوہے کی دو نصف انچ موٹی سلاخوں کو جوڑ کر اپنے بازو پر لپیٹ لیتے تھے اور ایک انچ موٹی سلاخ گردن میں لپیٹتے تھے۔ کھڑے ہو کر ننگی چھاتی پر وزنی ہتھوڑوں کی ضربیں لگواتے تھے۔ ہاتھوں کی دو انگلیوں میں انڈے کو نوک کے بل رکھ کر توڑ ڈالتے تھے۔ اس قسم کے غیر معمولی قوت کے کرشموں کا آپ نے بہت دفعہ مظاہرہ کیا ہے۔ گارڈن کالج راولپنڈی سے فارغ ہونے کے بعد بھی آپ نے پہلوانی کا سلسلہ جاری رکھا لیکن بعد میں قرآن حکیم کی تلاوت اور اسلامی تاریخ کے مطالعہ نے آپ کے قلب میں زبردست انقلاب پیدا کر دیا۔ انگریزوں کی تہذیب سے سخت نفرت ہو گئی۔ فرنگی اقتدار کے کسی اثر کو آپ برداشت نہ کرتے تھے۔ اغیار کی غلامی میں رہنا آپ کے لئے سخت مشکل ہو گیا۔ آپ نے اپنی اصلاح کی اور شریعت کے سانچے میں ڈھل گئے کالج میں چونکہ عربی پڑھی تھی اس لئے قرآن و حدیث سے استفادہ آسان تھا۔ والد مرحوم سے فقہ و حدیث کی بعض کتابیں پڑھ لیں۔ آپ نے تبلیغ دین بھی شروع کر دی۔ جہاد بالسیف کا جذبہ آپ پر غالب تھا اور اللہ کی راہ میں شہید ہونا آپ کا حال بن گیا تھا۔ آپ انگریز سے جہاد کرنے کی تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ اس سلسلہ میں (باقی اگلے صفحہ پر)

میں ایک متعصب ہندو چوہدری کھیم چند ایس ڈی او چکوال کو رات کے وقت ہلاک کر دیا۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب مرحوم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ دونوں رفیق وہاں سے بسلامت نکل گئے اور سرحد پشاور عبور کر کے آزاد علاقہ (یاغستان) میں چلے گئے۔ جہاں آپ حضرت بادشاہ گل صاحب خلف مجاہد اعظم حضرت حاجی ترنگزئی صاحب کے پاس مقیم ہو گئے۔ حضرت بادشاہ گل صاحب نے آپ کے ساتھ عزیزوں کی طرح نہایت بہتر سلوک فرمایا۔ اُدھر والد صاحب اور جملہ اقرباء کو پولیس نے اپنی حراست میں لے لیا اور بھائی صاحب کے اس قتل کا سارا بوجھ والد مرحوم کے سر آ گیا۔ ادھر راقم الحروف کو تین رفقاء کے ساتھ ۲۰، ۲۰ سال عمر قید کی سزا سنائی گئی اور ہم کو سنٹرل جیل لاہور بھیج دیا گیا۔ نیز پولیس نے مولانا مرحوم پر دفعہ ۱۸۲ کے ماتحت ایک مقدمہ دائر کر دیا تھا۔ اس ضعیف العمری میں پیہم ایسے حوادث کا نزول بظاہر نا قابل برداشت تھا لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو کچھ ایسا غیر معمولی حوصلہ عطا فرمایا تھا کہ آپ نے بڑی دلیری و استقلال سے ان حوادث کا مقابلہ کیا کبھی ہمت نہیں ہاری نہ رحمت خداوندی سے مایوس ہوئے۔ ہمارے مقدمہ کیلئے بھی تقریباً ہر پیشی پر تشریف لاتے رہے۔ بڑی کوشش سے مقدمہ لڑ کر اپنے مکانات و اسباب واپس لے لئے اور الٹا حکومت کے خلاف ڈگری کرائی اور خرچہ وصول کیا۔ دفعہ ۱۸۲ کے مقدمہ میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ نے برأت عطا فرمائی۔ سب سے زیادہ آپ کو مولوی منظور حسین صاحب مرحوم کی روپوشی کا فکر تھا لیکن بعد میں جب بسلامت یاغستان پہنچنے کی خبر آ گئی تو آپ کو اطمینان ہو گیا۔

(گزشتہ سے پیوستہ) ایک جماعت خدام الاسلام کے نام سے قائم کی جس میں داخل ہونے کے لئے شریعت کی پابندی اور جانبازی کی شرط ضروری تھی۔ آپ کے عزائم بہت بلند تھے۔ اس زمانہ میں کشمیر کو فتح کرنے کا ارادہ تھا۔ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب شہیدؒ سے خاص عقیدت تھی۔ آپ کی طرح اپنے جسم کو ہر قسم کی جفاکشی کیلئے تیار کرتے تھے۔ بڑے بڑے طویل سفر پیدل طے کرتے تھے۔ اور کچے چنے کھا کر گزارہ کر لیتے تھے۔ جذبہ جہاد کے ساتھ ساتھ آپ ذکر الٰہی میں اکثر مشغول رہتے تھے۔ آپ کی طبیعت میں سوز تھا اور حضور اکرم ﷺ سے خاص محبت تھی۔ ہر معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر خاص توکل رکھتے تھے۔ ظاہری اسباب پر کم نظر رکھتے تھے۔ شجاعت میں واقعی بے نظیر تھے۔ ۳۴ سال کی عمر میں شہید ہوئے۔ اور یہی ان کا مقصود اصلی تھا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

بھائی صاحب کا رفقاء سمیت شہید ہونا:

قضا الٰہی سب تدبیرات پر غالب آتی ہے۔ مولوی منظور حسین ایک سال یاغستان میں قیام کرنیکے بعد بعض عزائم کے پیش نظر اپنے دیگر چار رفقاء کی معیت میں وطن کی طرف واپس لوٹے۔ سرفروش غازیوں کی یہ قلیل جماعت رائفلوں سے مسلح تھی۔ وزیرستانی قبائل سے ہوتے ہوئے آپ نے بنوں کی سرحد کو عبور کیا اور موضع عباسیہ تحصیل لکی مروت کے قریب ایک جگہ آرام کیلئے ٹھہرے۔ ماسٹر عبدالعزیز صاحب اور ایک دوسرے رفیق کو قریب کی بستی سے کھانا لانے کیلئے بھیجا۔ پولیس کو خبر ہوگئی ان دونوں کو وہاں گرفتار کر لیا گیا اور سب انسپکٹر پولیس کی مسلح گارڈ اور ایک پبلک کی جمعیت ساتھ لیکر مولوی منظور حسین صاحب کے مقابلہ کیلئے نکلے۔ پہاڑ کا طویل سفر پیدل طے کرنے کی وجہ سے تھکان غالب تھی۔ گرمی کا موسم تھا آپ ایک درخت کی ٹھنڈی چھاؤں میں رفقاء سمیت [1] گہری نیند سو گئے تھے۔ پولیس نے ان کو بیدار ہونے کا موقع ہی نہ دیا اور بے خبری میں ان پر گولیوں کی بوچھاڑ کر دی اور یوں ان مجاہدوں کی سعید روحیں عالم بالا کو پرواز کر گئیں۔

---

[1] ماسٹر عبدالعزیز صاحب چکوال کے باشندہ تھے۔ میٹرک پاس کرنے کے بعد سکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ باہمت اور دلیر نوجوان تھے۔ مولوی منظور حسین صاحب کی رفاقت اور صحبت نے آپ کے اندر بھی جہاد فی سبیل اللہ کی روح پھونک دی اور ہمہ تن جہاد کی تیاریوں میں لگ گئے۔ چوہدری کھیم چند کے قتل میں شریک تھے۔ یاغستان میں مولوی منظور حسین صاحب کے ہمراہ رہے۔ گرفتاری کے بعد ماسٹر صاحب موصوف کو چکوال میں لایا گیا۔ اور ایس ڈی او مذکورہ کا مقدمہ چلایا گیا اس کے نتیجہ میں آپ کو سزائے موت کا حکم ہوا۔ لاہور سینٹرل جیل میں چند ماہ تک پھانسی کی کوٹھریوں میں رہے۔ شب و روز ذکر و شغل میں مصروف رہے۔ اب آپ کی دلی تمنا یہی تھی کہ زندہ دنیا میں واپس نہ جاؤں بلکہ اپنے رفقاء شہداء سے جا ملوں۔ پھانسی سے پہلے روز اپنے اقرباء سے بڑی بشاشت سے ملاقات کرتے رہے۔ ان کو صبر کی تلقین کی۔ صبح کو جب پھانسی کے لئے نکلے تو راستہ میں سورۃ یٰسین بلند آواز سے نہایت اطمینان سے تلاوت کرتے رہے اور نعرہ تکبیر بلند کر کے تختہ دار پر لٹک گئے۔

یہ غلامان محمد کی پرانی رسم ہے   کودتے ہیں آگ میں چڑھتے ہیں اکثر دار پر

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

لکی مروت کے مسلمانوں نے جب ان کی متشرع صورتیں دیکھیں اوران کے حالات سے آگاہی ہوئی تو بہت غمگین ہوئے کثیر تعداد میں لوگ شریک جنازہ ہوئے اور لکی مروت کے قبرستان میں آپ مدفون ہوئے۔ مولانا مرحوم کیلئے پہلے صدمات ہی کم نہ تھے پھر ایسے باکمال لخت جگر کا مع رفقاء کے اپنے وطن سے دور یوں مظلومیت کی حالت میں شہید ہونا ایک جانگداز حادثہ تھا لیکن آپ نے اس موقعہ پر جس غیر معمولی صبر وحوصلہ کا ثبوت دیا اس زمانہ میں اسکی نظیریں کم ملیں گی ہماری والدہ ماجدہ بھی ان پیہم صدمات میں اپنے عزیز کی شہادت کے بعد جلد ہی رحلت فرما گئیں لیکن جو صبر دکھایا وہ انہی کا حصہ تھا رحمہا اللہ تعالٰی، مولانا مرحوم فطری شاعر بھی تھے۔ اور پنجابی، اردو، فارسی اور عربی میں شعر کہنے پر قادر تھے۔ فی البدیہہ اشعار بھی کہے ہیں لیکن آپ نے شاعری کے فن میں انہاک نہیں کیا۔ حسب ضرورت شعر گوئی کرتے تھے۔ مشاعروں میں بھی شامل ہوتے رہے ہیں۔ اپنے فقید المثال فرزند کی شہادت وفراق سے متاثر ہو کر آپ نے جو اشعار لکھے ہیں وہ بہت دردانگیز ہیں۔

حضرت مولانا مدنیؒ سے بیعت

انسان روح وبدن دو چیزوں سے مرکب ہے۔ جسمانی امراض کے علاج کیلئے جس طرح طبیب کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح روحانی امراض کا کسی معالج روحانی سے علاج کرانا اشد ضروری ہے۔ اصلاح نفس اور تصفیہ قلب خود شرع میں مطلوب ہے۔ علوم واعمال شرعیہ کی طرح کیفیاتِ روحانی اور کمالات باطنی بھی مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں، جہاں کہیں بھی قرب ومعرفت الٰہی کی کوئی شعاع موجود ہے وہ سب رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات وانوار کا عکس ہے۔ تصوف کمال شرع ہی کا دوسرا نام ہے۔ طریقت خود شریعت کی جز ہے۔ شریعت اور طریقت کو آپس میں مخالف سمجھنا جاہلوں اور

بے دینوں کا کام ہے۔ بدوں اتباع شرع کے عنداللہ مقبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔

محال است سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز درپئے مصطفےٰ

ہاں حضرات اہل تحقیق کا اس امر پر اتفاق ہے کہ نسبت باطنی بغیر کسی شیخ کامل سے تعلق رکھنے کے حاصل نہیں ہوتی اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ مرشد کامل کی ہدایت کے مطابق سلوک الی اللہ کا پرازخطرات راستہ قطع کیا جائے۔

یار باید راہ راتنہا مرد   بے تلاؤز اندریں صحرا مرو
پیررا بگزیں کہ بے پیرایں سفر   ہست بس پر آفت و رنج وخطر
بے رفیقے ہر کہ شد درراہ   عشق عمر بگذشت ونشد آگاہ عشق

پیر کامل وہی ہے جو حدود شرع کا سخت پابند ہو اور قرب و ولایت محبت مشاہدہ باطنی کی دولت سے مالا مال ہو چکا ہو۔ جو درویش حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت و شریعت کے خلاف ہو پیر بنانے کے لائق نہیں اور شیخ کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس کی صحبت میں دنیا حقیر نظر آئے۔ مال و جاہ کی محبت اُٹھ جائے اور توجہ الی اللہ کا غلبہ نصیب ہو۔ اللھم ارزقناہ

مولانا مرحوم ابتدائی عمر میں کتب درسیہ سے فارغ ہو کر پنجاب کے ایک شیخ سے بیعت ہوئے تھے۔ لیکن تھوڑے عرصہ کے بعد وہ بزرگ انتقال فرما گئے۔ پھر آپ دوسرے مشاغل میں پڑ گئے۔ اور باقاعدہ سلوک الی اللہ کیلئے عملی قدم نہ اُٹھا سکے۔ اب زندگی کی آخری منزل میں جب مصائب کا ہجوم ہوا اور منزل آخرت قریب نظر آئی تو کسی مرشد کامل سے استفاضہ ضروری سمجھا۔ اکابر دیوبند سے عقیدت تو پیدا ہو چکی تھی اس غرض کیلئے جامع علوم و معارف قدوۃ الواصلین شیخ العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی خدمت اقدس میں بیعت کے لئے درخواست بھیجی۔ حضرت مدظلہ نے اپنے کرامت نامہ میں ارشاد فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں میں آپ کے لئے اور آپ کے عزیز کے لئے

حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں۔اس کے بعد جناب والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب سے بیعت کا تعلق اختیار کیا ہے حضرت مولانا مدنی صاحب سے غائبانہ مجھ کو فیض حاصل ہوتا ہے۔اس کے بعد جلد ہی مولانا انتقال فرما گئے۔

وفات:

مولانا مرحوم نے آنکھوں کا اپریشن کرایا جس سے بصارت حاصل ہوگئی اور عینک کے ذریعہ کتاب کا مطالعہ کر لیتے تھے۔اس کے بعد بندہ کی ملاقات کی غرض سے لاہور کا سفر اختیار کیا۔مولوی منظور حسین صاحب شہید مرحوم کی سوانح عمری کا مسودہ خوشنویس سے لکھوانے کے لئے راہ میں حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ میں قیام کرنا پڑا وہاں سے سنٹرل جیل لاہور میں احقر کی طرف خط لکھا کہ پرسوں تمہاری ملاقات کیلئے لاہور پہنچ سکوں گا۔لیکن حق تعالیٰ کے ہاں کچھ اور مقدر تھا۔۱۸ شعبان ۱۳۶۵ء مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۴۶ء کی رات کو مکان کی چھت پر آرام فرمایا اندھری رات تھی۔پیشاب کی حاجت ہوئی بستر سے اُٹھے تو غلطی سے گلی کی طرف چلے گئے آگے قدم رکھا تو گلی میں گر پڑے اور چند منٹوں کے بعد آپ کی روح قفس عنصری سے آزاد ہوگئی۔انا للہ وانا الیہ راجعون

ہر آنکہ زاد بنا چار بایدش نوشید
زِجام در مئے کل من علیہا فان

ہمارے بڑے بھائی صوبیدار محمد ضیاء الدین صاحب جو اس سفر میں جناب والد مرحوم کے ہمراہ ہی تھے۔بذریعہ لاری آپ کی نعش کو واپس گھر لے گئے اور مولانا مرحوم اس قطعہ زمین میں مدفون ہوئے جو آپ نے اپنی زندگی میں ہی قبرستان کے لئے وقف کر دیا تھا۔اللہ تعالیٰ ابوالفضل مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائیں۔واللہ ذوالفضل العظیم۔

اخیر میں یہ عرض کر دینا ضروری ہے کہ مولانا مرحوم نے زندگی کے بالکل آخری حصہ میں چونکہ دیوبندی مسلک کے ایک شیخ جلیل حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے عقیدت وارادت کا تعلق قائم کرلیا تھا اس لئے اگر آپ کو مزید زندگی ملتی تو سنت و بدعت کے متعلق حضرات

اکابر دیوبند کے نظریہ پر ہی عمل کرتے ۔ لہٰذا جن لوگوں کو مولانا مرحوم سے عقیدت کا تعلق ہے وہ ان کی پہلی زندگی کے اقوال وافعال کو پیش نظر رکھیں بلکہ زمانہ کی رسوم وبدعات سے ہٹ کر ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارک کی اتباع کریں کیونکہ سعادت دارین اسی سے وابستہ ہے۔ وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ

کتبہ عبدالضعیف مظہر حسین غفرلہ
ساکن بھیں۔ تحصیل چکوال ضلع جہلم
۲۲ صفر ۱۳۷۰ھ۔ مطابق ۳ دسمبر ۱۹۵۰ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آفتابِ ہدایت

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ الْمَلِكِ الْحَقِّ الْمُبِيْنِ رَبِّنَا وَرَبِّ الْاَرْضِ وَالسَّمَآءِ وَالصَّلٰوةُوَ السَّلَامُ عَلٰے سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍسَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ خَاتَمِ الْاَنْبِيَآ وَعَلٰى اٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ الطَّاهِرِيْنَ ذَوِي الْمَجْدِ وَالْعَلَا وَ اَصْحَابِهِ الْمَهْدِيِّيْنَ نُجُوْمِ الْحَقِّ وَ الْاِ هْتِدَاءِ .

اَمّا بعد! پس واضح رائے اولی الابصار ہو کہ ہر چند اقتضاء وقت یہی ہے کہ اسلام کے تمام فرقے متحد ہو کر مخالفین اسلام آریہ عیسائی وغیرہ کا مقابلہ کریں جو اس وقت دین حق اسلام پاک کے مٹانے کے درپے ہو کر ہر طرف سے پُر زور حملے کر رہے ہیں کہیں شدھی کی تحریک کی گرما گرمی ہے اور کہیں عیسائیت کے مناد لطائف الحیل سے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے اسلام کے بیرونی دشمنوں کے علاوہ اندرونی دشمن روافض و مرزائی وغیرہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے ان سے بڑھ کر جدوجہد کر رہے ہیں۔ اور فرقہ اہل السنۃ والجماعۃ کی خاموشی سے فائدہ اُٹھا کر تحریر کے ذریعہ مرزائیت، رفض وغیرہ کی وبا پھیلائی جارہی ہے۔ اور ڈر ہے کہ یہی رفتار رہی تو کسی وقت اسلام کا اصلی خوبصورت چہرہ بالکل مسخ ہو کر رفض و بدعت، مرزائیت، نیچریت، چکڑالویت وغیرہ کی منحوس شکل اختیار کر لے گا (خدا ایسا نہ کرے) اس لئے علماء اہل السنۃ والجماعت کا اولین فرض یہ ہے کہ ان اندرونی دشمنانِ دین کے شر کا انسداد کریں جو اسلام کے دعویدار ہو کر مسلمانوں کو جادۂ حق صراط مستقیم سے پھسلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

چونکہ میرے خیال میں سب سے زیادہ خطرناک فتنہ اس وقت رفض کا ہے جو فتنہ ارتداد سے بھی زیادہ خوفناک ہے اس لئے ہمیں اس کے انسداد کی طرف پہلے متوجہ ہونا چاہئے۔ بناء علیہ خاکسار متوکلا علی اللہ اس کام کو شروع کرتا ہے۔

خاکسار نے پہلے بھی متعدد مختصر رسالے اس بارے میں تصنیف کر کے شائع

کئے اور خدا کے فضل سے وہ مقبول ہوئے ہیں لیکن بعض خواص احباب کی جن میں سے ایک میرے مکرم دوست حاجی غلام یٰسین صاحب تلہ گنگی ہیں۔ دوم برخوردار مولوی محمد فیض الحسن صاحب مرحوم (مولوی فاضل) ابنِ اخی المرحوم مولانا مولوی محمد حسن صاحب فیضیؒ ہیں، مدت سے یہ فرمائش تھی کہ ایسی جامع کتاب اس موضوع میں تصنیف کی جائے جس کے ہوتے ہوئے دوسری کتابوں کے مطالعہ کی ضرورت باقی نہ رہے جو تردید عقائد شیعہ میں تصنیف ہوئی ہیں اور ایسا طریق اختیار کیا جائے کہ قرآن پاک سے استدلال کے علاوہ کتب مستند مسلمہ خصم کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے مسائل کی توضیح کر دی جائے تا کہ موافق و مخالف کو شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے۔ سو اسی التزام سے میں نے یہ کتاب لکھنی شروع کی ہے۔ میری کوشش یہ ہوگی کہ اپنے مدعا کو نصِ صریح آیات قرآن سے ثابت کروں گا۔ پھر خصم کی معتبر اور مسلمہ کتابوں کی عبارات بقید صفحہ درج کر کے استدلال کیا جائے گا اور کوئی عبارت جو اصل کتاب سے بچشم خود نہ دیکھ لوں ہرگز درج نہ کی جائے گی اور میری یہ کتاب اہل رفض کے عقائد و مسائل کی تردید کرے گی اور ہر طرح سے تہذیب و متانت کو ملحوظ رکھا جائے گا۔

رافضی کا لقب

میرے شیعہ بھائی بُرا نہ منائیں اگر ان کو رافضی کے لقب سے خطاب کیا جائے کیونکہ یہ مبارک لقب اُن کو بقول امام جعفر صادق بارگاہ ایزدی سے عطا ہوا ہے جیسا کہ فروع کافی کتاب الروضہ جلد ۳ ص ۱۶ میں قول امام ہمام درج ہے۔ لَا وَاللّٰہِ مَا ھُمْ سَمَّوْکُمْ بَلِ اللّٰہُ سَمَّاکُمْ (خدا کی قسم تمہارا یہ نام لوگوں نے نہیں رکھا بلکہ خدا نے تمہارا نام رافضی رکھا ہے) پھر ایسے مبارک لقب پر جو بارگاہ رب العزت سے عطا ہوا ہے اور حضرت امام والا مقام نے اس کی تصدیق فرمائی ہے ہمارے شیعہ حضرات کو فخر کرنا چاہئے۔ مبارک مبارک!۔

فِتنہ رفض

میرا یہ کہنا کہ فتنہ رفض فتنہ ارتداد سے بھی زیادہ خطرناک ہے سو ظاہر ہے کہ کافر یا

مرتد کی صحبت کا اثر ایک مسلمان کے دل پر اس وجہ سے نہیں پڑ سکتا کہ وہ ایک کھلا ہوا دشمن اسلام کا ہے جو کچھ بھی بکتا ہے مسلمان اس کو اس کی عداوت وعناد پر محمول کرے گا لیکن خارجی یا رافضی دعویدار اسلام ہوکر جو بات کہے گا ایک سادہ لوح اور بھولے بھالے مسلمان کا دل اس سے ضرور متاثر ہوگا جو کسی وقت اس کی گمراہی کا باعث ہوگا بلکہ میں تو کہوں گا کہ آریہ عیسائی وغیرہ مخالفین اسلام کو قرآن پاک اور احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کا مصالحہ ہی روافض کی تصانیف سے ملتا ہے۔ ورنہ آیات قرآن و حدیث رسول (جو عربی میں ہیں) کے مضامین سے ایک اُردو دان آریہ عیسائی کب واقف ہوسکتا ہے؟ علوم عربیہ سے نابلد ہونے کے باعث لوگوں کو آیات قرآن یا احادیث رسول ﷺ پہ نکتہ چینی کرنے کا حوصلہ ہی کس طرح ہوسکتا ہے۔

اِسلام کی تصویر اہل سنت کے نقطۂ خیال سے

سچ پوچھو تو اسلام کی اصلی پاک تصویر جو مذہب اہل السنّت والجماعت پیش کرتا ہے کسی دشمن دین کی کیا مجال کہ اس کے خدوخال اور حسن و جمال پر کوئی بدنما دھبہ لگا سکے۔ کیونکہ اہل السنّت کا مذہب یہ ہے کہ ہادیٔ اسلام رسولِ عربی فداہ ابی وامی نے پہلے اپنی واحد طاقت سے حسب فرمان ایزدی دنیا کے بڑے بڑے اصحاب جاہ وجلال اور باجبروت امراء وسلاطین کو چیلنج دے کر توحید الٰہی کی طرف بلایا۔ ان کے خانہ ساز خداؤں ٹھاکروں اور بتوں کی الوہیت کی دلائل قاہرہ سے تردید اور تذلیل کی اور لَآ اِلٰــہَ اِلَّا اللّٰــہ کی تیغ عریاں ہاتھ میں لے کر ھَل مِن مُبَارِز کی صدا بلند کی چونکہ خدائے جبار وقہار آپ کا حامی و مددگار تھا ان بڑے بڑے جبابرہ کو آپ سے مقابلہ کرنے کا حوصلہ نہ ہوسکا اور آپ کی وہ جادو بھری آواز (کلمہ توحید) دن بدن دلوں کو فتح کرتی گئی تا آنکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ، حیدر کرارؓ جیسے مبارک نفوس آپ کے حلقہ بگوش ہوگئے اور ان پاک نفوس نے داخل اسلام ہوتے ہی اپنی خداداد قوت وشجاعت اور جان و مال سے خدمات اسلام میں وہ حصہ لیا کہ تھوڑے زمانہ میں اسلام کو مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے

شمال تک پھیلا دیا اور مرتے دم تک اپنے آقا کا ایسا ساتھ نبایا کہ مخالف قومیں رشک کرتی ہیں۔ ان ہی پاک ہستیوں کے طفیل اقطاع الارض عرب و عجم میں اسلام کا نور ضیاء افگن ہوا۔ انہوں نے ہی ایرانیوں کے بُت کدے توڑے اور فارس کے آتش کدے سرد کئے۔ انہوں نے ہی قیصر و کسریٰ جیسے عظیم الشان سلاطین کا قلع قمع کر کے وہاں اسلام کی حکومت قائم کی۔ انہی کے طفیل خدائے قدوس کی وہ کتاب (قرآن کریم) جو نبی آخر الزمان ﷺ پر نازل ہوئی ہم تک بحالت مجموعی پہنچی۔ یہ خدا کے جری (پہلوان) اگرچہ بحکم اَشِـــدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ مخالفین اسلام پر نہایت چیرہ دست تھے مگر وہ بحکم رُحَمَاءُ بَيْنَهُم آپس میں ایک دوسرے پر بڑے مہربان اور باہم شیر و شکر تھے۔ رسول اکرمؐ کے زمانہ میں ان پاک ہستیوں نے اعلاء کلمۃ الحق میں اپنی جان و مال سے دریغ نہ کیا کفار مکہ کے ہاتھ سے سخت سے سخت اذیتیں اٹھائیں۔ گھر بار چھوڑا وطن سے بے وطن ہوئے لیکن اپنے پیارے رسول کا دامن نہ چھوڑا۔ ہادی اسلام رسول پاکؐ نے جس وقت دنیا سے رحلت فرمائی غازیانِ اسلام لاکھوں کی تعداد تک پہنچ چکے تھے۔ جن کے دلوں میں اسلام ایسا راسخ ہو چکا تھا کہ جان جاتی پر ایمان نہ جاتا۔ آپ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ نے جس صاحب کو حضور علیہ السلام کی جانشینی (خلافت) کے لئے انتخاب کیا۔ سب نے بلا چون چرا اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کے آگے سر جھکایا۔ حتیٰ کہ نوبت بہ نوبت حسب وعدہ الٰہی ان چاروں بزرگوں کو خلافت کا حصہ ملا ان کے زمانہ میں اسلام نے وہ ترقی اور عروج حاصل کیا کہ دیگر مذاہب ان کے مقابلہ میں ہیچ ہو گئے۔

اسلام کی تصویر جو رافضی پیش کرتا ہے

اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیں جو روافض پیش کرتے ہیں۔ ان کے مذہب میں ہادیٔ اسلام رسول عربی نے اپنی عمر بھر کے وعظ و تبلیغ سے سچے مسلمان فاطمہؓ، علیؓ، حسنینؓ اپنے کنبہ کے لوگوں کے علاوہ صرف چند کس ابوذرؓ سلیمانؓ پیدا کئے تھے جو آخر تک اسلام پر قائم رہے۔ باقی مسلمان سارے کے سارے برائے نام مسلمان ہوئے تھے جو رسول

عربی کی وفات کے بعد سب کے سب بغیر ان چند کس کے مرتد ● ہو گئے اور طرفہ یہ کہ رسول کو اپنی زندگی میں یہ خوب معلوم تھا کہ یہ لوگ منافق ہیں اور میری وفات کے بعد علانیہ طور پر میرے بھائی علیؓ اور ان کی اولاد کے دشمن بن جائیں گے ان کے حقوق چھین لیں گے' اور ان کو سخت تکالیف پہنچائیں گے ●۔ ان میں سے اصحاب ثلاثہؓ کا رسولؐ پر کچھ ایسا رعب پڑ گیا تھا کہ ڈر کے مارے اُن کو جرأت نہ پڑتی تھی کہ ان کو اپنے دربار سے نکال دیں بلکہ بقول روافض خدا نے جبریلؑ کے ذریعہ کئی دفعہ ●

---

❶ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۱۵ میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ کَانَ النَّاسُ اَهْلَ رِدَّةٍ بَعْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ اِلَّا ثَلَاثَةٌ قَالَ مِقْدَادُ بْنُ الْاَسْوَدِ وَاَبُوْذَرِ الْغِفَارِیُّ وَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَیْهِمْ وَبَرَکَاتُهٗ (ترجمہ) امام باقر فرماتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے بعد سب مرتد ہو گئے۔ صرف تین حسب ذیل مسلمان رہ گئے۔ مقداد۔ ابوذر۔ سلمان فارسی۔

❷ جلاء العیون اردو جلد ا ص ۵۸ میں ہے۔ پس فرمایا علی تم کیا کرو گے۔ اگر یہ گروہ میرے بعد تم پر امیر ہوں اور تم پر سبقت کریں اور ابوبکر تم کو بیعت کے لئے بلائے اور جب تم انکار کرو تو تمہارا گریبان پکڑ لیں اور اندوہ ناک و مہموم بے یار و یاور تم کو ابوبکر کے پاس لئے جائیں اور بعد ازاں میری جگر گوشہ فاطمہؓ کو رنجیدہ کریں۔ پس جناب امیر نے فرمایا۔ یا حضرت اگر یاور نہ ملیں گے۔ تو صبر کروں گا لیکن ان سے بیعت نہ کروں گا۔ مگر جب یاور ملیں گے ان سے قتال کروں گا۔

❸ حیات القلوب جلد ۲ ص ۵۱۶ میں ہے بس برپا اے محمد علی را علی درمیان مخلوق و بر گیر برایشاں بیعت را و تازہ گرواں عہد و پیانے را کہ پیشتر از ایشاں گرفتہ بودم بدرستی کہ من ترا قبض مے کنم سوئے خود تر بجوار رحمت خردے طلبم۔ پس حضرت رسول ترسید از قوم کہ مباو اہل شقاق و نفاق پراگندہ شوند۔ و بجاہلیت و کفر خود برگروند زیرا کہ حضرت مے دانست کہ عداوت ایشاں با علیؓ بن ابی طالب درچہ مرتبہ است وکنیہ او در سینہ ایشاں جا کردہ است پس سوال کرد جبرئیل کہ از خداوند عالمیاں سوال نماید کہ اورا از کید منافقاں حفظ کند و انتظار مے برد کہ جبرئیل از جانب خداوند عالیاں خبر محافظت او و راہ شر منافقاں بیاورد پس تبلیغ رسالت را تا خیر نمود۔ تا مسجد خیف پس در مسجد خیف جبرائیل بر آنحضرت نازل شد امر کردہ آنحضرت را کہ عہدہ (باقی اگلے صفحہ پر)

پیغام بھیجا کہ علی کی ولائیت و خلافت کا اعلان کر دیں مگر رسول کو ایسا کرنے کی جرأت نہ

(گزشتہ سے پیوستہ) ولائت بالیشان برساند او را قائم مقام خود گرداند و وعدہ محافظت از اشرا عادی را برائے آں چہ حضرت طلب نمودہ بود نیاورد پس باز جبریل نازل شد و در امر ولایت تاکید نمود و آئت عصمت را بیار و پس حضرت فرمود کہ اے جبریل من از قوم خود مے ترسم کہ مرا تکذیب نمایند و قول مرا در حق علی قبول نکنند پس از آنجا باز گرد پس چوں نہد بغدیر خم رسید کہ بقدر سہ میل بیش از جحفہ است جبریل نزد آنحضرت ﷺ آمد در وقتیکہ پنج ساعت از روز گذشتہ بود۔ تانہایت زجر و تہدید و مبالغہ نمود۔ باضامن شدن عصمت از شرا عادی پس گفت یا محمد خداوند عزیز و جلیل ترا اسلام مے رساند و مے گوید کہ اے پیغمبر بزرگوار تبلیغ کن آنچہ سوئے تو فرستادہ شدہ است در باب علیؓ و اگر نکنی نہ رسانیدہ خواہی بود، ہیچ یک از رسالت الٰہی را خدا ترا نگہدار از شتر مردم و اول قافلہ نزدیک جحفہ رسیدہ بود پس جبرئیل آنحضرت را امر کرد، الخ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ رسول کو علیؓ کی ولایت کے اعلان کرنے کا صریح حکم پہنچا۔ پس آپ اس کے اظہار کے لیے مارے ڈر کے لیت ولعل کرتے رہے اور جبرئیل کا رسول اور خدا کے درمیان آمد و رفت کا ایک مدت تک تانتا بندھا رہا، حتیٰ کہ دربار الٰہی سے زجر و توبیخ ہوئی اور خدا نے شر دشمناں سے محافظت کا ذمہ بھی اٹھایا۔ تب بمشکل تمام غدیر خم میں لوگوں کو جمع کر کے حضرت نے من کنت مولاہ الخ کے گول مول الفاظ فرمائے۔ ناظرین خود بھی خیال فرمائیں کہ ایسے عقیدہ سے رسول پاک کی شان تبلیغ رسالت کی کس طرح توہین ہوتی ہے۔ (استغفر اللہ)

❶ جلاء العیون جلد اص میں ہے۔ پس وہ اشتیائے امت گلوئے مبارک جناب امیر میں رسیاں ڈال کر مسجد میں لے گئے اور بروایت دیگر جب دروازہ پر پہنچے اور جناب فاطمہ مانع ہوئیں۔ اس وقت قنقد نے اور بروایت دیگر عمرؓ نے تازیانہ بازوئے جناب فاطمہ پر مارا کہ بازو جناب فاطمہ کا شکستہ ہو گیا اور سوج گیا۔ مگر پھر بھی جناب فاطمہ نے جناب امیر سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ اور ان اشقیاء کو گھر میں آنے سے منع کیا۔ یہاں تک کہ دروازہ شکم جناب فاطمہ پر گرا دیا اور پسلیوں کو شکستہ کیا اور اس فرزند کو جو شکم جناب فاطمہ ؓ کے تھا اور حضرت نے اس کا نام محسن رکھا تھا۔ شہید کیا (نعوذ باللہ) اصحاب رسول ﷺ کو بدنام کرنے کے لیے روافض نے بے اصل روایات گھڑ کر اسد اللہ الغالب اور جناب سیدہ کی توہین کا کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا۔ کیا عقل مان سکتی ہے کہ جناب سیدہ کی ایسی بے حرمتی ہو رہی ہو اور شیر خدا خاموش بیٹھے رہیں، پھر آپ کے گلے میں رسی ڈال کر اور گھسیٹ کر مسجد تک لے جائیں اور شیر خدا جنبش نہ کریں۔ ایں خیال است و محال است وجنوں

ہوتی تھی۔ حتیٰ کہ خدا نے ڈانٹ پلا کر کہا یَا اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ (اے نبیؐ ہم نے جو ولائیت علی کی نسبت آپ کے پاس وحی بھیجی ہے وہ ظاہر کر دیجئے۔ ایسا نہ کیا تو تم نے حقِ رسالت ادا نہیں کیا) اس پر بھی آنحضرت ﷺ کو علانیہ طور پر ولایت علی اور اپنے بعد اُن کی جانشینی کے متعلق صاف اعلان کر دینے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ کچھ ایسے گول مول الفاظ کہے جن سے مدعا حاصل نہ ہو سکتا تھا وہ یہ تھے۔ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ۔ ترجمہ: (جس کا میں دوست علی بھی اس کا دوست ہوگا اے خدا علی کے دوست کو دوست رکھ اور اس کے دشمن کو دشمن) اس سے تو یہی ظاہر ہوا کہ علیؓ سے دوستی رکھنا چاہیے، دشمنی نہیں کرنی چاہیے۔ یہاں ولائیت یا خلافت کی طرف تو مطلقاً اشارہ بھی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بقول روافض بوقت وفات حضور علیہ السلام نے قلم دوات طلب فرمائی تا کہ علیؓ کی خلافت کے متعلق کچھ وصیت کریں مگر وہ وقت بھی عمرؓ نے حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ کہہ کر ٹال دیا۔ عمرؓ تو دشمن ہی تھے اہل بیت جن میں علی المرتضیٰؓ بھی تھے، یہ حوصلہ نہ کر سکے کہ کہیں سے قلم دوات لا کر اپنے حق میں وصیت لکھوا لیتے اور یوں پیغمبر خدا نے آیت بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ضروری حکم وصیت خلافت علی رضی اللہ عنہ عمر رضی اللہ عنہ کے خوف سے چھپا دیا۔

حضور علیہ السلام تو فوت ہو گئے علیؓ کے ساتھ سوائے معدودے چند مقدادؓ ابوذرؓ سلمانؓ وغیرہ کے کوئی تھا ہی نہیں تمام مسلمانوں نے اتفاق کر کے ابوبکرؓ کو تخت خلافت پر بٹھا ہی دیا۔ علی المرتضیٰؓ گوشہ نشین ہو کر قرآن جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ خالدؓ بن ولید اور عمرؓ نے دروازہ آ کھٹکھٹایا شیر خدا خود تو دروازہ تک نہ آئے خاتون جنت کو بھیجا اُنہوں نے عمر رضی اللہ عنہ کو ڈانٹ پلائی کہ ہمیں کیوں چھیڑتے ہو؟ عمرؓ نے غضب ناک ہو کر ان پر دروازہ گرا دیا۔ یا بقول روافض (نعوذ باللہ) خاتون جنت کے بطن مبارک پر لات مار کر حمل گرا دیا۔ (محسن کو شہید کر دیا) علی المرتضیٰؓ پرلے درجہ کے بہادر اور جری تھے۔ آپ کی شجاعت کا کیا کہنا۔ ساتوں آسمان ایک انگلی پر رکھ کر اُٹھا لینا ان کی بہادری کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔ آپ کی ذوالفقار بھی غضب ڈھاتی تھی۔ عمرو مرحب جیسے کوہ پیکر پہلوان کافر کو ایک

اشارہ سے دو ٹکڑے کر دیا۔ شیر خدا نے خیبر کا دروازہ ایک ہاتھ سے توڑ کر کہیں کا کہیں پھینک دیا مگر بایں ہمہ اپنی زوجہ محترمہ کی یوں بے عزتی دیکھ کر نہ ذوالفقار نیام سے نکالی نہ اپنی خداداد شجاعت کے کچھ جوہر دکھلائے۔ الٹا عمرؓ اور خالدؓ نے شیر خدا کی گردن میں (معاذ اللہ) رسی ڈال لی اور گھسیٹتے ہوئے ابوبکر کے پاس لے گئے اور بزور بیعت کرائی پھر ایام خلافت ابوبکرؓ میں شیر خدا تقیہ سے کام لیتے رہے ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں اور ہر ایک کام میں اُن کے مشیر کار بنے رہے۔ ایسا ہی ایامِ خلافت عمرؓ و عثمانؓ میں اندر سے دشمن لیکن مصلحتاً بظاہر دوست بنے رہے اور اس طرح خلقِ خدا گمراہ ہوتی رہی۔ آخر شہادت عثمانؓ کے بعد آپ کو منصب خلافت نصیب ہوا لیکن ثلاثہؓ کا خوف دل پر کچھ ایسا غالب تھا کہ ان کے انتقال کے بعد بھی اِن کی مخالفت کا حوصلہ نہ ہو سکا۔ نہ فدک ورثاءِ فاطمہ کو واپس دے سکے نہ متعہ جیسے کارِ ثواب کی ترویج کر سکے۔ نہ بدعت عمر تراویح کو موقوف فرما سکے۔ غرض منحوس تقیہ آپ کے لئے ایسی بلائے بے درمان تھی کہ جس نے مرتے دم تک پیچھا نہ چھوڑا۔ اور طرفہ یہ کہ خدا کے کلام پاک قرآن کریم کو بھی ثلاثہؓ نے بگاڑ کر کچھ کا کچھ کر دیا۔ سورتوں کی سورتیں اور آیتوں کی آیتیں نکال ڈالیں۔ سترہ ہزار آیات کا قرآن جبریلؑ رسول پاک ﷺ کے پاس لایا تھا۔ ثلاثہ نے صرف ۶۶۶۶ آیات رہنے دیں باقی سب نکال دیں۔ اصلی قرآن حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا جو ثلاثہ کو پیش کیا اُنہوں نے قبول نہ کیا۔ تو قسم اُٹھائی کہ اب اس قرآن کو ظہور مہدی سے پہلے کوئی دیکھ نہ سکے گا۔ یہ مسئلہ بالتفصیل آگے درج ہوگا۔

اب جائے غور ہے کہ یہ اسلام جو اہل السنّت پیش کرتے ہیں اس کے متعلق کسی مخالف کو کسی قسم کا طعن کرنے کا کوئی موقعہ مل سکتا ہے (ہرگز نہیں) لیکن اسلام کا جو نقشہ روافض کھینچ کر دکھاتے ہیں یہ مخالفین کے اعتراضات سے ہرگز بچ نہیں سکتا۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ ہمارے رسول پاک نبی آخر الزمانؑ نے اپنی پاک تعلیم سے جو شاگرد (اصحاب) پیدا کئے وہ ایسے کامل مکمل تھے کہ کسی قسم کی ترغیب و ترہیب ان کے راسخ عقیدہ اسلام سے ان کو متزلزل نہ کر سکتی تھی۔ اپنی جانیں اپنے مال وہ اپنے آقا رسول پاکؐ پر قربان کر چکے

تھے۔ ہر مشکل وقت میں اپنے پیارے رسولؐ کا ساتھ دیا۔ وطن مالوف کو خیر باد کہا۔ خویش و اقارب کو چھوڑ کر نبی اکرمؐ (فداہ ابی وامی) کے ہمراہ ہجرت اختیار کی۔ جان جوکھوں کے وقت صدیق اکبرؓ نے خدا کے حبیب حضرت رسول پاکؐ کو اپنے کندھے پر اُٹھا کر میلوں کا سفر قطع کر کے غار ثور میں پہنچایا۔ اپنی جان معرض خطر میں ڈالی۔ غار کے اندر جا کر پہلے سارے سوراخ بند کئے پھر رسول پاک کو اندر داخل ہونے دیا تاکہ حضورؐ گزند مور و مار سے محفوظ رہیں حضور علیہ السلام کا سر اپنی گود میں رکھ کر سُلا دیا اور خود پاسبانی کرتا رہا۔ عاشق نبیؐ (صدیق اکبرؓ) کو جبکہ اس نے ایک سوراخ میں اپنے پاؤں کی ایڑی رکھی ہوئی تھی سانپ نے ڈسا آنکھوں سے شدت درد سے آنسو تو گرے لیکن منہ سے فریاد نہ نکلی تاکہ پیارے رسول کی نیند میں خلل نہ پڑے (یہ واقعات حملہ حیدری وغیرہ کتب معتبرہ شیعہ میں مذکور ہیں جن کو ہم اپنے کسی موقع پر نقل کریں گے) حضورؐ کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ آپؐ کے یاران غار نے بعد وفات رسول بھی خدمت اسلام میں اپنی جانیں وقف کر دیں اور انہی کی برکت سے اسلام دُنیا میں پھیلا اور خدا کا پاک صحیفہ (قرآن کریم) جیسا کہ نازل ہوا تھا ان ہی کی طفیل اب تک ہم میں موجود و محفوظ ہے۔ اس کے مقابلے میں حضرت عیسیٰ کے شاگردوں (حواریوں) کی طرف دیکھا جائے تو پتہ ملتا ہے کہ اس مشکل وقت میں جو یہودیوں کی شرارت سے مسیح کی جان پر آبنی تھی کسی شاگرد نے ساتھ نہ دیا بلکہ یہودہ نے تیس روپے لے کر ان کو گرفتار کرا دیا۔ (متی باب ۲۶ درس ۱۵) شمعون پترس نے تین مرتبہ تعلق سے انکار کیا اور قسمیں کھائی ہیں اور لعنت بھی بھیجی (متی باب ۲۶ درس ۶۹ لغایت ۷۴) ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم نے جب ان کو جہاد کے لئے بلایا گیا تو صاف کہہ دیا کہ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ (یعنی تم اور تمہارا رب مل کر دشمن کا مقابلہ کرو ہم تو الگ بیٹھ کر تماشا دیکھیں گے) لیکن روافض کا اسلام وہ ہے کہ جو لوگ ہادی اسلام سے خاص الخاص تعلق رکھتے تھے جن کی تعلیم پر آپ نے سارا زور خرچ کیا اور ان کو عمر بھر اپنی صحبت سے مستفید فرمایا اور سفر و حضر میں وہ آپ کے رفیق شام و صباح اور ہمدم رہے اپنی بیٹیاں ان کو نکاح کر دیں۔ اُن کی اپنی

زوجیت میں لے لیں۔ ان کا اسلام ہی منافقانہ تھا وہ زبانی مسلمان تھے اور دل میں رسولؐ اور اس کی اولاد کے دشمن تھے۔ ہادیٔ اسلام کے رخصت ہونے (فوت ہونے) کی دیر تھی کہ سارا نقشہ ہی بدل گیا نہ مسلمان رہے نہ مسلمانی۔ صرف تین یا چار اشخاص اسلام پر ثابت قدم رہے باقی سب مرتد ہو گئے۔ (العیاذ باللہ) اب بتایئے کہ ایک مخالفِ اسلام کے دل میں اسلام اور ہادیٔ اسلام کی کیا وقعت رہ جائے گی؟ اور مسلمان صداقتِ اسلام کے لئے کونسی دلیل پیش کر سکے گا۔ علاوہ ازیں شیعہ قرآن کے بھی قائل نہیں ہیں۔

شیعہ قرآن کو نہیں مانتے

اسلام کا مایہ ناز، اسلام کا زندہ معجزہ، خدائے پاک کا مقدس صحیفہ قرآن کریم ہے جس کے متعلق غیر اقوام کو بھی اس امر کا قائل ہونا پڑا ہے کہ یہ ایک کامل مکمل کتاب ہے۔ جس کا ایک کلمہ، ایک حرف، ایک نقطہ تک بھی تبدیل نہیں ہوا ہے نہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ایک عیسائی مصنف سر ولیم میور سابق لیفٹیننٹ گورنر صوبہ متحدہ لائف آف محمد میں رقمطراز ہے۔ ”یہ واضح اور کامل قرآن ہے اور اس میں ایک لفظ بھی تحریف نہیں ہوا“ ہم ایک بڑی مضبوط بنا پر دعویٰ کر سکتے ہیں کہ قرآن کی ایک ایک آیت خالص اور غیر متغیر صورت میں ہے اور آخر کار ہم اپنی بحث کو ولیم صاحب کے فیصلہ پر ختم کرتے ہیں۔ وہ فیصلہ یہ ہے کہ ”ہمارے پاس جو قرآن ہے ہم کامل طور پر اس پر ہر لفظ محمدؐ کا سمجھتے ہیں جیسا کہ مسلمان اس کے ہر لفظ کو خدا کا لفظ خیال کرتے ہیں۔“

لیکن افسوس ہے کہ شیعہ باوجود مدعی اسلام ہونے کے صرف اس خیال سے کہ قرآن پاک کی تدوین و ترتیب خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ نے کی ہے اس کو قرآن نہیں مانتے بلکہ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا اور اصحاب ثلاثہؓ کو پیش کیا تھا انہوں نے اس کو قبول نہ کیا تو حضرت علیؓ نے اس کو ایسا غائب کیا کہ قیامت سے پہلے اس کا نکلنا محال ہے چنانچہ شیعہ کی بڑی مستند کتاب اصول کافی مطبوعہ نولکشور ۱۳۰۲ھ ص ۳۹ میں یوں لکھا ہے:

عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا جَعْفَرٍ يَقُوْلُ مَا ادَّعٰى اَحَدٌ مِنَ النَّاسِ اِنَّهٗ جَمَعَ الْقُرْآنَ كُلَّهٗ كَمَا اُنْزِلَ اِلَّا كَذَّابٌ وَمَا جَمَعَهٗ وَمَا حَفِظَهٗ كَمَا نَزَّلَهُ اللّٰهُ اِلَّا عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَالْاَئِمَّةُ مِنْ بَعْدِهٖ .

(ترجمہ) جابر کہتا ہے میں نے امام محمد باقر سے سنا اور وہ کہتے تھے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ اس نے سارے قرآن کو جیسا کہ نازل ہوا ہے جمع کر لیا ہے۔ وہ بڑا جھوٹا ہے۔ قرآن کو جیسا کہ خدا نے نازل کیا بغیر علیؓ اور آئمہ بعد کے کسی نے جمع نہیں کیا۔"

نتیجہ صاف ہے کہ چونکہ قرآن موجودہ باتفاق فریقین جمع کردہ علی نہیں ہے بلکہ جمع کردہ عثمانؓ ہے اس لئے اس کو مکمل قرآن کہنے والے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ)۔

اور سنیئے۔ شیعہ کی دوسری مستند کتاب جلاء العیون اردو مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ کے ص ۲۱۷ میں یوں درج ہے کہ ابو بکرؓ نے جناب امیر کو اپنی بیعت کے لئے بلایا۔ جناب امیر (علیؓ) نے فرمایا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کر لوں گھر سے باہر نہ آؤں اور چادر دوش پر نہ ڈالوں۔ بعد چند روز کلام اللہ ناطق یعنی جناب امیرؓ نے قرآن کو جمع فرمایا اور جزدان میں رکھ کر سربمہر کر دیا اور مسجد میں تشریف لا کر مجمع مہاجرین و انصار میں ندا فرمائی کہ اے گروہ مردماں جب میں دفن پیغمبر آخر الزمانؐ سے فارغ ہوا بحکم آنحضرت قرآن جمع کرنے میں مشغول ہوا اور جمیع آیات و سورہائے قرآنی کو میں نے جمع کیا ہے اور کوئی آیت آسمان سے نازل نہیں ہوئی جو حضرت نے مجھے نہ سنائی ہو اور اس کی تاویل مجھے نہ تعلیم کی ہو چونکہ اس قرآن مجید میں چند آیات کفر و نفاق منافقان قوم و نص خلافت جناب امیرؓ پر صریح تھے۔ اس وجہ سے عمرؓ نے اس قرآن کو قبول نہ کیا۔ پس جناب امیر خشمناک اپنے حجرہ طاہرہ کی طرف تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اس قرآن کو تم لوگ تا ظہور قائم آل محمد (امام مہدی) نہ دیکھو گے۔

اس عبارت سے بوضاحت ثابت ہو گیا کہ حسب اعتقاد شیعہ اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علیؓ نے جمع کر کے اصحاب کو پیش کیا۔ انہوں نے منظور نہ کیا تو آپ خفا ہو کر اپنے

حجرہ میں چلے گئے اور کہا کہ اب اس قرآن کو تم لوگ امام مہدی کے ظہور سے پہلے ہرگز نہ دیکھو گے۔

اسی طرح اصول کافی ص ۱۷۴ حدیث بروایت امام صادق اسی مضمون کی درج ہے جس میں لکھا ہے۔ فَقَالَ وَاللّٰہِ مَا تَرَوْنَہٗ بَعْدَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا اَبَدًا (حضرت علیؓ نے کہا۔ خدا کی قسم اس قرآن کو آج کے بعد تم کبھی نہ دیکھو گے) اور لیجئے اصول کافی ص ۶۷۱ میں ہے:۔

عَنْ ھِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ الْقُرْآنَ الَّذِیْ جَآءَ بِہٖ جِبْرِیْلُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہِ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ سَبْعَۃُ عَشَرَ اَلْفَ اٰیَۃٍ۔

(ہشام ابن سالم نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا کہ جو قرآن جبرائیل رسول پاکؐ کے پاس لے کر آئے وہ سترہ ہزار آیت کا ہے۔)

اس حدیث نے تو شیعہ کے مزعومہ قرآن کی آئتیں بھی گن دیں اور صاف بتا دیا کہ جو اصلی قرآن جبرائیل نے نبی کریم کو پہنچایا تھا وہ ۱۷ ہزار آیات کا قرآن ہے۔ چونکہ موجود قرآن ۱۷ ہزار آیات کا نہیں بلکہ ۶۶۶۶ آیتوں کا ہے اس لئے یہ مکمل قرآن نہیں ہو سکتا اب کہا جائے گا کہ یہ اعتقاد متقدمین شیعہ کا ہوگا آج کل کے شیعہ اسی قرآن کو مکمل اور صحیح سمجھتے ہیں۔ سو یہ خیال بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص شیعہ ہو کر امام جعفرؒ کی اس حدیث کو جھٹلا سکے۔ نیز قول امیر مندرجہ جلاء العیون کی تکذیب کر سکے۔ اس میں کلام نہیں کہ آج کل کے شیعہ بھی اس قرآن کو صحیح نہیں مانتے اور ان کا اعتقاد بھی اسی فرضی قرآن پر ہے جو بخیال ان کے حضرت علیؓ نے جمع کیا تھا اور اب اس کو امام منتظر مہدی علیہ السلام بغل میں دبائے کہیں غار میں چھپے ہوئے ہیں لیکن اس امر کے ثبوت کے لئے کہ زمانہ حال کے شیعہ بھی اس قرآن کو نہیں مانتے تحریری ثبوت پیش کیا جاتا ہے تاکہ مخالف کو چون و چرا کی گنجائش باقی نہ رہے۔

لوسنو! آج کل شیعہ حضرات کے بڑے مجتہد و مسلم پیشوا جناب مولوی سید علی الحائری لاہوری ہیں۔ ان کے نفس ناطقہ مرزا احمد علی امرتسری نے ایک رسالہ اردو موسومہ ''الانصاف فی الاستخلاف'' تصنیف کر کے شائع کیا ہے۔ اس کے ٹائیٹل کے دوسرے صفحہ پر مولوی حائری نے تقریظ لکھی ہے جس میں مصنف رسالہ کی تعریف اور رسالہ کی تصدیق وتوثیق کر کے آخر میں اپنی مہر ثبت کر دی ہے۔ اس رسالہ کے صفحہ ۴۵ میں مرزا موصوف نے قرآن موجودہ کے متعلق اپنا عقیدہ صاف الفاظ میں لکھ دیا ہے۔ کہ قرآن موجودہ غلط اور ناقص غیر صحیح الترتیب ہے اور کہ اس طرح کا قرآن (معاذ اللہ) مرزا احمد علی بھی بنا سکتا ہے عبارت یوں ہے۔

''حضرت عثمانؓ کا قرآن کی نقلوں کو پھیلانا مُسَلَّم لیکن یہی ترتیب قرآن ان کی غفلت از اسلام کو طشت از بام کرتی ہے۔ اگر وہ حضرت علیؑ کے جمع شدہ قرآن کو رائج کرتے تو ان پر کوئی الزام عائد نہ ہوتا۔ ہم نمونہ کے طور پر اس ترتیب کی چند غلطیوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ باتفاق اہل اسلام سورہ اقراء سب سے اول نازل ہوئی لیکن قرآن مترتب میں اس کو اخیر پارہ میں جگہ دی گئی ہے اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ اخیر میں نازل ہوئی ہے لیکن اس کو بیچ میں جگہ ملی ہے دیکھیے اس آیت کو چھٹے پارہ سورۂ مائدہ میں یوں درج کیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَاذَكَّيْتُمْ وَمَاذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ.

(پارہ سورۃ مائدہ رکوع ٦)

ترجمہ:۔ حرام کیے گئے تم پر مردار خون گوشت، سور اور جو بانگ دیا جائے واسطے غیر خدا کے ساتھ اس کے اور جو گلا گھونٹ کر مرا ہو یا مار سے مرا ہو اور جو بلندی سے گر کر مرا ہو۔ اور ضرب شاخ سے مرا ہو اور جس کو کھایا ہو درندوں نے مگر جس کو تم نے ذبح کیا اور جو ذبح کیا جائے اُوپر بتوں کے، اور یہ کہ طلب قسمت کرو ساتھ تیروں کے، یہ فسق ہے۔ آج کافر تمہارے دین سے ناامید ہو گئے پس ان سے نہ ڈرو۔ اور مجھ سے ہی ڈرو آج کے دن میں نے تمہارے دین کو کامل کر دیا اور تمام کر دی تم پر نعمت اپنی اور راضی ہوا تمہارے لئے اسلام دین سے بس جو مضطر ہو جائے بھوک میں لیکن اس گناہ کے اعادہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ہر ایک عاقل بصیر پر ادنی تدبر سے واضح ہوگا کہ ان دونوں اَلیَوم کو اصل آیت سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ محرمات کے حرام ہو جانے سے کافر نا امید نہیں ہو جاتے۔ اور نہ اس سے کمال دین ہوتا ہے اور اگر اسی سے تمام دین ہوا تو چاہئے تھا کہ اس کے بعد کوئی اور حکم نازل نہ ہوتا حالانکہ بالاتفاق ثابت ہے کہ اس کے بعد بہت سے حکم نازل ہوئے۔ پھر یہ حکم مکمل دین کیسے ہو سکتا ہے اور دیکھئے پارہ ۴ سورۃ نساء میں ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰی وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً .

یعنی اگر تم ڈرو کہ یتامیٰ میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح کرو جو پاک ہیں تمہارے لئے، عورتوں سے دو تین اور چار۔ پس اگر ڈرو کہ عدل نہ کرو گے تو ایک ہی۔

فرمایئے کہ خوف عدمِ انصاف یتامیٰ کی تعداد ازواج سے کیا تعلق؟ اگر قسط یتامیٰ تین چار عورات کو نکاح میں لانے سے ہی قائم ہوتا ہے؟ تو اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَۃً کی قید بے فائدہ۔ یہ تو نمونہ مشتے از خروارے ترتیب کی فروگزاشتیں ہیں اب اعراب کی سن لیجئے۔ اِنَّ ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ یعنی بہ تحقیق یہ راستہ ہے اوپر میرے سیدھا۔ مہربانی کر کے اس عَلَیَّ کو ذرا سمجھا دیجئے خدا کے اوپر کونسی راہ سیدھی ہے یہ علی یا فوق کے معنی رکھتا

ہے۔لیکن خدا سے کوئی فائق نہیں ہے۔اور یا نقصان کے معنی جیسے عَلَیْکُمْ مَّا حملتم لیکن خدا کے لئے کوئی نقصان نہیں۔ پھر یہ عَلَیَّ ہے کیا چیز؟ اور لیجئے اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ موجودہ صرف ونحو کے لحاظ سے غلط ہے آپ کے مسیح نے حقیقۃ الوحی ص ۲۰۴ میں لکھا ہے کہ خدا کسی محاورہ کا پابند نہیں۔ یہ پرانا متروک محاوہ ہے لیکن اس پر یہ سوال ہے کہ قرآن مِن حیثِ فصاحت معجزہ ہے۔اگر متروک محاروں کو بھی معجزہ کہا جائے تو بس خیر پھر تو میں بھی ایک ایسی کتاب لکھ سکتا ہوں جو پُرانے محاورات کو شامل ہو اور وہ معجزہ ہوگا۔ پس حضور یہی آپ کے حضرت عثمان کی کاروائی ہے۔اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ میں ذِکرُ سے رسولؑ مراد ہیں۔ (دیکھو ص ۹۷ تفسیر نورالدین صاحب)

اِس عبارت سے حسب ذیل باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔اول یہ کہ حضرت علیؓ کا جمع کردہ قرآن اصلی تھا۔جس کو رائج نہیں کیا گیا۔اور موجودہ قرآن کی ترتیب مسلمانوں کی ہدایت کا باعث نہیں بلکہ اس سے غفلت از اسلام کا راز فاش ہوتا ہے۔دوم مرزا احمد علی اس قرآن کو سراسر غلط سمجھتا ہے۔چنانچہ نمونہ کے طور پر پہلے اس کی ترتیب کی غلطیاں ظاہر کرتا ہے ایک غلطی یہ کہ سورۃ اقرا پہلے نازل ہوئی تھی۔قرآن موجودہ میں آخری پارہ میں درج ہے۔دوسری یہ کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ اخیر میں نازل ہوئی اس کو چھٹے پارہ میں لکھا گیا ہے۔ تیسری آیت فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی کے ساتھ فَانْکِحُوْا مَاطَابَ لَکُمْ بے معنی ہے۔

اس کے بعد مرزا موجودہ قرآن کی صرف ونحو کی غلطیاں بیان کرتا ہے۔پہلی یہ کہ آیت اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ ،دوسری آیت اِنْ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ بھی قاعدہ نحو کی رو سے غلط ہے۔اِنَّ هٰذَیْنِ چاہئیے تھا سوم یہ قرآن جس کی نسبت مشہور ہے کہ من حیث فصاحت معجزہ ہے یہ درست نہیں ہے۔ بلکہ اس میں متروک محاورے پائے جاتے ہیں اور اس قسم کا قرآن مرزا احمد علی جیسا کلرک بھی بنا سکتا ہے (لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ) اب مسلمان غور کریں کہ آج تک کسی بھی مسلمان نے یہ جرأت کی کہ قرآن کو غلط کہے اور یہ دعا کرے کہ ایسا قرآن وہ بھی بنا سکتا ہے کاش! اسلامی سلطنت ہوتی تو احمد علی

جیسے مسلمان کا وہی حشر ہوتا جو نعمت اللہ کا افغانستان میں ہوا لیکن یہاں آزادی کا دور ہے
جو جی چاہئے کہہ لو ۔

کس نمی پرسد کہ بھیا کون ہو
سیر ہو یا پاؤ ہو یا پَون ہو

ہاں ایک دن مرنا ہوگا پھر معلوم ہو جائے گا کہ تم نے خدا کی پاک کتاب سے کیا سلوک کیا؟ یہ نہ خیال کیا جائے کہ مرزا اپنے ذاتی خیالات کا اظہار کر رہا ہے بلکہ وہ تمام شیعیان ہند و پاک کے خیالات کی ترجمانی کر رہا ہے۔ جس کی تصدیق و توثیق شیعوں کے قبلہ و کعبہ سرکار حائری نے بھی کر دی ہے۔ بلاشبہ شیعہ کا ایمان اس قرآن پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے اگر کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس قرآن کو مانتے ہیں تو یہ ان کا تقیہ ہے۔ اب ہم احمد علی کے اعتراضات کا، جو اس نے قرآن پر کئے ہیں مختصر جواب تحریر کرتے ہیں۔

اِعتراضاتِ مرزا کا جواب

قرآن کریم پر معترض ہونا احمد علی بے چارہ کی کیا بساط ہے۔ قرآن اسوقت نازل ہوا جب عرب میں دریائے فصاحت بہہ رہا تھا۔ سینکڑوں فصحا و بلغاء اپنے بے مثال قصائد پر ناز کر رہے تھے، لیکن قرآن کریم کی فصاحت کے سامنے سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ قرآن نے ﴿ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ ﴾ کا چیلنج دیا کسی کو سورت تو کیا ایک آیت بنانے کی بھی جرأت نہ ہوئی۔ تعجب ہے کہ عجمی جاہل جس کی علمیت و قابلیت کی یہ حالت ہے کہ مباحثہ گندیاں میں بجائے اِلَّا تَنْصُرُوْهُ، اَلَّا تَنْصُرُوْهُ پڑھا تھا، قرآن پر اعتراض کرنے لگے اور کہتے ہیں ایسا قرآن میں بھی بنا سکتا ہوں، سو واضح ہو کہ خود احمد علی ان اعتراضات کا موجد نہیں ہے بلکہ ایک زندیق کا فضلہ خور ہے جس کا ذکر شیعوں کی مستند کتاب طبرسی مطبوعہ ایران ص ۱۱۹ الغایت ص ۱۳۲ میں ہے کہ اس نے یہ اعتراضات حضرت علیؓ کے سامنے پیش کئے اور آپ سے کوئی جواب نہ بن آیا کہ قرآن میں تحریف ہو جانے کی وجہ سے ایسا ہے۔

(۱) یہ اعتراض کہ "سورۃ اِقرأ" پہلے نازل ہوئی اور اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ اخیر میں، کہ "اِقرأ" کو آخری پارہ اور اَلْیَوْمَ کو پارہ نمبر ۶ میں جگہ ملی۔ سو واضح ہو کہ شیعہ معترض کو اب تک بھی علم نہیں ہے کہ ترتیب قرآن مطابق تنزیل نہیں بلکہ موافق تلاوت رسول خدا اور تعلیم جبرائیل ہے۔ جیسا کہ اتقان میں ہے۔ علامہ کرمانی برہان میں لکھتے ہیں [تَرْتِیْبُ السُّوَرِ هٰکَذَا هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ فِی اللَّوْحِ الْمَحْفُوْظِ عَلٰی هٰذَا التَّرْتِیْبِ وَ عَلَیْهِ یَعْرِضُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جِبْرَائِیْلَ کُلَّ سَنَةٍ مَا کَانَ یَجْتَمِعُ عِنْدَهٗ مِنْهُ وَ عَرَضَ عَلَیْهِ فِی السَّنَةِ الَّتِیْ تُوُفِّیَ فِیْهَا مَرَّتَیْن] سورتوں کی ترتیب وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک لوح محفوظ میں ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی ترتیب کے ساتھ جبرائیل کو سنایا کرتے تھے اور جس سال کہ آپ کا انتقال ہوا، دوبارہ سنایا۔

دوسری جگہ میں لکھا ہے، امام ابوبکر بن انباری فرماتے ہیں:

اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی الْقُرْآنَ کُلَّهٗ اِلَی الدُّنْیَا ثُمَّ فَرَّقَهٗ فِیْ بِضْعٍ وَ عِشْرِیْنَ سَنَةً وَ کَانَتِ السُّوْرَةُ تَتَنَزَّلُ لِاَمْرٍ یَحْدِثُ وَ الْاٰیَةُ جَوَابًا لِمُسْتَفْسِرٍ وَ یُوْقِفُ جِبْرَائِیْلُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلٰی مَوْضِعِ الْاٰیَةِ وَالسُّوْرَةِ فَاتِّسَاقُ السُّوَرِ کَاتِّسَاقِ الْاٰیَاتِ وَ الْحُرُوْفِ کُلُّهٗ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَمَنْ قَدَّمَ سُوْرَةً اَوْ اَخَّرَهَا فَقَدْ اَفْسَدَ نَظْمَ الْقُرْآنِ]

(اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن آسمان دنیا کی طرف ایک بار نازل کر دیا تھا۔ پھر اس کو دنیا میں حضرت پر تیئیس برس میں تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا۔ جب کوئی بات پیدا ہوتی اس کے لئے اسمیں سے اسی قدر کوئی سورۃ یا آیت نازل ہو جاتی تھی اور جبرائیل آپ کو اس کا موقع بتلا دیا کرتے تھے۔ پس سورتوں کا باہمی ایسا ہی اتصال ہے جیسا کہ آیات وحروف کا۔ اور سب آنحضرت ﷺ کی طرف سے ہے۔ پھر جو کوئی سورۃ مقدم یا مؤخر کرتا ہے وہ نظمِ قرآن میں خلل ڈالتا ہے)

مفسرین کے اس بیان کی تصدیق قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے جیسا کہ آیت ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ﴾ جب جبرائیل کوئی آیت نازل کرتے تو حضور علیہ السلام اس کو جلدی جلدی پڑھتے تا کہ ٹھیک یاد ہو جائے۔ اور بھول چوک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، آپ جلدی مت کریں قرآن کی جمع و ترتیب ہمارے ذمہ ہے۔ سو جب ایزدِ متعال نے جمع و ترتیب اپنے ذمہ لے لی پھر کوئی شخص اس جمع و ترتیب کے خلاف تغیر و تبدل کس طرح کر سکتا ہے؟ اور یہ بھی ممکن نہیں کہ تئیس سال متواتر تنزیل قرآن ہوتی رہی ہو اور آنحضرتؐ نے اس کی جمع و ترتیب کا کوئی اہتمام نہ کیا ہو۔ بیشک سور و آیات قرآن کی ترتیب عہد نبوی میں ہو چکی تھی اور بہت سے لوگوں نے قرآن کو حفظ بھی کر لیا تھا اور اسی ترتیب کے مطابق حضرت عثمانؓ نے قرآن کریم کی کتابت کرا کر قرآن پاک کی اشاعت کر دی۔ پھر احمد علی کا اعتراض اول خدا تعالیٰ پر ہے، پھر رسول پاکؐ، پھر جبرائیل پر ہے، نہ کہ حضرت عثمان پر۔ کاش

گر مسلمانی ہمیں است کہ مرزا دارد
حیف کز پس امروز بود فردائے

(۲) دوسرا اعتراض آیت قرآن وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً کے متعلق ہے۔ یہ اعتراض معترض کی بے علمی کی وجہ سے ہے۔ اس کا شان نزول جیسا کہ صحیح بخاری میں یوں ہے:۔

کہ بعض لوگ چھوٹی یتیم لڑکیوں سے جو ان کی ولایت میں ہوتی تھیں ان کے مال کے لالچ سے نکاح کر لیتے تھے اور چونکہ یتیم لڑکی کا اور کوئی سرپرست نہ ہوتا تھا، یہ لوگ بے انصافی سے ان کا مہر کم مقرر کرتے اور ان کے مال کو دبا لیتے اور حسن سلوک نہ کرتے تھے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ یتامیٰ (صغیرہ لڑکیوں) سے منصفانہ برتاؤ نہیں کر سکتے تو ان سے نکاح مت کرو بلکہ ان کے علاوہ دوسری اجنبی عورتوں میں سے دو تین چار سے نکاح کر سکتے ہو اور ان میں بھی بے انصافی کا ڈر ہو تو صرف ایک

سے نکاح کر لینا کافی ہے۔ بتلایئے اب کون سا اشکال باقی رہ جاتا ہے۔ آیت کا مضمون بالکل صاف ہے۔ البتہ

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا ست

(۳) اِنَّ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ کے متعلق کہتا ہے "عَلَيَّ" یا فوق کے لئے آتا ہے یا نقصان کے معنی دیتا ہے۔ یہ دونوں یہاں درست نہیں، اس لئے کہ آیت میں "عَلَيَّ" صحیح نہیں ہے، سو اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ بیچارے علوم صرف ونحو سے بالکل ہی نابلد ہوتے ہیں ورنہ ایسے اعتراضات نہ کریں۔ جناب من! کتب نحو میں مذکور ہے کہ بعض جگہ "عَلَيَّ" بمعنی اِلیٰ بھی ہوتا ہے۔ اکثر مفسرین نے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ تفسیر خازن میں ہے قَالَ الْحَسَنُ مَعْنَاهُ هٰذَا صِرَاطٌ اِلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ اور تفسیر حسینی میں ہے۔ گویند علیٰ بمعنیٰ اِلیٰ است یعنی اخلاص راہ راست بسوئے من۔

سو اس کے معنی یہ ہے کہ یہ راستہ سیدھا میری طرف ہے۔ اس میں کون سی غلطی ہے؟ یہ "عَلَيَّ" کی جگہ علیٰ صحیح سمجھ کر اس کو بھی علیؓ کی فضیلت کا ثبوت قرار دیتے ہیں حالانکہ "صِرَاطٌ عَلَيَّ" کو علیؓ کا راستہ قرار دینا کمال حماقت ہے قرآن میں صراط کی اضافت یا تو حق تعالیٰ کی طرف ہے جیسا اِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْماً ہے، یا عام مقربین حق کی طرف جیسا صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سارا قرآن مطالعہ کرو اس کے خلاف کسی ایک شخص نبی یا ولی کی طرف ہرگز اضافت نہیں ہے۔ "صِرَاطٌ عَلَيَّ" علی کا راستہ کیا مسلمانوں کے راستہ سے الگ تھا کہ ان کی طرف خصوصیت سے اضافت کی جاتی؟ سوچو اور غور کرو نیز قرآن کی ایک اور آیت ہے وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ یعنی سیدھا راستہ خدا کی طرف ہے۔ (پ۱۴ سورۃ النحل ع۱) یہاں تو "عَلٰي" کا معنی اِلیٰ کے سوا اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ کیا شیعہ صاحبان یہاں بھی کہیں گے کہ "عَلِيُّ اللّٰه" ہے یعنی علی خدا ہے:

بریں فہم وادراک باید گریست

(۴) چوتھا اعتراض اِنَّ هٰذَانِ لَسَاحِرَانِ پر ہے معترض کا اعتراض یہ ہے کہ "اِنَّ" کا اسم منصوب ہوتا ہے "اِنَّ هٰذَيْنِ" چاہئے۔ سو اس اعتراض سے تو شیعہ حضرات کی علمیت کا

سارا پردہ فاش کر دیا ہے۔شیعہ اس اعتراض اور ہیچوقسم کے دیگر اعتراض کو ایسا لاینحل کہتے ہیں کہ اس کا جواب باب العلم حضرت علیؓ سے بھی معاذ اللہ نہ بن سکا۔ ہر ایک شخص جس نے نحو کی ادنیٰ کتاب عبدالرسول وغیرہ ہی پڑھی ہو جانتا ہے کہ " اِنْ مُخَفَّفَہٌ "اکثر اوقات ملغیٰ (بے عمل) ہو جاتا ہے اور اس صورت میں خبر پر لام آیا کرتا ہے۔نحو کی مستند کتاب شرح ملا جامی بحث حروف مشبہ بالفعل (ص ۲۶۹) میں ہے:

وَ تُخَفَّفُ اِنَّ الْمَكْسُوْرَةُ لِثِقْلِ التَّشْدِيْدِ و كَثْرَةِ الاستعْمَال فَيَلْزَمُهَا بَعْدَ التَّخْفِيفِ اللاّمُ فَحِينَئِذٍ يَجُوْزُ الْغَاءُ هَا اَى ابْطَالُ عَمَلِهَا وَ هُوَ الْغَالِبُ لِفَوَاتِ بَعْضِ وُجُوْہِ مُشَابِهَتِهَا مَعَ الْفِعْلِ كَفَتْحِ الْاٰ خِرِوَ كَوْنِهَا عَلٰى ثَلَاثَةِ اَحْرُفٍ .

(اِنَّ مکسورہ مخفف (اِن) بھی ہو جاتا ہے کیونکہ تشدید میں ثقالت ہے اور یہ کثیر الاستعمال ہے اس وقت لام ضروری ہوتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ مشابہت فعل کی بعض وجوہ مثلاً مفتوح الآخر ہونا یا تین حروف کا ہونا معدوم ہو جاتی ہیں)۔

چونکہ آیت میں اِنْ مخفف ہے اس لئے قاعدہ نحو کی رو سے اس کا ابطال عمل جائز بلکہ اغلب ہونے کی وجہ سے ھٰذٰ اِن کو اس نے عمل نہیں دیا۔افسوس اس مسئلہ سے ایک ادنیٰ طالب علم بھی واقف ہو سکتا ہے لیکن شیعہ کے علامہ حائری اور ان کے یلمعی اور عوئی کو یہ مسئلہ معلوم نہیں ہے۔شرح جامی تو ان کی بلا جانے مگر یہ مسئلہ تو مأۃ عامل۔عبدالرسول میں بھی درج ہے۔اس علمی بضاعت پر جرأت یہ کہ قرآن پاک کتاب اللہ پر اعتراض کرنے لگے ہیں۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا.

ایک اور ثبوت

اس امر کا مزید ثبوت کہ شیعہ کے نزدیک اصلی قرآن وہ ہے جو حضرت علیؓ نے جمع کیا۔اصول کافی ص ۱۷۶ میں ہے۔

[عَنْ سَالِمِ ابنِ سَلَمۃَ قَالَ قَرَءَ رَجُلٌ عَلیٰ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلامَ وَاَنَا اَسْتَمِعُ حُرُوفاً مِنَ الْقُرآنِ لَیْسَ عَلیٰ مَا یَقْرَءُ ھَا النَّاسُ فَقَالَ اَبُو عَبْدِ اللہ عَلَیْہِ السَّلامُ کُفَّ عَنْ ھٰذِہِ الْقِراءَۃِ اِقْرَأ کَمَا یَقْرَءُ النَّاسُ حَتّٰی یَقُوْمَ الْقَائِمُ فَاذَ اقَامَ الْقَائِمُ قَرَءَ کِتَابَ اللّٰہ عَزَّ وَ جَلَّ عَلیٰ حَدِّہٖ اَخْرَجَ الْمصحَف الَّذِیْ کَتَبَہٗ عَلِیٌّ عَلَیْہِ السَّلامُ وَقَالَ اَخْرَجَہٗ عَلِیٌّ علیہ السَّلام النَّاسِ حِیْنَ فَرَغَ مِنْہُ وَکَتَبَہٗ فَقَالَ لَھُمْ ھٰذا کِتَابُ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ کَمَا اَنْزَلَہٗ اللّٰہُ عَلیٰ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَدْ جَمَعْتُہٗ مِنَ اللَّوحَیْنِ فَقَالُوْ ھُوَذَا عِنْدَنَا مُصحَفٌ جَامِعٌ فِیْہِ الْقُرْآنُ الا حَاجَۃ لَنَا فِیْہِ فَقَالَ اَما و اللّٰہِ مَاتَرَونَہٗ بَعْدَ یَوْمِکُمْ ھٰذَ اَبَداً اِنَّمَا کَانَ عَلَیّ اَنْ اُخبرَ کُمْ حِیْنَ جَمَعْتُہٗ لِتَقرَءُوْہٗ]

سالم بن سلمہ راوی ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادقؒ کے پاس قرآن پڑھا، اس قرآن کے ایسے حروف میں نے سنے جو اِس قرآن میں نہیں ہیں جو لوگ پڑھا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے اسے کہا ابھی اس قرآن کا پڑھنا بند رکھو بلکہ یہی پڑھا کرو جو لوگ پڑھتے ہیں جب تک امام مہدی علیہ السلام کا ظہور نہ ہو۔ جب وہ تشریف لائیں گے وہ دوسرا قرآن پڑھیں گے۔

امام جعفرؒ نے حضرت علیؓ کا لکھا ہوا قرآن نکالا اور فرمایا .... یہ ہے وہ قرآن جو خدا نے رسول اللہؐ پر نازل کیا، میں نے اس کو ہر دو لوح سے جمع کر لیا ہے۔ لوگوں نے کہا، ہمارے پاس قرآن جامع موجود ہے، تمہارے قرآن کی ہمیں ضرورت نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا! بخدا تم اس قرآن کو آج کے بعد کبھی بھی نہ دیکھ سکوں گے، مجھے لازم تھا کہ تمہیں اپنے جمع کردہ قرآن سے آگاہ کردوں تا کہ تم اُسے پڑھو۔

اب اس حدیث سے بوضاحت ثابت ہو گیا کہ شیعوں کا قرآن (جمع کردہ

علیؓ) کہیں موجود ہے جو کسی نے امام جعفر صادق کے پاس پڑھ بھی دیا تھا۔ سننے والے نے معلوم کیا کہ اس قرآن کے حروف اس قرآن سے نہیں ملتے۔ پھر امام علیہ السلام نے اسے مطلقاً روک دیا کہ ابھی اس کو ظاہر نہ کرو، یہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ہاں بطور خزانہ مخفیہ رہے گا جب وہ تشریف ساتھ لائیں گے۔ امام جعفر صادق نے یہ بھی فرمادیا کہ حضرت علیؓ نے قرآن جمع کر کے لوگوں کے پیش کیا تھا، اُنہوں نے کہا ہمارے پاس کامل مکمل قرآن موجود ہے، ہمیں تمہارے قرآن کی ضرورت نہیں ہے، پس امیر علیہ السلام اتنی بات سے خفا ہو گئے اور فرمانے لگے آج کے بعد اِس قرآن کو تم لوگ کبھی بھی نہ دیکھ سکو گے۔

آج کل شیعہ مولوی بھی ابھی قرآن کے قائل ہیں۔ چنانچہ رسالہ نافع صفحہ نمبر ۲۱ مصنفہ مولوی محسن علی شاہ صاحب سبزواری جس کو جعفریہ ایسوی ایشن پنجاب لاہور نے شائع کیا ہے اس کے صفحہ ۴۴ پر لکھا ہے کہ امیر المومنین نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اِس وقت شیعہ سُنی دونوں کے پاس نہیں ہے۔ مگر ہے ضرور کہیں ہو۔ آخر کچھ لوگوں نے اس کو دیکھا ہے۔''

ہم حضرات شیعہ سے پوچھتے ہیں کہ جس قرآن کے آپ لوگ قائل ہیں وہ تو امام غائب کے ساتھ کہیں غائب ہے۔ موجودہ قرآن بقول آپ کے ناقص اور غلط ہے تو فرمایئے آپ کے ہاتھ میں خدا کی کتاب ہدایت کونسی موجود ہے؟ جس کی وجہ سے آپ مومن ہو سکتے ہیں۔ سُنیوں کے ہاتھ میں ایک قرآن موجود تو ہے (نامکمل سہی) مگر جب ساڑھے تیرہ سو سال ہو چکے ہیں ابھی تم لوگوں نے اپنا مکمل قرآن خواب میں بھی نہیں دیکھا تو اِس قرآن کا وجود و عدم تو تمہارے لیے یکساں ہے۔ تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ کب امام غائب آئیں قرآن لا کر تمہیں دکھائیں اس تمام عرصہ میں تو تم گمراہ ہی رہے۔ جو مر گئے ان کے لئے اُن کی آمد کا کیا فائدہ؟

جب مر چکے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر

امام مہدی علیہ السلام کب آئیں گے؟

اس میں شک نہیں کہ ہم لوگ بھی حضرت امام مہدی علیہ السلام کی آمد کے منتظر اور ان کی زیارت کے مشتاق ہیں، مگر نہ اس خیال سے کہ وہ آ کر ہمیں اصلی قرآن دکھائیں گے۔ قرآن تو ہمارے پاس موجود ہے جس کو پڑھ کر ہم اپنا ایمان تازہ کرتے ہیں البتہ شیعہ کو آپ کی آمد کی اس لئے سخت ضرورت ہے کہ ان کا قرآن انھوں نے چھپا رکھا ہے، آئیں تو شیعہ بے چارے بھی قرآن کی شکل دیکھیں گے لیکن امام مہدی علیہ السلام بقول شخصے

؎ کچھ ایسے سوئے ہیں سونے والے کہ جاگنے کی انہیں قسم ہے
کہیں ایسے غائب ہوئے ہیں کہ ظاہر ہونے کی صورت نظر نہیں آتی۔

امام غائب کی آمد کے متعلق شیعہ کے عجیب و غریب خیال ہیں جن کے سمجھنے سے ہماری عقل قاصر ہے۔ اصول کافی ص ۲۳۲ میں ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ تَبَارَکَ وَ تَعَالٰی قَدْ كَانَ وَقَّتَ هٰذَا الْاَمْرَ فِي السَّبْعِيْنَ فَلَمَّا قُتِلَ الْحُسَيْنُ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰهِ عَلٰی اَهْلِ الْاَرْضِ فَاَخَّرَهٗ اِلٰی اَرْبَعِيْنَ وَمِائَةٍ فَحَدَّثْنَاكُمْ فَاَذَعْتُمُ الْحَدِيْثَ فَكَشَفْتُمْ قِنَاعَ السِّتْرِ وَلَمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ بَعْدَ ذٰلِكَ وَقْتًا عِنْدَنَا وَيَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ.

(خدا نے اس کام (ظہور مہدی کا وقت) ۷۰ ہجری مقرر کیا تھا مگر جب امام حسین علیہ السلام شہید کئے گئے تو اللہ تعالیٰ اہل زمین پر غضب ناک ہو گیا اور اس لئے اس کام کو ۱۴۰ ہجری تک پیچھے ہٹا دیا ہم نے تم سے بیان کر دیا اور تم نے بات مشہور کر دی اور پردہ فاش کر دیا۔ خدا نے اس کے بعد اس کا کوئی وقت ہم کو نہیں بتایا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ حدیث امام جعفر صادق نے بیان کی۔ انہوں نے کہا ہاں ایسا ہی ہوا)۔

اس حدیث سے پتہ ملتا ہے کہ قاتل امام حسین علیہ السلام شیعہ تھے تب ہی تو

امام مہدی علیہ السلام کی آمد رک گئی، پہلے ۶۰ ھ آمد کا وقت تھا، شیعہ کے اس ظلم کی سزا ان کو یہ ملی کہ امام علیہ السلام جن کے پاس شیعہ کا قرآن تھا ایک سو سال اور رک گئے پھر کہیں آئمہ اہل بیت نے یہ خبر اپنے حاشیہ نشینوں کو بتا دی خدا کا غصہ اور تیز ہو گیا۔ امام علیہ السلام کی آمد کی میعاد ایسی لمبی ہو گئی کہ پھر آئمہ اہل بیت علیہم السلام کو بھی اس کی اطلاع نہ دی گئی۔

غصہ کا نتیجہ

شیعہ کی شامت سے پہلے حضرت امیر علیہ السلام کو صرف اس تھوڑی سی بات پر غصہ آ گیا کہ لوگوں نے کہہ دیا، ہمیں آپ کے قرآن کی حاجت نہیں ہے، چاہیے تو یہ تھا کہ غصہ میں آ کر اس قرآن کی ایسی اشاعت کی جاتی کہ دوسرے قرآن (سنیوں کے قرآن) کی وقعت ہی نہ رہتی، لیکن غصہ کا نتیجہ اُلٹا یہ ہوا کہ بیگانے تو بیگانے اپنے شیعہ سے بھی قرآن چھپا دیا گیا۔ جس کا کہیں پتہ ہی نہیں چلتا کہ اس کو کہیں غار میں پڑے ہوئے دیمک نہ کھا گئی ہو؟ پھر خدا کو غصہ آیا تو امام غائب علیہ السلام کے ظہور میں اس قدر توقف ڈال دیا کہ ۷۰ ھ تو کجا اب ۱۳۴۳ ھ ہو گیا ہے، ابھی تک امام والا مقام کی آمد کا پتہ تک نہیں ہے۔ امام تو آنے سے رہے کہیں قرآن ہی بھیج دیتے تب بھی شیعہ کی سرخروئی ہو جاتی مگر ایسا بھی نہ ہوا۔ بہر حال بقول شخصے

ہر بلائے کز آسماں خیزد
خانہ انوری تلاش کند

غصہ کا جب کبھی نتیجہ ہوتا ہے شیعہ ہی کے خلاف نکلتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ ساری باتیں من گھڑت اور یار لوگوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ اگر حضرت علیؓ نے کوئی علیحدہ قرآن جمع کیا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اس کو چھپا رکھتے۔ خدا کے پاک بندے ایسے کوہِ وقار ہوتے ہیں کہ ان کو کسی ایسی ویسی بات پر غصہ نہیں آ جایا کرتا اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ غصہ میں آ کر خدا کی کتاب (قرآن) کو جو محض ہدایت خلق کے لئے

ہو اتنی تکلیف برداشت کر کے کئی روز کا چلہ کاٹ کر تیار کریں اور پھر اس کو کسی ایک شخص کے کہہ دینے سے، کہ اس کی ہمیں حاجت نہیں ہے ہمیشہ کے لئے چھپا دیں۔

ایں خیال است ومحال است وجنوں

خدا کا غصہ

حضرت علیؓ تو آخر بشر تھے مان بھی لیا جائے کہ اُنہوں نے غصہ میں آ کر قرآن کو کہیں گم کر دیا ہو لیکن یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ کو غصہ قاتلانِ حسینؓ پر ہو اور اس کا نزلہ حضرت امام منتظر پر گرے کہ وہ اس کی سزا میں دائم الحبس کر دیئے جائیں اور اس کے ساتھ ہی قرآن دُنیا سے نابود کر دیا جائے، یہ سب کچھ خرافات ہیں جو یار لوگوں نے افتراء کیئے ہوئے ہیں۔ قرآن یہی ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہی قرآن حضرت علیؓ پڑھتے تھے اور یہی قرآن آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے وردِ زبان تھا اور یہی ہمیشہ رہے گا امام مہدی علیہ السلام آئیں گے تو اسی قرآن کی اشاعت فرمائیں گے۔

حائری کا خیال

یہ تو متقدمین شیعہ کا وقتِ ظہور امام علیہ السلام کی نسبت خیال ہے، حال کے شیعہ کے مقتداء و پیشوا علامہ حائری کا اس بیان میں خیال نہایت ہی حیرت انگیز ہے، چنانچہ غایۃ المقصود مصنّفہ علامہ حائری مطبوعہ اسلامیہ گیس پرنٹنگ لاہور ۱۳۲۱ھ ص ۲۱۲ میں ہے۔

> ’’اما وجہ عدم ظہور امام مہدی علیہ السلام دریں زمان آنست کہ آنحضرتؑ ہم مثل آباء طاہرین علم النساب میدانند۔ ازاں معلوم است آنحضرت علیہ السلام را کہ ہنوز لکھا کفار چنیں موجود اند کہ در پشت آنہا نطفہائے مومنین است امانت و ودیعت موجود اند اگر ظاہر شدہ اینہا کفار اقتل نکند بلکہ سکوت اختیار نماید۔ دریں صورت تخلف وعدۂ مذکور خدا ثابت می شود۔‘‘

ترجمہ: امام مہدی علیہ السلام کے نہ ظاہر ہونے کی صورت میں اس وقت یہ

وجہ ہے کہ آپ اپنے آباء کرام کی طرح علم انساب سے واقف ہیں اوران کو خوب معلوم ہے کہ ابھی لکھوکھہا کفار ایسے موجود ہیں جن کی پُشت میں مومنین کے نطفے امانت ہیں۔ اگر ظاہر ہو کر آپ ان کفار کو قتل نہ کریں بلکہ خاموشی اختیار کریں تو خدائی وعدہ میں تخلف ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام مہدی علیہ السلام اس وقت تک تشریف نہیں لا سکتے جب تک دنیا میں مخلوق خدا باقی ہے، کیونکہ مخلوق میں مومن و کافر دونوں موجود رہتے ہیں اور شیعہ کے نزدیک تو مومن صرف شیعہ ہیں باقی سُنی مسلمان بھی گردن زدنی ہیں۔ اس لئے امام علیہ السلام کا ظہور ناممکن ہے۔ اس سے آگے علامہ حائری صاحب اسی صفحہ پر یوں رقمطراز ہیں

''دیگر آنکہ سلاطین جبار وقہار کہ آباء طاہرین وے را از علی گرفتہ تا امام حسن عسکری علیہم السلام کسے را بزہر و کسے را بہ تیغ کشند و حال آنکہ امامت آنہا خارج سلطنت آنہا نبود۔ لیکن ہرگاہ یکے رامی کشند امام و حجت دیگر موجود بود کہ بجائے وے می نشست بخلاف زمانہ مہدی علیہ السلام از آنجناب کہ بسیار پُر حذر خواہند بود۔ زیرکہ ہمہ آنہارا یقین خواہد شد کہ زوالِ سلطنت جمیع سلاطینِ دنیا از دست وے خواہد شد کے ممکن است کہ در وقت سطوت اختیار کردن آں جناب را زندہ بگذارند لطف آنکہ بعد از آنحضرت امام و حجت دیگرے نیست کہ بجائے دے قرار گیرد و آں مخالف حدیث وَلَا یَخْلُو الْاَرْضُ مِنْ حُجَّةِ اللّٰهِ اِمَّا ظَاهِرٌ وَ مَكْشُوْفٌ او خائفٌ اَوْ مَسْتُوْرٌ می باشد این برہان واجب شد کہ آں جناب از انظار مخفی باشد۔ باوجود آنحضرت ہر وقت منتظر این است کہ ظہور فرماید۔''

ترجمہ:۔ ''دوسری وجہ یہ ہے کہ گزشتہ سلاطین نے جو ان کے آباؤ اجداد کو حضرت علیؓ سے لے کر امام عسکری تک کسی کو زہر سے اور کسی کو تلوار سے شہید کیا، حالانکہ ان کی امامت ان سلاطین کی حکومت کی مانع نہ تھی لیکن جب ایک قتل کرتے دوسرا امام موجود ہوتا جو اس کا جانشین ہو جاتا۔ برخلاف اس کے امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ زیادہ خطرناک ہوگا، دنیا بھر کی حکومتوں کا ان کی

آمد سے خاتمہ ہو جائے گا پھر کیسے ممکن ہے کہ امام علیہ السلام کی خاموشی پر ان کو زندہ رہنے دیں۔ لطف یہ کہ آپ کے بعد کوئی دوسرا امام ایسا نہیں ہے جو ان کی جگہ سنبھالے حالانکہ بروئے حدیث زمین پر ایک امام کو ضرور رہنا چاہئے، خواہ وہ ظاہر ہو یا چھپا ہوا ہو اس لئے آنجناب کو نظروں سے غائب ہی رہنا چاہئے۔ گو آپ ہر وقت اس انتظار میں ہیں کہ ظہور فرمائیں۔''

اس دوسری وجہ نے بالکل مطلع صاف کر دیا کہ چونکہ آپ کے بعد کسی امام نے ہونا نہیں اور آپ کے ظہور سے باقی سلطنتوں کا زوال متصور ہے اس لئے سلاطین دُنیا ان کی جان لینے کے درپے ہو جائیں گے اور خاموش رہنے پر ان کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس لئے آپ کا نہ ظاہر ہونا اور محجوب رہنا ہی مناسب ہے تاکہ زمین امام سے خالی نہ رہے۔

اہل بصیرت غور کر سکتے ہیں کہ روئے زمین پر اگر امام کا وجود اس لئے ہے کہ باعث ہدایت خلق ہو تو یہ بات تب ہی ہو سکتی ہے کہ امام ظاہر ہو کر اشاعت دین کرے ورنہ ایسے چھپے رستم سے اسلام اور مسلمانوں کو کیا فائدہ؟ اگر امام علیہ السلام اسی دل و گردہ کے انسان ہیں کہ ان کو اس بات کا ڈر ہے کہ کہیں منہ سے نقاب اُٹھائیں تو قتل نہ ہو جائیں تو ایسے حضرت دُنیا میں ظاہر ہو کر کیا کچھ کریں گے۔ اس سے تو ان کا عدم ظہور ہی اچھا ہے کہ پردہ ڈھکا رہے۔

افسوس کہ حائری صاحب اپنے آپ کو علامہ کہلا کر ایسے بودے خیال کرنے لگے ہیں۔ بندۂ خدا امام کے ساتھ ایک طاقت ہوتی ہے جو دُنیا بھر کی طاقتوں سے بالاتر ہے اور اس قوت و نصرت الٰہی کے شامل حال ہونے سے دُنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ جب ہادئ اسلام (فداہ ابی و امی) مبعوث ہوئے تو ان کے ساتھ کونسی فوج تھی۔ انہوں نے تن تنہا دنیا کے سامنے کلمہ توحید کا اعلان کیا سب لوگ آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کی جان کے دشمن تھے لیکن اس خدائے قدوس نے آپ کی نصرت کی اور آپ کا بال بیکا نہ ہو سکا تمام دشمنان حق نیست و نابود ہو گئے۔

حضرت امام مہدی علیہ السلام جو حضور علیہ السلام کے مظہر اتم ہوں گے وہی طاقت لے کر دنیا میں ظہور فرمائیں گے، ان کے نور سے دنیا چمک اُٹھے گی، خلق خدا سب کی سب ان کے قدموں پر گر جائے گی، اور لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں گے۔ کیا علم انساب حضرت علی المرتضیٰؓ کو معلوم نہ تھا کہ جنگ چھیڑ دی اور جانبین سے ہزاروں مسلمان گھائل ہو گئے۔ کیا حضرت امام حسین علیہ السلام ہی علم انساب سے لا بلد تھے کہ تلوار اُٹھائی اور طرفین سے سینکڑوں مسلمان موت کے گھاٹ اُتر گئے۔

موت امام کے اختیار میں

یہ بات علامہ حائری صاحب کے قلم سے نکلنا نہ چاہئے تھی کیونکہ آپ کے اعتقاد میں تو موت و حیات امام کے اختیار میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۵۸ پر ایک باب اس مضمون کا باندھا گیا ہے کہ اِنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَعْلَمُوْنَ مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَاَنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاخْتِيَارٍ مِنْهُمْ

یعنی ''آئمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور اپنی موت پر ان کو قابو ہوتا ہے چاہے مریں یا نہ مریں۔''

پھر علامہ حائری نے یہ کیوں لکھا ہے کہ وہ اس لئے ظاہر نہیں ہوتے کہ ان کو جان تلف ہو جانے کا اندیشہ ہے؟ جب مرنا جینا کسی شخص کے اختیار میں ہو پھر اس کو کسی سے کیا ڈر؟ افسوس شیعہ حضرات ایسی بے ٹھکانہ باتیں کہہ کر مفت جگ ہنسائی کرتے ہیں۔

شیعہ کے متعدد قرآن

شیعہ مصنفین نے یہ دیکھ کر کہ ان کے ہاتھ میں کوئی قرآن نہیں ہے، اپنے معتقدین کے دل بہلانے کے لئے ایسی روایات گھڑیں کہ ایک نہیں بہت سے بڑے بڑے لمبے چوڑے قرآن شیعہ کے ہیں۔ اگر سُنیوں کے پاس چھوٹا سا قرآن ہے تو بات ہی کیا ہے، شیعہ کے قرآن کہیں دیکھ پائیں تو ہوش بھول جائیں چنانچہ ایک روایت میں ستر گز لمبا قرآن شیعہ کا ہے۔

ستر گز کا قرآن

اصول کافی صفحہ ۱۴۶ میں ہے۔

قَالَ يَا اَبَا مُحَمَّدٍ فَاِنَّ عِنْدَنَا الْجَامِعَةَ وَمَا يُدْرِيهِمْ مَا الْجَامِعَةُ قَالَ قُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاکَ وَمَا الْجَامِعَةُ قَالَ صَحِيفَةٌ طُولُهَا لَهَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا .

امام جعفر نے فرمایا۔ اے ابو محمد! ہمارے پاس ایک جامعہ ہے ان کو کیا معلوم کہ وہ جامعہ کیا ہے؟ میں نے کہا میں آپ پر قربان، فرمائیں وہ جامعہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا قرآن ہے جو ستر گز لمبا ہے۔

خوب، ستر گز لمبا قرآن! وہ کاہے کو بھلا اتنے لمبے قرآن کی سطروں کو کوئی پڑھے تو کیونکر ایک سرے سے چل کر دوسرے تک جائے اور پھر واپس لوٹ آنے کا تانا بانا دن بھر لگا رہے گا۔ پڑھنے والے کی جان عذاب میں پھنس گئی۔ گھنٹہ بھر کی رفتار میں بمشکل دو سطریں ختم ہوسکیں گی علاوہ ازیں اتنا لمبا قرآن اُٹھائے تو کیوں کر۔ اُونٹ ہاتھی بھی ستر گز لمبے نہیں ہوتے جو قرآن کو اُٹھا سکیں پھر یہ قرآن کہاں رکھا جائے۔ اِتنا اونچا مکان کہاں سے لائیں [1]۔

خدا تعالیٰ فرماتے ہیں يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (خدا دین کے بارے میں تمہیں سہولت دینا چاہتا ہے۔ تکلیف میں تمہیں ڈالنا منظور نہیں)

مصحفِ فاطمہؓ

ایک دوسری روایت میں ہے کہ شیعہ کا ایک اور قرآن مصحفِ فاطمہ بھی ہے، چنانچہ اصول کافی ص ۱۴۶ میں ہے۔

---

[1] یہ بھی معلوم ہو کہ یہ ستر گز لمبا قرآن ضخامت میں بھی کم نہیں بلکہ اونٹ کی ران کے برابر موٹا بھی ہے۔ جیسا کہ اصول کافی ص ۱۴۷ میں اس کی تشریح کی گئی ہے پھر کوئی انسان اتنے لمبے موٹے قرآن کو اُٹھانے کی طاقت ہی نہیں رکھتا

وَاِنَّ عِنْدَنَا الْمُصْحَفَ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامَ وَمَا يُدْرِيُهِمْ مَا مُصْحَفُ فَاطِمَةَ قَالَ مصحفٌ فِيْهِ مِثْلُ قُرْاٰنِكُمْ هٰذَا ثَلَاثَ مَرَّاتٍ وَاللّٰه مَا فِيْهِ مِنْ قُرْاٰنِكُمْ هٰذَا حَرْفٌ وَاحِدٌ.

ترجمہ: (امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ہمارے پاس ایک مصحف فاطمہ بھی ہے اور تم جانتے ہو مصحف فاطمہ کیا ہے؟ فرمایا وہ ایک قرآن ہے جس میں تمہارے قرآن سے سہ گنا زیادتی ہے اور خدا کی قسم اسمیں تمہارے اس قرآن کا حرف بھی نہیں ہے)۔

پھر تعجب ہے کہ اس اتنے بڑے قرآن میں جب ہمارے قرآن کا ایک حرف بھی نہیں ہے تو وہ کس زبان میں ہے۔ عربی، فارسی ہوتب تو یہی حروف تہجی اس میں پائے جائیں جو اِس قرآن میں ہیں غالباً سنسکرت میں ہو یا جنوں کی زبان میں یا جاپانی، انگریزی وغیرہ میں بہرحال یہ ایسی روایات ہیں جن کی سمجھ نہیں آ سکتی۔

جفر

اسی طرح شیعہ کا ایک اور قرآن جفر ہے جیسا کہ اصول کافی ص ۱۴۶ میں ہے:۔

قَالَ اِنَّ عِنْدَنَا الْجفرُ يُدْرِيُهِمْ وَمَا الْجفر قَالَ قُلتَ وَمَا الْجَفرُ قَالَ وِعَاءٌ مِن اُدُمٍ فِيهِ علم النَّبِيِّيْنَ والْوَصِيِّيْنَ وَعِلْمُ الْعُلَمَاءِ الَّذِيْنَ مَضَوا مِنْ بَنِي اسرائيل۔

ترجمہ: (امام علیہ السلام نے فرمایا ہمارے پاس جفر بھی ہے اور تمہیں معلوم ہو کہ وہ جفر کیا ہے، کہا وہ ایک چمڑے کا تھیلہ ہے جس میں انبیاء و اوصیاء کے علوم بھرے ہیں اور علمائے بنی اسرائیل کے بھی اس میں علوم ہیں)۔

یہ بڑے بڑے قرآن کہاں ہیں؟

اب سوال یہ ہے کے شیعہ کے اتنے بڑے اور لمبے لمبے قرآن ہیں کہاں؟ شیعہ

اس کا جواب دینے سے قاصر ہیں۔ کیونکہ ان روایات کی وقعت بوستان خیال یا چڑیا چڑے کی کہانی سے زیادہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں شیعہ کا اعتقاد درست رکھنے کے لئے بنائی گئی ہیں تا کہ یہ معلوم کر کے کہ یہ قرآن تو سُنیوں کا ہے، ان کا قرآن ندارد، گھبرا نہ جائیں اس لئے یہ روایات وضع کی گئی ہیں کہ شیعہ جی میں خوش ہوتے رہیں کہ سُنیوں کا ایک مختصر سا قرآن ہے تو کیا ہوا ہمارے اتنے بڑے بڑے لمبے لمبے قرآن موجود ہیں۔ آخر کہیں نکلیں گے۔ تعجب ہے کہ آج کل اس روشنی کے زمانے میں ان طفل تسلیوں سے کس طرح کام نکل سکتا ہے بہتر ہوگا کہ شیعہ حضرات اپنے مولویوں سے مطالبہ کریں کہ ہمیں کب تک انتظار میں رکھا جائے گا، اگر ستر گز کا نہیں تو بالشت بھر کا ہی قرآن ہمیں دکھا دیا جائے تا کہ ہم سنیوں کے قرآن سے معارضہ کر سکیں لیکن یہ ہرگز نہیں ہو سکے گا۔ شیعہ صاحبان اسی انتظار میں مر جائیں گے اور قرآن کی شکل دیکھنا نصیب نہ ہوگی۔

تحریف آیات قرآن

اگرچہ پچھلی روایات سے بوضاحت ثابت ہو گیا ہے کہ روافض کا اِس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور وہ اس کو محرف سمجھتے ہیں لیکن عوام کی تسلی کے لئے ہم ذیل میں چند آیات اصول کافی سے لکھتے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ اصل آیت یوں تھی اور قرآن میں اس کے خلاف یوں درج ہے۔

(۱) اصول کافی ص ۲۶۱ میں ہے:۔

[عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامَ قَالَ قُلْتُ لَهٗ لِمَ سُمِّیَ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ قَالَ اللّٰهُ سَمَّاهُ و هٰکَذَا اُنْزِلَ فِیْ کِتَابِهٖ وَاِذْاَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ اٰدم مِنْ ظُهُوْرِهِم ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ وَ اِنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلِیْ وَاَنَّ عَلِیًّا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامَ

ترجمہ: جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ کو امیر

المومنین کیوں کہتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ یہ نام ان کا خدا نے رکھا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ دی جس میں ''اَنَّ مُحَمَّدً'' الخ کا اضافہ کیا گیا اور کہا کہ یہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔

(۲) عَنْ اَبِیْ بَصِیْرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلاَمُ فِی قَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمَنْ یُطِعِ اللّٰهَ رَسُوْلَهُ فِی وَلاَیَةِ عَلِیٍّ وَ الْاَئمة مِنْ بَعْدِهٖ فَقَدْ فَاذَ فَوْذاً عَظِیماً. هٰکَذَا اُنْزِلَتْ (اصول کافی ص۲۶۲)

ترجمہ: ابن بصیر امام جعفر صادق سے راوی ہے کہ آپ نے آیت ''وَمَنْ یُطِعِ اللّٰه'' میں عبارت ''وَلاَیَةِ عَلِیٍّ'' کا اضافہ کر کے کہا ہے کہ آیت اِسی طرح نازل ہوئی ہے۔

(۳) عَنْ عَبْدُ اللّٰه بِنْ سنَانِ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلاَمُ فِی قَوْلِهٖ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلیٰ اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ کَلِمَاتٍ فِیْ مُحَمَّدٍ وَ عَلِیٍّ وَ فَاطِمَةَ والْحَسنِ وَ الْحُسَیْنِ وَ الائِمَّةِ مِنْ ذُرِّیَتِهِمْ فَنَسِیَ هٰکَذَا و اللّٰهَ اُنزلتْ علےٰ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰه عَلَیهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمْ.
(اصول کافی ص۲۶۳)

عبداللہ بن سنان امام جعفر سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے آیت ''وَلَقَدْ عَهِدنَا'' میں ''فِیْ مُحَمَّدٍ'' الخ ایزاد کر کے کہا کہ بخدا آیت رسول اللہؐ پر اسی طرح نازل ہوئی۔

(۴) عَن جَابِرِ عَنْ اَبِی جعفرْ عَلَیْهِ السَّلاَمَ قَال نَزَلَ جِبْرَائِیل بِهٰذِهِ الْاٰیةِ عَلیَ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰه عَلَیهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمْ بِئسَمَا اشْتَرَوابِهٖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّکْفُرُ وابِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِی عَلِیے بَغْیاً
(اصول کافی ص۲۶۳)

جابر نے امام محمد باقر سے روایت کی ہے کہ آپ نے آیت میں ''فِــــــی

عَلِیٍّ" کی ایزادی کر کے کہا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام نے اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی۔

(۵) اصول کافی ص ۲۶۴ میں ہے عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَزَلَ جِبْرِیْلُ بِهٰذِهِ الْاٰیَةِ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ هٰکَذَا اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فِیْ عَلِیٍّ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِنْ مِّثْلِهٖ] جابر راوی ہے کہ آیت اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ میں بھی فِیْ عَلِیٍّ کی ایزادی ہے اور جبرائیل نے اسی طرح رسولؐ پر نازل کی۔

(۶) عَنْ مُنَخَّلٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ نَزَلَ جِبْرَائِیْلُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْاٰیَةِ هٰکَذَا۔ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا فِیْ عَلِیٍّ نُوْرًا مُّبِیْنًا (اصول کافی ص ۲۶۴) منخل امام جعفر سے راوی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آیت یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ میں بھی نُوْرًا مُّبِیْنًا سے پہلے فِیْ عَلِیٍّ ہے۔ اور ایسا ہی جبرائیل نے آیت نبی علیہ السلام پر نازل کی۔

(۷) [عَنْ جَابِرٍ عَنْ جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا یُوْعَظُوْنَ بِهٖ فِیْ عَلِیٍّ لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ] (اصول کافی ۲۶۴) جابر کہتا ہے امام محمد باقر نے آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ میں لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ سے پہلے فِیْ عَلِیٍّ ایزاد فرمایا۔

(۸) [عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی نَسْتَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ یَا مَعْشَرَ الْمُکَذِّبِیْنَ حَیْثُ اَنْبَاتُکُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ فِیْ وَلَایَةِ عَلِیٍّ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَ الْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهٖ مَنْ هُوَ فِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ کَذَا اُنْزِلَتْ] (اصول کافی ص ۲۶۶) ابو بصیر راوی ہے کہ امام جعفر نے آیت نَسْتَعْلَمُوْنَ میں فِیْ وَلَایَةِ عَلِیٍّ کا اضافہ کر کے کہا کہ آیت یوں ہی نازل ہوئی ہے۔

(۹) [عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی سَاَلَ سَائِلٌ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍ

لِلْکٰفِرِیْنَ فِیْ وَلَایَۃِ عَلِیٍّ لَیْسَ لَہٗ مِنْ دَافِعٍ ثُمَّ ھٰکَذَا وَاللّٰہُ نَزَّلَ بِھَا جِبْرَائِیلُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ] (اصول کافی ص ۲۶۶)
ابوبصیر امام جعفر سے روایت کرتا ہے کہ آپ نے آیت سَأَلَ سَائِلٌ میں بھی وَلَایَۃِ عَلِیٍّ کی ایزادی کی ہے اور کہا کہ خدا کی قسم جبرائیل یہ آیت اسی طرح رسول پر لایا ہے۔

(۱۰) [عَنْ جَابِرٍ عَنْ جعفر عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ نَزَلَ جِبْرَائیل بِھٰذِہٖ الآیۃ ھٰکَذَا فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ بِوَلَایَۃِ عَلِیٍّ اِلَّا کُفُوْرًا] (اصول کافی ص ۲۶۸) امام جعفر علیہ السلام سے روایت ہے کہ "فَاَبٰی اَکْثَرُ النَّاسِ" کے بعد "بِوَلَایَۃِ عَلِیٍّ" کا لفظ جبرائیل لے کر آیا۔

(۱۱) [عَنْ اَحْمَدَ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ اَبِیْ نَصْرٍ قَالَ رَفَعَ اِلَیَّ اَبُو الْحَسَنِ عَلَیْہِ السَّلَامُ مُصْحَفًا وَقَالَ لَا تَنْظُرْ فِیْہِ فَفَتَحْتُہٗ وَ قَرَأْتُ فِیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَوَجَدْتُ فِیْھَا اسْمَ سَبْعِیْنَ رَجُلًا مِنْ قُرَیْشٍ بِاَسْمَائِھِمْ وَاَسْمَاءِ اٰبَاءِھِمْ قَالَ فَبَعَثَ اِلَیَّ ابعث اِلَیَّ بِالْمُصْحَفِ] (اصول کافی باب فضل القرآن ص ۶۷۰) احمد بن محمد بن نصیر سے روایت ہے کہ امام علیہ السلام نے مجھے ایک قرآن دیا اور فرمایا کہ اس میں نظر نہ کرنا۔ پس میں نے جو اس میں سورۃ "لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُ" پڑھی تو اس میں ستر شخصوں کے نام بقید ولدیت پائے۔ راوی نے کہا کہ امام نے مجھے کہلا بھیجا ہے کہ وہ قرآن میرے پاس بھیج دو۔

(۱۲) [عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ عَلَیْہِ السَّلَامُ نَزَلَ الْقُرْآنُ اَرْبَعَۃَ اَرْبَاعٍ رُبْعٌ فِیْنَا وَ رُبْعٌ فِیْ عَدُوِّنَا وَ رُبْعٌ سُنَنٌ وَ اَمْثَالٌ وَ رُبْعٌ فَرَائِضُ وَ اَحْکَامٌ] (اصول کافی ص ۶۶۹) امام محمد باقر نے فرمایا۔ قرآن چار حصوں میں نازل ہوا۔ ایک چوتھائی ہمارے فضائل میں نازل ہوا اور ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں اور ایک چوتھائی سنن اور امثال میں اور ایک چوتھائی فرائض و

احکام ہیں ❶۔

اگر چہ اور بھی بہت سی آیات اصول کافی میں لکھی ہیں جن میں تحریف صریح ہے لیکن ہم نے بطور مُشتے نمونہ از خروار بارہ آیات پر اکتفا کیا ہے، اب ادھر آئمہ اہل بیت امام محمد باقر و امام جعفر صادق حلفاً بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام آیت نبی علیہ السلام پر یوں لایا۔

اور یہ کہ سورۃ لم یکن میں قرآن جمع کردہ علیؓ میں ستر قریش کے نام تھے اور یہ کہ اس قرآن کے چار حصے تھے۔ ایک چوتھائی میں اہل بیت کے فضائل اور دوسری چوتھائی میں ان کے دشمنوں کے مصائب بیان کیے گئے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ

ایسا ہی ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب مطبوعہ نولکشور جلد سوم ص ۴۴ میں لکھا ہے کہ وا حادیث و اردشد کہ ثلث قرآن در فضائل ایشاں (اہل بیت) است ثلثے در مثالب دشمنان ایشاں در بعضے از روایات وارد شد

❶ بلکہ مولوی سید الفت حسین شیعی شکار پوری نے اس قرآن جمع کردہ علیؓ کی طباعت کا بھی ذکر کر دیا چنانچہ اپنے رسالے منع تبرا (مطبوعہ مطبع یوسفی واقع کوچہ فولاد خاں لاہور) کے صفحہ پر لکھا ہے۔ کیا سورۃ علی و ولایت سورۃ فاطمی بعض مطبوع و بعض قلمی غالی شیعوں کے گھر میں نہیں؟ کیا لکھنؤ میں حاجی حسن علی نے یہ سورتیں نہیں چھاپیں مگر ایک دو ہی سورتیں چھپنی پائی تھیں کہ تنبیہ کی گئی باقی غیر مطبوع رہیں۔"

علاوہ ازیں تفسیر صافی میں تو بالکل تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ قرآن جو ہمارے پاس موجود ہے، نامکمل اور ناقص ہے عبارت یوں ہے۔ اَلْمُسْتَفَادُ مِنْ مَجْمُوْعِ هٰذِهِ الْاَخْبَارِ وَغَيْرِهَا مِنَ الرِّوا مِنَ طَرِيْقِ اَهْلَ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامِ اَنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِىْ بَيْنَ اَظْهُرِنَا لَيْسَ بِتِمَامِهٖ كَمَا اُنْزِلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ بَلْ مِنْهُ مَا هُوَ خِلَافُ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْهُ مَاهُوَ مُغَيَّرٌ مُحَرَّفٌ اَنَّهٗ قَدْ حُذِفَ عَنْهُ اَشْيَاءُ كَثِيْرَةٌ مِنْهَا اِسْمُ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِىْ كَثِيْرٍ مِنَ الْوَاضِعِ وَ مِنْهَا خَيْرُ ذَالِكَ وَاِنَّهٗ لَيْسَ ايضاً عَلَى التَّرْتِيْبِ ...... عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖ وَ بِهٖ قَالَ عَلِيُّ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ] (تفسیر صافی ص ۱۴)

ادھر ناظرین قرآن کریم کھول کر دیکھیں کہ الفاظ خط کشیدہ آیت میں پائے جاتے ہیں یا یہ ایجاد بندہ ہے اور قرآن موجود میں ستر قریش کے نام ہیں یا نہ؟ اور اہل بیت کے فضائل اور ان کے دشمنوں کے مصائب پائے جاتے ہیں یا نہ؟ جب ایسا نہیں ہے تو اس میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے کہ شیعہ صریح تحریف قرآن کے قائل ہیں اور قرآن موجود پر ان کا ایمان نہیں ہے۔

جواب شیعہ

ان تمام احادیث اور روایات کو سن کر علمائے شیعہ مبہوت ہو جاتے ہیں اور اُن سے کچھ جواب بن نہیں پڑتا کیونکہ روایات اصول کافی جیسی مستند کتاب کی ہیں جو شیعہ کے صحاح اربعہ میں سے حدیث کی کتاب سمجھی جاتی ہے جس کے ٹائیٹل پر جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔[قَالَ اِمَامُ الْعَصْرِ حُجّه اللّٰہِ الْمُنْتَظَرُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اللّٰہِ الْمُلِكِ الْاَ اکْبَرُ فِیْ حَقِّهٖ هٰذَا کَافٍ لِشِیْعَتِنَا]۔ترجمہ امام الزمان حجۃ اللہ امام منتظر مہدی علیہ السلام نے اس کتاب کے حق میں فرمایا کہ یہ کتاب ہمارے شیعہ کے لئے کافی ہے)۔یہی وجہ ہے کہ اس کا نام بھی کافی پڑ گیا ہے، پھر احادیث جو اس کتاب میں ہیں، کچھ ایسی ویسی نہیں بلکہ امام محمد باقر یا امام جعفر صادق سے مروی ہیں۔اس لئے شیعہ کو اس کے ماننے سے چارہ نہیں لیکن بحث کی خاطر تقیۃً کہہ دیا کرتے ہیں کہ ہمارا ایمان اسی قرآن پر ہے ہم اس کو صدق دل سے مانتے ہیں اور اس پر حلفیں اُٹھانے پر بھی آمادہ ہو جاتے ہیں کیونکہ شیعہ مذہب میں جیسا کہ آگے مفصل ذکر ہوگا تقیہ کرنا (جھوٹ بولنا) ثواب عظیم ہے۔چنانچہ استدلال میں وہ شیخ صدوق کی کتاب العقائد پیش کر دیا کرتے ہیں جسمیں لکھا ہے کہ اسی قرآن کو ہم مکمل سمجھتے ہیں اس حالت میں ناواقف اہل السنۃ مسلمان دھوکہ میں آ جاتے ہیں سو واضح ہو کہ اس بارہ میں متقدمین علماء شیعہ کا اختلاف ہے ان کے بڑے ثقہ ائمہ حدیث وتفسیر تو اس قرآن کے ناقص، غلط، غیر صحیح الترتیب ہونے قائل ہیں جن میں سے ذیل میں چند اکابر علماء شیعہ کے نام لکھے جاتے ہیں۔(۱) ثقۃ الاسلام ابو یعقوب محمد بن اسحاق الکلینی

مصنف اصول وفروع کافی۔(۲) شیخ جلیل علی بن ابراہیم قمی الکلینی۔(۳) شیخ احمد بن ابی طالب الطبرسی۔(۴) علامہ نوری مصنف فصل الخطاب۔(۵) شیخ مفید۔(۶) محقق داماد(۷) علامہ مجلسی، لیکن بعض اس خیال سے کہ یہ عقیدہ لیکر مسلمانوں کی صف میں شامل ہونا مشکل ہے تحریف کے منکر ہوئے اور وہ کہتے ہیں کہ قرآن کامل اور صحیح یہی ہے۔ جو بین الدفتین موجود ہے اُن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) شیخ صدوق مصنف کتاب العقائد متوفی ۳۸۱ھ۔(۲) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ۔(۳) ابوجعفر طوسی مصنف بنیان متوفی ۴۶۰ھ (۴) شیخ ابوعلی طبرسی مصنف تفسیر مجمع البیان متوفی ۵۴۸ھ)۔

ہمارے معاصر شیعہ پہلے زمرہ سے متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ دوسرے گروہ نے محض تقیۃً ایسا کہہ دیا ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں، دل سے وہ بھی تحریف کے قائل ہیں۔ شیعہ کا یہ قول قرین قیاس بھی ہے کیونکہ منکرین تحریف میں سے شیخ صدوق کے متعلق علامہ نوری اپنی کتاب فصل الخطاب مطبوعہ تہران ص۴ میں لکھتا ہے:۔

الصَّدُوْقُ فِيْ عَقَائِدِهٖ مُرْسَلاً اَنَّ اَمِيْرُ الْمُؤمِنِيْنَ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَلَمَّا جَآءَ بِهٖ فَقَالَ هٰذَا كِتَابُ رَبِّكُمْ كَمَا اُنْزِلَ عَلٰى نَبِيِّكُمْ لَمْ يَزِدْ فِيْهِ حَرْفٌ وَلَمْ يَنْقُصْ مِنْهُ حَرْفٌ فَقَالُو لَا حَاجَةَ لَنَا فِيْهِ عِنْدَنَا مِثْلُ الَّذِيْ عِنْدَكَ فَانْصَرَفَ وَهُوَ يَقُوْلُ فَنَبَذُوْهُ وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَناً قَلِيْلاً فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ .

ترجمہ: شیخ صدوق نے اپنی کتاب عقائد میں مرسلا روایت کی ہے کہ جناب امیر علیہ السلام قرآن جمع کر کے لائے اور کہا یہ قرآن ہے جیسا کہ تمہارے نبی پر نازل ہوا۔ اس سے ایک حرف زیادہ یا ایک حرف کم نہیں ہے۔ ان لوگوں نے کہا ہمیں اس کی حاجت نہیں ہے ایسا ہی قرآن ہمارے پاس موجود ہے پھر جناب امیر واپس چلے گئے یہ پڑھتے ہوئے [فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ] تو جب شیخ صدوق کو بھی اس سے اتفاق ہے کہ اصلی قرآن وہ تھا

جو حضرت علیؓ نے جمع کر کے لوگوں کو پیش کیا تھا اور انہوں نے نہ مانا تو جناب خفا ہو کر چل دیئے، تو پھر شیخ صدوق دل سے اس قرآن کو جو حضرت علی کا جمع کیا ہوا نہیں ہے کس طرح کامل و مکمل مان سکتے ہیں؟ تاہم ظاہرداری کے لحاظ سے جو اُنہوں نے ایسا لکھ دیا ہے اس کا جواب دیا جانا ضروری ہے۔ سو واضح ہو کہ ان دونوں فریق (قائلین تحریف و منکرین تحریف) سے اس کا قول قابل قبول ہوگا جس کی تائید میں احادیث مرویہ آئمہ اہل بیت پائی جائیں۔ سو پہلے فریق قائلان تحریف نے اپنے دلائل میں بہت سی احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت پیش کی ہیں جیسا کہ اوپر بحث ہو چکی ہے، مگر دوسرے فریق کا صرف اپنا ہی قول ہے کہ کوئی حدیث دلیل میں وہ پیش نہیں کرتے۔ پھر ان کا قول بلا دلیل کس طرح مانا جا سکتا ہے؟ البتہ پہلا فریق اپنے دعویٰ کے متعلق ایک دو نہیں بلکہ بے تعداد احادیث پیش کرنے کا مدعی ہے بلکہ علامہ نوری نے اپنی کتاب فصل الخطاب ص ۲۲۷ میں یوں لکھا ہے:۔

وَهِيَ كَثِيرَةٌ جِدًّا حَتّٰى قَالَ السَّيِّدُ نِعْمَتُ اللّٰه الْجزَائِرِيُ فِيْ بَعْضِ مُؤَلَّفَاتِهٖ كَمَا حُكِيَ عَنْهُ اَنَّ الاَخْبَارَ الدَّالَّةَ عَلٰى ذٰلِكَ تَزِيدُ عَلَى اَلْفِ حَدِيْثٍ وَادَّعٰى اَسْتِفَاضَتَهَا جَمَاعَةٌ كَا الْمُفِيْدِ وَ الْمُحَقِّقِ الدَّامَادِ وَالْعَلامَةِ الْمَجْلسي وغَيْرَهُمْ بَلِ الشَّيْخُ اَيْضًا صَرَّحَ فِيْ دَبِسْتَانِ بِكَثْرتِهَا بَل اِدّعٰى تَوَاتُرَ هَا جَمَاعَةٌ يَاءتِيْ ذِكْرهُمْ .

ترجمہ:۔ احادیث جو قرآن موجودہ کو محرف ٹھہراتی ہیں بہت زیادہ ہیں حتیٰ کہ سید نعمت اللہ جزائری نے اپنی بعض تصانیف میں ذکر کیا ہے کہ احادیث دو ہزار سے بھی زیادہ ہیں اور ان کے مستفیض ہونے کا ایک بڑی جماعت نے دعویٰ کیا ہے جن میں شیخ مفید اور محقق داماد اور علامہ مجلسی وغیرہ ہیں بلکہ شیخ نے دبستان میں ان کی کثرت کی تصریح کی ہے بلکہ ایک جماعت نے جن کا ذکر آگے آئے گا ایسی احادیث کے متواتر ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

تو اب ایک طرف تو ایک ایسی جماعت ہو جو اس بارہ میں دو ہزار سے بھی زائد احادیث، پھر متواتر ہونے کا ثبوت پیش کریں اور دوسری طرف معدودے چند اشخاص ہوں جن کے دعویٰ کی تائید میں ایک حدیث بھی نہ ہو۔ ناظرین خیال کر سکتے ہیں کہ شیعہ مذہب کے صحیح ترجمان ان میں سے کون ہیں؟ لامحالہ کہنا پڑے گا کہ شیعہ مذہب کے صحیح ترجمان پہلی جماعت کے آدمی ہیں اور دوسرے گروہ کے لوگ صرف تقیہ کی آڑ میں لوگوں کو مغالطہ میں ڈالنا چاہتے ہیں بس سُنی مناظر کو چاہئے کہ اگر کوئی شیعہ اصول کافی وغیرہ کتب واحادیث کی مستند احادیث (جن میں ثابت ہوتا ہے کہ شیعہ اس قرآن کو نہیں مانتے) کے مقابلہ میں شیخ صدوق وغیرہ کی کتاب پیش کرے تو اس کو چیلنج دینا چاہئے کہ اگر یہ احادیث نہیں مانتے تو اس کے جواب میں اسی پایہ کی احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت پیش کرو۔ ورنہ تسلیم کرلو کہ تمہارا ایمان اس قرآن پر نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔

عقلی دلیل

نقلی دلائل مذکورہ بالا کے علاوہ عقلی دلیل اس امر کی، کہ شیعہ مذہب اور ان کے عقائد کے رو سے اس قرآن پر ان کا ایمان ہونا ممکن ہی نہیں ہے، یہ ہے کہ شیعہ مانتے ہیں کہ یہ قرآن جمع کردہ علیؓ نہیں ہے یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ یہ قرآن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اہتمام سے جمع اور مرتب ہوا ہے شیعہ ان ہر دو اصحاب کو مسلمان نہیں مانتے بلکہ (معاذ اللہ) کافر و منافق سمجھتے ہیں، پھر کس طرح ممکن ہے کہ ایک غیر مسلم شخص جس کا خدا اور رسول پر ایمان نہیں ہے اور بقول شیعہ ان کو رسولؐ سے اس قدر دشمنی تھی کہ ان کا جنازہ نہ پڑھا ان کے چچازاد بھائی، داماد اور وصی سے خلافت غصب کرلی۔ رسول کی بیٹی خاتونِ جنت کا ورثہ (فدک) دبا لیا ان کی سخت بے حُرمتی کی گئی بلکہ (معاذ اللہ) ان کے پیٹ میں لات مار کر حمل گرا دیا۔ وصی رسول علی کے گلے میں رسی ڈال ❶ کر گھسیٹ کر

---

❶ حملہ حیدری میں ہے — بدست عمرؓ بود یک ریسماں دوم — درکف خالد پہلوان
افگندند در گردن شیر نر کشیدند اورا بر بوبکرؓ

لے گئے، اور بیعت ابوبکر پر مجبور کیا (یہ سب کچھ شیعہ کی مستند کتب میں درج ہے) پھر یہ لوگ جمع وترتیب قرآن کے وقت ایسے متدین بن جائیں کہ اس میں ایک حرف بھی کمی بیشی نہ کریں جب ان کو معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ اُن کے دباؤ میں ایسے آگئے ہیں کہ ان کی زوجہ محترمہ کی اس قدر بے ادبی ہوتی ہے، ان کو گھسیٹ کر لے جایا جاتا ہے مگر مارے خوف کے وہ لب کشائی نہیں کرتے اور دوسرے لوگ سب ان کے زیر نگیں ہو گئے ہیں کوئی ان کے مزاحم نہیں ہوسکتا وہ قرآن کی آیات حسب منشاء خود (جن میں ان کی توصیف اور مخالفین کی ہتک ہو) گھڑ کر داخل کر دیں یا بہت سا حصہ قرآن کا جوان کی منشاء کے مخالف ہو، بیچ میں سے نکال ڈالیں اور یہ ظاہر ہے کہ جس دستاویز میں ایک لفظ میں بھی جعلسازی کر کے تغیر وتبدل کر دیا جائے وہ دستاویز ساری کی ساری مشکوک اور ردی ہو جاتی ہے نیز جس دستاویز کا کاتب ثقہ قابل اعتبار نہ ہو وہ یقیناً پایۂ اعتبار سے گر جاتی ہے پھر جب تک یہ نہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ اکمل الایمان خائف من اللہ اپنے نبیؐ کے سچے عاشق آپ کے اہل بیت کے محب صادق اور قرآن پاک پر جان نثار تھے اور ناممکن تھا کہ وہ قرآن پاک میں حرف تو حرف زیر وزبر یا شد ومد کا بھی تغیر وتبدل ہونے دیں تب تک قرآن کے کامل مکمل ہونے پر یقین نہیں کیا جاسکتا چونکہ شیعہ بغض اصحابِ ثلاثہ میں اسقدر غلو کر گئے کہ ان کو بدنام کرنے کے لئے اسد اللہ الغالب (حضرت علیؓ) اور جگر گوشہ رسولؐ (فاطمۃ الزہراؓ) کی سخت توہین وہتک کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے اسی عداوت کی وجہ سے وہ قرآن کے بھی منکر ہو کر ستر گز طویل صحیفہ قرآن سے سہ چند بڑا مصحف فاطمہؓ سترہ ہزار آیت کی دور از عقل وقیاس روایات گھڑ کر سادہ لوح شیعوں کو بہکانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ شیعہ حضرات خود تو قرآن سے منکر ہوئے ہی ہیں جب اس بحث میں پڑ کر وہ شرمندہ ہوتے ہیں تو کج بحثی کی راہ اختیار کر کے الٹے اہلسنت کو الزام دینے لگ جاتے ہیں کہ سُنی بھی تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے

یہ عجیب الزام ہے جو شیعہ جواب سے عاجز ہو کر کمال ڈھٹائی سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ تم لوگ بھی تحریف قرآن کے قائل ہو، بھلا یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ سُنی لوگ جو صدیقؓ و فاروقؓ و ذوالنورینؓ کو اپنے پیشوا نجوم الاہتداء مانتے ہیں یہ کہنے کی جرأت کریں کہ انہوں نے قرآن میں تحریف کر دی ہے۔ کلا و حاشا۔ کسی سُنی کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں ہے کہ ہمارا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے۔ ہم کسی دوسرے قرآن کے منتظر ہیں۔ نہ ہمارا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن کو امام مہدی علیہ السلام غار سُرَّ مَنْ رای میں چھپائے ہوئے ہیں۔ یہ عقیدہ شیعہ کو مبارک ہو ہم ڈنکے کی چوٹ سے کہتے ہیں کہ کوئی اس بات کا قائل نہیں ہے کہ قرآنِ موجودہ میں کوئی کسی قسم کی تحریف ہوئی ہو۔

شیعہ کہتے ہیں۔ دُرمنثور یا اتقان میں ایسی روایات ہیں کہ فلاں سورۃ اتنی آیات کی تھی اب اتنی ہے، یا فلاں آیت یوں تھی اب یوں ہے، میں کہتا ہوں کہ ہمارا ایمان دُرمنثور پر نہیں ہے، نہ ہم امام سیوطی کے مقلد ہیں محققین نے جیسا کہ مقدمہ تفسیر حقانی ص ۸۰۸ پر ہے ان تفاسیر کو نویں طبقہ میں شمار کیا ہے جو نویں صدی کے بعد تصنیف ہوئیں ان میں رطب و یابس صحیح و سقیم ہر قسم کی روایات پائی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں اتقان یا دُرمنثور میں ہرگز کہیں نہیں لکھا ہوا کہ قرآن میں کوئی تحریف کی گئی ہے بلکہ انہوں نے نسخ کا بیان کرتے ہوئے آیات منسوخہ کے اقسام لکھے ہیں جس میں سے ایک قسم آیات منسوخ التلاوت کی ہے جو پہلے نازل تو ہوئیں لیکن بعد میں منسوخ التلاوۃ ہو گئیں اور یہ واقعہ عہد نبوی کا ہے نہ کہ بعد کا۔ غرض اس مسئلہ کی مفصل بحث مولانا مولوی عبدالشکور صاحب نے اپنے رسالہ النجم میں اور مولوی نور بخش صاحب ایم اے توکلی نے تحفۃ الشیعہ میں کر دی ہے۔ اس لئے اس موقعہ پر اس بحث کو ہم دوبارہ نہیں چھیڑنا چاہتے، ہاں شیعہ کو تحدی سے کہتے ہیں کہ آپ یہ ثابت کر دیں کہ کوئی سُنی ثقہ عالم محدث یا مفسر تحریف قرآن کا قائل ہے تو ہم آپ کو ایک ہزار روپیہ انعام دینے کو تیار ہیں مگر خوب سمجھ

رکھیں کہ نسخ اور چیز ہے اور تحریف اور ہے۔ شیعہ اگر اس دعویٰ میں سچے ہیں تو سامنے آئیں ایک ہزار روپے کی بازی جیتیں۔

هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ

جناب من! علامہ جلال الدین سیوطیؒ مصنف دُرمنثور و اتقان نے اپنے عقیدہ در بارہ ترتیب آیات عبارت ذیل میں واضح کر دیا ہے۔

الاِجْمَاعُ و النُّصُوْصُ الْمُتَرَادِفَةُ عَلٰى اَنَّ تَرْتِيْبَ الْاٰ يَاتِ فِيْ سُوْرِهَا بِتَوْفِيْقِهٖ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمْ وَاَمْرِهٖ مِنْ غَيْرِ خِلَافٍ فِي هٰذا بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ .(اتقان)

ترجمہ: نصوص متواترہ اور اجماع سے یہ بات ثابت ہے کہ آیات کی ترتیب جو سورتوں میں ہے آنحضرت ﷺ کے حکم سے ہوئی اس میں کسی مسلمان کا بھی اختلاف نہیں۔

مصنف اتقان نے اس دعویٰ کے اثبات میں بخاری، مسلم، سنن اربعہ کی احادیث صحیحہ نقل کر کے ثابت کیا ہے کہ بلا شبہ یہ ترتیب خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوئی۔

اسی طرح امام بغوی شرح السنہ میں لکھتے ہیں:۔

اَلصَّحَابَةُ جَمَعُوْا بَيْنَ الدُّ فَتَيْنِ الْقُرْاٰنَ الَّذِىْ اَنْزَلَهُ اللّٰه عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ ذَادُوْا او نَقَصُوا مِنْهُ شَيْئاً فَكَتَبُوْهُ كَمَا سَمِعُوْهُ مِنْ رَسُوْلِ لله صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّم مِنْ غَيْرِ اَنْ قَدَّمُوْ شَيْئاً اَوْ اَخَّرُوا وَ لَم يَضَعُوْ الَهُ تَرْتِيباً وَلَمْ يَاخُذُوهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰه صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّم .

ترجمہ:۔ یعنی صحابہؓ نے قرآن کو اسی طرح رکھا جیسا کہ رسولؐ خدا پر نازل ہوا تھا، بغیر اس کے کہ اس میں کمی بیشی کی گئی ہو۔ پس جس طرح سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا تھا۔ اِسی طرح رکھا' بغیر اس کے، کہ اس میں کچھ

تقدیم وتاخیر کی ہو یا اس کو کسی دوسری ترتیب سے مرتب کیا ہو جس کو حضور علیہ السلام سے اُنہوں نے حاصل نہ کیا تھا۔

اب مولانا جلال الدین سیوطیؒ اور دیگر مفسرین کی تصریح ہوتے ہوئے جو شخص کہے کہ یہ لوگ تحریف کے قائل تھے۔ ''چہ دلاور است دُزدے کہ بکف چراغ دارد'' کا مصداق بنتا ہے۔

ہاں صاحب! تحریف قرآن کے قائل وہ لوگ ہیں جو حسب ذیل عقائد لکھتے ہیں یا ان کی مستند کتابوں میں احادیث مرویہ ائمہ اہل بیت اس مضمون کی پائی جاتی ہیں۔ (۱) اصلی قرآن جو جبرائیل نے رسولؐ خدا پر نازل کیا[1]، سترہ ہزار آیت کا تھا (۲) اصلی قرآن وہ تھا جو حضرت علیؓ نے جمع کر کے صحابہ کو دکھایا اُنہوں نے قبول نہ کیا (۳) اصلی قرآن وہ ہے جس میں آیات اس طرح درج ہیں جو گزشتہ صفحات میں درج کی گئی ہیں۔ (۴) اصلی قرآن حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پاس ہے جب آئیں گے تو شیعہ کو دکھائیں گے۔ (۵) شیعہ کا ایک قرآن ستر گز لمبا ہے۔ (٦) ایک اور قرآن مُصحف فاطمہ اس قرآن سے سہ چند بڑا ہے اور اس میں قرآن کا ایک حرف پایا نہیں جاتا۔ (۷) ایک اور قرآن چمڑے کا بڑا تھیلا ہے جس میں اولین اور آخرین کے علوم بھرے ہیں ان سب کے حوالجات پہلے مذکور ہو چکے ہیں۔

---

[1] یہاں پر علما [illegible] مبہوت ہو کر یہ تاویل کرتے ہیں کہ اس حدیث میں آیت سے مراد جُملہ ہے، حالانکہ یہ اُن کی تلبیس ہے کیونکہ کافی کے شارح ملا خلیل قزوینی اس حدیث کی شرح میں آیت سے مراد آیت متعارف ہی لے رہے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں ''مراد این است کہ بسیاری ازاں قرآن ساقط شدہ ودر مصاحف مشہور نیست زیرا کہ مجموع قرآنی از مصاحف مشہور راہ است عدد آیات آں نزد قراء اہل کوفہ چنانچہ موافق نقل صاحب مجمع البیان ست۔ عدد آیات ہر سورۃ اول آں سورۃ شش ہزار وہ وبیت وسی وشش آیت سی وشش آیت است وبالجملہ اگر مذہب دیگراں را اعتبار کنیم اند کے بیشتر یا کمتر میشود بر ہر تقدیر ہفدہ ہزار نمی رسد اگر مراد ایں می بود کہ عدد آیات (باقی اگلے صفحہ پر)

اب انصاف تو یہ ہے کہ اسی ترتیب سے ہماری کتب صحاح ستہ سے ہمارے اس طرح کے عقائد یا کوئی ایک عقیدہ بھی احادیث صحیحہ سے ثابت کیا جائے اور ایک ہزار انعام لیا جائے۔ کیا کوئی ہے جو خم ٹھونک کر میدان میں نکلے، میں تو کہوں گا کہ

نہ خنجر اُٹھے گا نہ تلوار اُن سے
یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

دوسری دلیل شیعہ کا حافظِ قرآن نہ ہونا

علاوہ ازیں عقیدہ کی پڑتال کیلئے ہر شخص کا عمل و فعل دیکھا جاتا ہے اگر عمل قول کے مطابق نہ پایا جائے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہ شخص دل سے اس امر کا معتقد نہیں ہے سو اس بارہ میں فریقین کا تعامل دیکھنا چاہیئے کہ دونوں میں سے کس فریق کو عملی طریق سے قرآن سے اُنس و محبت ہے، سو ظاہر ہے کہ سُنی قرآن کو حرز جاں سمجھتے ہیں۔ حفظ قرآن

(گذشتہ سے پیوستہ) ہمیں قرآن کہ در مصاحف مشہور، است در قرأت جبرائیل علیہ اسلام ہفدہ ہزار ست میگفت اِنَّ عَدَدَ الْاٰیَاتِ الَّتِی، جَآءَ بِھَا جَبْرَئِیل علیہ السلام تا آخر و احادیث صحاح در طریق خاصہ در طریقہ عامہ کہ دال است بر اسقاط بسیاری از قرآن در کثرت بحدے رسیدہ کہ تکذیب جمیع آنہا جرأت است و حکایت احراق عثمانؓ مصحف ابی بن کعب و مصحف عبداللہ بن مسعود را مشہور است و باوجود ایں ہا وجود اختلاف قرآت کہ مذکور شد و حدیث دواز دہم و سیز دہم ایں باب دعوئی اینکہ قرآن ہمیں است کہ در مصاحف مشہورہ است خالی از اشکالے نیست و استدلال بریں با اہتمام اصحاب و اہل السلام بضبط قرآن بغائت رکیک است بعد از اطلاع بر عمل ابی بکرؓ، و عمرؓ و عثمانؓ الخ۔ (صافی شرح اصول کافی جز و ششم فضل القرآن ص ۷۵) مندرجہ بالا عبارت میں شارح اصول کافی علامہ خلیل قزوینی شیعی نے صراحتاً یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ قرآن موجود ناقص ہے اور اصلی قرآن منزل میں سے زیادہ حصہ انسانی ہاتھوں سے ساقط کیا گیا ہے۔ کیا ان تصریحات کے بعد بھی شیعوں کا مسلمہ عقیدہ تحریف قرآن تاویلات فاسدہ کے پردوں میں چھپایا جاسکتا ہے۔ چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد۔ (احقر مظہر حسین غفرلہ)

ان کو ورثہ میں ملا ہوا ہے۔ سینکڑوں نہیں ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں حفاظ قرآن سُنیوں میں ملیں گے لیکن بمقابلہ اس کے چراغ لیکر ڈھونڈو اور ہندو پنجاب کی خاک چھان مارو تو ایک حافظ بھی شیعہ میں ملنا دشوار ہے یہی وجہ ہے کہ اہلسنت کی طرف سے انعامی اشتہارات چھپتے رہتے ہیں لیکن کوئی شیعہ کوئی ایک حافظ قرآن بھی پیش کرنے سے عاری ہیں۔

مدت سے ہمارے دوست حاجی غلام یٰسین صاحب تلہ گنگی نے ایک انعامی اشتہار شائع کر کے شیعان پنجاب کو چیلنج دے رکھا ہے لیکن اس کا جواب اب تک شیعہ حضرات کی طرف سے بجز گالی گلوچ کے کچھ نہیں ملا۔ ثبوت کے لئے ''در نجف سیالکوٹ'' کے پرچے دیکھو کوئی پرچہ ایسا نہیں ملے گا جس میں حاجی صاحب موصوف کو مغلظ گالیاں دے کر اپنے عجز کا ثبوت نہ دیا ہو۔ سچ ہے:۔ [اِذَا یَئِسَ الْاِنْسَانُ طَالَ لِسَانُہٗ ۔ کَسِنَّورٍ مَغْلُوبٍ یَصُوْلُ عَلَی الْکَلْبِ] ترجمہ:۔ جب آدمی مقابلہ سے عاجز آ جاتا ہے تو گلی گلوچ پر اُتر آتا ہے جیسا کہ مغلوب بلّی کھسیانی ہو کر کتے کے منہ پر آنے لگ جاتی ہے۔

لطیفہ

تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ چکوال میں شیعہ سُنی کے بالمقابل جلسے ہوئے تھے اس جلسہ میں ایک مولوی کفایت حسین پشاور سے تشریف لائے تھے جن کے نام کے ساتھ حافظ کی دُم لگی ہوئی تھی، خاکسار نے اپنے وعظ کے دوران میں ہزاروں کے مجمع میں چیلنج دیا کہ اگر مولوی کفایت حسین حافظِ قرآن ہے تو کل ہمارے حافظ کے مقابلہ میں سر اجلاس مجمع عام میں پانچ پارہ قرآن شریف صحت کے ساتھ سُنا دے تو سو روپیہ انعام دیا جائے گا۔ یہ اعلان سُن کر شیعہ پارٹی میں گھبراہٹ پیدا ہوگئی۔ خط و کتابت ہونے لگی آخر شیعوں نے دو ماہ کی مہلت مانگی ہم نے کہا یہ مہلت بھی منظور ہے لیکن اس صورت میں آپ کو پانچ حافظ پیش کرنے ہوں گے اور ہم ان کے مقابلے میں پچاس حافظ پیش کرینگے۔ شیعہ جھنجھلا کر بولے ہم ایک بھی بہ مشکل پیدا کر سکتے ہیں پانچ حافظ کہاں سے لائیں؟ ہم نے کہا آپ پنج تنی کہلاتے ہیں اس لئے آپ پانچ حافظ ضرور پیش کریں، شیعہ یہ سُن کر متحیر ہو گئے اور

ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے۔ ہمارے ایک ہم وطن شیعہ سید حیدر شاہ صاحب چوہان کہنے لگے ''نہیں میں موحد ہوں، اس لئے ایک ہی حافظ کی شرط رہنی چاہئے'' آخر ایک کی شرط بھی منظور کر لی گئی، لیکن میعاد گزر گئی نہ کوئی حافظ آیا نہ شیعہ بچارے میدان میں نکلے [1]۔

تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ فدا حسین شیعی ساکن چوعہ گنج البحر تحصیل چکوال ضلع جہلم نے ایک سُنی صوبیدار سے معاہدہ کر کے یہ قرار داد کی کہ فلاں تاریخ کو ہر دو فریق اپنے

---

[1] حجۃ الاسلام قطب العالم قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند اپنی کتاب مستطاب ''ہدیۃ الشیعہ'' میں شیعہ کے حافظ نہ ہونے کے اسباب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں ''وجہ اس یاد نہ ہونے کی، حالانکہ مقتضاءِ طعن اہل سنۃ یہ تھا کہ کلام اللہ چھوڑ کر شیعی تفسیر کبیر یاد کر لیتے یہی بات ہے کہ جیسا تلاوت کا حق ہوتا ہے اُن کو میسر نہیں آتا۔ اور باعث اس کا واللہ اعلم یا تو یہ ہے کہ طبائع انسانی اور حیوانی باعتبار غذاء کے جیسی مختلف ہیں کہ کسی کو میٹھا بھاتا ہے کسی کو نمکین۔ کسی کو ایک چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے کسی کو نفرت۔ انگریزوں کو عطر نفیس سے تنفر اور مچھلی کے اچار سے جسے سونگھ بھی لیجئے تو دماغ چھوڑ جان کی خیر نہیں، رغبت، پاخانہ کے کیڑے گندگی میں خرم و شاد و چین و آرام سے رہیں اور خوشبو سونگھیں تو مر جائیں، ایسے ہی باعتبار امور دینی کے جو غذاء ارواح ہیں، ارواح نبی آدم مختلف ہیں، کسی کو رغبت ہے کسی کو نفرت، کسی کو لذت ہے، کسی کی جان نکل جاتی ہے۔ سو حضرات شیعہ کو بھی کلام اللہ میں محنت کرتے موت نظر آتی ہے اور یا یہ ہے کہ جو شاگرد استاد کی خدمت میں گستاخ ہوتا ہے عادت الٰہی یوں جاری ہے کہ علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا وجہ اس کی شاید یہ ہو کہ شکر پر وعدہ مزید نعمت ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔[لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ] یعنی گر شکر کرو گے تو البتہ ہم اور زیادہ دینگے۔ تو اس صورت میں بشہادت عقلی کفران پر زوال نعمت متفرع ہونا چاہئے ادھر حدیث میں ہے۔[مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ] (یعنی جو کوئی آدمیوں کا شکریہ نہ کریگا وہ اللہ کا بھی شکر نہ کرے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر چند منعم حقیقی خداوند کریم ہے۔ پر دولت علم بواسطہ استاد ہی حاصل ہوتی ہے اور نعمت عظمیٰ کلام اللہ کے استاد حضرات صحابہؓ ہیں جن میں سے اول اور ثالث کو تو بوجہ تالیف مصنف مجازی کہئے تو بجا ہے پھر ان گستاخوں کو یہ نعمت عظمیٰ عطا ہو تو کیونکر ہو؟ الخ (احقر مظہر حسین)

اپنے حافظ چو عہ گنج البحر میں لائیں۔ اہلسنت کی طرف سے لاتعداد حافظ وقاری آ گئے لیکن شیعہ کی طرف سے صرف ایک دو بناوٹی حافظ لائے گئے اہلسنت حفاظ دِن بھر میدان میں للکارتے رہے لیکن بناوٹی شیعہ حفاظ کو میدان میں آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ فدا حسین چالاک آدمی تھا اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔ صوبیدار پر پانچ سو روپیہ ہرجانہ کا دعویٰ کر دیا مقدمہ بڑے معرکہ کا ہوا۔ شیعوں نے اس پر زرکثیر خرچ کیا، لکھنؤ تک سے گواہ لائے گئے، نتیجہ اہلسنت کے حق میں ہوا شیعہ مدعی کا دعویٰ خارج ہو گیا اس مقدمہ میں مُلا کفایت حسین کو بطور گواہ پیش کیا گیا۔ اس کو قرآن سے ایک رکوع پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ صرف آدھ رکوع میں بیس غلطیاں کیں۔ حافظیت کا پردہ چاک ہو گیا کفایت حسین معہ جماعت شیعہ سخت شرمسار ہو کر کچہری سے نکلے۔ یہ خبر اسلامی اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔

یہ فیکٹ (امر واقعہ) ہے کہ شیعہ حافظ قرآن نہیں ہو سکتا کیونکہ جب تک کسی چیز سے محبت نہ ہو وہ دل میں گھر نہیں کر سکتی۔ چونکہ شیعہ کا قرآن موجودہ پر ایمان نہیں ہے اور وہ اس سے دل سے متنفر ہیں اسلئے ان کا حافظ ہونا محال ہے کسی نے سچ کہا ہے۔

رکھے گا بُغض صحابہؓ سے جو کوئی انساں
ہمارا دعویٰ ہے ہو گا نہ حافظ قرآں

لاریب حفظ قرآن کی نعمت فرقہ حقہ اہل السنّت والجماعت کو ہی نصیب ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے [لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ] اس لیے پاکیزہ عقائد کے مسلمان جو رسولؐ اور رسولؐ کے اصحابؓ و ازواج اہلبیتؓ سے سچی عقیدت رکھتے ہیں وہی اس پاک کلام الٰہی کے حافظ ہو سکتے ہیں اور یہی فرقہ بشہادت قرآنی مومن کامل ہے۔ [اَلَّذِيْنَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ]
ترجمہ: ''جو لوگ قرآن کی تلاوت کا پورا حق ادا کرتے ہیں وہی مومن بالقرآن ہیں اور جو لوگ اس سے منکر ہیں وہ غائب و خاسر ہیں۔''

ہر چند شیعہ کوشش بھی کرتے ہیں کہ کوئی حافظ قرآن ہم بھی پیدا کریں لیکن۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

وہ اس نعمت سے محروم ہیں اور رہیں گے۔

اب شیعہ کے عدم ایمان بالقرآن کی بحث ختم ہو چکی اور خدا کے فضل سے براہین قاہرہ نقلی و عقلی سے ہم نے اپنے دعویٰ کو ثابت کر دیا ہے۔ جس کا جواب شیعہ قیامت تک نہیں دے سکتے اب میں ایک معرکۃ آلاراء مسئلہ فضائل اصحابِ ثلاثہؓ کو شروع کرتا ہوں۔ پہلے قرآنی ادلہ پیش کی جائیں گی اور من بعد شیعہ کی مستند کتب سے استدلال کیا جائے گا۔

فضائل اصحابِ ثلاثہؓ کا ثبوت قرآن کریم سے

یوں قرآن کریم اول سے آخر تک فضائل مہاجرین و انصار (جن میں سے اصحابِ ثلاثہؓ کا نمبر اول ہے) سے بھرا ہوا ہے۔ اور اصحاب کبار کے فضائل و مناقب کا ایسی صراحت و وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ کسی موافق و مخالف کو انکار کی گنجائش نہیں مگر ہم اس موقعہ پر ایسی آیات پیش کریں گے جن سے اصحابِ ثلاثہؓ کے فضائل روز روشن کی طرح واضح ہیں۔

(۱)﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا . لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ (پارہ ۱۰ سورۃ انفعال۔ رکوع ۵)

ترجمہ: جو لوگ ایمان لئے اور خدا کی راہ میں ہجرت کی اور جہاد کیا اور جنہوں نے مسلمان مہاجرین کو پناہ دی اور اُن کی مدد کی وہ لوگ بالتحقیق مومن ہیں۔ اُن کے لئے غفران اور اعلیٰ نصیب بہشت ہے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے بڑی صفائی سے کھلے الفاظ میں اصحاب ثلاثہؓ کے ایمان حقیقی اور ان کے بخشا جانے اور جنتی ہونے کی تصدیق فرمائی ہے۔ اصحاب ثلاثہؓ بے

شک "وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" کے پورے طور پر مصداق ہیں اور آنحضرتؐ کے ساتھ ایمان لائے۔ آپؐ کے ساتھ خدا کی راہ میں ہجرت کی، کفار سے جہاد کئے پھر اولین مہاجرین ہونے کے باعث پچھلے مہاجرین کی امداد اور نصرت بھی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان اوصاف جمیلہ کے باعث ان کے کمال ایمان، مغفرت اور بہشتی ہونیکی شہادت دی ہے۔ پھر جو شیعہ ان کو معاذ اللہ منافق و کافر کہتے ہیں وہ قرآن کو جھٹلاتے اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتے ہیں۔ آیت میں "اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ" کے بعد حقاً کی تاکید اور اس کے بعد "لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ" کا جملہ واقعی خلفا ثلاثہؓ کے حقیقی کامل و مکمل ایمان کی بڑی زبردست شہادت الٰہی ہے اگر کسی بدنصیب کے دل پر کفر کا قفل نہ لگ گیا ہو تو پھر ایسی زبردست رحمانی شہادت کے بعد ممکن نہیں کہ خلفا ثلاثہؓ کے ایمان اور ان کے فضائل میں کچھ شک و شبہ کی گنجائش باقی رہ جائے۔

(۲)﴿وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ﴾

ترجمہ:۔ جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی، اُن کے مظلوم ہونے کے بعد ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانہ دینگے اور قیامت کا اجر تو بہت بڑا ہے۔

باری تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین کاملین کی شناخت کا جنہوں نے محض خدا کی راہ میں سچی نیت سے ہجرت کی اور اتباع رسولؐ میں اپنا وطن چھوڑا ایک عہد و نشان بتلا دیا ہے وہ یہ کہ ان کی قابل قدر سچی جانفشانی اور مخلصانہ خدمت کا معاوضہ ان کو دنیا میں بھی عطا ہوگا "لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" یعنی دنیا میں ان کو مسند جلیل خلافت عطا ہوگی اور قیامت میں ان کا رتبہ بہشت بہت ہی اعلیٰ ہوگا اب ہم اس بیّن نشان سے سچے اور جھوٹے مقبول اور غیر مقبول گروہ کا پورا اعتبار کر سکتے ہیں کہ جس گروہ کے حق میں یہ پیشگوئی اور وعدہ الٰہی پورا ہوا وہ خاص مقبول درگاہ ایزدی ہے اب ہم شیعہ صاحبان سے پوچھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی اصحابِ ثلاثہؓ کے حق میں پوری ہوئی یا نہ؟ ماننا پڑے گا کہ پوری ہوئی اور بڑی صفائی سے۔ اس سے بہتر دنیا میں اچھا ٹھکانہ کیا ہو سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ

آنحضرتؐ کی زندگی میں مقرب خاص اور حضوری رہے اور آپ کے ارتحال کے بعد آپ کی مقدس اور مبارک مسند پر جا گزیں ہوئے خلافت رسول کی کرسی کا اعزاز نصیب ہوا۔ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار اصحابؓ نے ان کو سچا خلیفہ مان کر ان کی اطاعت کی اور بڑی عزت سے احکام خداوندی کو نافذ فرماتے رہے تمام اعدائے دین ومخالفین اسلام کو نیست و نابود کر کے کافۃ الانام کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا۔ قیصر وکسریٰ کے تخت کے مالک ہوگئے اور تمام کبراء زمانہ کی گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں جس قدر فتوحات ملکی ان کو نصیب ہوئیں ان کی شہادت اب تک تاریخ عالم میں موجود ہے "لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً" کا وعدۂ الٰہی تو پورا ہوگیا۔ "لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ" کا وعدہ بھی انشاء اللہ آخرت میں پورا ہوگا کیونکہ خدا کے پاک اور حتمی وعدوں میں تخلف نہیں ہے شیعہ بتائیں کہ کیا خدا کے اعزازی وعدے منافقین اور مشکوک الایمان لوگوں کے حق میں پورے ہوا کرتے ہیں یا اس کے سچے مخلصین عباد صالحون ہی ان سے بہرہ ور ہوتے ہیں؟ انصاف! انصاف!

(۳) ﴿اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّا اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ﴾ (پ ۱۷ سورۃ حج ع ۱۳)

ترجمہ:۔ "جو لوگ اپنے دیار سے ناحق نکال دیئے گئے صرف اس بات پر کہ کہتے تھے کہ ہمارا رب ایک خدا ہے۔"

اس آیت میں بھی ان مہاجرین کی شناخت بتلائی گئی ہے کہ "هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ" کے مصداق وہی لوگ ہیں جو صرف خدا کی توحید کا کلمہ پڑھنے پر اپنے گھروں سے نکال دئے گئے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہ کسی سرقہ یا ڈکیتی کے جرم میں اپنے وطن سے نکال دئے گئے تھے؟ یا کسی اور بات پر اپنے دیار کو چھوڑ کر بھاگتے تھے؟ ہرگز نہیں، صرف اسی دعویٰ "رَبُّنَا اللّٰهُ" کے بدلے جو مخالفین اسلام کو ناگوار گزرتا تھا گھروں سے بغیر کسی حق کے نکالے گئے ان لوگوں کے حق میں اس آیت کی ابتداء میں درج ہے۔ ان اللّٰه عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرٌ "یعنی خدائے قدیر ان کا معاون و مددگار ہے" دیکھو یہ خدا کا وعدہ کیسا پورا ہوا؟ آخر کار یہی منصور جماعت غالب رہی اس آیت

سے آگے انہی لوگوں کا نشان رب العباد ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر﴾ ترجمہ:۔ یہ ایسا مخلص گروہ ہے کہ ان کو زمین پر تمکن (اقتدار) حاصل ہو جائے تو پھر بھی نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے منع کرتے ہیں)۔ دیکھو یہ نشان ان نفوسِ مقدسہ میں کیسا چمکتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ "مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْاَرْضِ" کے مصداق ہو کر منصب جلیل (خلافت) پر ممتاز ہو کر بھی "مُقِيْمُو الصَّلٰوةَ مُؤْتُو الزَّكٰوةَ" کے مصداق بنے رہے اور امر معروف اور نہی عن المنکر میں اپنی زندگیاں بسر کر گئے۔ افسوس! شیعہ ایسے پاک نفوس کے حق میں بدگمانی کرتے ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ کھلے کھلے نشان بتلا کر ان کی فضیلت کا ثبوت دے رہا ہے۔

(۴) ﴿لِلْفُقَرَآءِ الْمُهَاجِرِيْنَ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا وَّيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

(پارہ ۲۸۔ سورۂ حشر رکوع ۱)

ترجمہ:۔ "واسطے ان مفلس مہاجرین کے جو اپنے دیار و املاک سے نکالے گئے اور اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں اور خدا اور اسکے رسولؐ کی نصرت کرتے ہیں وہی لوگ سچے ہیں"۔

اس آیت میں خداوند تعالیٰ نے ان فقراء مہاجرین کو صادق و مصدوق ٹھہرایا ہے جو اپنے دیار و اموال چھوڑ کر محض خدا کے فضل اور اس کی رضاء کی طلب میں جلاوطن ہو گئے اور "وَيَنْصُرُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ" کے مصداق تھے۔ شیعہ بتائیں کہ اصحاب ثلاثہؓ اس آیت کے مصداق ہیں یا نہیں؟ کیا وہ اپنی بستیاں اور اپنے مال و املاک چھوڑ تہی دست ہو کر صرف خدا اور رسولؐ کی خوشنودی حاصل کرنے کیلئے مدینہ میں نہیں جا بسے تھے؟ کیا رسول پاکؐ کی نصرت و امداد میں کوئی دقیقہ باقی چھوڑا تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو صادقین کا مبارک لقب عطا فرماتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ کہ صادقین کا تمغہ منافقین کو

بھی مل سکتا ہے؟ اللہ اللہ! خدا کا یہ عطیہ (صادق وصدیق) کا مبارک لقب زبان زد خاص وعام سُن کر رافضی بچارے جل بھن جاتے ہیں اور جلے دل سے کہنے لگ جاتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ کو لقب کوئی خدا اور رسولؐ کی طرف سے تو نہیں ملا۔ بھائیو ذرا آنکھیں کھولو اور غور کرو "اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ" کہنے والا کون ہے؟ اگر یہ خدا کا کلام ہے تو یقیناً سمجھو کے اس فقرہ پاک کے اثر میں ابوبکرؓ کی نسبت وصف صدق میں مبالغہ کا صیغہ یعنی (صدیق) شہرت پذیر ہوا۔ خدائے کریم کے عطیہ لقب صادقین کے خطاب مشتہرہ سے ہر ایک شخص نے اپنے نصیب اور رُتبہ کے مطابق حصہ لینا تھا، اور جیسا کہ ہجرت کرنے والوں میں سے ابوبکرؓ رسولؐ پاک کی نصرت میں سب سے اول نمبر رہے، آپ کی خدمت اور حفاظت کا حق غار ثور جیسے ہولناک مکان میں پورے طور پر ادا کیا تین روز انوار و برکات کا جنہوں نے تمام دُنیا کو منورو مستفیض کرنا تھا تنہائی میں فیضان حاصل کیا، پھر آپؐ کے ہمرکاب مدینہ میں شدائد سفر برداشت کر کے پہنچے۔ ویسا ہی یہ لقب بھی جو کہ پیشگاہ حضور رب العالمین سے اس خدمت کے صلہ میں جملہ خدام کو بالعموم عطا ہوا تھا۔ ابوبکرؓ کو بلحاظ ان کی خدمات کے بالخصوص مبالغہ کے صیغہ میں تعریف میں عطا ہونا چاہئے تھا جو ہوا۔ اب لامحالہ یہ صدیقی لقب خلیفہ اول کے لئے عطیہ ایزدی ماننا پڑیگا۔

(۵) وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (پارہ ۱۱ سورۃ توبہ۔ رکوع ۲)

ترجمہ:۔ "اور مہاجرین میں سے سب سے پہلے سبقت کرنیوالے اور انصار لوگ اور جو نیکی میں ان کے تابع ہوئے خدا اُن سے راضی ہوا اور وہ خدا سے راضی ہوگئے اور خدا نے ان کے لئے باغ تیار کئے ہوئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہ اُس میں ہمیشہ عیش کریں گے یہ بڑی کامیابی ہے"۔

اس آیت میں صحابہؓ کے مراتب کا بیان ہے۔ خداوند کریم نے سب کا ذکر درجہ

وار فرمایا۔ مدارج میں پہلے مہاجرین پھر انصار، بعد تابعین ہیں۔ اسی ترتیب سے آیت میں ان کا ذکر ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سہ گروہ صحابہ کا جنتی ہونا اور ان کو پروانہ خوشنودی بارگاہ ایزدی سے عطا ہو جانا بیان فرما دیا ہے۔ یہ آیت پکار کر کہتی ہے کہ فضیلت میں مہاجرین دوسرے صحابہ کرامؓ پر فائق ہیں اور پھر مہاجرین میں سے سب سے بڑا رتبہ اُس شخص کا ہے جو سب سے اسبق فی الہجرۃ مع الرسول ہے۔ جانتے ہو وہ کون شخص ہے؟ ابوبکر صدیقؓ ہے جو بحکمِ اِس آیت کریمہ کے افضل الصحابہؓ ہیں۔ مکہ مکرمہ سے نکلنے کے وقت یہ پہلا شخص جو حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا اس کو اسبق فی الہجرۃ مع الرسول کا فخر حاصل ہے اور یہ مُسَلَّمُ الطرفین ہے کہ وہ شخص ابوبکر صدیقؓ ہی تھا جو مکہ سے رسولؐ پاک کا پہلا قدم اُٹھانے اور مدینہ میں آخری قدم رکھنے تک آپؐ کے تابع اور ہمقدم رہا جس نے یہ مبارک اور پسندیدۂ خدا سفرِ ہجرۃ اس سردار دو جہان محبوب عالمیان کے ساتھ قدم بقدم طے کیا۔ زہے نصیب ابوبکرؓ زہے شان ابوبکرؓ۔ جس کو سفر میں ایسا خیر رفیق جس کے لقاء کیلئے سُکانِ عالمِ ملکوت بھی ترستے ہیں، نصیب ہوا۔

چہ خوش باشد سفر آندم کہ یارے ہمسفر باشد
چناں یارے کہ زیبا طلعتش رشک قمر باشد
سوار ناقہ احمدؐ سرور جن و بشر باشد
عنانش در کف صدیقؓ پیر نامور باشد

(۲) لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ . اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَقَاتَلُوْا ۚ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى (پارہ ۲۷. سورۃ حدید. رکوع ۱۷)

ترجمہ: ''ان اشخاص کی برابری کوئی نہیں کر سکتا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال خرچ کیا اور کفار سے لڑے یہ لوگ بہت اعلیٰ درجہ والے ہیں۔ ان لوگوں سے جنہوں نے فتح مکہ کے بعد مال خرچ کئے اور دشمن سے لڑے اور سب کے لئے وعدہ بہشت اللہ تعالیٰ نے دے دیا ہے۔''

اس آیت میں ایزد متعال نے اس بات کا فیصلہ فرما دیا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے یاران رسولؐ جنہوں نے جانی و مالی خدمات کیں بہت بڑا رتبہ رکھتے ہیں۔ اب کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ پہلے گروہ میں داخل ہیں جو فتح مکہ سے پہلے اپنی جان و مال کو آقائے نامدار رسولؐ پاک پر نثار کیے ہوئے تھے۔ اور کفار نابکار سے جہاد و قتال کرتے رہے۔ اس آیت کی رو سے بھی ابوبکرؓ کی فضیلت کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ آپ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں اپنا سارا مال جو گھر میں رکھتے تھے لا کر پیش کر دیا اور خود ایک کمبل اوڑھ لیا پھر ابوبکرؓ صدیق ہی وہ شخص ہیں جن کے گھر سے غار ثور میں سید انس و جاں (فداہ ابی و امی) کا نان و نفقہ پہنچتا رہا۔ کوئی شخص نہیں جو اس یار غار کی ہمسری کا دعوی کر سکے۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ﴾

(۷) ﴿ هُوَ الَّذِیْٓ اَیَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَیْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ (پارہ ۱۰ سورۃ انفال۔ رکوع ۴)

ترجمہ:۔ ” اس خدا نے اے رسولؐ تجھے خاص اپنی نصرت سے تائید کی اور مومنوں کی جماعت سے اور ان کے دلوں کو جوڑ دیا۔ اگر تو ساری زمین کی دولت خرچ کر دیتا ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتا تھا وہ زبردست حکمت والا ہے۔ اے نبی تجھے کافی ہے اللہ اور تیرے پیروکار مومن۔“

اس جگہ خداوند کریم رسولؐ پاک کو تسلی بخش الفاظ فرماتا ہے کہ ہر چند کفار تجھ سے مکر لڑائیں، تیرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔ دشمن کے مقابل میں آپؐ بالکل مطمئن رہیں آخر میدان آپ کے ہاتھ میں ہو گا۔ دشمن تیرے مقابلہ کی کیا تاب رکھ سکتا ہے، جبکہ آپ کی حامی اور موید ایک تو ہماری نصرت ہے دوسرا آپ کے ماتحت وہ الٰہی فوج ہے، جس کا معائنہ ڈاکٹری نسبت امراض قلبی (قساوت و جُبن) وغیرہ کرنے والے ہم خود ہیں۔ ہم نے پہلے ہی منتخب کر کے آپ کی فوج میں وہ نمک حلال سپاہی بھرتی کیے ہیں جن کے دل

جملہ امراض سے پاک و صاف ہیں۔ ان کو ہمارے حضور سے ایمان (اخلاص و اطاعتِ فرمان) کا تمغہ مبارک خطاب مومنین عطا ہو چکا ہے۔

دوم:۔ اِس بیڑہ کے جنگی ملازمین کے ہم نے دل باہم ایسے جوڑ دیئے ہیں کہ ممکن نہیں کہ کوئی ان میں پھوٹ ڈال سکے اور یہ تالیف قلوب کسی انسانی حکمت کا کام نہیں تھا۔ اگر دُنیا کے سارے خزانے بھی اس کام پر خرچ کر دیئے جاتے تو ایسا ہونا ناممکن تھا۔ یہ صرف ہماری زبردست حکمت کا کام تھا شیعہ صاحبان اس آیت پاک کے مضمون پر غور کریں۔ رب العباد نے کھلے لفظوں میں فرمایا ہے کہ جماعت رسولی میں تو ایک خالص مخلص پاک دل گروہ ہمارے خاص حکم سے داخل کیا گیا ہے جن کی صفائی پر کسی انسانی شہادت کی ضرورت نہیں ہے اور خالص مخلص جماعت کو بارگاہ الٰہی سے مومنین کا لقب مل چکا ہے۔ پھر شیعہ باوجود الٰہی شہادت کے ان کی بابت کیسے اشتباہ کر سکتے ہیں اور اس لقب خداداد (مومنین) کا تمغہ ان سے چھین سکتے ہیں۔ دیکھو! جس فوج کے ایک ملازم تک اس الٰہی تمغہ (ایمان) سے لیس ہو چکے ہیں اس کے اعلیٰ افسران کا جو رتبہ حضور الٰہی میں ہو سکتا ہے تم خود ہی قیاس کر سکتے ہو۔ اس جماعت میں تو جماعت رسولی حزب اللہ (الٰہی فوج) کے ہر ایک ملازم کی صفائی کی شہادت دی گئی ہے۔ اب اس اگلی آیت میں خاص اس فوج کے اعلیٰ افسران (سرداران) کے حالات اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

(۸) ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ﴾

(پارہ ۲۶ سورۃ فتح رکوع ۱۲)

ترجمہ:۔ محمدؐ خاص خدا کا رسول ہے اور جو لوگ اس کے ساتھ (اس کے خواص) ہیں وہ کافروں پر سخت زور آور ہیں۔ آپس میں محبت کرنے والے ہیں تو ان کو دیکھتا ہے رکوع و سجود کرنے والے خدا کا فضل اور رضا چاہتے ہیں ان کے چہروں میں سجدوں کے نشان موجود ہیں۔

اس آیت میں حق سبحانہ و تعالیٰ ان خاصانِ بارگاہ محمدی کے اوصاف جمیلہ کا بیان فرماتا اور ان کی اعلیٰ ہمت اور جواں مردی اور باہمی اتفاق اور ان کے کیرکٹر (نیک چلن) اطاعت الٰہی کی تعریف کرتا ہے یعنی میرے اس اسلامی شہنشاہ کی کمانڈ اُن بہادروں کے ہاتھ میں ہے جو دل سے اس شہنشاہ کا ہر وقت ساتھ دینے والے ہیں "وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ" کے مضمون اور معیت کے معنی پر خوب غور فرمایئے "اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ" دشمن کی فوج پر غیظ و غضب سے ٹوٹ پڑنے والے دشمن پر ان کی شدت قہر وصولت کا ایسا اثر پڑتا ہے کہ دیکھتے ہی ان کے چھکے چھوٹ جاتے ہیں۔ "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" آپس میں ایک دوسرے پر جان دینے والے۔ صحابہ کرامؓ کے باہمی اتفاق کو ظاہر کرنے کے لئے "رُحَمَآءُ" کا لفظ کس قدر موزوں ہے وصف رحمیت ہزار ہزار اتفاق کو اپنے اندر لپیٹے ہوئے ہے اور واقعی اسلامی پیشواؤں کا اتفاق کوئی معمولی اتفاق نہ تھا بلکہ وہ سچے "رُحَمَآءُ" تھے اس پکے وصف نے دشمن کے ہر ایک مقابلہ پر اُن کو غالب اور فتح یاب کر دیا بھلا معمولی اتفاق بھی مقابلہ دشمن کے لئے کامیابی کا باعث ہوتا ہے چہ جائیکہ اتفاق رحمیت کی حد تک پہنچا ہوا ہو جس پر ہزار ہا اتفاق قربان ہیں۔ افسوس اس "رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ" کے مُسَلَّمہ وصف صحابہ کرامؓ میں بھی شیعہ صاحبان دست اندازی کئے بغیر نہیں رہ سکے۔ "تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" یعنی باوجود اس اقتدار عظیم کے جوان اسلامی سرداروں کو حاصل ہے پھر بھی "رُكَّعًا" یعنی سر نیاز خم کئے ہوئے "سُجَّدًا" بلکہ سر عجز زمین پر رکھے ہوئے دیکھ لو "يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا" یہ خدائی پلٹن کے افسر کسی دینوی اعزاز کے طالب اور دولت کے خواہاں نہیں ہیں اور اپنی ان سچی خدمات کا کوئی صلہ نہیں چاہتے ہاں صرف اللہ کا فضل اور اس کی خوشنودی کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنا چاہتے ہیں "سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ" ان سرداروں کی شناخت کے لئے وردی کے ساتھ بلے لٹکانے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ان کی شناخت کے لیے ان کے ہاتھوں میں امتیازی خدائی نشان کثرت سجود کے باعث تاباں و درخشاں ہیں جو قیامت تک قائم رہیں گے اب شیعہ صاحبان خود ہی انصاف کریں کہ اس تعریف الٰہی کے مصداق اسلامی پیشواؤں کی نسبت کیسے واہی تباہی خیالات کئے

جاتے ہیں کہ یہ لوگ مشکوک الایمان تھے۔" نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذِہِ الْخُرَافَاتِ"۔

انتباہ

دونوں آیات متذکرہ بالا اس امر کی شاہد ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں صحابہ کرامؓ میں ایسی محبت والفت اور ایک دوسرے سے پیار تھا جو کبھی زائل ہونے والا نہ تھا ان کی محبت دُنیا داروں کی ظاہری محبت نہ تھی بلکہ خدا کی عطا شدہ صادق قلبی مودت تھی جس کا نقش لوح دل سے مِٹنا مشکل تھا اس الفت ومحبت کو اگر کوئی قیمتاً خرید کرتا تو زمین ومافیہا کے مخفی خزانے بھی اس کے سامنے ہیچ تھے۔ یہ تو الٰہی شہادت ہے لیکن شیعہ صاحبان اس کے خلاف یہ کہتے ہیں کہ اور تو اور حضور علیہ السلام کے خاص الخاص اصحاب و احباب کے دل بھی صاف وشفاف نہ تھے بلکہ وہ ایک دوسرے کے خلاف کینہ وحسد دل میں رکھتے تھے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے۔ اصحاب ثلاثہؓ کو حضرت علیؓ سے بیر تھا اور علی المرتضیٰؓ کو ان سے خصومت، پھر قارئین کرام خود ہی انصاف کریں کہ شیعہ کو سچا جانیں یا قول خدا پر ایمان لائیں؟ بہر حال قول خدا سچا ہوگا اور شیعہ جو ان کے خلاف بہتان باندھتے ہیں بشہادت قرآن غلط اور جھوٹ ہے:۔ "فَاعْتَبِرُوْا یٰاُولِی الْاَبْصَارِ"۔

(۹) لَا تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ یُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْٓا اٰبَآءَھُمْ اَوْ اَبْنَآءَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ اُولٰٓئِکَ کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِھِمُ الْاِیْمَانَ وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ وَیُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خَالِدِیْنَ فِیْھَا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ اُولٰٓئِکَ حِزْبُ اللّٰہِ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (پارہ ۲۸ سورۃ مجادلہ رکوع ۳)

ترجمہ:۔ نہ پائے گا تو ایسی قوم کو جو یقین رکھتے ہیں اللہ پر اور پچھلے دن یعنی قیامت پر کہ دوستی کریں ان لوگوں سے جو مخالف ہوئے خدا اور اس کے رسولؐ کے اگرچہ ان کے باپ بھائی یا خویش ہوں ان کے دِلوں میں خدا نے ایمان

لکھ دیا ہے اور ان کو مدد دی اپنے غیب کے فیض سے، اور داخل کرے گا ان کو بہشت میں جس کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ سدا رہیں ان میں۔ اللہ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی ہیں یہ الٰہی جماعت فلاح والی ہوتی ہے۔

اس آیت میں مخلص مومنین کی پڑتال کا ایک عمدہ معیار حق سبحانہ وتعالیٰ نے بتلا دیا ہے وہ یہ کہ اس مخلص جماعت کی پہچان یہ ہے کہ اعداء خدا و رسولؐ سے کبھی دوستی نہ کریں گے اگرچہ کیسے ہی ان کے اقرباء کیوں نہ ہوں اب ہم اصحابؓ ثلاثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو اس کسوٹی پر رکھ کر پرکھ سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام شاہد ہے۔ "اَلْحُبُّ لِلّٰهِ وَالْبُغْضُ لِلّٰهِ" انہی حضرات کا خاصہ و لازمہ تھا اور اس امتحان میں یہ حضرات ایسے پورے نکلے کہ دوست دشمن اس امر کی شہادت دیتے ہیں کہ اسلام کے معاملہ میں کبھی قرابت اور محبت کا اثر ان کے دلوں پر غالب نہیں آ سکتا تھا۔ جنگ بدر میں فاروق اعظمؓ کے ہاتھ سے عاص بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار تھا اور آپ کا حقیقی ماموں تھا قتل ہوا بلکہ آپ نے قیدیوں کے معاملہ میں رائے دینے کے وقت پکار کر کہہ دیا تھا کہ اسلام کے معاملہ میں قرابت اور رشتہ کو کیا دخل ہے؟ ہم میں سے ہر ایک شخص اپنے عزیز کو خود قتل کرے اس طور پر کہ علیؓ عقیل کو قتل کر دیں اور حمزہ عباس کو اور میں اپنے فلاں عزیز کی گردن اپنے ہاتھ سے ماروں (دیکھو تاریخ طبری ص ۱۳۰۰) اس سے بڑھ کر اس امر کا کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے بیٹے تک کا شرعی حد کے اجراء میں لحاظ نہیں فرمایا تھا اور اس کو دُرے لگائے تھے۔ سبحان اللہ و بحمدہ انہی کارگزاریوں اور دین حق کی سچی تابعداری کے بدلے میں ہی تو یہ حضرات مقبول درگاہ ایزدی ہو کر دنیوی اور اخروی اعزاز کے مستحق ہو گئے۔ کیا شیعہ صاحبان کوئی معتبر شہادت اس کے برخلاف پیش کر سکتے ہیں کہ اسلام کے بارہ میں ان لوگوں کے دلوں پر قرابت اور رشتہ داری کا لحاظ بھی عمر بھر میں ایک دفعہ مستولی ہوا تھا؟ کسی دشمن خدا اور رسولؐ کے ساتھ انہوں نے یارانے گانٹھ لیے ہوئے تھے؟ کبھی بھی نہیں پیش کر سکیں گے پھر اس آیت میں اس امتحان کے پاس شدگان کی نسبت الٰہی شہادت دیکھو کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ نے ایمان کو نقش کر دیا ہے جو کبھی محو نہیں ہو سکتا روح

الغیب سے ان کو مدد ملی اور قیامت میں بہشت کی نعمت جلیلہ حاصل کریں گے ان کو خوشنودی کے سرٹیفکیٹ عطا ہو چکے پھر ان کے ایمان اور فضیلت میں شک کرنے والے صاف تکذیب قرآن کرتے ہیں۔

شیعہ غور کریں

اِن آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول علیہ السلام کے صحابہؓ کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اسلام کے معاملہ میں کسی اپنے بیگانہ کا لحاظ نہ کرتے تھے۔ دشمنِ خدا اور رسولؐ سے اعلانیہ دشمنی کرتے، خواہ باپ بیٹا یا بھائی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن شیعہ اس کے خلاف یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ اصحاب ثلاثہؓ (معاذ اللہ) کافر و منافق تھے لیکن جناب امیر علیہ السلام ان سے یارانہ گانٹھے رہے! ہر معاملہ میں ان کے مشیر کار رہے۔ مال غنائم میں حصہ دار بنے رہے حتیٰ کہ اپنے لخت جگر حضرت امام حسینؓ کی شادی خانہ آبادی کے متعلق بھی حضرت عمرؓ کے رہین منت ہوئے چنانچہ آنجناب نے یزدجرد شاہ ایران کی دختر شہر بانو جو غنیمت میں تھی ان کو بیاہ دی بلکہ کتب شیعہ میں یہاں تک تصریح ہے کہ تزویج فاطمہؓ کی سلسلہ جنبانی بھی پہلے صدیقؓ و فاروقؓ نے ہی کی تھی (جلاء العیون اردو ص ۱۱۸ و ص ۱۱۹) حضرت علیؓ ان منافقین کے پیچھے نمازیں بھی پڑھتے رہے ہر بات میں ان سے ہاں میں ہاں ملاتے رہے، کبھی ان سے قتال و جدال نہیں کی۔ مخلص دوستوں کی طرح ہر ایک مرحلہ میں ان سے متحد و متفق رہے پھر شیعہ بتلائیں کہ امیر علیہ السلام آیت ''لَاتَجِدُ قَوْمًا'' کا مصداق کس طرح ہو سکتے ہیں کیا کوئی شیعہ اس کا جواب دے سکتا ہے؟

(۱۰)﴿اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ. یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ﴾ (پارہ ۱۰، سورۃ توبہ رکوع ۸)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لائے اور خدا کی راہ میں ہجرت اور جہاد کیا، اپنی

جانی و مالی خدمت سے دریغ نہ کیا خدا کے ہاں بڑا رتبہ رکھتے ہیں اور وہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں خدا ان کو اپنی رحمت خوشنودی کی بشارت دیتا ہے اور بہشتوں کی، جن میں ابدی عیش حاصل کریں گے۔"

ان آیات میں مہاجرین مومنین کا اعلیٰ رتبہ ہونا اور ان کا فائز الدارین ہونا بیان فرمایا گیا ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ اس آیت کے مصداق نہ تھے؟ کونسا وصف اوصاف مذکورہ آیت کریمہ سے مسلوب کر سکتے ہو؟ کیا آنحضرتؐ کے ساتھ بلا طمع دنیا کے ایمان نہیں لائے تھے؟ یا آپؐ کے ساتھ ہجرت کا شرف حاصل نہ کیا تھا؟ جہاد فی سبیل اللہ کے فرض کے تارک تھے؟ اگر ان میں یہ سب اوصاف ہیں تو خدا تعالیٰ نے ان کی نسبت شہادت دی ہے کہ ان کا درجہ خدا کے ہاں بہت بلند ہے اور فائز المرام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو خوشنودی کا سرٹیفکٹ عطا فرما دیا اور بہشت بریں کا وعدہ ان کے لئے ہو چکا ہے۔ پھر جو شخص ان کی شانِ والا میں گستاخی کرے وہ کب مومن رہ سکتا ہے؟ افسوس کہ شیعہ حضرات قرآن پاک میں رسولؐ پاک کے اصحاب باصفا کی ایسی تعریف دیکھ کر بھی برا بھلا کہتے ہیں۔

(۱۱)﴿إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنْفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰةِ وَالْإِنْجِيلِ وَالْقُرْآنِ. وَمَنْ أَوْفىٰ بِعَهْدِهِ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُمْ بِهِ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ. التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾

(پارہ ۱۱، سورۃ توبہ، رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔"خدا نے خرید لی ہیں مومنوں سے ان کی جانیں اور مال (کہ اس کی راہ میں خرچ کریں اس قیمت پر کہ ان کو بہشت ملے گا) خدا کی راہ میں

لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں (کفار کو) اور (قتل ہوتے ہیں کافروں کے ہاتھ سے) اس کے ذمہ وعدہ ہو چکا سچا تورات اور انجیل اور قرآن میں، اور کون ہے قول کا پورا اللہ سے زیادہ؟ خوشی مناؤ اے ایمان والو اِس سودے پر جو تم نے خدا سے کیا (یعنی فانی چیز دے کر ابدی نعیم لے لیا) اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ یہ (مسلمان) توبہ کرنے والے (برائیوں سے) بندگی کرنے والے (دل سے) شکر بجالانے والے نعمت اسلام پر، بے لگاؤ رہنے والے (دُنیا کے تعلقات سے) رکوع وسجود کرنے والے۔ بھلائی کا امر کرنے والے بُرائی سے منع کرنے والے، نگاہ رکھنے والے حدود اللہ کو۔ اور ان کو مبارک باد دیجئے (کہ ایسے القاب حضور الٰہی سے ان کو عطا ہوئے)۔"

دیکھو، اس موقعہ پر حق تعالیٰ نے ان سچے مومنوں کو جنھوں نے اس کی راہ میں جانیں اور اموال حاضر کئے مؤکد وعدہ بہشت عطا کرنے کا دے دیا اور فرمایا کہ یہ وعدہ سچے مومنوں کے لئے ہے، نہ صرف قرآن میں بلکہ انجیل وتورات میں بھی درج ہو چکا ہے۔ پھر ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ ایفاء وعدہ میں خدا سب سے زیادہ پکا ہے (کیوں نہ ہو وہ کریم ہے اور "اَلْكَرِيْمُ اِذَا وَعَدَ وَفٰى" اس حتمی وعدہ دینے کے بعد پھر ان مومنین مخلصین کے خداوند عالی نے اوصاف جمیلہ بھی بیان فرما دیئے اب شیعہ حضرات سے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا خدا سے یہ سودا کرنے والے اصحاب ثلاثہؓ نہ تھے؟ انہوں نے اپنی جان و مال کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا تھا اور اس کے عوض ان کے لئے عطیہ نعیم اخروی کا وعدہ بھی بارگاہ ایزدی سے ہو چکا، پھر ان کی شانِ والا میں شک کرنے کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ کیا انہوں نے زرِ ثمن (مالی و جانی خدمات) خدا سے واپس لے لی تھیں؟ یا خدا نے اِن کے ہاتھ سے مالِ مبیعہ (جنت) واپس لے کر بیع مذکورہ کا اقالہ کر لیا ہے؟ حاشا وکلا۔ یہ تو پکی بیع قطعی ہو چکی جو کبھی فسخ نہیں ہو سکتی اور یہ اوصاف جو خداوند عالم نے اپنی پاک کلام میں بیان فرمائے ہیں سب سے بڑھ کر انہی حضرات میں پائی جاتی ہیں پس یہ کتنی بے انصافی ہے کہ حق تعالیٰ تو اِن کو مبارکبادی کے ساتھ وعدہ دے، اور ان کی تعریف کرے اور شیعہ

اس کے خلاف کچھ اُلٹا ہی راگ گائیں۔

(۱۲) وَجَاهِدُوْ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَاجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَسَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَالِيَكُوْنَ الرَّسُوْلَ شَهِيْداً عَلَيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْ شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ (پارہ ۱۷، سورہ حج، رکوع ۱۷)

ترجمہ:۔ ''اور خدا کی راہ میں سچا جہاد کرو خدا نے پسند کیا اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل یہ دین تمہارے باپ ابراہیمؑ کا ہے۔ اللہ نے تمہارا نام مسلمان (حکم بردار) پہلے ہی سے رکھا ہوا ہے (یعنی اگلی کتابوں میں) تاکہ رسول ﷺ تمہارا گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ ہو۔''

دیکھو اس آیت میں مومنین مجاہدین کے اسلام اور ایمان پر کیسی قوی شہادت الٰہی موجود ہے کہ ان کا نام نہ صرف قرآن میں بلکہ آسمانی کتابوں میں پہلے ہی مسلمان لکھا ہوا ہے۔ کیا خلفائے کرام سے بڑھ کر کوئی شخص ''وَجَاهِدُوْ فِيْ سبيل اللّٰهِ'' کا حامل ہو سکتا ہے اسمیں کلام نہیں ہے کہ انہوں نے اس حکم پاک کی پوری جانفشانی سے تعمیل کی، پھر شیعہ اگر خدا کی جملہ آسمانی کتابوں سے ان کے سچے اسلام کی شہادت مٹا سکتے ہیں تو مٹائیں۔ سبحان اللہ! جن بزرگانِ دین کے اوصافِ حسنہ تمام آسمانی نوشتوں میں پہلے ہی سے درج ہو چکی ہوں اگر کوئی حق ناشناس ان کے خلاف یاوہ گوئی کرے تو کیا مضائقہ ہے؟۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ؟

(۱۳) ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا . وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا﴾ (پارہ ۲۶، سورۃ فتح رکوع ۱۱)

ترجمہ:۔ ''بالتحقیق رب العالمین ان مومنین سے راضی ہو چکا جبکہ وہ ایک

درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے۔ پس خدا نے ان کے دلوں کا حال جان لیا۔ خدا نے ان پر رحمت اتاری اور ان کو فتح قریب عطا کی اور بہت سا مال غنیمت انہوں نے حاصل کیا۔ خدا غالب حکمت والا ہے"۔

اس آیت میں خداوند کریم نے بیعت الرضوان کے شاملین کو اپنی رضاء کی سند عطا فرمائی اور ان پر رحمت کا نازل کرنا اور فتح اور حصول مغانم کی مبارکباد دی ہے۔ شیعہ بتلائیں، کیا خوشنودی کا پروانہ منافقین کو بھی ملا کرتا ہے؟ کبھی نہیں جو لوگ اس بیعت میں شامل ہوئے اور اس پہ قائم رہے ان کو منشور رضا الٰہی عطا ہو چکا۔ اور الٰہی دربار سے ملا ہوا منشور پھر واپس نہیں لیا جا سکتا یہ بات مُسلم الثبوت ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ میں سے شیخینؓ تو اس بیعت میں شریک تھے اور حضرت عثمانؓ رسالت مآبؐ کی تعمیل حکم کے لئے مدینہ منورہ میں سفیر بن کر گئے ہوئے تھے اور گویا وہ اس بیعت میں پہلے ہی سے داخل ہو چکے تھے۔ کیونکہ بیعت لینے سے مطلب ہی یہ تھا کہ کوئی شخص ایسے مشکل وقت میں ہمت ہار کر لشکرِ اسلامیاں کا ساتھ نہ چھوڑ دے۔ وہ تو پہلے ہی سے اس عہد کی وفا کا عملی ثبوت دے چکے تھے کہ دشمن کے شہر میں امر رسولؐ مان کر چلے گئے تھے۔

دوم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو بھی بیعت میں اس طرح شریک فرمایا کہ خاص اپنے دست مبارک کو دست عثمانؓ بتایا جس سے بیعت عثمانؓ کا رتبہ سب سے بڑھ گیا۔ کتب شیعہ میں بھی اس کی تصدیق موجود ہے۔ چنانچہ فروع کافی (روضہ) جلد۲ ص ۱۵۱ میں ہے۔

فَلَمَّا انْطَلَقَ عُثْمَان لَقِيَ اَبَانَ مِنَ سَعِيْدٍ فَتَاَخَّرَ عَنِ السَّرجِ فَتَحَمَّلَ عُثْمَانُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَدخلَ عُثمَانُ فَاَعْلَمَهُمْ وَكَانَتِ الْمُنَاقَشَةُ مَجْلَسَ سَهْلُ ابْنُ عَمرٍ وعَنْدَ رَسُوْلُ اللّٰهَ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَجلس عُثمَانُ فِي عَسْكَرِ الْمُشرِكِيْنَ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَب صلى الله عليه وسلم بِاِحدىٰ يَدَيْهِ عَلَى الْاُخرىٰ لِعثمان وَقَالَى الْمُسلِمُوْنَ طُوْبىٰ

لِعُثْمَانَ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعىٰ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَاَحَلَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عَلَيْهِ وَسَلَّم مَاكَانَ لِيَفْعَلَ فَلَمَّا جَآءَ عُثْمَانُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اَطُفْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَاكُنْتُ لِاَ طُوْفَ بِالْبَيْتِ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَمْ يَطِفْ بِهٖ ثُمَّ ذَكَرَ الْقِصَّةَ وَمَا كَانَ فِيْهَا .

ترجمہ:۔ پس جب چلا عثمان ملا ابان بن سعیدؓ کو پس پیچھے ہوا زین سے پس عثمانؓ اس کے آگے سوار ہوا اور داخل ہوا عثمانؓ اور ان کو آگاہ کیا۔ پس سہل بن عمرو (سفیر مشرکین) رسول اللہ کے پاس آ بیٹھا اور عثمانؓ لشکر مشرکین میں محبوس ہوا۔ رسول اللہؐ نے مسلمانوں سے بیعت لی اور اپنا ایک ہاتھ دوسرے پر عثمانؓ کے لئے مارا۔ مسلمان کہنے لگے خوشا حال عثمانؓ کا کہ طواف کعبہ نصیب ہوا اور صفا مروہ میں سعی کرے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ ممکن نہیں کہ عثمانؓ ہمارے بغیر طواف کرے پس جس وقت عثمانؓ آیا، حضرت نے فرمایا کہ تو نے کعبہ کا طواف کیا؟ عرض کی کہ میں بغیر حضورؐ کے کس طرح سے طواف کرتا۔"

یہی مضمون شیعہ کی کتاب حیات القلوب جلد ۲ ص ۴۰۴ میں درج ہے ایسا ہی حملہ حیدری میں درج ہے:۔

طلب کر دپس اشرف انبیاء ز اصحاب عثمانؓ صاحب حیا
باوہم ہماں گفت خیر البشرؐ کہ زاں پیشتر گفتہ بد باعمرؓ
بو سید عثمانؓ زمین و زماں با مقصد رواں شد چو تیراز کماں
چو اورفت اصحاب روز دگر بگفتند چندیں بہ خیر البشرؐ
خوشا حال عثمانؓ با احترام کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسول خدا چوں شنید ایں سخن بپا سخ چنیں گفت با انجمن
ز عثماں نداریم ما ایں گماں کہ تنہا کند طواف آں آستاں

فضیلت عثمانؓ

اس واقعے سے جس کی شہادت کتب معتبرہ شیعہ کافی کلینی، حیات القلوب، حملہ حیدری سے ملتی ہے حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں جن سے حضرت عثمانؓ کی فضیلت کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔

(۱) آنحضرتؐ کا حضرت عثمانؓ کو دیگر اصحاب کبار سے جن میں حضرت علیؓ بھی تھے اس خاص مہم کے لئے انتخاب کرنا۔

(۲) بیعت الرضوان کے وقت حضور علیہ السلام کا اپنے دست مبارک کو دست عثمانؓ قرار دے کر بیعت عثمانؓ لینا۔

(۳) جملہ مومنین اصحاب کرام کا حضرت عثمانؓ کے اس اعزاز امتیاز کا رشک کرتے ہوئے ان کو مبارکباد کہنا۔

(۴) حضور علیہ السلام کو حضرت عثمانؓ کی خاص محبت و عشق رسولی پر ایسا وثوق ہونا کہ فرما دیا ناممکن ہے کہ اپنے محبوب (آقائے نامدار) کے بغیر وہ عاشق صادق تنہا حج بیت الحرام کر سکے۔

(۵) حضور علیہ السلام کی اس توقع کا آمد عثمان پر صحیح ثابت ہونا۔

پھر تعجب ہے کہ ایسی صریح فضائل کا ثبوت پا کر پھر شیعہ حضرات عثمانؓ کے کمالات کی نسبت شک وشبہ کریں۔ "اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الاعداء"

ایک اور ثبوت

حضرت عثمانؓ کی فضیلت کا ایک اور ثبوت کتب شیعہ سے ملتا ہے جو فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۴۶ میں درج ہے:۔

عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِيِّ الْحَلَبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامِ يَقُوْلُ اِخْتِلَافُ بَنِي العباسِ مِنَ الْمَحْتُوْمِ وَ النِّدَآءُ مِنَ الْمَحْتُوْمِ وَخُرُوْجُ الْقَائِمِ مِنَ الْمَحْتُوْمِ قُلْتُ وَكَيْفَ النِّدَاءِ

قَالَ يُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَآءِ اَوَّلَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عَلِيًّا عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ شِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْن وَيُنَادِىْ مُنَادٍ اٰخِرَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عُثْمَانَ شِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْنَ.

ترجمہ:۔ ''امام صادقؒ نے فرمایا۔ اختلاف بنی عباس کا یقینی ہے اور ندا بھی یقینی ہے۔ امام مہدی علیہ السلام کا خروج بھی امر یقینی ہوگا۔ راوی نے پوچھا کہ ندا کیونکر ہوتا ہے؟ امام نے کہا کہ ابتداء صبح ایک منادی آسمان سے ندا کرتا ہے کہ حضرت علیؓ ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں اور آخر دن ندا ہوتی ہے کہ حضرت عثمانؓ اور ان کے پیرو فائز (کامیاب) ہیں۔''

امام صادق علیہ السلام کی ایسی کھلی زبردست شہادت کے بعد بھی اگر شیعہ حضرت عثمانؓ کی فضیلت کے قائل نہ ہوں تو پھر ان سے خدا سمجھے۔

آں را کہ بقرآن و خبر زوند ہی
آنست جوابے کہ جوابش ندہی

سوالِ شیعہ:۔ بیعت رضوان کے شاملین میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے بیعت کو توڑ دیا اور ان کا خاتمہ بخیر نہ ہوا جیسا کہ جد بن قیس وغیرہ

جواب:۔ ایسا شاذ و نادر وجود (اجد بن قیس وغیرہ) اگر بیعت کو توڑ کر کفار میں مل جائے تو کیا مضائقہ؟ یہ شخص پہلے ہی سے ضعیف الایمان منافق تھا۔ پھر اس نے بیعت توڑ کر اپنا نام اخص الخواص فریق کی فہرست سے خارج کرالیا جس کی تشہیر ہوگئی اور کتب فریقین میں اس کا ذکر ہے لیکن اصحابؓ ثلاثہ کو ایسے مردود پر قیاس کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ جو مرتے دم تک اس عہد پر قائم رہ کر فائز المرام ہوئے۔ اگر یہ لوگ بھی بیعت شکن ہوتے تو مسند خلافت نبویؐ پر ان کو بیٹھنا کس طرح نصیب ہوتا؟ اور حضرت علی المرتضیٰؓ شیر خدا ان کے ہاتھ پر بیعت کیوں کرتے۔ پھر حضرت عثمانؓ جن کو خاندان رسالت میں دو دفعہ دامادی کا فخر حاصل ہوا جو عشق و محبت رسولؐ کے امتحان میں (جیسا کہ مذکور ہوا) پاس ہو چکے اور جن کے فائز المرام ہونیکی نسبت بشہادت صادق علیہ السلام

روزانہ آسمانی ندا، مثل علی المرتضیٰؓ ہوتی ہے ایسے ویسے کس طرح قیاس ہو سکتے ہیں؟ شیعو ہوش کرو۔ انصاف! انصاف!!

(۱۴)﴿ لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ بِهِمْ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾

(پارہ ۱۱، سورۃ توبہ، رکوع ۱۴)

ترجمہ:۔ ''خدائے رحیم نے نبی اور ان مہاجرین و انصار پر رحمت کی توجہ فرمائی جو تنگی کے وقت آپ کے تابع ہونے، بعد اس کے پھر جانے لگے تھے ان میں سے بعض کے دل۔ پھر ان پر رجوع برحمت فرمایا۔ خدا ان پر بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ ان مہاجرین و انصار کی تعریف فرماتا ہے جنہوں نے ساعۃ العسرۃ (جنگ تبوک) میں شریک ہو کر آنحضرتؐ کی اتباع کی، کیا اس جنگ میں اصحاب ثلاثہ شریک نہ تھے؟ بلکہ جناب امیر عثمانؓ نے تو اس مہم میں ایک قابل قدر نمایاں خدمت پیش کی تھی وہ یہ کہ تین سو اونٹ مع سامان کے اور ایک ہزار اشرفی طلائی کی امداد تھی اور یہ بات آپ کے کارناموں میں اب تک مشہور عام ہے۔

(۱۵) وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ﴾ (پارہ ۴، سورۃ العمران، رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ ''اور بیشک خدا نے تمہیں بدر کی مہم میں نصرت دی تھی، درآنحالیکہ کہ تم کمزور تھے سو تم اللہ سے ڈرو تاکہ شکریہ ادا کرو جب کہ تو کہتا تھا مومنوں سے کیا تمہیں یہ کافی نہیں ہے کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اُتار کر تمہاری امداد کرے۔''

اس آیت میں شرکاء جنگ بدر کو مومنین کا لقب درگاہ رب العزۃ سے عطا ہو چکا

ہے اور شیخین معرکہ بدر میں ضرور شامل تھے۔ شرکاء جنگ بدر وہ مقبولان بارگاہ ایزدی تھے جن کی تائید و نصرت کے لئے اللہ العالمین نے تین ہزار فرشتے بھیجے اور یہ لوگ آخر کار بامداد الٰہی مظفر و منصور ہوئے۔

(۱۶) ﴿وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ (پارہ ۴، سورۃ العمران۔ رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ "اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے جا کر مومنوں کو لڑائی کی جگہوں میں بٹھاتا تھا خدا سننے والا جاننے والا ہے۔"

یہ آیت جنگ اُحد کا واقعہ بیان کرتی ہے اس میں شاملینِ جنگ مذکور کے ایمان پر تنصیص ہے۔ اس جنگ میں اصحابؓ ثلاثہ شامل تھے۔

طعنِ شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ اصحابؓ ثلاثہ جنگ اُحد میں رسول کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جو شخص جنگ سے بھاگ جائے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔

جواب

اصحابؓ ثلاثہؓ کی نسبت یہ الزام کہ وہ معرکہ اُحد میں رسولؐ پاک کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے ایک ایسا بیہودہ بہتان و افتراء ہے جس کا کوئی ثبوت ہماری کتب معتبرہ سے نہیں دے سکتے اور یہ امر کہ قرآن میں بعض مسلمانوں کے پیٹھ پھیر جانے کا ذکر لکھا ہے جیسا کہ

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ (پارہ ۴، سورۃ العمران۔ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ "بتحقیق وہ لوگ جو دو لشکروں کے ملنے کے دن پیٹھ دے گئے تھے ان کو شیطان نے اپنے بعض کسب (لالچ) کے باعث لغزش دی اور بالتحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کا قصور معاف کر دیا بے شک خدا بخشنے والا حلیم ہے۔"

سو اس آیت یا دیگر ایسی آیات میں کہیں تصریح نہیں ہے کہ یہ کون افراد تھے؟ علی المرتضیٰؓ یا اُن کے پیرو تھے یا ثلاثہؓ یا ان کے اتباع؟ فریقین اس آیت میں جس شخص خاص یا خاص جماعت کے ذمہ یہ الزام عائد کریں یہ ان کی ضد اور فاش غلطی ہے پھر جب ان اشخاص کا یہ قصور معاف کر دیا گیا تو پھر اس کی معافی کے بعد بڑا ظالم ہے وہ شخص جو ان کو مجرم سمجھے۔ ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ کو پڑھیئے اور غور کیجئے۔

خیالِ شیعہ

شیعہ کا اس بارے میں عقیدہ یہ ہے کہ جنگ اُحد کے معرکہ میں سارے کا سارا لشکر بھاگ گیا تھا، صرف حضرت علیؓ اور ابو دجانہ انصاریؓ باقی رہ گئے تھے۔ جیسا کہ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۴۹ میں درج ہے: [اِنْهَزَمَ النَّاسُ يَوْمَ اُحُدٍ اِلَّا عَلِيٌّ وَاَبُوْ دُجَانَةَ الْاَنْصَارِيُّ] اُحد کے دن بغیر علیؓ اور ابو دجانہ انصاری کے سب لوگ بھاگ گئے)

سو اگر شیعہ کا یہ قول مان لیا جائے اور یہ الزام ناقابل عفو جرم ٹھہرایا جائے تو علیؓ کے علاوہ صرف ابو دجانہؓ مسلمان رہ جاتے ہیں اور شیعہ کے مُسَلَّمہ خالص مومنین مقدادؓ ابو ذرؓ سلمانؓ عمارؓ وغیرہ بھی دائرہ اسلام سے خارج ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ وفاتِ رسولؐ کے بعد بقول شیعہ صرف یہی معدودے چند اشخاص مسلمان رہ گئے تھے۔ باقی سب مُرتد ہو گئے تھے اور اس سے ابو دجانہ الانصاری بھی مستثنیٰ نہیں رکھے گئے۔ [سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ]

حقیقت یہ ہے کہ یہ سب فسانے یار لوگوں کے گھڑے ہوئے اور بالکل خرافات ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ جنگ اُحد میں اصحابؓ ثلاثہ حضرت علیؓ کی طرح ثابت قدم رہے تھے البتہ جن لوگوں کے پاؤں بوجہ اُن کی غلطی کے لغزش کھا گئے تھے اور ریٹائرڈ ہو گئے تھے وہ بھی دوبارہ آ کر جم گئے اور دشمن سے سینہ سپر ہو کر لڑے اور اس وجہ سے ان کی غلطی معاف ہو گئی اور [وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ] کا سرٹیفکیٹ عطا ہوا۔

(۱۷) ﴿وَقَذَفَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبَ يُخْرِبُوْنَ بُيُوْتَهُمْ بِاَيْدِيْهِمْ وَاَيْدِي الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (پارہ ۲۸ سورہ حشر۔ رکوع ۴)

ترجمہ:۔ ''خدا نے ان (یہود) کے دلوں میں رعب ڈال دیا، اُجاڑنے لگے اپنے گھروں کو اپنے ہاتھوں سے اور مسلمانوں کے ہاتھوں سے''

اِس آیت میں جن مسلمانوں نے رسولؐ پاک کے حکم سے یہود کے گھروں کو برباد کیا تھا خدا اُن کے ایمان کی گواہی دیتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ اصحاب ثلاثہؓ اِن مومنوں کے سرگروہ اور قافلہ کے سردار تھے اور انہی کی شمولیت اور تدبیر سے یہود کے گھر تباہ کئے گئے تھے افسوس کہ قرآن جابجا ان پاک نفوس کے فضائل بیان کرتا ہے مگر شیعہ کے دلوں میں ایسی مُہر لگ گئی ہے کہ سمجھنے سے رہے۔

(۱۸)﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (پارہ۴ سورۃ العمران، رکوع۱)

ترجمہ:۔ ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو داعی الی الخیر اور اُمر بالمعروف اور ناہی عن المنکر ہو، یہ لوگ نجات پانے والے ہیں''۔

اب بتاؤ کہ کیا اصحابؓ ثلاثہ میں یہ اوصاف نہ تھے؟ جبکہ اُنہوں نے اپنی زندگی ہی اس کام میں وقف کردی اور مُلک کے ملک فتح کرکے اِن میں توحید کی روح پھونک دی تھی تو وہ بمنطوق اس آیت کے مفلحون ماننے پڑیں گے۔

(۱۹)﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ (پارہ۶، سورۃ مائدہ۔ رکوع۱۲)

ترجمہ:۔ ''خدا ایسی قوم لائے گا جن کو رسولؐ دوست رکھے گا اور وہ اس کو دوست رکھیں گے یہ قوم مسلمانوں پر مہربان، کفار پر سخت گیری کرنے والی ہے۔ خدا کی راہ میں لڑتے ہیں اور کسی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے یہ خدا کی عنایت ہے جسے چاہیے بخشے۔ خدا وسیع علم والا ہے''۔

بتاؤ! یہ قوم کون تھی؟ جو نبی کریمؐ کے سچے دل سے محبّ اور نبی کریمؐ اِن سے محبت رکھتے تھے۔کیا ثلاثہؓ اس کے مصداق نہیں؟ کیا اصحاب رسولؐ اور یاران غار کا نام دنیا میں یونہی مشہور ہو گیا؟ سوچو اور پھر سوچو۔

(۲۰) ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْا اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَاءُهٗ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ (پارہ۹،سورانفال۔رکوع۴)

ترجمہ:۔''اللہ ان کو کیوں عذاب کرے حالانکہ وہ پیغمبر کو مسجد الحرام سے بند کرتے ہیں اور وہ کافر مسجد کے متولی نہیں ہیں۔اس کے متولی تو متقی لوگ ہیں لیکن کافر جانتے نہیں''۔

بتایئے ! مسجد الحرام کے متولی کون لوگ تھے؟ جن کے متقی ہونے کی الٰہی شہادت مل رہی ہے۔مسجد الحرام کے متولی بعد وفات نبویؐ وہی آپؐ کے خلفائے راشدینؓ تھے جن کو شیعہ ناحق سے منافقوں کا خطاب دیتے ہیں، حالانکہ رب العزت ان کو مُتَّقُوْن کا لقب عطا فرما چکا ہے۔یہی لوگ مسجد کے متولی رہے اور خدا کے گھر (کعبہ شریف) کی کنجیاں بھی انہی کے ہاتھ میں رہیں اور بشہادت الٰہی مسجد الحرام کعبۃ اللہ کے متولی متقین ہی ہو سکتے ہیں۔وَلٰكِنَّ الشِّيْعَةَ لَا يَعْلَمُوْنَ

(۲۱) وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ.

ترجمہ:۔''منافقین سے بعض ایسے لوگ ہیں جو پیغمبر کو ایذاء دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ ایک کان ہے (یعنی ہر ایک کی بات سنتا ہے) کہہ دے کہ کان (سننے والا) تمہارے لئے بہتر ہے۔جو خدا کی کلام کی تصدیق کرتا ہے، اور سچے مومنین کی بات مانتا ہے اور تم میں سے ان لوگوں کے لیے رحمت ہے جو سچے مومن ہیں''۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے صاف بتلا دیا ہے کہ رسولؐ خدا مخلص مومنین کی باتیں سنتے اور ان کی تصدیق فرماتے تھے اور آپ کی نظر رحمت بھی مخلص مومنین پر ہوتی تھی اور یہ مسلمہ بات ہے کہ اصحابؓ ثلاثہ آنحضرت کی مجلس شوریٰ کے اعلیٰ ممبران تھے آپ جملہ امور میں بحکم ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ جملہ امور میں ان سے مشورہ لیتے اور بہت باتوں میں انہی کی اصلاح ومشورہ پر کام کرتے تھے اور خدائے کریم فرماتا ہے کہ نبی کریمؐ کو اجازت ہی نہیں ہے کہ غیر مومن لوگوں کی باتیں سن کر ان کی تصدیق کریں چہ جائیکہ ان کو اپنا مشیر یا مصاحب گردانیں اور نیز جس قدر آپ کی نظر عاطفت ثلاثہؓ پر تھی اس سے انکار ہو نہیں سکتا کیونکہ آپؐ نے ان کے گھر سے ناطے لئے اور اپنے گھر سے دئے۔ اور آیت سے ثابت ہے کہ یہ آپ کی نگاہ عاطفت مومنوں پر ہی ہوا کرتی تھی پھر شیعہ صاحبان کا آپ کے مصاحبوں آپ کے مخلص دوستوں، آپ کے قرابتداروں کے ایمان میں شک کرنا سخت ناانصافی اور صریح بے ایمانی ہے۔

(۲۴) ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بنعمته اِخْوَانًا وَ كُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ (پارہ۴، سورہ العمران۔ رکوع۲)

ترجمہ: ''اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں میں الفت پیدا کر دی اس کی مہربانی سے تم بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ (دوزخ) کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر خدا نے تمہیں اس سے نجات دی۔''

اس آیت میں حق تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اسلام سے پہلے صحابہ کرامؓ کی باہم پشتنی عداوتیں چلی آتی تھیں جن کو اسلام کی روشنی نے بالکل مٹا دیا اور آپس میں ایسی اخوت قائم کر دی کہ اس بھائی بندی کا رشتہ ہمیشہ رہنے والا تھا۔

مندرجہ بالا آیت اس امر کی گواہ ہے کہ صحابہ کرامؓ میں اسلام لانے کے بعد ایسی دوستی واخوت پیدا ہو گئی تھی کہ عداوت کا احتمال ہی جاتا رہا لیکن شیعہ برخلاف اس کے یہ

کہتے ہیں کہ اسلام لاکر بھی ان میں عداوت بدستور رہی اور وہ ایک دوسرے کے دشمن بنے رہے۔ خدا کو سچا مانیں یا شیعہ کے مزعوماتِ فاسدہ کو؟ صاحبان اگر قرآن سچا ہے اور کوئی مسلمان قرآن کی تکذیب نہیں کر سکتا تو ماننا پڑے گا کہ اصحاب ثلاثہؓ اور علی المرتضیٰؓ باہم بھائی بھائی اور شیر و شکر تھے ایک دوسرے کے مفاد پر جان قربان کرتے اور باہم مل کر اسلام کی خدمات بجا لاتے اور کفار سے قتال و جدال کرتے تھے۔ نیز آیت سے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اسلام لانے سے پیشتر یہ لوگ دوزخ کے کنارہ پر تھے لیکن اسلام کی نعمت حاصل ہونے کے بعد آتشِ دوزخ ان پر حرام ہو گئی اور یہ بالکل نجات یافتہ ہو گئے لیکن شیعہ کا قول مانا جائے تو وفات نبویؐ کے بعد سوائے معدودے چند اشخاص (تین چار) کے سب کے سب مسلمان مُرتد و کافر ہو گئے اور جہنم کے گڑھے میں گر گئے پھر تو ﴿فَأَنْقَذَكُمْ﴾ کا مضمون غلط ہو گیا اور مخبر صادق کی شہادت جھوٹی ہو گئی۔

(۲۳) ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾

(پارہ ۴، سورۃ العمران۔ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ ”خدا نے مسلمانوں پر احسان کیا کہ ان میں سے ایک ایسا رسولؐ مبعوث کیا جو ان کو ہماری آیتیں سناتا اور پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تحقیق وہ پہلے صریح گمراہی میں تھے۔“

یہ آیت اور اس قسم کی دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کی پاک تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ کے شاگردان رشید سب کے سب جملہ امراض ظاہری و باطنی سے بالکل پاک و صاف ہو گئے تھے اور نور اسلام کی چمک کے بعد ناممکن تھا کہ پھر ظلمت کفران قلوب پاک میں عود کرتی اور واقعی نبی آخر الزمانؐ کی قوت تاثیر ایک معجزہ تھی جس پر غیر اقوام کو آج تک رشک ہے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر اس وقت تک کسی نبی کی تعلیم میں یہ اثر نہیں پایا گیا کہ تھوڑی سی مدت میں شرق اور غرب تک نور اسلام پھیل گیا اور ایسے کامل

و مکمل مسلمان پیدا ہو گئے جنہوں نے دنیا سے بت پرستی کا نام ونشان مٹا دیا لیکن شیعہ کا قول مانا جائے تو معاملہ برعکس ہو جاتا ہے، کیونکہ بقول شیعہ بہت بڑے مسلمان اصحاب اربعہ جو آپ کی کونسل کے اعلیٰ ممبران' آپ کے صبح و شام کے مشیر باتدبیر تھے ان کا تزکیہ بھی آپ سے نہ ہو سکا بلکہ ان کے دل باہمی عداوت وکینہ سے نبی علیہ السلام کی زندگی میں بھی مکدر رہے اور آپ کی وفات کے بعد تو سب کے سب مسلمان سوائے تین چار اشخاص کے دل سے پھر گئے اور کفر ونفاق اختیار کر لیا تو پھر وہ تزکیہ کہاں گیا اور وہ تعلیم کتاب وحکمت کیا ہوئی؟ کیا بعثت نبی علیہ السلام سے غرض صرف دو تین اشخاص تھی؟ اور نبی علیہ السلام آخر الزمان کی قوت اعجاز کا یہی کرشمہ تھا کہ آپ کی آنکھ بند کرنے کی دیر تھی کہ تمام نقشہ ہی بدل گیا۔

بھائیو! غور کرو کس قدر اسلام اور ہادی اسلام پر دھبہ آتا ہے اور مخالفین اسلام کو طعن کا موقعہ ملتا ہے اگر شیعہ کا اعتقاد درست مانا جائے۔ لیکن یہ سب کچھ بیہودہ گوئی اور لغویات ہیں جو کسی یہودی کے بہکانے پر روافض کے دلوں میں یہ شیطانی وساوس پیدا ہو گئے ہیں۔ الحق ہادیٔ اسلام کی تعلیم پاک میں یہ قوت اعجاز تھی کہ آپ کی یونیورسٹی کے تعلیم یافتہ ایسے فاضل پیدا ہوئے جنہوں نے دنیا کو سبق توحید سکھا کر ہمیشہ کے لئے اوہام پرستی سے نجات دلا دی۔ اقطاع الارض میں نور اسلام کی کرنیں پہنچ کر باعث رفع ظلمات وشرک ہو گئیں۔ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

(۲۴) ﴿ وَاعْلَمُوْا اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْ يُطِيْعُكُمْ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنَ الْاَمْرِ لَعَنِتُّمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ . اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَنِعْمَةً وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ (پارہ ۲۶۔ سورہ حجرات۔ رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ ''مسلمانو! جان لو کہ تمہارے درمیان اللہ کا رسولؐ ہے اگر وہ اکثر باتوں میں تمہارا کہنا مان لے تو تمہیں تکلیف ہو لیکن اللہ نے ایمان کو تمہارا

محبوب بنا دیا ہے۔ اور اس کو تمہارے دلوں میں رچا دیا ہے اور کفر و شرک و نافرمانی سے تمہیں متنفر بنا دیا ہے۔ یہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں اور ان پر اللہ کا احسان ہے۔ خدا دانا و حکیم ہے''۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دلوں میں خدا نے ایمان راسخ اور مضبوط کر دیا ہے اور ایمان کے ساتھ ان کو محبت طبعی ہو گئی ہے، اور کفر و فسق سے ان کو ہمیشہ کے لئے نفرت ہو گئی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایمان کے خلاف کوئی بات ان سے سرزد ہونا محال تھی پھر ان پاک نفوس پر یہ الزام کہ ان کی ایمانی حالت ایسی متزلزل تھی کہ نبی کریمؐ کی زندگی میں بھی ان کا ایمان صرف رسمی اور ظاہری تھا۔ ظاہر میں نبی کریمؐ کے دوست اور اندر سے دشمن بنے رہے اور آپ کی وفات کے بعد خاندانِ رسالت پر اعلانیہ ظلم کرنے شروع کر دیئے کیا یہ آیت کریمہ مذکورہ کی صریح تکذیب نہیں ہے؟ عبرت، عبرت، عبرت!!!

(۲۵) فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَلْزَمَهُمْ كَلِمَةَ التَّقْوٰى وَكَانُوْٓا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا (پارہ ۲۶۔ سورہ فتح۔ رکوع ۱۱)

ترجمہ:۔ ''پھر خدا نے سکینہ (رحمت) اپنے رسولؐ اور ایمان والوں پر نازل کی اور صفت تقویٰ ان کے لئے لازم کر دیا اور وہ اس انعام کے مستحق تھے اور خدا ہر شئے کا علم رکھتا ہے''۔

یہ سورۂ فتح کی آیت ہے جس میں مجاہدین حدیبیہ کے فضائل و مناقب کا بیان ہے ان کو تسکین و تسلی دی گئی ہے اور آئندہ فتوحات و غنائم کی بشارت سنائی گئی ہے۔ اور اُسی سلسلہ میں یہ آیت بھی ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ کریم کی طرف سے اصحابؓ حدیبیہ پر سکینہ نازل ہوا اور صفت تقویٰ ان کے لئے ایسی وصف لازم ہو گئی جو کبھی منفک نہیں ہو سکتی اور یہ بھی فرمایا گیا کہ یہ سچے جاں نثاران رسولؐ فی الواقع اس انعام عظیم کے سب سے زیادہ مستحق اور سزاوار تھے اب آپ ہی بتائیں کہ جن لوگوں کے لئے وصف تقویٰ لازم کی گئی ہو کیا وہ منافق ہو سکتے ہیں؟ یا پھر اُن کے ارتداد کا احتمال ہو سکتا ہے؟

(۲۶) اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ (پارہ ۱۰۔ سورۃ توبہ۔ رکوع ۱۲)

ترجمہ:۔ ''اگر تم اس کی مدد نہ کرو (تو کیا مضائقہ) خدا اُس کا ناصر ہے۔ (جس نے اس وقت اس کو نصرت دی، جب کہ کفار نے اس کو مکہ سے نکال دیا اور وہ دوسرا تھا دو میں سے جبکہ وہ دونوں (دوست) غار میں تھے اور جبکہ اپنے رفیق سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کیجئے یقیناً خدا ہمارے ساتھ ہے''۔

فضائلِ صدیقی پر روشن دلائل

اس آیت پر بنظر انصاف غور کرنے سے فضائل صدیقیؓ ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔

(۱) ایسے ہولناک وقت میں بامر الٰہی ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہونا اور صدیق اکبرؓ کا ایسے خطرناک موقعہ پر اپنے اخلاص وعقیدت میں پکا پکا نکلنا۔ بڑی بہادی سے اس پر خطر خدمت کا بصدق دلِ منظور کرنا اور دشمن کی تلواروں کے سائے تلے سے اپنے پیارے آقا کو بچا کر اپنے کندھے پر سوار کر کے غار ثور میں لے جانا۔ صدیق اکبرؓ کے فضل عظیم پر روشن دلیل ہے۔

(۲) خدا کے حضور سے ثَانِيَ اثْنَيْنِ اور لِصَاحِبِهٖ ثانی رسول اور صاحب نبی دو عظیم الشان خطابوں کا عطا ہونا۔ رسول خدا کا لَا تَحْزَنْ ایک تسلی بخش اور تسکین دہ فقرہ بھی اس عاشق صادق کے لئے کچھ کم فخر نہیں ہے اور یہ مانی ہوئی بات ہے کہ عاشقانِ ذات احمدیؐ اگر اس سردار دوجہان کے منہ سے کوئی معمولی اور اتفاقی فقرہ بھی سن لیا کرتے تھے تو مدت العمر اس کا لازمی وِردر کھتے اور اس کو طرہ امتیاز سمجھ کر اپنے ہم نشینوں میں اس پر اظہار فخر ومباہات کیا کرتے تھے اگرچہ بظاہر وہ فقرہ زجر وتوبیخ کے غرض سے ہی اس پاک مُنہ سے نکل جاتا تھا، چنانچہ ایک دفعہ علی المرتضیٰؓ جبکہ گھر سے کچھ مُنغّض ہو کر مسجد میں جا کر زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور رسول اکرمؐ ڈھونڈتے ہوئے سر پر جا کھڑے ہوئے ان

کا چہرہ خاک آلود دیکھ کر آپ ؐ نے فرمایا قُم' یَا اَبَا تُرَاب وہ فقرہ ابو تُراب جناب علی المرتضیٰؓ کو ایسا پیارا ہوا کہ اپنی کنیت ہی اس کو بنا لیا۔ اب آپ کی یہ کنیت زبانِ زدِ عوام ہے ایسا ہی ایک صحابی کو بلیوں سے پیار کرتے ہوئے دیکھا تو [اَبُوْ هُرَيْرَه] کہہ دیا تھا۔ اُنہوں نے فخر کے ساتھ یہی کنیت اختیار کر لی ایک دفع ابوذر غفاریؓ نے بار بار آمادۂ سوال کیا آپ ؐ نے تیسری دفعہ کے جواب میں فقرہ [عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرّ] خفگی سے فرما دیا وہ عاشق ذاتِ رسالت مآب ؐ اس حدیث کو ہر مجلس میں ذکر کرتا اور وہ فقرہ [عَلٰى رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرّ] فخر سے دوہرایا کرتا تھا۔ اب خیال فرمایئے کہ آنجناب ؐ کا اس خلوت کی مجلس میں ابوبکر صدیقؓ جیسے عاشق صادق جاں نثار کو لَا تَحْزَنْ کا دلاسا دینا اور پھر اس پیارے راحت بخش فقرہ کا رب العزت کے حضور میں منظوری کا شرف حاصل کر کے کلام الٰہی میں درج ہو جانا یہ فخر صدیق اکبرؓ کے حصہ میں تھا۔ کون ہے جو صدیقی رتبہ کی ہمسری کا دم بھر سکتا ہے؟ اور کون مردود ازلی ہے جو صدیقی فضائل سے انکار کر سکتا ہے؟ (۳) پھر دوسرا پاک فقرہ لَا تَحْزَنْ کے بعد جو صدیق اکبرؓ نے اس زبان ترجمان سے سنا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا کا تعظیمی فقرہ ہے جو صدیق اکبرؓ کی عظمت پر روشن دلیل ہے جانتے ہو معیت ایزدی کیا معنی رکھتی ہے؟ خدا کن لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ خدا کی معیت متقین اور محسنین کو ہی نصیب ہوتی ہے پھر جب معیت ایزدی آیت مذکورہ کی رو سے صدیق اکبرؓ کے لئے منصوص ہوگئی تو پھر اُن کا متقی اور محسن ہونا کسی مزید دلیل کا محتاج نہ رہا۔ اللہ اکبر معیت ایزدی اور کونسی معیت، وہی جو رسول ؐ پاک سے معیت ایزدی تھی۔ صدیق اکبرؓ کے نصیب ہوئی ﴿مَعَنَا﴾ کی ضمیر جمع پر غور کرو ﴿وَمَعِيَ يَا مَعَكَ﴾ نہیں فرمایا بلکہ مَعَنَا فرمایا یعنی خدا تیرے اور میرے دونوں کے ساتھ ہے اگر صدیق اکبرؓ ایسے خاص وقت میں حبیب کبریاء رسول ؐ الٰہی کی سچی معیت اختیار نہ کرتا تو کیونکر اس قدر اکرام واجلال درگاہ رحمانی سے میسر ہو سکتا؟ ایسی سچی خدمت گزاری کا صلہ ہے کہ رسول اکرم ؐ سے اس خاص تعلق حضوری کی وجہ الٰہی سے حصہ لیا۔ سچ ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾

(۴) پھر قول الٰہی فَاَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلَیْہِ پر غور فرمایئے یعنی خداوند کریم نے ﴿سَکِیْنَتَہٗ﴾ (رحمت اپنی) اس پر نازل فرمائی۔ کیا رحمت الٰہی کا حاصل کرنا کوئی معمولی بات ہے؟ بڑا مبارک ہے وہ شخص جس پر رب العالمین رحمت بھیجنے کی خبر قرآن کریم میں دے چکا ہے۔

(۵) قول باری تعالیٰ اِذْاَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْاثَانِیَ اثْنَیْنِ (کافروں نے رسولؐ کو اس حالت میں گھر سے نکالا کہ اس کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا) اس امر کی دلیل ہے کہ کفار کو جس قدر عداوت رسولؐ سے تھی اُسی قدر ابوبکر صدیقؓ سے بھی تھی اور ہر دو کو یکساں اپنا دشمن سمجھتے تھے اور دونوں کے ساتھ ایک سا برتاؤ کرنا چاہتے تھے کیونکہ وہ جناب رسولؐ کی ہر مصیبت میں شریک کامل تھے جائے غور ہے کہ قرآن پاک میں جس خصوصیت اور تشخیص وتعیین کے ساتھ ابوبکر صدیقؓ کا صاحب رسولؐ ثَانِیَ اثْنَیْنِ ہونا اور دیگر فضائل کا صراحت سے بیان کیا گیا ہے جس سے موافق ومخالف کو انکار کی گنجائش نہیں رہتی اور کسی دوسرے صحابی کا ذکر باتصریح اس طرح قرآن میں پایا نہیں جاتا۔

واقعہ غار کی تصدیق کتب شیعہ سے

واقعہ غار نے تصدیق مصاحبت صدیق اکبرؓ یار رسولؐ کے انکار کی گنجائش نہیں چھوڑی اس لئے شیعہ مصنفین اس واقعہ کی تصدیق پر مجبور ہوئے ہیں۔ گو تاویلاتِ رکیکہ سے دریغ نہیں کی مگر اس واقعہ کو چھپانا مشکل ہوا تفسیر حسن عسکری ص ۲۳۱ میں ہے۔

[اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَوْحٰی اَلَیْہِ یَا مُحَمَّدُ اِنَّ الْعَلِیَّ الْاَ عْلٰی یَقْرَءُ عَلَیْکَ السَّلَامُ وَیَقُوْلُ لَکَ اِنَّ اَبَاجَھْلٍ وَّالْمَلَاءَ مِنْ قُرَیْشٍ قَدْدَبَرُا یُرِیْدُوْنَ قَتْلَکَ اِلٰی اَنْ قَالَ وَاَمَرَکَ اَنْ تَسْتَصْحِبَ اَبَابَکْرٍ فَاِنَّہٗ اِنْ اَنَسَکَ وَسَاعَدَکَ وَاٰزَرَکَ وَثَبَتَ عَلٰی تُعَاھُدِکَ وَتَعَاقُدِکَ کَانَ فِی الْجَنَّۃِ کَانَ مِنْ رُفَقَائِکَ وَفِیْ غُرَفَتِھَا مِنْ خُلَصَائِکَ وَاِلٰی لَنْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہِ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِاَبِي بَكْرٍ رَضِيْتَ اِنْ تَكُوْنَ مَعِي يَا اَبَابَكْرٍ تُطْلَبُ كَمَا اُطْلَبُ وَ تُعْرَفُ بِاَنَّكَ اَنْتَ الَّذِي تَحْمِلُنِي عَلٰى مَاادَّعِيَهُ فَتَحْمِلُ عَنِّيْ اَنْوَاعَ الْعَذَابِ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَمَّا اَنَالَوْ عِشْتُ عُمَرَ الدُّنْيَا اُعَذَّبُ فِيْ جَمِيْعِهَا اَشَدَّ عَذَابٍ لَا يَنْزِلُ عَلَيَّ مَوْتٌ فَرِيْحٌ وَلَا فَرْحٌ مَتِيْحٌ وَكَانَ ذٰلِكَ فِيْ مَحَبَّتِكَ لَكَانَ ذٰلِكَ اَحَبَّ اِلَيَّ اَنْ اَتَنَعَّمَ فِيْهَا وَاَنَا مَالِكٌ لِجَمِيْعِ قَلْبِكَ لِسُلُوكِهَا فِيْ مُخَالِفَتِكَ مَا اَهْلِيْ وَ وَلَدِيَّ اِلَّا فِدَاءَكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَاجَرَمَ اَنِ الطَّلَعَ اللّٰهُ عَلٰى قَلْبِكَ وَوَجَدَ مَافِيْهِ مُوَافِقًا لِمَاجُرِيْ عَلٰى لِسَانِكَ جَعَلَكَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ السَّمْعِ وَالْبَصَرِ وَالرَّاسِ مِنَ الْجَسَدِ وَ بِمَنْزِلَةِ مِنَ الْبَدَنِ كَعَلِيِّ نِالَّذِيْ هُوَلَكَ انتهٰى مُلَخَّصًا.

ترجمہ:۔ ”خلاصہ کلام امام علیہ السلام کا یہ ہے جبرائیل علیہ السلام پر وحی لائے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ ابو جہل اور جماعت قریش نے تیرے قتل کرنے کی تدبیر کی ہے آگے چل کر فرمایا اور خدا نے تجھے حکم دیا ہے کہ ابوبکرؓ کو اپنا رفیقِ سفر مناؤ۔ اگر وہ موافقت اور موانست اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بھی تیرے ساتھ ہوگا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا۔ اے ابوبکرؓ تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح میرے قتل کے لئے مجھے تلاش کریں ویسے تیرے قتل کے لئے در پے ہوں اور اس بات کی تشہیر ہو کہ تو نے ہی مجھے اس بات پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب سے تجھے قسم قسم کے عذاب پہنچیں۔ ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر آپ کی محبت میں عمر بھر مجھے عذاب اور تکالیف پہنچتی رہیں (نہ مروں اور آرام پاؤں) تو میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ آپ کو چھوڑ کر دنیا کی شہنشاہی قبول کروں

میری جان و مال اور اہل عیال سب کے سب آپ پر قربان ہوں۔(آپ کو چھوڑ کر کہا جاؤں) یہ سن کر رسولؐ اللہ وسلم نے فرمایا۔ تحقیق اللہ تعالیٰ تیرے دل پر مطلع ہوا اور تیرے دل کو تیری زبان کے مطابق پایا۔ بالیقین خدا نے تجھے بمنزلہ میرے سمع و بصر کے گردانا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہے جو سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے"۔

شیعوں کے دلوں میں اگر کچھ بھی عزت امام حسن عسکری کی ہے تو وہ امام والا مقام کی روایت پڑھ کر غور کریں کہ اس سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی کس قدر تعریف ہوتی ہے اس روایت سے حسب ذیل اُمور ثابت ہیں:۔

(۱) اللہ ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت رسول سفرِ ہجرت میں اللہ کے خاص حکم سے عمل میں آئی تھی، جس سے معلوم ہوا کہ علمِ الٰہی میں اس خدمت کے قابل ابوبکر صدیقؓ سے بڑھ کر کوئی صحابی نہ تھا۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا ابوبکر صدیقؓ کو اس خدمت کے لئے خاص طور پر منتخب فرمانا دُنیائے اسلام میں ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت آشکارا کرنا مقصود تھا۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے رسول پاک کو اطلاع دے دی کہ اگر صدیق اکبرؓ نے اس خدمت کو صدقِ دل سے انجام دیا تو جنت میں بھی رفاقتِ رسولؐ نصیب ہوگی چونکہ یارِ غار نے اس خدمت کو باحسن وجوہ انجام دیا اسلئے حسب وعدۂ الٰہی جنت الفردوس میں بھی رفاقت رسولؐ کے مستحق قرار پائے۔

(۴) رسولؐ پاک کا یہ فرمانا کہ ابوبکرؓ تجھے پسند ہے کہ کفار تیرے اور میرے درپئے آزار یکساں ہوں کیونکہ ان کو معلوم ہے کہ یہ سفرِ ہجرت تیرے ہی صلاح و مشورہ سے اختیار کیا گیا۔ ابوبکرؓ کی عظمتِ شان کی دلیل ہے کہ ابوبکرؓ بھی تبلیغ اسلام اور استیصال کفر میں کفار کے نزدیک رسولؐ پاک کے راست بازو تھے اور ان کی صدیقؓ سے وہی عداوت تھی جو رسولؐ پاک سے تھی۔

(۵) باوجودیکہ شدید تکالیف سفر سے حضور علیہ السلام نے اپنے جانباز عاشق کو آگاہ کر

کے یقین دلایا تھا کہ اس سفر میں سخت ترین مصائب کا سامنا ہے پھر عاشق صادق کا اس کو قبول کر کے کہنا کہ مجھ اپنے آقائے نامدار کا ساتھ چھوڑنا ہرگز منظور نہیں اگرچہ میری جان قیامت تک عذاب میں پھنسی رہے اور یہ کہ یہ تکالیف حضورؐ کی رفاقت میں جاں نثار عاشق کو روئے زمین کی سلطنت ملنے سے بھی ہزار درجہ راحت بخش اور آرام دہ ہے بقول شخصے ؎

یک جاں چہ متاعیست کہ سازیم فدایت
اماچہ تواں کرد کہ موجود ہمیں است

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے جذبات محبت اور عشق رسول کا اعلیٰ ثبوت ہے

(۶) پھر حضور علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ ابوبکرؓ اللہ علیم وخبیر کو تیرے اخلاص وعقیدت کا علم تھا اسی لئے تیرا میرا یہ جوڑ بنایا کہ تو میرے سمع وبصر کی بجا ہے۔ اور کہ میری اور تیری نسبت روح وبدن کی نسبت ہے۔ ''سبحان اللہ'' اس سے بڑھ کر فضائل صدیقی کا ثبوت جو شیعہ کی معتبر کتاب جو کہ ان کے برگذیدہ امام کی تصنیف سے ملتا ہے اور کیا چاہیے؟ لیکن افسوس صد بُری بات شیعہ ایسی واضح اور روش روایات کو بھی تقیہ پر محمول کر دیں گے۔ اللہ رے تقیہ؟ تو شیعہ کے ہاتھ میں کیسی سپر ہے؟ کہ کیسی ہی زد پڑتی نظر آئے تیرے حصن حصین میں آ کر جان بچا لیتے ہیں لیکن یاد رکھو! آئمہ اہل بیت پر ایک بیہودہ بہتان ہے کہ وہ تقیہ کی غرض سے کوئی خلافِ واقعہ بات کہہ دیں جو لعنتیوں کا فعل ہوا کرتا ہے۔

دوسری شہادت

واقعہ غار کی تصدیق میں دوسرا استشہاد شیعہ کی بڑی مستند کتاب حملہ حیدری سے پیش کیا جاتا ہے۔

چنین گفت راوی کہ سالار دیں ۔ چو سالم بحفظ جہاں آفریں
زنزدیک آں قوم پُر مکر رفت ۔ بسوئے سرائے ابوبکرؓ رفت

پئے ہجرت آں نیز استاد بود ۔ کہ سابق رسولش خبرداده بود
نبیؐ بود درخانۂ اش چوں رسید ۔ بگوشش ندا سفر در رسید
چوں ابوبکر زاں حال آگاہ شد ۔ زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد
چو رفتند چندیں بداماں دشت ۔ قدوم فلک سائے مجروح گشت
ابوبکرؓ آنگہ بدوشش گرفت ۔ وے زیں حدیث است جائے شگفت
کہ درکس چناں قوت آمد مدید ۔ کہ بار نبوت تواند کشید
برفتند القصہ چندے دگر ۔ چو گردید پیدا نشانِ سحر
بدیدند غارے دراں تیرہ شب ۔ کہ خواندے عرب غار ثورش لقب
گرفتند در جوف آں غارجا ۔ ولے پیش بوبکرؓ بنہاد پائے
بہر جا کہ سوراخ یار خنہ دید ۔ قبارا بدرید آں رخنہ چید
بدیں گونہ تاشد تمام آں قبا ۔ یکے رخنہ نگرفتہ مانداز قضا
براں رخنہ ماندہ آں یار غار ۔ کف پائے خود رانمود استوار
نیامدجز او ایں شگرف از کسے ۔ کہ دُور از خردمی نماید بسے
نیامدچنیں کارے از غیر او ۔ بدنسیاں چو پرادخت از رفت او
در آمد رسولؐ خدا ہم بغار ۔ نشستند یکجا بہم ہر دو یار
چوں شد کار پرداختہ ہم چناں ۔ رسیدند کافر پیاپے براں
درآندم بکف پائے آں یار غار ۔ کہ برروئے سوراخ بُود استوار
رسیدش زدندن مارے گزند ۔ درآں درد افغان او شد بلند
پیغمبرؐ بادگفت آہستہ باش ۔ رسیدند اعداء مکن مراز فاش
مکن غم گرداں صدا را بلند ۔ کہ از زخم افعی نیابی گزند
بغار اندروں تاسہ روز و سہ شب ۔ بسر بردآں شاہ بفرمان رب
شدے پور بُوبکرؓ ہنگامِ شام ۔ بہ بُردے دراں غار آب و طعام
نمودے ہم از حال اصحاب شر ۔ حبیب خدائے جہاں راخبر

نبیؐ گفت پس پور بوبکرؓ را | کہ اے چوں پدر اہلِ صدق و صفا
در جمازہ باید کنوں راہوار | کہ مارا رساند بہ یثرب دیار
ہم از اہل دیں آبدیدیلے جملہ دار | بردکرد راز نبی آشکار
ازد حملہ دار اں سخن چوں شنود | دو جمازہ در دم مہیا نمود
تہی شد ازاں قوم آں کوہ و دشت | رسولِؐ خدا عازمِ راہ گشت
بہ صبح چہارم برآمد زغار | دو جمازہ آوردہ بدجملہ دار
نشست ازیرِ شترآں شاہِ دین | ابوبکرؓ را کرد باخود قریں

ترجمہ:۔ ''راوی نے روایت کی ہے کہ جب آنحضرتؐ صحیح سالم بحفظ نرا اس نابکار قوم کے ہاتھوں سے نکل کر ابوبکرؓ کے گھر پہنچ گئے تو ہجرت کیلیے وہ تیار کھڑے تھے کیونکہ آنحضرتؐ پہلے خبر دے چکے تھے۔ نبی علیہ السلام جب اس کے گھر پہنچے اور سفر ہجرت کی ابوبکرؓ نے ندا سُنی ابوبکرؓ واقف حال ہو کر حضور علیہ السلام کے ہمراہ ہو گئے جب تھوڑا سفرِ صحرا طے کیا حضورؐ کے قدم مبارک زخمی ہو گئے تب ابوبکرؓ نے کندھے پر اُٹھا لیا اور یہ امر واقعی عجیب ہے کہ اس جاں نثار کو کیسی قوت حاصل ہوگئی کہ بار نبوت کا متحمل ہو گیا۔ الحاصل چلدیئے تا کہ وقت سحر ہو گیا۔ ایک غار نظر آئی جسے عرب غار ثور کہتے ہیں اس غار میں جا گزیں ہوئے جسمیں پہلا قدم ابوبکرؓ نے رکھا جہاں کہیں سوراخ پایا کرتہ پھاڑ کر سوراخ بند کیے حتیٰ کہ کرتے کے چیتھڑے ختم ہو گئے اور ایک سوراخ باقی رہ گیا اس باقی ماندہ سوراخ پر اس یار غار نے اپنا پاؤں رکھ دیا یہ عجیب فعل بغیر ایسے جاں نثار کے مشکل اور عقلاً محال نظر آتا ہے۔ رسول خداؐ غار میں داخل ہوئے اور دونوں دوست یکجا بیٹھ گئے جب یہاں تک نوبت پہنچی یکلخت کافر آ گئے اس وقت اس نے پاؤں کو سوراخ میں رکھا ہوا تھا۔ سانپ نے ڈسا اور مارے درد کے چیخ نکل گئی پیغمبرؐ نے کہا خاموش رہو راز فاش نہ ہو جائے۔ غم مت کرو اور آواز نہ نکالو گزند مار تکلیف نہ دیگا تین دن رات تک امر الٰہی سے اس غار میں وقت گزارا ابوبکرؓ کا فرزند شام کیوقت غار میں کھانا پہنچاتا تھا اور کفار کے حالات سے نبی علیہ السلام کو مطلع کرتا تھا۔ نبی علیہ السلام نے پسر ابوبکرؓ کو کہا کہ اے شخص جو اپنے باپ کی طرح

صاحب صدق وصفا ہے۔ دو تیز رفتار اونٹ چاہئیں جو مدینہ طیبہ تک کو پہنچا دیں۔ ایک دیندار چرواہا بھی پسر ابوبکرؓ ہمراز تھا چرواہا نے یہ خبر سنکر دو اونٹ مہیا کر دیئے کفار سے وہ جگہ خالی ہوگئی تو حضور علیہ السلام عازم راہ ہو گئے۔ چوتھے روز آپؐ غار سے نکلے اور اونٹ حاضر کے گئے ایک پر شہنشاہ دو جہاںؐ سوار ہوئے اور اپنے پیچھے اپنے وزیر باتدبیر کو سوار کیا اور دوسرے اونٹ پر چرواہا عامر سوار ہوگیا''۔

اس نظم میں شیعی مصنف نے اگرچہ شعر نمبر ۲۰ و نمبر ۲۱ میں اپنے تعصب کی کسی قدر جھلک دکھائی ہے تاہم بیان واقعہ حرف بحرف کر کے داد انصاف دی ہے۔ اس قصہ سے جو شیعی فاضل مصنف حملہ حیدری نے بیان کیا ہے۔ حسب ذیل اُمور ظاہر ہوتے ہیں جو صدیق اکبرؓ کے عشق رسولی کا ثبوت دیتے ہیں۔

(۱) سفر ہجرت کا راز حضور علیہ السلام نے پہلے اپنے محرم راز صدیق اکبرؓ کو بتا دیا ہوا تھا اور کفار کی آنکھوں میں خاک ڈال کر حضور ﷺ سیدھے اپنے صادق الوداد دوست ابوبکر صدیقؓ کے گھر رونق افروز ہوئے۔

(۲) صدیقؓ حضورؐ کا جاں نثار عاشق رات بھر گھڑیاں گن گن کر اس وقت کا منتظر ہو رہا تھا کہ کسوقت سرورِ دو جہاںؐ اپنے جانباز عاشق کی جھونپڑی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرماتے ہیں۔ جونہی آہٹ سنی فوراً قدمبوس ہوگیا۔

(۳) ابوبکرؓ نے اپنے محبوب سردار دو جہاںؐ کی پیادہ روی کی تکلیف کو محسوس کر کے باوجود پیرانہ سالی حضورؐ والا کو اپنے کندھے پر سوار کر لیا اور اس بات کو غنیمت تصور کیا کہ شاہ دو جہاںؐ کے قدموں کی خاک بنے۔

(۴) عاشق صادق کو خدا نے فوق العادت طاقت بخشی کہ وہ گرانبار نبوت کا متحمل ہو گیا جس کا متحمل ہونا انسانی طاقت سے بالاتر تھا۔

(۵) جب تیرہ غار میں داخلہ کا وقت ہوا تو حضور علیہ السلام کو نہ داخل ہونے دیا جب تک کہ مار و مور موزیات کے تمام سوراخ بند نہ کر لئے اپنا کرتہ چاک کر کے جملہ سوراخ بند کئے۔ جب کوئی چیتھڑا باقی نہ رہا تو باقی ماندہ ایک سوراخ اپنی ایڑی

سے بند کر لیا کہ کوئی موذی کاٹے تو عاشق کو اور محبوب دو جہان کو گزند نہ پہنچے۔

(۶) آخر کار گزند افعی کی تکلیف برداشت کی اور اس امر کو عین راحت سمجھا۔

(۷) تین دن رات میں آفتاب عالمتاب کے انوار تاباں تنہا حاصل کئے جنہوں نے دو جہاں کو روشن کرنا تھا اس دوران میں کیا کچھ اسرار قدرت اس خوش نصیب مرید نے مشاہدہ کئے ہوں گے جو اپنے مرشد ہادی دو جہاں سے خلوت گزیں ہو رہا تھا ز ہے نصیب ابوبکرؓ ز ہے طالع ابوبکرؓ۔

(۸) حضور سرور کائناتؐ اپنے مخلص دوست ابوبکرؓ کے متواتر تین دن رات مہمان رہے چنانچہ ہر سہ روز کھانا ابوبکرؓ کے گھر سے جاتا تھا جس کو حضورؐ تناول فرماتے تھے (کیا رسولؐ کافر و منافق کے گھر کا کھانا ایسے نازک وقت میں منظور کر سکتا ہے؟)

(۹) سواری کا بندوبست بھی پسر ابوبکرؓ نے کیا اور حضور علیہ السلام نے ایک ہی اونٹ پر اپنے یار غار کو اپنے ساتھ سوار کیا اور مبارک سفر ہجرت اس کی ہمراہی میں طے فرمایا پھر تعجب ہے کہ اِسقدر فضائل صدیقؓ اپنی کتابوں میں پڑھ کر بھی شیعہ صدیقؓ کو برا بھلا کہہ کر اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

تیسری شہادت

واقعہ غار کے متعلق تیسری شہادت شیعہ کی مستند کتاب تفسیر قمی ص ۱۵۷ میں یوں پائی جاتی ہے:۔

قولہ: الاتنصروہ فقد نصرہ اللہ ازا خرجہ الذین کفروا ثانی اثنین ازھما فی الغار ازیقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا۔ فانہ حدثنی ابی عن بعض رجالہ دفعہ الی ابی عبداللہ علیہ السلام قال لما کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فی الغار قال لابی بکر کانی انظر الی سفینۃ جعفر واصحابہ تقوم فی البحر وانظر الی الانصار مختبین فی افنیتھم فقال ابوبکر تراھم یارسول اللہ قال نعم

فاريهم فمسح عينيه وراهم فقال له رسول الله صلى الله عليه و آله انت الصديق.

ترجمہ:۔[قولہٗ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ] راوی کہتا ہے کہ مجھ سے میرے باپ نے حدیث بیان کی اس نے بعض رجال سے جنہوں نے امام صادق تک روایت پہنچائی۔امام نے فرمایا جبکہ تھے رسول پاکؐ غار میں ابوبکرؓ کو فرمایا گویا کہ میں جعفر اور اُس کے ساتھیوں کی کشتی دیکھ رہا ہوں جو دریا میں کھڑی ہے اور میں انصار مدینہ کو بھی دیکھ رہا ہوں جو اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ہیں ابوبکرؓ نے عرض کی۔ یارسول اللہؐ! آپ ان کو دیکھ رہے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں! ابوبکرؓ نے کہا مجھے بھی دکھایئے۔حضورؐ نے ابوبکرؓ کی آنکھوں کو اپنے دست مبارک سے مس فرمایا تو اس کو وہ تماشا نظر آیا۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تو صدیقؓ ہے"۔

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ غار میں جو اسرار حضور انورؐ مشاہدہ فرمار ہے تھے ان کے مشاہدہ میں ابوبکرؓ کو بھی شریک فرمایا اور آنکھوں کو دست مبارک سے مس فرمایا۔تو سب کچھ نظر آنے لگا پھر آپؐ نے ابوبکرؓ سے کہا کہ بے شک تو صدیقؓ ہے۔(جب حضور علیہ السلام کے دست مبارک نے ابوبکرؓ کے چہرہ کو منور فرمایا اور کشف اسرار غیبیہ ہوا تو پھر اُس چہرہ کو نار دوزخ سے کیا خطرہ؟ جبکہ ایک رومال دست مال جو انسؓ کو عنایت ہوا تھا آگ میں ڈالتے تو پہلے سے زیادہ شفاف و صاف نظر آنے لگتا اور آگ اس کو نہ جلا سکتی بلکہ اور جلا بخشتی تھی پھر دست مبارک کی برکت سے جو کشف اسرارِ غیبیہ ابوبکرؓ کو حاصل ہو گیا پھر یہ عطیہ عظمیٰ اُن سے کون چھین سکتا تھا؟ صدیق اکبرؓ کو کلید اسرارِ غیبی بہ صلۂ رفاقت غار عطا ہوئی' علاوہ ازیں یہ حدیث اس بات میں نص ہے کہ ابوبکرؓ بہ صلۂ خدمات سفر ہجرت ومصاحبتِ غار لقب صدیقؓ بارگاہ رسالتمآبؐ سے عطا ہوا تھا جس کی شہادت کُتب شیعہ صراحت سے دے رہی ہیں:۔ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اسی مضمون کی حدیث فروع کافی جلد ۳ (روضہ) ص ۱۲۳ میں اور حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۴۴ میں درج ہے اگرچہ ان میں مصنفین نے حسب عادت کسی قدر نیش زنی کی ہے لیکن واقعہ جوں کا توں نقل کردینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔

اعتراضاتِ شیعہ

واقعہ غار کے متعلق اگرچہ نص صریح مشعر فضائل صدیق اکبرؓ موجود ہے لیکن بقول شخصے

چشم بد اندیش کہ برکند باد
عیب نماید ہنرش در نظر

شیعہ حضرات نے یہاں بھی فضول اعتراضات کر کے اپنی خوش فہمی کا ثبوت دیا ہے۔ جن کا دفعیہ ضروری سمجھ کر اعتراض شیعہ پہلے درج کر کے پھر جواب لکھا جائیگا۔

اعتراض شیعہ

آیت میں لِصَاحِبِہٖ سے ابوبکرؓ کی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ قرآن میں دو مصاحب یوسفؑ کا ذکر بھی ہے یا صَاحِبِیِ السِّجْنِ حالانکہ وہ کافر تھے۔

جواب: سبحان اللہ شیعہ صاحبان کی قرآن فہمی کا کیا کہنا' قرآن میں صَاحِبِیْ یُوْسُفَ نہیں بلکہ صَاحِبِیِ السِّجْنَ مذکور ہے وہ ہر دو صاحب السجن (جیل کے رہنے والے قیدی) تھے صاحبی مضاف اور سجن مضاف الیہ۔ صاحبی کی یاء ضمیر متکلم نہیں ہے بلکہ اصل میں صَاحِبَیْنِ (تثنیہ) تھا اضافت کے سبب نون ساقط ہو کر صَاحِبِیِ السِّجْنَ کہا گیا۔ سو وہ صاحب زندان تھے اور لِصَاحِبِہٖ میں صاحب کی اضافت ضمیر کی طرف ہے جو رسولؐ خدا کی طرف راجع ہے غرض صَاحِبُ الرَّسُوْلُ کہلانا اور چیز ہے اور ﴿صَاحِبَ السِّجْنَ﴾ اور شئے ہے۔ پھر جیل میں رہنے والے یوسف علیہ السلام کے ساتھی پیغمبر کے ساتھ نہیں گئے تھے بلکہ اپنے جرم کے باعث اسیر ہوئے تھے اور لصاحبہ والا ساتھی خدا کے خاص حکم اور رسول پاک ﷺ کے انتخاب سے رفیق سفر بنایا گیا تھا پھر یہ صاحب غار

(حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یار غار) تھا جو اس وقت تک عاشق صادق کے لئے ضرب المثل کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

ببیں تفاوت راہ از کجا است بکجا

ایسا ہی قَالَ لِصَاحِبِہٖ وَھُوَ یُحَاوِرُہٗ وغیرہ کو سمجھو صرف صاحب کے لفظ کی فضیلت نہیں ہے بلکہ یہ فضیلت مضاف الیہ (رسولؐ) کی مبارک نسبت سے پیدا ہوئی ہے جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتی سچ پوچھو تو شیعہ ایڑی چوٹی کا زور ماریں تو اس صراحت وضاحت سے وہ ولایت علیؓ تو کجا قرآن سے علی المرتضیٰؓ کا صاحبُ الرسول ہونا بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ غور کرو اگر الہ العالمین کو ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت کا بیان نہ منظور ہوتا تو واقعۂ غار میں صرف رسولؐ پاک کا ہی ذکر کافی تھا۔ ابوبکرؓ کے ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اور ذکر بھی ثَانِیَ اثْنَیْنِ اور لِصَاحِبِہٖ کے ساتھ کرنا نہایت ہی لطیف رمز رکھتا ہے۔

اعتراض شیعہ

رسولؐ کا ساتھی ہونا فضیلت کی بات نہیں کیونکہ نوح ولوط علیہما السلام کی عورتیں رسول کی ہم صحبت ہونے کے باوجود کافرہ تھیں۔

جواب:۔ اگر معترض کو کچھ عقل ہوتی تو ان عورتوں پر صدیقؓ کو قیاس نہ کرتا۔ ہر امر میں مستثنیات ہوتے ہیں۔ باوجود یہ کہ حق تعالیٰ نے اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ کا کلمہ بیان فرما کر ظاہر فرمایا ہے کہ پلید عورتیں پلید مردوں کے لئے اور پلید مرد پلید عورتوں کے لئے اور پاک عورتیں پاک مردوں کیلئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں) لیکن دو عورتوں کو اس حکم سے استثناء فرما کر قرآن میں ان کو ضرب المثل بنا دیا ہے۔ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوا امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ کَانَتَا تَحْتَ عَبْدَیْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَیْنِ فَخَانَتٰھُمَا فَلَمْ یُغْنِیَا عَنْھُمَا مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا۔

لیکن معاذ اللہ کیا خدیجۃ الکبریٰؓ اور عائشہ صدیقہؓ کو ان پر قیاس کیا جا سکتا ہے؟ کلا وحاشا۔ اسی طرح صدیق اکبرؓ ایسے جانباز کی صحبت رسولؐ کو امراءۃ لوط ونوحؑ پر قیاس کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے جبکہ ان کے کفر کی اللہ تعالیٰ نے قرآن میں تصریح کر دی ہے۔ اور ادھر ابوبکر صدیقؓ کو مسند خلافت عطا فرما کر ان کی پاکبازی کا ناطق فیصلہ فرما دیا ہے۔

اگر ابوبکرؓ معاذ اللہ نوحؑ اور لوطؑ کی عورتوں کی طرح کافر ومنافق ہوتے تو ان کے کفر ونفاق کی قرآن میں تصریح کر دینے سے خدا کو کیا خوف تھا؟ غرض آیت کے جملہ الفاظ پر غور کرو پھر دیکھو کہ کس قدر تعریف ابوبکرؓ کی ثابت ہے۔

اعتراض:۔ شیعہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ لَاتَحْزَنْ کا کلمہ تعریف کا موجب نہیں یہ صیغہ نہی کا ہے اور جس بات سے خدا نے منع کیا ہو وہ داخل معصیت ہے۔ اگر یہ حزن کرنا نیکی ہوتی تو اس سے منع کیوں کیا جاتا؟ اور یہ صیغہ نہی کیوں مذکور ہوتا؟

جواب:۔ شیعہ ایسے اعتراض کرتے وقت اگر قرآن کی باقی آیات پر بھی نظر ڈال لیا کریں تو ایسی خرافات لکھنے کی ضرورت نہ رہے کیا شیعہ معترض کو معلوم نہیں ہے کہ اس قسم کے کلمات پیغمبروں کی نسبت بھی مذکور ہیں۔

(۱) جب حضرت موسیٰؑ کا عصا اژدہا بنا تو آپ بمقتضائے بشریت ڈر کر بھاگے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

﴿ لَا تَخَفْ اِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ الْمُرْسَلُوْنَ﴾ (پارہ۱۹ رکوع۱۶)

ترجمہ:۔ اے موسیٰؑ مت ڈر میرے حضور میں، پیغمبر ڈرا نہیں کرتے۔

(۲) جب ساحروں نے اپنی رسیاں جادو سے سانپ بنا کر دوڑائیں اس وقت بھی حضرت موسیٰؑ خائف ہوئے اللہ العالمین نے فرمایا لَاتَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى (پارہ۱۶۔ رکوع۳)

ترجمہ:۔ ڈر نہیں تو ہی غالب ہوگا۔

(۳) جب حضرت ابراہیمؑ نے فرشتوں کو انسانی شکل میں دیکھا تو ڈر گئے پھر جب بھونا ہوا گوشت ان کے روبرو رکھا اور فرشتوں نے نہ کھایا از بس خائف ہوئے

فرشتوں نے تسلی دی قَالُوْ لَا تَخَفْ اِنَّا اُرْسِلْنَا اِلٰی قَومِ لُوْطٍ

ترجمہ:۔فرشتوں نے کہا ڈرمت ہم تو قوم لوط کو عذاب دینے آئے ہیں۔

(۴) لوطؑ کے پاس جب فرشتے آئے وہ ڈر گئے، فرشتوں نے تسلی دی قَالُوْ لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْكَ وَاَهْلَكَ اِلَّا امْرَاَتَكَ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ (پارہ ۲۰ رکوع ۳)

ترجمہ:۔فرشتوں نے کہا خوف اور غم مت کیجئے ہم تجھے اور تیرے عیال کو بچائیں گے سوائے تیری عورت کے جو قوم کفار میں شامل ہے۔

(۵) رسولؐ پاک کو خطاب کر کے حق تعالیٰ نے فرمایا:۔﴿لَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴾ (پارہ ۲۔رکوع ۱۲)

ترجمہ:۔آپ کچھ غم نہ کیجئے اور کفار کے مکر کی پرواہ نہ کریں۔

(۶) مومنین سے خطاب ہے ﴿لَا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (پارہ ۲۴۔رکوع ۱۸)

ترجمہ:۔خوف اور غم مت کرو اور بہشت موعودہ کی بشارت لو۔

اب شیعہ بتلائیں یہ سب نہی کے صیغے ہیں جو اولوالعزم کے مرسلین خطاب میں ہیں اور بالخصوص ہمارے رسولؐ اکرم اور مومنین کے خطاب میں وہی کلمہ لَا تَحْزَنْ استعمال ہوا ہے کیا پیغمبروں کے اس خوف وحزن کو جو بمقتضائے بشریت ان پر طاری ہوا، داخل معصیت سمجھو گئے اور ﴿لَا تَخَفْ وَلَا تَحْزَنْ﴾ کے خطاب کو اُن کی عظمت شان اور شفقت الٰہی پر محمول کرو گے یا ان کی توہین وہتک قرار دو گے؟ پھر اسی کلمہ لاتحزن کا استعمال جب ابوبکرؓ کی تسکین خاطر کے لیے استعمال ہوا اس کے متعلق شیعہ کا اعتراض کہاں تک بجا ہوسکتا ہے؟

اعتراض:۔شیعہ کہتے ہیں جب کفار آئے ابوبکرؓ رونے لگے تا کہ ان کو اطلاع ہو جائے کہ پیغمبر علیہ السلام غار میں چھپے ہوئے ہیں، حقیقت میں کفار سے ملے ہوئے تھے۔

جواب:۔اس سے بڑھ کر بیہودہ اعتراض اور کیا ہوسکتا ہے کہ علیم وخبیر کو بھی خبر نہ تھی کہ

رسول علیہ السلام کو مسودہ مصاحبت ابوبکرؓ دیا گیا اور رسول بھی اس بات سے نا آشنا تھے کہ ابوبکرؓ اندر سے ان سے دشمنی رکھتا ہے۔ اور پھر جب رسول علیہ السلام نے اس کو پہلے سے سفر ہجرت کی اطلاع دی ہوئی تھی اور وہ رات بھر منتظر بیٹھا رہا۔ اس وقت کفار کو کیوں نہ بتا دیا کہ تم لوگ گھات لگا کر راستہ میں بیٹھو میں ابھی تمہارے دشمن کو تمہارے پاس لے آتا ہوں۔ اور پھر جس وقت حضور علیہ السلام کو اپنے شانہ پر اُٹھا لیا تو بجائے اسکے غار ثور کی طرف لے جاتا، ابوجہل کے گھر کو سیدھا کیوں نہ چل پڑا اور پھر جب کفار غار پر آ گئے، رو کر سُنانے کی بجائے ان کو پکار کر کیوں نہ کہہ دیا کہ آؤ یہ تمہارا دشمن بیٹھا ہے۔ جب بزعم شیعہ اپنی جماعت (کفار) کے لوگ پہنچ گئے تو اس اکیلے دشمن (رسولؐ پاک) کا کیا خطرہ تھا؟ اور یہ اگر سچ ہے کہ اس وقت ابوبکرؓ نے رونا چلانا شروع کر دیا تھا تو کافر آواز سن کر اندر داخل کیوں نہ ہو گئے؟ شیعو! کچھ غور کرو بہکی بہکی باتیں کیوں کرتے ہو؟ ساری دنیا اندھی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابوبکرؓ روئے نہ چلائے البتہ گھبراہٹ اس لئے پیدا ہوگئی کہ محبوب دو جہاںؐ خدا کے پیارے رسولؐ کو کافر تکلیف نہ پہنچائیں حُزن اپنے لئے نہیں ہوتا بلکہ کسی دوسری چیز یا شخص کے لئے ہوا کرتا ہے جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہجرِ یوسف کا تھا جس کی خبر قرآن میں یوں دی گئی ہے ﴿وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ﴾ ترجمہ: یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم ہجر یوسفؑ سے سفید ہوگئیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنے لخت جگر ابراہیمؓ کی وفات پر فرمایا [اِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا ابراهيم لَمَحْزُوْنُوْنَ] "ہم اے ابراہیم تیرے فراق سے غمناک ہیں"

غرض جو اپنی ذات کے لئے گھبراہٹ ہو اس کو خوف سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو دوسرے کے لئے ہو اس کو حزن کہتے ہیں۔ بلاشبہ پروانہ شمع محمدی کو اپنی جان کی ذرہ پرواہ نہ تھی بلکہ وہ نقد جان محبوب دو جہان پر نثار کر چکا تھا اور کہہ دیا تھا کہ آپ کی محبت میں جس قدر تکالیف دیکھوں، میرے لئے عین راحت ہے۔

یک جان چہ متاعیست کہ سازیم فدایت
اما چاتواں کرد کہ موجود ہمیں است

بلکہ اس عاشق صادق کو غم تھا تو فقط اس بات کا کہ کفار نابکار کے ہاتھ سے سردار دو جہان کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔

اعتراض: اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ میں علیہ کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہے نہ کہ ابوبکرؓ کی طرف جیسا کہ آیت اِلَّا تَنْصُرُوْهُ میں باقی ضمائر کے مرجع بھی رسول کریمؐ ہیں پھر اس سے رحمت الٰہی کا مورد ابوبکرؓ کو سمجھنا درست نہیں ہے۔

جواب:۔ جب شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ گھبراہٹ رسول پاک کو نہیں بلکہ ابوبکر صدیقؓ کو تھی اور اسی لئے لَاتَحْزَنْ محض اُن کی تسکین کے لئے فرمایا گیا پھر سکینہ (جسکا معنی ہی تسکین ہے) رسولؐ پر اتارنے کی کیا ضرورت تھی؟ جب آپؐ پہلے سے ہی مطمئن بیٹھے ہوئے تھے بہرحال تسکین اتارنے کی ضرورت بھی اسی شخص پر تھی جس کا دل بے چین ہورہا تھا اور یہ بات کہ اور ضمائر کا مرجع رسولؐ ہیں اس لئے علیہ کا رجوع بھی ادھر ہی چاہیے۔ سو ایسی نظائر آیات میں بکثرت ملتی ہیں جیسا کہ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا میں پہلی ضمیریں رسول علیہ السلام کیطرف راجع ہوتی ہیں اور آخری کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسری مثال ﴿وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗ اِلَيْهِ﴾ یہاں پہلی اور آخری ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں لیکن درمیانی يَجُرُّهٗ کی ضمیر حضرت ہارون علیہ السلام کی طرف راجع ہوتی ہے۔

اعتراض:۔ ابوبکرؓ کا آنحضرت کو اپنے کندھے پر اُٹھانے کا قصہ غلط معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ بیت الحرام کے توڑنے کیوقت جب اسد اللہ الغالب (علیؓ) نے درخواست کی تھی کہ حضورؐ میرے کندھے پر سوار ہوں تو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ تم گرانبار نبوتؐ کو کیسے برداشت کرسکتے ہو؟ پھر ابوبکرؓ کو اتنی طاقت کہاں سے آ گئی کہ اس گرانبار کو اُٹھالیا؟

جواب:۔ یہ مشیت ایزدی ہے کہ ایک وقت ایک بڑے توانا شخص سے ایک کام نہ ہوسکے تو دوسرے وقت وہی کام ایک ضعیف اور نحیف آدمی سے لے سکے جیسا کہ آیت اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالْجِبَالِ فَاَبَيْنَ اَنْ يَّحْمِلْنَهَا وَاَشْفَقْنَ مِنْهَا وَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ میں حق تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اگر انبار امانت کو برداشت کرنے کی طاقت آسمان و زمین کو باوجود اس عظمت و جسامت کے نہ ہوسکی لیکن اس کو ایک ضعیف مخلوق

انسان نے قبول کر لیا پھر وہی خدا اگر وہ کام جو اَسَدُ اللہ نہ کر سکے صدیق اکبرؓ کو اس کے کرنے کی توفیق بخش دے تو اس کو کون روک سکتا ہے؟ وہی خدا ہے جس نے ایک زمانہ میں ابابیل جیسے حقیر پرند کو بے حساب فیل کے مقابلہ کی قدرت بخشی اور ان کی چونچ میں سے گرے ہوئے سنگریزہ کو گولہ بارود کی قوت عطا فرمائی تھی۔

امرِ اُورا۔ یَفْعَلُ اللّٰہُ مَایَشَآءُ

پھر یہ تو تم بھی جانتے ہو کہ حضور علیہ السلام اونٹ پر سوار ہو کر مدینہ منورہ تک جا پہنچے اور اونٹ گرا بنار نبوت کا حامل ہو گیا لیکن شیرِ خدا جن میں سینکڑوں شیروں کی طاقت تسلیم کی جاتی ہے اُس کے برداشت کی قوت نہ رکھ سکے۔

اعتراض:۔ اندھیری رات اور تاریک غار میں ابوبکرؓ کو سوراخ کس طرح نظر آئے جن کو بند کرتا پھرا؟ یہ قصہ بھی غلط ہے۔

جواب:۔ یہ ضروری نہیں کہ چندیں میل مسافت کے بعد غارِ ثور تک پہنچنے کے وقت بھی تاریکی شب موجود تھی بلکہ وہاں پہنچنے تک صبح کی روشنی کا وقت ضرور ہو گیا ہوگا جیسے صاحب حملہ حیدری بھی نشانِ سحر کی نموداری کا قائل ہے پھر روشنی صبح میں سوراخ کا نظر آ جانا محال نہیں ہے نیز اگر شیعہ معترض کو اس بات کا بھی اعتقاد ہو کہ چہرہ انور رسولِ اقدس وہ سراج منیر تھا کہ اُس کی نورانی شعاعوں کے سامنے آفتاب کی روشنی بھی ہیچ تھی جیسا کہ حضرت انسؓ خادم رسولؐ کی روایت ہے کہ ایک دن چودھویں چاند رات میں حضور انورؐ بیٹھے ہوئے تھے میں چاند کی طرف بھی نظر دوڑاتا اور پھر چہرہ پُر نور حضور کو دیکھتا تو مجھے حضورؐ کے طلعتِ زیبا کے سامنے ❶ چودھویں رات کا چاند مدھم معلوم ہوتا۔ یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ حسن یوسفؑ میں یہ کمال تھا کہ اندھیری رات میں مصر کی گلیوں میں پھرتے تو

---

❶ ایسے واقعات بطور خرق عادت احیاناً پیش آتے تھے نہ کہ دواماً۔ مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ تاریک رات ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی روشنی میں سوئی میں دھاگہ ڈال لیتی تھی۔ اور ایک روایت میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رات کو میں اُٹھی تو حضور اکرم کو بستر مبارک پر نہ پایا تاریکی میں میں نے ادھر اُدھر ہاتھوں سے تلاش کیا حضورؐ کے پاؤں مبارک سے میرا ہاتھ لگا اس وقت حضور علیہ السلام سجدہ میں پڑے تھے۔ ۱۲ (احقر مظہر حسین)

شمع کی ضرورت نہ ہوتی بلکہ چہرہ تاباں کی روشنی ہوتی پھر اس ماہِ مدنی مکی کے چہرہ تاباں کے نور سے کیوں انکار ہے؟ کہ اس شمع انور کی موجودگی میں بھی ابوبکرؓ کو سوراخ نظر نہ آتے ہوں پھر یہ بھی آپ کی کتابوں میں (جیسا کہ لکھا جا چکا ہے) درج ہے کہ اس شمع نور (ذاتِ احمدی) کا یہ اثر تھا کہ غار میں بیٹھے ہوئے دونوں دوست مدینہ میں بیٹھے ہوئے انصار کو گھروں میں بیٹھے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ اور جعفر کی کشتی سمندر میں چکر کھاتی نظر آ رہی تھی پھر افسوس ہے کہ شیعہ کور باطن کو اس بات پر تعجب ہے کہ اندھیری رات میں ابوبکرؓ کو غار کے سوراخ کس کس طرح نظر آ گئے؟ اچھا یہ سب باتیں نہ سہی آخر اندھا بھی ٹوہ کر معلوم کر لیتا ہے۔ کیا ہاتھ سے ٹوہ کر بھی سوراخ غار معلوم نہ ہو سکتے تھے؟ اُمید ہے کہ اب معترض کی تسلی ہو گئی ہو گی اس لئے ہم اِسی قدر پر اکتفاء کرتے ہیں۔

آیت اِلَّا تَنْصُرُوْہُ کے متعلق اعتراضاتِ شیعہ کا قلع قمع ہو چکا ہے اب ہم استخلاف کے بحث شروع کرتے ہیں۔

(۲۷) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پارہ ۱۸، سورۂ نور، رکوع ۱۳)

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک اعمال کئے، وعدہ کر لیا ہے کہ بالضرور ان کو زمین میں جانشین اور خلیفہ بنائے گا جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا جو تم سے پہلے تھے اور ان کے اس دین کو جس کو ان کے لئے پسند کر چکا ہے۔ متمکن (مضبوط) کر دے گا اور خوف کے بعد ان کی حالت کو امن سے بدل دے گا وہ میری پرستش کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے جس نے اسکے بعد کفران کیا وہ لوگ فاسق ہیں۔

اس آیت میں احکم الحاکمین نے ایک بڑے معرکے کے مسئلہ خلافت کا بھی

فیصلہ فرما دیا۔ اگر کوئی دِل نُورِ ہدایت سے منور ہو تو اس کو مسئلہ معہودہ کی نسبت اس فیصلہ ربانی کے مان لینے میں تأمل نہ ہوگا دیکھو ربّ العباد نے فرما دیا ہے کہ ہم نے اس اخص الخواص جماعت مومنین کو حتمی وعدہ دے دیا ہے کہ ان کو خلافت کی مسند ضرور ضرور عطا کی جائے گی۔ جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے سچے پیرووں کو ہم نے خلافت عطا فرمائی تھی اس وقت دین مرضیہ کی خوب استقامت ہوگی اور خوف کا زمانہ امن سے بدل جائے گا یہ جماعت ایسے مخلص عباد صالحون کی ہوگی کہ باوجود اس اقتدار (عہدہ خلافت) کے حاصل کرنے کے بھی میری توحید پر قائم رہیں گے۔ اب ہم شیعہ صاحبان سے دریافت کرتے ہیں کہ یہ وعدۂ الٰہی اصحابؓ ثلاثہ کے حق میں پورا ہوا یا نہیں؟ اگر ہوا تو کیا وہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے مصداق تھے یا نہ؟ اگر نہیں تھے تو کیوں اس انعام الٰہی (عطیہ خلافت معہودہ) سے مشرف ہو گئے؟ اس کے مستحق تو وہی لوگ تھے جو اٰمَنُوْا کے مصداق تھے کیا غیر مستحق لوگ بھی انعام پا جایا کرتے ہیں؟ خصوصاً جب انعام بخشنے والا علام الغیوب اور علیمٌ بذات الصُّدور ہو کیا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک انعام کا اطلاع نامہ تو دوسرے لوگوں کے نام جاری ہو چکا ہے اور تقسیم انعام کے وقت وہ لوگ منہ دیکھتے رہ جائیں اور ایک دوسری جماعت جو بالکل غیر مستحق تھی' انعام پا جائے۔ ایسا کیوں ہوا کہ بوقت تقسیم انعام و انعام بخشنے والے کو مستحقین اور غیر مستحقین کے امتیاز میں دھوکا ہوا' یا انعام والے نے اپنا پہلا حکم منسوخ کر کے دوسروں کو انعام دے دیا۔ اور پہلوں سے وعدہ خلافی کر بیٹھا۔ یا جماعت غیر مستحقین زبردست تھی، اول نے دوسری سے زبروستی چھین کر وہ انعام اُڑا لیا۔ یہ سب باتیں کفر ہیں۔ نہ اس ذات علیم و خبیر کے آگے اعزاز کے مستحقین اور غیر مستحقین مخفی رہ سکتے ہیں اور نہ وہ اپنے احکام نافذہ کو بلاوجہ توڑ کر تغیر و تبدل کرتا ہے اور نہ اس کے حتمی وعدوں میں تخلف ہو سکتا ہے اور نہ کوئی طاقت اس سے زبردست ہو سکتی ہے جو اس کے ارادہ پاک کی مزاحمت کر سکے اور اس کی دی ہوئی نعمت اُس کی مقبول جماعت کے ہاتھوں سے چھین سکے وہ ﴿فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ اَوْ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ کی وصفت سے موصوف ہے وہ اپنے ارادوں کو پورا کیے بغیر نہیں چھوڑتا اسکی صفت

﴿لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ﴾ ہے اس کے وعدوں میں تخلف کا خیال کرنا کفر ہے اس کے ارادہ و مشیت میں ہی یہی تھا کہ بعد وفات سرور کائنات آپ کی خلافت کا اعزاز ان کے چار برگزیدہ اصحاب کو عطا فرمایا جائے یہ اعزاز چونکہ ان کی پاک خدمات کے صلہ میں تھا اس لئے ان کے عطا ہونے پر ان کی خدمات کا بھی پورا لحاظ ہوا جسکی خدمات اسلام میں سب سے زیادہ ہیں جس نے خدا کی راہ میں بہت زیادہ دکھ اُٹھائے ہیں جس نے ہادیٔ اسلام کی دعوت سب سے پہلے بلا کسی امتحان لینے کے قبول کی اور سچے ہادی کی تائید میں سب سے پہلے اعداء دین سے مقابلہ کیا جس نے اپنی وجاہت اور دنیوی اقتدار نظر انداز کر کے دین رسولﷺ کی سچی تابعداری سب سے اول اختیار کی ہے جس نے عمر بھر میں اس اپنے پیارے آقا کا ساتھ پورا نباہا ہے جو اس کا نہایت ہولناک اور پر خطر موقعہ میں ہمدم اور یار غار رہا ہے جس پر اس پاک رسولﷺ کی نظر شفقت بلحاظ اس کے کہ

؎ قدیمانِ خود را بیفزا قدر

سب سے زیادہ تھی۔ جس کو اس پاک رسولﷺ نے اپنی زندگی کے آخیر وقت میں اپنے مصلے پر کھڑا کرنے اور امامت پر مامور کرنے کا امتیاز بخشا ہے۔ اس کو سب سے پہلے اس اعزاز سے حصہ ملے۔ ثم فثم۔ منطوق آیت صاف پکار رہا ہے کہ خلفاء اربعہؓ نے اپنے اختیار اور کوشش سے اور نہ کسی منصوبہ سے خلافت کی تحصیل کی بلکہ محض خدائے پاک کے ارادہ سے اس کے حتمی وعدہ کے بموجب ان کو اعزازات ملے اور اسی ترتیب سے ملے جیسا کہ خداوند کریم کی مرضی تھی۔ ورنہ کس کی طاقت تھی کہ ارادہ ایزدی پر غالب آ سکتا؟ اس کے موعود اعزاز کو بلا استحقاق حاصل کر سکتا یا وقت سے پہلے اس اعزاز کا حصہ لے سکتا۔ تقدیر اور مشیتِ ایزدی پر کوئی انسانی تدبیر غالب نہیں آ سکتی اور نہ ارادۂ الٰہی کا مقابلہ انسانی منصوبہ سے ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کہنا سخت بے ایمانی ہے کہ وعدۂ الٰہی تو علی المرتضیٰؓ کے لئے تھا اور وہی سب سے زیادہ مستحق تھے، لیکن ثلاثہ نے زبردستی سے انکا حق چھین کر خود خلافت پہلے لے لی۔ بھلا کچھ تو عقل کیجئے۔ یہ تو مان بھی لیں کہ اسدُ اللہ الغالب پر ثلاثہؓ کی قوت غالب ہو جائے اور ان کے مقابلہ میں شیرِ خدا خیبر شکن بے بس ہو کر دم بخود رہ جائیں۔ لیکن یہ

کب ہوسکتا تھا کہ ثلاثہؓ خدائے قدیر کی زبردست طاقت کا مقابلہ کر کے اسکی موعود اور دی ہوئی نعمت شیر خدا سے چھین لیں۔ نعوذ اللہ من ہذہ الخیالات۔

نیز آیت سے ظاہر ہے کہ وعدہ خلافت ایک سے زیادہ اشخاص کے لئے تھا' نہ فردِ واحد کے لئے۔ کیونکہ آیت میں موعودلہم جماعت مومنین ہے نہ ایک شخص۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا صیغہ ہائے جمع پر غور کرو اور جونشان ان موعودلہم کا خدائے کریم نے بیان فرمائے ہے یعنی اٰمَنُوْا وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ جو لوگ ان اوصاف میں جملہ صحابہؓ سے فائق تھے وہی مستحق ہو سکتے ہیں اور یہ امر مُسَلَّم ہے کہ خلفاء اربعہؓ جو دیگر صحابہ کرامؓ سے اوصاف میں فاضل تھے وہی اس امر جلیل کے مستحق تھے اور ان چاروں کو اس منصب کا اعزاز ملنا مقدر تھا اودھر زمانہ خلافت بھی محدود کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ رسولؐ برحق نے ﴿اَلْخِلَافَةُ مِنْ بَعْدِی ثَلاثُوْنَ﴾ فرما کر اس کی معیاد تیس سال بیان فرمادی تھی تو پھر فرمایئے کہ سوائے اس ترتیب کے جو سلسلہ خلافت میں وقوع میں آئی اور صورت ہی کون سی تھی؟ کہ یہ چاروں بزگوار اس عطیہ الٰہی سے اسی معیاد کے اندر بہرہ ور ہو سکتے۔ اگر مولا علی المرتضیٰؓ کو سب سے پہلے خلافت ملتی تو باقی ہر سہ اصحابؓ اس نعمت موعودہ سے محروم رہ جاتے کیونکہ ان کا زمانہ زندگی پہلے ہی ختم ہو جانا تھا۔ ایسا ہی اس ترتیب میں اگر کچھ بھی تغیر ہوتا تو کوئی نہ کوئی صاحب ضرور اس عطیہ سے محروم رہ جاتا۔ [سبحان اللہ' فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ]۔

اس آیۂ کریم نے مسئلہ ایمان صحابہؓ کے ساتھ مسئلہ خلافت کا بھی قطعی فیصلہ فرما دیا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ خلفاء جیسے کہ پہلے ﴿اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ﴾ کے مصداق تھے۔ خلاف ملنے کے بعد بھی ﴿یَعْبُدُوْنَنِی لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا﴾ کے پورے مصداق رہیں گے۔ ممکن ہی نہیں ہے کہ اس قدر اقتدار عظیم ملنے پر بھی ان کی حالت میں ذرہ سا تغیر پیدا ہو جائے۔ بلکہ جیسے کہ پہلے مسکنت اور فقر کی حالت میں میرے سچے مومن نیک اعمال تھے۔ اس اقتدار میں بھی میری عبادت میں مست اور میری توحید میں سرشار رہیں گے۔

صاحبان! غور کیجئے یہ آیت خلفاء ثلاثہؓ کے ابدی ایمان پر شاہد عدل ہے۔ نیز خداوند کریم نے ان کے ایمان ابدی کی شہادت دے کر پھر یہ بھی فرما دیا کہ اِس میری

شہادت کے بعد بھی اگر میرے ان پاک بندوں کے ایمان میں کوئی شخص کلام کرے گا اور ان کے احسان عام کا کفران کرے گا تو سمجھ لو وہ گمراہ بدبخت فاسق ہے۔ معنی آیت ﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ مفسرین نے یہ کیا ہے ﴿اَمَّا مَنْ اَنْكَرَ عَنْ اِحْسَانِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ شیعہ صاحبان ذرا انصاف کی عینک لگا کر آیت کو پڑھیں، بتائیں تو سہی ﴿وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا﴾ کا مصداق کون سا زمانہ ہے؟ کیا وہ زمانہ جو عہد خلافت جناب امیر علیہ السلام کا تھا شیعہ صاحبان تو مانتے ہیں کہ وہ زمانہ تو سخت پُر آشوب تھا ہمارا ایک ہمعصر شیعہ اپنے رسالہ سجادیہ کے ص ۴۸ پر اس زمانہ کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے۔

''حضرت امیر کی خلافت کا زمانہ بوجہ بغاوت بی بی عائشہ صدیقہؓ وغیرہ غایت درجہ پُر شور تھا۔ اور عرب میں گویا ۱۸۵۷ء کا سا حال ہو رہا تھا''۔

پھر ایسا پُر شور زمانہ تو اس پیشینگوئی وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ کا مصداق نہیں ہو سکتا، فی الحقیقت یہ خلفائے ثلاثہ کا ہی زمانہ تھا کہ بعد اس خوف کے جو وفاتِ رسول مقبولؐ کے بعد ارتداد کا فتنہ عظیم برپا ہو گیا تھا مسیلمہ اور اسود عنسی جیسے جھوٹے نبیوں نے اندھیر مچا دیا تھا اور صدیق اکبرؓ نے توفیق ایزدی سے ان کذابوں کا خاتمہ کر کے تمام فتنہ فرو کر دیا تھا۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے امن قائم ہو گیا تھا۔ حتیٰ کہ ہر سہ خلفاء کے زمانہ میں وہ امن قائم رہا جس سے شیعہ بھی انکار نہیں کر سکتے کیا یہ سب الٰہی وعدے ان منافقوں کے حق میں پورے ہوئے؟ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ آیت استخلاف کے متعلق بحث ہو چکی آئندہ ہم مسئلہ خلافت پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالیں گے جبکہ کتب شیعہ سے استدلال کیا جائے گا۔

(۲۸) ﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ﴾ (پارہ ۱۷۔ رکوع ۷)

ترجمہ:۔ ہم نے ذکر (تورات) کے علاوہ زبور میں بھی لکھ دیا ہے کہ زمین موعود کے وارث میرے پاک بندے ہوں گے۔

اس آیت میں ایک عظیم الشان پیشگوئی ہے۔ اب دیکھنا چاہئے کہ یہ پیشینگوئی

کس زمانہ میں کس کے حق میں پوری ہوئی؟ خداوند علیم وخبیر خبر دیتا ہے کہ تورات ❶ اور زبور میں پہلے ہی لکھا جاچکا ہے کہ اَلْاَرْضُ ارض مقدسہ (زمین کنعان) کے وارث میرے پاک بندے ہونگے۔اب بتایئے کہ یہ زمین کس کے ہاتھ پر فتح ہوئی؟ حضرت فاروق اعظمؓ کے ہاتھ پر فتح ہوئی اوراس آیت کے رُو سے آپ عبادِ صالحون میں سے ہوئے۔کیا منافق بھی عبادِ صالحون کہلا سکتے ہیں؟ سچ کہیئے کہ اس سے زیادہ فخر کیا ہوسکتا ہے؟ کہ ایک عظیم الشان پیشگوئی جس کی خبریں آسمانی کتابیں دے رہی ہیں وہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپؐ کے سچے خادم فاروق اعظمؓ کے عہد میں پوری ہوئی ہے،اور پھر طرفہ یہ کہ اس زمین کے وارث ہمیشہ اہل سُنت والجماعت مسلمان ہی رہے ہیں۔شیعہ پر ہماری حجت ہے کہ خدا کے نزدیک وہ عبادِ صالحون میں شمار نہیں ہیں۔اگر ہیں تو کیوں ارض مقدسہ کی وارثت ان کو نصیب نہیں؟

بعض مفسرین نے ارض ❷ سے مراد حرمین شریفین کی زمین لی ہے۔بہر حال ارض سے مراد زمین شام (بیت القدس) ہو یا مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی زمین۔اسکی وراثت ہمیشہ سے اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے ہاتھ میں رہی ہے اور تا قیامت رہے گی۔اور وہ بشارت الٰہی عبادِ صالحون ہیں۔

سوال:۔اس موقعہ پر مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمین پر ایک دفعہ یزید بھی حکومت کر چکا ہے۔اور تھوڑا عرصہ ہوا ہے کہ بوساطت شریف حسین نصاریٰ کا بھی عمل ودخل رہا

---

❶ تورات میں اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کرتا ہے۔"میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا سارا ملک،جس میں تو پردیسی ہے دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لئے ملک ہو۔پیدائش باب ۱۷ آیت ۸ اور زبور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔لیکن وہ جوحلیم ہیں۔زمین کے وارث ہوں گے۔ ۳۷۔آیت۔" صادق زمین کے وارث ہونگے۔۳۷ زبور آیت ۲۹۔جن پر اس کی برکت ہو۔ زمین کے وارث ہونگے اور جن پر لعنت ہوکٹ جائیں گے۔(زبور آیت ۳۲)

❷ بعض محققین کا ارشاد ہے کہ اس آیۃ میں اَلْاَرْض سے مراد ارض جنت ہے اور سیاق قرآنی سے یہ معنی زیادہ مناسبت رکھتا ہے(مظہر حسین)

ہے اور اب اس سرزمین پر وہابیوں کا قبضہ ہوگیا ہے۔ پھر آیت سے صداقت مذہب حق اہلسنت والجماعت کس طرح ہوسکتی ہے؟

جواب:۔ یہ اعتراض آیت کے الفاظ پر غور نہ کرنے کی وجہ سے پیدا ہوئے۔ اگر مخالف کو قرآن میں تدبر کرنا نصیب ہو۔ تو ہرگز ایسے بیہودہ اعتراض کی اسے جرأت نہ ہو۔ آیت میں [یَرِثُ] کا لفظ موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اس سرزمین پاک پر وارثانہ قبضہ صالح بندوں کا ہوگا اگر کوئی فاسق فاجر یا بد مذہب شخص یا قوم تھوڑے دنوں کے لئے وہاں غاصبانہ قبضہ کر کے حکومت کرے اور کچھ دنوں کے بعد وہاں سے دھتکار کر نکال دیا جائے تو وہ یَرِثُ کا مصداق ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یزید کا غاصبانہ قبضہ گنتی کے دن رہا۔ پھر اس کا ایسا استیصال ہوا کہ دنیا میں لعنت کے سوا اس کا نصیب نہ رہا۔ شریف حسین نے اگر نصاریٰ کو دخیل رکھا تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو یزید کا ہوا تھا۔ وہابی پہلے بھی کچھ وہاں حکومت کر چکے ہیں پھر انکا نام ونشان مٹ گیا اب جو وہاں انہوں نے دخل حاصل کیا ہے۔ میرا ایمان ہے کہ یہ بھی چند روزہ بات ہے وہاں سے یہ لوگ بھی اسی ذلت وخواری سے نکال دئے جائیں گے۔ وارثانہ اور مالکانہ قبضہ اس سرزمین پر ہمیشہ مسلمانانِ اہلسنت والجماعت کا رہا ہے اور رہے گا۔ کیونکہ قرآن سچا ہے اور خدا کے وعدوں میں ہرگز تخلف نہیں ہوسکتا۔ اس پاک زمین پر عرصہ دراز تک ترکوں کی حکومت رہی جو خالص سُنی حنفی تھے۔ اُنہوں نے ارض پاک کا احترام رکھا اور حرمین شریفین کے خادم رہے۔ خدا نے چاہا تو پھر بھی اس پاک زمین کی خدمت اِنہی کے سُپرد ہوگی۔

عقلی دلیل

اس امر کی دلیل' کہ ارض پاک بیت المقدس، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ میں سوائے مسلمانانِ اہلسنت والجماعت مقلدین [1] ائمہ کرام کے دوسرا کوئی فرقہ حکومت نہیں کرسکتا۔

---

[1] بعض علماء نے بیان فرمایا ہے کہ ایک مرتبہ سلطان حجاز ابن مسعود سے جب تقلید ائمہ کی نسبت دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ صحیح حدیث مل جائے تو ہم کسی امام کا قول نہیں لیتے اور اگر کسی مسئلہ میں صحیح حدیث نہ ملے تو ہم امام احمد بن حنبل کا قول اختیار کرتے ہیں۔ واللہ اعلم) (احقر مظہر حسین غفرلہ)

یہ ہے کہ چونکہ ان مقامات مقدسہ میں بہت سے اولیاء اللہ کے مرقد ہیں لہٰذا وہاں کی حکومت ایسے شخص کے ہاتھ میں ہونی چاہئے جو تمام کی یکساں عزت کرتا ہو۔ سو ایسے لوگ مسلمانانِ اہلسنت ہی ہیں جو تمام انبیاءؑ پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور سب کا ان کے دلوں میں یکساں احترام ہے۔ برخلاف اس کے یہود کے دلوں میں حضرت عیسٰیؑ اور محمد عربیؐ کی عزت نہیں ہے۔ نصاریٰ بھی رسولؐ آخرالزمان کے دشمن ہیں۔ اِس لئے اراضی مقدسہ میں حکومت کے قابل نہیں ہیں پھر مدینہ منورہ میں حضرت رسول پاکؐ کے روضہ اطہر میں آپؐ کے دو خادم صدیقؓ و فاروقؓ پہلو بہ پہلو سوئے ہیں۔ اگر شیعہ کو وہاں دسترس ملے تو ان دونوں اصحابؓ کے مزارات کی بے حرمتی کرنے سے دریغ نہ کریں۔ وہابی قابو یافتہ ہوں تو چونکہ اُن کے دلوں میں روضہ نبویؐ کا بھی احترام نہیں بلکہ اُن کے ایک بزرگ کا قول ہے کہ [هٰذَا اصَنَمٌ اَكْبَرُ وَلَوْ اَقْدِرُ عَلَيْهِ لَهَدَ مْتُهٗ] (یہ بڑا بُت ہے اگر مجھے قدرت ہو تو اسے گرا دوں)۔ علاوہ ازیں باقی مزارات مقدسہ کی بھی ان کے دل میں عظمت و حرمت نہیں ہے۔ اور بس چلے تو سب کی بے حُرمتی کرنے سے دریغ نہ کریں۔ اس لئے ان مقدس مقامات کی خدمت و حکومت کے قابل کوئی دسری قوم، کوئی دوسرا فرقہ قدرتاً ہو نہیں سکتا۔ اسی لئے خدائے علیم و خبیر نے اپنے تمام نوشتوں میں یہ حتمی وعدہ لکھ دیا ہے۔ کہ ان اراضی مقدسہ کی حکومت بطور وراثت ہم اپنے عبادِ صالحون ہی کے سپرد کریں گے تاکہ مقامات مقدسہ کے احترام میں فرق نہ آسکے۔ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ

فضائل اصحابؓ ثلاثہ کا ثبوت کُتب شیعہ سے

قرآنی براہین قاہرہ بیان ہو چکے۔ اب ہم اصحابؓ ثلاثہ کا کامل الایمان ہونا۔ حضرت علی المرتضیٰ اور ان کا شیرِ و شکر ہونا ایک دوسرے کا خیر خواہ اور مشیر کار ہونا۔ نبی علیہ السلام کے قرابت دار اور سچے تابعدار ہونا۔ مقبول بارگاہِ الٰہی ہونا۔ بشہادت ائمہ اہلبیت کتب معتبرہ شیعہ سے بیان کرتے ہیں۔ ہر چند متقدمین شیعہ بھی متاخرین کی طرح اصحابؓ ثلاثہ سے غیظ و غضب اور بُغض و عناد رکھتے تھے لیکن پھر بھی واقعات کا چھپانا

آسان بات نہیں ہے۔ ان صحیح واقعات کا ذکر مخالفین کی کتابوں میں بھی درج ہے۔ پہلے تو شیعہ اپنی کتابیں اہلسنت کو دیکھنے ہی نہ دیتے تھے لیکن اب پریس کی برکت سے کتابیں مل سکتی ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ اب سُنی فضلاء شیعہ کی معتبر کتابوں سے ان کو الزام دے سکتے ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ غار کے متعلق تفسیر عسکری۔ قُمی اور حملہ حیدری کی عبارتیں اُوپر لکھی جا چکی ہیں۔ جن سے فضائل صدیقؓ کا نمایاں ثبوت ملتا ہے۔ اب دوسری کتب سے روایت لکھی جاتی ہیں۔

اول:۔ فروع کافی جلد دوم ص ۴۲ میں ایک طویل حدیث مرویہ جناب صادق علیہ السلام درج ہے جس میں صدقہ کے متعلق ذکر ہے۔ کہ کل مال صدقہ نہیں کر دینا چاہیے تاکہ خود ملوم و محسور نہ بن جائے آگے لکھا ہے:۔

هذه احاديث رسول الله صلى الله عليه وسلم يصدقها الكتب. والكتاب يصدقه اهله من المؤمنين . وقال ابوبكرؓ عند موته حيث قيل له او من فقال او صى بالخمس وقد جعل الله له الثلث عند موته ولوعلم ان الثلث خير له اوصى به ثم من علمتم بعده فى فضله وزهده سلمان رضى الله عنه وابوذر رحمه اللهؒ. فاما سلمان فكان اذا احد اعطاء رفع منه قوته لسنة حق يحضر عطاء ه من قابل فقيل له يا اباعبدالله انت فى زهدك تصنع هذا وانت لاتدرى لعلك تموت اليوم فكان جوابه ان قال مالكم لاترجون لى البقاء كما خفتم على الفنآء اما علمتم ياجهلة ان النفس قد تلتاث على صاحبها اذا لم يكن من العيش ماتعقد عليه

واذا هي احذزت معيشتها اطمانت واما ابوذر رضي الله عنه فكان له لنزيفات وشويهات يحلبها ويذبح منها اذا اشتهيي اهله اللحم اونزل به ضيف اوراى باهله الذى معه خصاصة يجز هها الجدورا ومن الشياء على قدر مايذهب عنهم بقرم اللحم ويا خذهو نصيب واحد منهم لايتفضل عليهم ومن ازهد من هؤلاء وقد قال فيهم رسول الله صلى الله عليه وسلم ماقال۔

ترجمہ:۔ یہ احادیث رسولؐ پاک ہیں۔ جنکی تصدیق کتاب اللہ کرتی ہے اور کتاب اللہ کی تصدیق (اپنے عمل سے) مومنین کرتے ہیں جو کتاب اللہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ ابوبکرؓ نے بوقت وفات جب کہ اس کو وصیت کے لئے کہا گیا۔فرمایا کہ میں پانچویں حصہ مال کی وصیت کرتا ہوں۔ چنانچہ پانچویں حصہ کی وصیت کی حالانکہ خدا نے تیسرے حصہ کی اجازت دی ہوئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ تیسرے حصہ کی وصیت میں زیادہ ثواب ہے تو ایسا ہی کرتا۔ پھر ابوبکرؓ کے دوسرے درجہ پر فضل و زہد میں تم سلمانؓ اور ابوذرؓ کو سمجھتے ہو۔ پس سلیمانؓ کو کوئی عطیہ دیتا پورے سال کی خوراک زخیرہ کر لیتا۔ حتیٰ کہ سال آئندہ کو پھر عطیہ حاصل ہو۔لوگوں نے کہا۔ آپؐ باوجود زاہد ہونے کے ایسا کرتے ہیں۔ آپ کو معلوم نہیں آج ہی فوت ہو جائیں۔ جواب دیا تمہیں میرے زندہ رہنے کی امید نہیں ہے؟ جیسا کہ میرے مر جانے کا اندیشہ ہے۔ اے جاہلو تمہیں معلوم ہو کہ نفس اپنے صاحب پر سرکشی کرتا ہے۔ جب تک کہ اس قدر معیشت نہ مل جائے۔ جس پر اُسے بھروسہ ہو۔ اور جب وہ اپنی معیشت فراہم کر لے۔ مطمئن ہو جاتا ہے اور ابوذرؓ کے پاس اونٹنیاں اور بکریاں رہتی تھیں جو دودھ دیتی تھیں۔ اور جب ان کے عیال کو گوشت کی حاجت ہوتی یا کوئی مہمان آ جاتا یا اپنے متعلقین کو بھوکا دیکھتے ان میں سے اونٹ یا بکری ذبح کر لیتے اور سب میں تقسیم کر دیتے اور اپنے لئے ایک آدمی

کی خوراک رکھ لیتے جو دوسروں سے زائد نہ ہو تم جانتے ہو کہ ان تین مقدس بزرگواروں سے بڑھ کر بڑا زاہد کون ہو سکتا ہے؟ حالانکہ ان کی شان میں رسول پاکؐ نے فرمایا جو کچھ کہ فرمایا۔

اس حدیث میں حسب ذیل باتیں ظاہر ہوئیں:۔

(۱) حضرت امام علیہ السلام کے نزدیک حضرت ابوبکرؓ ان مومنین کاملین میں سے تھے جو کتاب اللہ کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے تھے اور اپنے عمل سے کتاب اللہ کے احکام کی تصدیق کرتے تھے۔

(۲) حضرت سلمانؓ اور ابوذرؓ فضل و زہد میں دوسرا درجہ رکھتے تھے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کا زہد و فضل اس سے اول درجہ (فائق) تھا۔

(۳) حضرت ابوبکرؓ اُن برگزیدہ زاہدوں سے تھے جن کا ہم پلہ کوئی دُوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔

(۴) حضرت ابوبکرؓ کی شان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی احادیث بیان کی ہوئی تھیں۔

سوال شیعہ:۔ ممکن ہے کہ [مَنْ اَزْهَدَ مِنْ هٰؤُلَآءِ] کا اشارہ صرف سلمانؓ اور ابوذرؓ کی طرف ہو اور ابوبکرؓ ان میں شمار نہ ہوں۔

جواب:۔ اگر معترض عقل کا اندھا نہیں ہے تو ابتداء حدیث میں الفاظ اَلْكِتَابَ يُصَدِّقُهٗ اَهْلُهٗ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کے بعد پہلے ذکر ابوبکرؓ کا ہونا اور پھر سلمانؓ اور ابوذرؓ کے متعلق امام علیہ السلام کا یہ فرمانا [ثُمَّ مَنْ عَلِمْتُمْ بَعْدَهٗ فِيْ فَضْلِهٖ وَ زُهْدِهٖ] جس کا مفہوم صاف یہ ہے کہ ابوبکرؓ کے فضل و زہد کے دسرے درجہ پر سلمانؓ اور ابوذرؓ ہیں پھر هٰؤُلَآءِ کا مشار الیہ صرف دو کو سمجھنا حد درجہ کی حماقت ہے۔ هٰؤُلَآءِ کے مشار الیہ بلاشبہ ہر سہ بزرگوار ہیں اور حدیث میں اس بات کی تصریح موجود ہے کہ زہد و فضل میں حضرت ابوبکرؓ کا نمبر سب سے اول ہے۔

افسوس! شیعہ اپنی مستند کتابیں میں اصحابؓ ثلاثہ کے زہد و تقویٰ کی نسبت ایسی شہادت ائمہ اہلبیت علیہم السلام پڑھ کر بھی ان کی بدگوئی سے باز نہیں آتے۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى

قُلُوبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَة

دوم۔علامہ طبرسی کتاب مجمع البیان میں تحریر کرتا ہے کہ آیت وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى الَّذِي ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔مروایت یوں ہے۔

عَنِ بْنِ زُبَيْرِ قَالَ إِنَّ الْآيَةَ نَزَلَتْ فِي أَبِي بَكْرٍ لَأَنَّهُ اشْتَرَى الْمَمَالِيكَ الَّذِينَ أَسْلَمُوْ مِثْلَ بِلَالٍ وَ عَامِرِ بْنِ فُهَيْرَةَ وَ غَيْرِهِمَا وَأَعْتَقَهُمْ.

ترجمہ:۔ابن زبیر سے روایت ہے کہ یہ آیت شان ابوبکرؓ میں نازل ہوئی ہے۔اس نے (غلاموں کو جو اسلام لائے) اپنے مال سے خرید لیا جیسا کہ بلالؓ اور عامر بن فہیرہ اور ان کو آزاد کیا۔

اب جس کی خدمات اسلام میں یہ ہوں۔کہ بلالؓ جیسے عاشق ذات نبویؐ کو کفار کے ہاتھ سے اپنا مال خرچ کر کے نجات دلائے اور آزاد کر دے اور اللہ تعالیٰ اُس کے نہ صرف مُتقی بلکہ اتقیٰ ہونے کی شہادت دے۔اُس شخص کی شانِ والا میں گستاخی کرنا کتنی جسارت ہے؟ خدا روافض کو ہدایت کرے۔

سوم:۔کتاب احتجاج ص ۲۰۲ میں حضرت امام باقر علیہ السلام کی حدیث درج ہے۔آپ نے فرمایا:

لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلَ أَبِي بَكْرٍ وَ لَسْتُ بِمُنْكِرٍ فَضْلِ عُمَرَ وَلَاكِنَّ أَبَابَكْرٍ أَفْضَلُ.

ترجمہ:۔میں ابوبکرؓ و عمرؓ کے فضائل کا منکر نہیں ہوں البتہ ابوبکرؓ فضیلت میں برتر ہیں۔پھر جس شخص کو حضرت امام محمد باقر افضل سمجھتے ہوں۔اُن کی فضیلت سے انکار کرنا حد درجہ کی شقاوت ہے۔

چہارم:۔کتاب مجالس المومنین مجلس سوم ص ۸۹ میں ہے۔کہ حضرت سلمانؓ فارسی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام حضرت ابوبکرؓ کی شان میں صحابہؓ کی مجلس میں بیٹھ کر ہمیشہ یوں فرمایا کرتے تھے۔

مَا سَبَقَكُمْ اَبُوْبَكْرٍ بِصَوْمٍ وَلاَ صَلٰوةٍ وَلٰكِنْ لِشَيْءٍ وُقِّرَ فِيْ قَلْبِه.

ترجمہ:۔ابوبکرؓ نے تم سے زیادہ نماز روزہ ادا کرنے میں فوقیت حاصل نہیں کی بلکہ اسکی صدق صفا قلبی کیوجہ سے اِس کی عزت و وقار بڑھا ہے۔

پنجم:۔شیعہ کی بڑی معتبر کتاب کشف الغمہ مطبوعہ ایران ص ۲۲۰ میں یہ روایت درج ہے:

سُئِلَ الْاِمَامُ جَعْفَرٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَنْ حِلْيَةِ السَّيْفِ هَلْ يَجُوْزُ قَالَ نَعَمْ قَدْ حَلّٰى اَبُوْبَكْرِنِ الصِّدِّيْقُ سَيْفَهٗ فَقَالَ الرَّاوِيْ اَتَقُوْلُ هٰكَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَقَامِهٖ فَقَالَ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ نِعْمَ الصِّدِّيْقُ فَمَنْ لَّمْ يَقُلْ لَهُ الصِّدِّيْقُ فَلَا صَدَقَ اللّٰهُ قَوْلَهٗ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ .

ترجمہ:۔حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے تلوار کو چاندی سے مرصع کرنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا۔ جائز ہے۔ کیوں کہ ابوبکرؓ نے اپنی تلوار کو مرصع کیا ہے۔ راوی کہنے لگا۔ آپ اُس کو صدیقؓ کہتے ہیں؟ امام غضبناک ہو کر اپنے مقام سے اُٹھے اور کہنے لگے۔ بہت اچھا صدیقؓ بہت اچھا صدیقؓ' بہت اچھا صدیقؓ' جو اُس کو صدیقؓ نہ کہے خُدا اُس کو دنیا و آخرت میں جھوٹا کرے۔''

ششم:۔کتاب ناسخ التواریخ جو شیعہ کی مستند کتاب ہے۔ اِس کی جلد ۲ ص ۵۶۳ میں ہے:

واز پس اول (زید بن حارثہ) ابوبکرؓ مسلمان شُد۔ واسم اُوعبداللہ است و لقبش عتیق و کنیت ابوبکرؓ است۔ واو پسر ابوقحافہ عثمان است وہو عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئ وابوبکرؓ علم النسب نیک میدانست ونسب اونیز محفوظ بود۔ و بالجملہ از قریش اُلفتے بکمال داشت۔ وچندتن را پنہانی۔ دعوت باسلام نمود۔ ونزدیک پیغمبر آ ورد۔ تا اسلام ایشاں عرضہ داشت نخستین عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبدالشمس بن عبدمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئ بود۔ دیگر زبیرؓ بن

العوام بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بود۔ وایں زبیرؓ پسر برادر خدیجہ علیہ السلام است و دیگر عبدالرحمٰن بن عوف بن عبد عوف بن عبدالحارث بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بود۔ و دیگر سعد بن ابی وقاص و اسم ابی وقاص مالک بود۔ او پسر اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی است۔ و دیگر طلحہ بن عبداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب لوئی است۔ ایں جملہ از دوستان ابوبکرؓ بودند و بدلالت او اسلام یافتند واز پس اُو عبیدہؓ اسلام آورد۔

ترجمہ:۔ اور زید بن حارثہ کے بعد ابوبکرؓ مسلمان ہوئے۔ اور ان کا نام عبداللہ اور لقب عتیق اور کنیت ابوبکرؓ ہے اور بیٹے ابوقحافہ کے ہیں۔ جن کا نام عثمان ہے۔ ان کا نسب یوں ہے۔ عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی۔ ابوبکرؓ علم انساب خوب جانتے تھے اور ان کا نسب بھی محفوظ تھا۔ اور بعض قریشیوں سے اُنکو نہایت محبت تھی۔ چند اشخاص کو اُنہوں نے خفیہ طور پر دعوت اسلام دی اور پیغمبرؐ کے پاس لائے۔ آپؐ نے ان پر اسلام پیش کیا سب سے پہلے جو ترغیب ابوبکرؓ سے مسلمان ہوئے عثمان بن عفان بن ابی العاص بن اُمیہ بن عبدالشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی تھے۔ دوسرے شخص زبیر بن عوام خویلد بن عبدالعزیز بن قصی تھے۔ یہ زبیر حضرت خدیجہ علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ تیسرے شخص عبدالرحمٰن بن عوف ابن عبد عوف بن عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی تھے۔ اور چوتھے سعد بن ابی وقاص کا نام مالک تھا۔ وہ بیٹے اہیب بن عبد مناف بن زہرہ بن مرہ بن کعب بن لوئی کے ہیں۔ اور پانچویں طلحہ بن عبداللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب لوئی ہیں۔ یہ سب لوگ ابوبکرؓ کے دوستوں میں سے تھے اور انہی کی راہنمائی سے یہ سب اسلام لائے اور ابوبکرؓ کے بعد عبیدہؓ اسلام لائے۔"

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ بڑے پایہ کے شخص تھے اور برگزیدہ خاندان قریش سے تھے پہلے ہی سے ان کے نام (عبداللہ) میں توحید کی جھلک موجود تھی۔ علم الانساب کی خاص مہارت رکھتے تھے۔ اور محفوظ النسب تھے ان کا لقب بھی عتیق (نجیب) تھا۔ قریش میں بڑے ذی رسوخ تھے آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو خاص مدد حاصل ہوئی چنانچہ ان کے طفیل بڑے بڑے اکابر قوم قریش اسلام میں داخل ہوئے۔ کیا ایسا شخص جو اسلام لاتے ہی اشاعتِ اسلام میں مصروف ہو گیا اور اپنے اثر خاص سے اکابر قوم کو حلقہ بگوش اسلام کیا اور اپنی زندگی خدمت اسلام میں بسر کی حضور سرور عالمؐ کی تعلیم و تربیت کامل کے بعد منافق ہو سکتا ہے؟ ﴿كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ﴾

ہفتم:۔ تفسیر مجمع البیان طبرسی (شیعہ کی معتبر تفسیر ہے) تفسیر آیت

﴿اَلَّذِیْ جَاءَ بِا الصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾

ترجمہ:۔ اور جو شخص آیا ساتھ صدق کے اور جس نے تصدیق کی اس کی، وہی لوگ متقین ہیں)

کی تفسیر میں لکھا ہے۔

[قِيْلَ اَلَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ رَسُوْلُ اللّٰهِ و صَدَّقَ بِهٖ اَبُوْبَكْرٍ]

ترجمہ: ''جو شخص آیا ساتھ صدق کے وہ رسولؐ خدا ہیں اور جس نے تصدیق کی ان کی اس سے مراد ابوبکرؓ ہیں''۔

ہشتم:۔ کتاب معرفۃ اخبار الرجال مصنفہ شیخ جلیل ابو عمرو محمد بن عمر بن عبدالعزیز ''رجال کشی'' مطبوعہ بمبئی ص ۳۰ میں یہ حدیث بروایت بریدہ اسلمی درج ہے۔

قَالَ سَمِعْتُ اَبَادَ اوُدَ يَقُوْلُ حَدَّثَنِیْ بُرَيْدَةُ الْاَسْلَمِیْ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الْجَنَّةَ مُشْتَاقٌ اِلٰی ثَلٰثَةٍ فَجَاءَ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ اَنْتَ الصِّدِّيْقُ اَنْتَ ثَانِی اثْنَيْنِ اِذْهُمَا فِی

الْغَارِ فَلَوْ سَئَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهَ عَنْ لهوُ لاَءِ الثَّلاثَةِ .

ترجمہ:۔ابوداؤ کہتے ہیں بریدہ اسلمی نے مجھے بتایا کہ میں نے رسول خداﷺ سے سُنا،فرمایا بہشت تین شخص کا مشتاق ہے اتنے میں ابوبکرؓ آ گئے تو حضورؐ نے فرمایا تو صدیق ہے تو دوسرا دو کا ہے جو غار میں تھے راوی کہتا ہے۔کاش میں حضور سے پوچھتا کہ وہ تین کون ہیں؟)

نہم:۔احتجاج طبرسی میں بروایت امیر المؤمنین یہ حدیث درج ہے:

كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وسلّمْ عَلٰى جَبَلِ حَرآءَ اِذْتَحرَّكَ الْجَبَلُ فَقَالَ لَهُ قِرَّفَاِنَّهُ لَيْسَ عَلَيْكَ اِلَّا نَبِيٌّ وَّصِدِيْقٌ وَ شَهِيْدٌ .

ترجمہ:۔حضرت علی کرم اللہ وجہٗ فرماتے ہیں کہ ہم پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جبلِ حرا پر تھے کہ پہاڑ نے جنبش کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ ٹھہر جا کیونکہ تجھ پر ایک نبی دوسرا صدیق، تیسرا شہید بیٹھے ہیں۔

کیا ان دو روایات کو پڑھ کر بھی شیعہ کو حضرت ابوبکرؓ کی صدیقیت پر کچھ شک و شبہ باقی رہے گا؟ لیکن ضد کا کیا علاج؟

دھم:۔نہج البلاغت میں جو شیعوں کی مستند کتاب ہے جس میں جناب امیر علیہ السلام کے خطبات اور اقوال درج ہیں،لکھا ہے:

لِلّٰهِ بَلاءُ فَلانٍ فَلَقَدْ قَوَّمَ الْاَدَرَوَدَاوِى الْعَمَدَوَ اَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَّفَ الْبِدْعَةَ ذَهَبَ نَقِيَّ الثَّوْبِ قَلِيْلَ الْعَيْبِ اَصَابَ خَيْرَهَاوَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰى اللّٰهِ طَاعَتَهُ وَاتِّقَاءُ بِحقّهٖ وَ رَحَلَ وَ تَرَكَهُمْ فِيْ طُرُقٍ مُتَشَعِّبَةٍ يَهْتَدِى فِيْهِ الضَّالُ وَلاَ يَسْتَيقِنُ الْمُهْتَدِى .

(نہج البلاغت مطبوعہ بیروت۔جلد اول ص ۳۵۰)۔

ترجمہ:۔خدا فلاں (ابوبکر) پر رحمت کرے۔کجی کو سیدھا کیا ہماری (جہالت) کا علاج کیا۔سنت رسول کو قائم کیا۔بدعت کو پیچھے ڈالا۔دنیا سے

پاک دامن اور کم عیب ہو کر گزر گیا۔ خوبی کو پالیا اور شر و فساد سے پہلے چلا گیا۔
خدا کی بندگی کا حق ادا کیا اور تقویٰ، جیسے کہ چاہئے اختیار کیا۔ فوت ہو گیا
اور لوگوں کو پیچ در پیچ راستوں میں چھوڑ گیا کہ گمراہ کو راستہ نہیں ملتا اور راہ
پانے والا یقین نہیں کرتا۔ شارحین ❶ نہج البلاغت نے لفظ فلاں سے ابوبکرؓ
یا عمرؓ مراد لیا ہے۔

دیکھو اس خطبہ میں علی المرتضیٰؓ صدیق اکبرؓ کی کیسی تعریف فرماتے ہیں اور اخیر میں کہتے ہیں کہ ہمارا عہد خلافت ایسا پر شور ہے کہ ہدایت یافتہ بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔

یازدھم :۔ تزویج فاطمہؓ کی تحریک ابوبکرؓ نے کی، جلاء العیون اردو جلد اول ص ۱۱۸ میں درج ہے۔

روایت کی ہے کہ ایک دن ابوبکرؓ و عمرؓ و سعد بن معاذؓ مسجد حضرت رسول اللہ صلی للہ علیہ وسلم میں آ بیٹھے۔ آپس میں مزاوجت جناب فاطمہؓ کا ذکر کر رہے تھے۔ ابوبکرؓ نے کہا اشرف قریش نے فاطمہؓ کی خواستگاری حضرت سے کی اور حضرت نے ان کو جواب دیا کہ انکا اختیار پروردگار کو ہے اور حضرت علیؓ ابن ابی طالب نے اس بارہ میں حضرت سے کچھ نہیں کہا اور نہ کسی نے ان کی طرف سے کہا اور ہمیں گمان یہی ہے کہ سوائے تنگدستی کے اور انہیں کچھ مانع نہیں اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ خدا نے فاطمہؓ کو بیشک علیؓ کیلئے رکھا ہے۔ پس ابوبکرؓ عمرؓ اور سعد بن معاذ نے کہا اُٹھو! علیؓ کے پاس چلیں اور ان سے کہیں کہ فاطمہؓ کی خواستگاری کریں اگر تنگدستی اُنہیں مانع ہے تو ہم اسباب میں ان کی مدد کریں گے۔ سعد بن معاذؓ نے کہا بہت درست ہے۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور جناب امیر کے گھر گئے جب جناب امیر کی خدمت میں پہنچے حضرت نے فرمایا کس لئے آئے ہو؟ ابوبکرؓ نے کہا ابوالحسنؓ! کوئی فضیلت فضیلت ہائے نیک سے نہیں ہے مگر یہ کہ تم اور لوگوں پر اس فضیلت میں سابق ہو۔ تمہارے اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان جو رابطہ بہ سبب یگانگی و مصاحبت دائمی و نصرت دیاری اور جو روابط معنوی ہیں وہ معلوم ہیں۔ جمیع

---

❶ شارح نہج البلاغت علامہ کمال الدین ابن میثم بحرانی نے لفظ فلاں سے حضرت ابوبکرؓ مراد ہونیکو ترجیح دی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ ''واقوال احادثہ ابی بکرؓ اشبہ من ارادتہ العمرؓ (احقر مظہر حسین غفرلہٗ)

قریش نے فاطمہؓ کی خواستگاری کی مگر حضرتؐ نے قبول نہ کی اور جواب دے دیا کہ اس کا اختیار پروردگار کو ہے پس تم کو کیا چیز فاطمہؓ کی خواستگاری سے مانع ہے؟ ہم کو گمان یہ ہے کہ خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ کو تمہارے واسطے رکھا ہے۔ باقی اور لوگوں سے منع کیا ہے۔ امیرؓ نے ابوبکرؓ سے جب سنا آنسو چشمہائے مبارک سے جاری ہوئے اور فرمایا۔ میرا غم اور اندوہ تم نے تازہ کیا اور جو آرزو میرے دل میں پنہاں تھی اس کو تم نے تیز کر دیا کون ایسا ہوگا جو فاطمہؓ کی خواستگاری نہ چاہتا ہو لیکن بہ سبب تنگدستی اس امر کے اظہار سے شرم آتی ہے پس اُن لوگوں نے جس طرح ہُوا حضرت کو راضی کیا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر فاطمہؓ کی خواستگاری کریں۔ جناب امیرؓ نے اپنا اونٹ کھولا اور گھر میں لا کر باندھا۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کو کس قدر خیر خواہی امیر علیہ السلام کی مطلوب تھی۔ کہ اس مبارک رشتہ (تزویج فاطمہؓ) کی تحریک کی اور ہر طرح سے اس معاملہ میں جناب امیر علیہ السلام کی امداد پر آمادگی ظاہر کی۔ پہلے جناب امیرؓ نے اپنی مفلسی کا عذر پیش کیا مگر ان مردانِ خدا نے اُن کو ڈھارس بندھوائی اور معاملہ انجام بخیر ہوا۔ کیا دشمن بھی کسی کی ایسی خیر خواہی کیا کرتے ہیں؟ اگر شیعہ غور کریں تو اس مبارک رشتہ (تزویج فاطمہؓ) کا سہرا بھی ابوبکرؓ کے سر بندھتا ہے جنہوں نے اس سلسلہ کی تحریک کی۔

دوازدھم:۔ جہیز فاطمہؓ ابوبکرؓ نے خرید کیا۔

تزویج فاطمہؓ کی ابتدائی تحریک ہی حضرت ابوبکرؓ نے نہیں بلکہ آخری رسوم خرید جہیز وغیرہ بھی ابوبکرؓ ہی کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوئی۔ چنانچہ جلاء العیون اردو ص ۱۲۳ پر مذکور ہے۔

جناب امیرؓ نے فرمایا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ارشاد کیا۔ علیؓ اُٹھو اور اپنی زرہ بیچ ڈالو۔ پس میں گیا اور زرہ فروخت کر کے اُس کی قیمت حضرت کی خدمت میں لایا اور روپے حضرت کے دامن میں رکھ دیئے۔ حضرت نے مجھ سے پوچھا کتنے روپے ہیں؟ اور میں نے کچھ نہ کہا۔ پس ان میں سے ایک مُٹھی روپیہ لیا اور بلالؓ کو بُلا کر دیا اور فرمایا فاطمہؓ کے لئے عطر، خوشبو لے آ پس ان دراہم میں دو مُٹھیاں لیکر ابوبکرؓ کو

دیں اور فرمایا بازار میں جا کر کپڑا وغیرہ وغیرہ جو کچھ اثاث البیت درکار ہے لے آ۔ پس عمار بن ہیر اور ایک جماعت صحابہؓ کو ابوبکرؓ کے پیچھے بھیجا اور سب بازار میں پہنچے پس ان میں سے ہر ایک شخص جو چیز لیتا تھا ابوبکرؓ کے مشورہ سے خرید کرتا اور دکھا لیتا تھا۔ بس ایک پیراہن سات درہم کو اور ایک مقنعہ چار درہم کو اور ایک چادر سیاہ خیبری و کرسی کہ دونوں پاٹ اُس کے لیفِ خُرما سے جڑے تھے اور دو توشک جامہ ہائے مصری، کہ ایک لیف خرما سے اور دوسری کو پشم گوسپند سے بھرا تھا۔ اور چار تکیے پوست طائف کے ان کو گیاہ اذخر سے بھرا تھا اور ایک پردہ پشم اور بوریا اور چکی اور بادیہ مسّی اور ایک ظرف پوست پانی پینے کا اور کاسہ چوبیں دودھ کے لئے اور ایک مشک پانی کے لئے اور ایک آفتابہ قیراندود اور ایک سبوئے سبز اور کوزہ ہائے سفالین خرید کئے۔ جب سب اسباب خرید چکے۔ بعض اشیاء ابوبکرؓ نے اور سب اصحابؓ نے بھی اسباب مذکورہ اُٹھایا اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک چیز کو دستِ مبارک میں اُٹھا کر ملاحظہ فرماتے اور کہتے تھے خداوندا میرے اہل بیت پر مبارک کر (ص ۱۲۲)۔

اِس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی دوستی کے علاوہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ابوبکرؓ پر اس قدر بھروسہ و اعتماد تھا کہ جہیز فاطمہؓ کی خرید پر بھی وہی مامور ہوئے اور سب اسباب ان کے مشورہ سے خریدا گیا۔ دُشمنوں کو بھی ایسے مبارک کام کے لئے منتخب کیا جاتا ہے؟

جلاء العیون اردو ص ۷۷ میں لکھا ہے۔ ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جس وقت مرض حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر سنگین ہوا۔ اس وقت ابوبکرؓ آئے اور کہا یا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کس وقت انتقال کریں گے؟ حضرت نے فرمایا۔ میری اجل حاضر ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا آپ کا بازگشت کہاں ہے؟ حضرتؐ نے فرمایا، جانب سدرۃ المنتہیٰ و جنت الماویٰ و رفیق اعلیٰ و عیش گزار و جرعہاء شراب قرب حق تعالیٰ میری بازگشت ہے۔ ابوبکرؓ نے کہا آپ کو غسل کون [illegible] حضرتؐ نے فرمایا جو میرے اہل بیت سے ہے مجھ سے بہت قریب ہے۔ ابو[illegible] [illegible]ں چیز میں آپ کو کفن کریں گے؟ حضرتؐ نے

فرمایا انہیں کپڑوں میں جو میں پہنے ہوں یا جامہ ہائے یمنی و مصری میں۔ ابوبکرؓ نے پوچھا؟ کس طرح آپ کی نماز پڑھیں؟ اس وقت جوش وخروش اور غلغلہ آواز مردم بلند ہوا اور در و دیوار کانپنے لگے حضرتؐ نے فرمایا صبر کرو۔ خدا تم لوگوں سے عفو کرے۔ انتہی

اب شیعہ سے پوچھا جاتا ہے کہ ابوبکرؓ معاذ اللہ عجیب منافق تھے کہ آخر وقت میں بھی حضور علیہ السلام راز کی باتیں اور وصیتیں اسی کو سناتے رہے۔ آخری وقت تو انسان تمام دنیوی علائق سے آزاد ہو کر صرف متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے۔ اور اس وقت وہی بھلا معلوم ہوتا ہے جو متوجہ الی اللہ ہو پاک۔ لوگ آخری دم میں کبھی بھی ناپاک لوگوں کو پاس پھٹکنے نہیں دیتے۔ غرض حضور علیہ السلام کو اپنے محبّ صادق ابوبکر صدیق سے اس درجہ محبت و پیار تھا کہ بوقت نزع بھی اسی کو شرف ہمکلامی بخشا (خوشا حال ابوبکرؓ)

چہار دہم:۔ شیعہ کی متعدد کتب میں شیخینؓ کی نسبت حضرت امام جعفرؓ سے مروی یہ حدیث موجود ہے۔

هُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ كَانَا عَلَى الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَيْهِ فَعَلَيْهِمَا رَحْمَةُ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

ترجمہ:۔ ابوبکرؓ و عمرؓ دونوں امام عادل اور باانصاف حق پر تھے۔ حق پر ہی فوت ہوئے۔ ان دونوں پر خدا کی رحمت ہو قیامت کے دن"۔

پانز دہم:۔ نہج البلاغۃ کی شرح کبیر مولفہ کمال الدین ابن میثم بحرانی جو ۶۷۷ ہجری میں تصنیف کی گئی میں یوں درج ہے:۔

وَكَانَ اَفْضَلَهُمْ فِى الْاِسْلَامِ كَمَا زَعَمْتَ وَاَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ الْخَلِيْفَةُ الصِّدِّيْقُ وَالْخَلِيْفَةُ الْفَارُوْقُ.

ترجمہ۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اسلام سب سے بہتر اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مبلغ اسلام حضورؐ کے جانشین حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے۔

اب میں پندرہ شہادت کتب شیعہ سے لکھ کر حضرات شیعہ کو دوازدہ آئمہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ اس قدر روشن شہادات در بارۂ تعریف اعتراف فضیلت و صدیقیت

حضرت ابوبکرؓ دیکھ کر بھی تم لوگ ضد سے باز نہ آؤ گے؟ ہاں! مگر جن کے دلوں پر شقاوت کی مہر لگ چکی ہے۔ اُن کو کون ہدایت کرے۔

﴿وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾

حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہ

(۱) حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے متعلق ملا باقر مجلسی شیعی نے بحار الانوار جلد ۱۴ کتاب السماء والعالم میں مسعود عیاشی سے یوں رروایت کی ہے:۔

رَوَى الْعِيَاشِىُّ عَنِ الْبَاقِرِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰهُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِعُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِ اَوْ بَابِىْ جَهْلِ بْنِ هِشَّامٍ .

ترجمہ:۔ مسعود عیاشی امام باقر علیہ السلام سے روایت کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی۔ اے خدا اسلام کو عمر بن خطابؓ یا ابوجہل بن ہشام کے اسلام لانے سے عزت بخش۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا مستجاب ہوئی

حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کی کیفیت صاحب حملہ حیدری لکھتا ہے۔

چناں بد کہ بوجہل زاں سرزنش بکیفیتے شد عداوت منش
کہ جز قتل پیغمبر ذوالجلال نبودش دگر ہیچ فکر و خیال
یکے روز میگفت با اشقیا کہ آرد کسے گر سرِ مصطفیؐ
ہزار اشتراز خود بہ بخشم باو دو کوہاں سیہ دیدہ و سرخ مو
زدیبائے مصری و برد یمن دگر سیم و زر بخشش چندمن
عمر چوں شنید ایں سخن گفتنش بجنبید عرق طمع در تنش
باو گفت سوگند اگر می خوری کہ از گفتہ خویش ہم نگذری
من امروز خدمت رسانم بجا بیارم بہ پیشت سر مصطفیؐ
گرفت از ابو جہل اول قسم پس انگارہ زذردرہ کیں قدم
بآں کارچوں رفت بیروں عمرؓ یکے گفت باو نداری خبر

که همشیره ات نیز باجفت خویش | گرفت است دین محمدؐ به پیش
برآشفت ابو حفص زین گفتگو | بگفتار بزیرم کنوں خون او
سوئے خانہ خواہر خویش رفت | چو آمد بہ نزدیک ترپیش رفت
چو آمد بہ پیش درو ایستاد | صدائے شنید و بآں گوش داشت
شنید آنکه می خواند مرد نکو | کلامیکه نشنید بُد مثل او
عمر زد درو خواہرش بازکرد | چو آمددرو شور آغاز کرد
درافتاد باجفت خواہر بجنگ | گرفتش ز حلق بیفشرد تنگ
گلوئش بہ تنگی فشرد آنچناں | که نزدیک شد تاشود قبض جاں
بیامد دواں خواہرش نوحه گر | بگفتش چه خواہی زما اے عمرؓ
اگر شاد گردی زما در ملول | نمودیم دین محمدؐ قبول
کنوں گر کشی سربداریم پیش | ولے بر نگردیم از دین خویش
چوبشنید زواین حکایت عمرؓ | بدآنست که برنگردد مگر
بگفتش چه دیدی تواز مصطفیٰ | که گشتی بدینش چنیں مُبتلا
بگفتا کلام خدائے جلیل | که آردبار حضرت جبرائیل
شنیدیم و گروید بر مایقین | که ہست آں کلام جہاں آفرین
عمر گفت زاں قول معجز اساس | اگر یاد داری بخواں بے ہراس
بُرد خواہرش آیه چندخواند | عمر گوش چوں کرد حیراں بماند
دلش زاں شنیدن بے نرم شد | بسوئے اسلام سر گرم شد
ازاں پس بگشتند باہم رواں | بنزد رسول خدائے جہاں
بدولت سرائے پیغمبرؐ شدند | چودربسته دید حلقه بردر زدند
یکے آمد و دید از پُشت در | که استاده باتیغ برادر عمرؓ
بنزد نبیؐ رفت و احوال گفت | بما ندند اصحاب اندر شگفت
چنیں گفت پس عمِ خیرالبشر | که غم نیست بروئے کشائیدور

گراز راہ صدق آمدہ مرحبا دگر باشد اورا بخاطر دغاء

بہ تیغے کہ وارو حمائل عمرؓ تنش راسبکسار سازم زسر

چو درباز کر وند بر روئے او درآمد عمرؓ بالب عذر گو

گر فتش بہ بر سرور ِ انبیاء نشاندش بجائے کہ بودش سزا

بگفتند اصحاب ہم تہنیت وزان بیشتر یافت دیں تقویت

پس اصحاب دیں راشد ایں مدعا کہ از خدمت سرور انبیاءؐ

بسوئے حرم آشکارا روند نماز جماعت بجا آو رند

رسید ایں سخن چوں بعرض رسولؐ زخیر البشر یافت عزو قبول

ترجمہ:۔ایسا ہوا کہ ابوجہل حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تنبیہ کرنے سے اُن کا سخت دشمن ہو گیا کہ بغیر قتل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسے کچھ نہ سوجھتا تھا۔ایک روز کفار سے کہنے لگا کہ اگر کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹ لائے میں اس کو ہزار اونٹ ایسے انعام میں دوں گا جو دو کوہان رکھتے ہوں اور سرخ رنگ کے ہوں۔مصری ریشمی شال اور یمنی چادر کے علاوہ بہت سونا دوں گا۔عمر نے جب اس کی یہ بات سُنی اور سیم وزر کی حرص نے جوش مارا۔ابوجہل کو کہا کہ اگر تو قسم کھائے اور اپنی بات پر قائم رہے میں آج یہ خدمت بجالاتا ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹ لاتا ہوں ابوجہل سے پہلے قسم لی۔ پھر اس بات پر آمادہ ہوا۔جب اس کام کیلئے روانہ ہوا کسی نے کہا کہ تجھے خبر نہیں ہے کہ تیری ہمشیرہ مع اپنے شوہر کے دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو چکی ہے۔حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات سے خفا ہوئے اور کہا ابھی اس کو قتل کرتا ہوں۔اپنی ہمشیرہ کے گھر کو روانہ ہو گئے اور جب گھر کے نزدیک پہنچ گئے جب دروازہ پر کھڑے ہوئے تو آواز آرہی تھی جسے سننے لگے سنا کہ ان کا بہنوئی ایک کلام پڑھ رہا تھا جس کی مثل آپ نے پہلے کلام نہ سنی تھی ۔حضرت عمرؓ نے دستک دی ہمشیرہ نے دروازہ کھولا تو حضرت عمرؓ نے داخل ہوتے ہی شور برپا کر دیا،اپنے بہنوئی سے لڑنے لگے اور اُسے گلے سے پکڑ کر خوب جھنجھوڑا اس کا گلا گھونٹا کہ جان نکلنے لگی۔

ہمشیرہ چلاتی ہوئی آئی اور کہا اے عمر! ہم سے کیا چاہتا ہے؟ خواہ تو خوش ہو یا ناراض ہم نے تو دین محمدی صلی اللہ علیہ وسلم قبول کرلیا ہے۔ اب اگرچہ ہمیں جان سے مار ڈالو ہم یہ سچا دین نہیں چھوڑیں گے۔ جب حضرت عمرؓ نے ہمشیرہ سے یہ بات سُنی۔ معلوم کیا اب یہ پھرنے کے نہیں کہا تم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کچھ دیکھا ہے کہ اُس کے دین پر بتلا ہوئے؟ ہمشیرہ نے کہا خدا کا کلام سنا ہے جو حضرت جبرائیلؑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے ہیں۔ ہم نے یہ کلام سُنا ہے اور ہمیں یقین ہوا ہے کہ بیشک یہ خدا کا کلام ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ وہ کلام معجز نظام اگر کچھ یاد ہو تو بے خطر پڑھو۔ ہمشیرہ نے چند آیاتیں پڑھیں جن کو سن کر حضرت عمر حیران ہوئے۔ حضرت یہ آیات سُنکر موم ہو گئے اور اسلام کی محبت میں سرگرم ہوئے ازاں بعد سب مل کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چل پڑے۔ حضور کے در دولت پر حاضر ہوئے دروازہ بند دیکھ کر کھڑے ہوئے ایک مسلما ن آیا اور اس نے دروازہ کی پشت سے دیکھا کہ حضرت عمر تلوار لئے کھڑے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے متعجب ہوئے پس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا بزرگوار نے فرمایا کچھ ڈر نہیں دروازہ کھول دو اگر صدق و ارادت سے آیا ہے تو مبارک۔ اور اگر دل میں کچھ اور خیال ہے تو اسی کی تلوار سے جو کمر پر میں باندھے ہے عمر کا سر قلم کردونگا۔

جب دروازہ کھولا حضرت عمرؓ معذرت کرتے ہوئے قدم بوس ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ سے بغلگیر ہوئے اور ان کو عزت سے بٹھایا۔ تمام اصحاب نے مبارکباد کہی اور حضرت عمرؓ کے اسلام سے دین کو مزید قوت حاصل ہوئی اس کے بعد اصحاب نے کہا کہ اب تو حضور کی خدمت میں عرض کر کے اب حرم شریف میں ہم اعلانیہ جا کر نماز با جماعت گزاریں جب یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گوش گزار ہوئی حضورؐ نے منظور فرمایا۔

روایاتِ بالا سے حسب ذیل امور ظاہر ہوتے ہیں۔ جو حضرت عمرؓ کی فضیلت کا نمایاں ثبوت ہیں:۔

(۱) آپ کا اسلام لانا حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی استجابت دُعا کا نتیجہ ہے

اور ناممکن ہے جس سینہ میں نُورِ اسلام حبیب کبریا کی خاص توجہ و دُعا سے داخل ہوا ہو پھر اُس میں ظلمت کفر و نفاق داخل ہو سکے۔

(۲) اسلام عمرؓ کسی دنیوی لالچ یا طمع سے نہیں بلکہ صداقت اسلام دیکھنے اور کلام الٰہی کی قوتِ اعجاز کی خاص تاثیر ہونے کے سبب سے ہوا تھا۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اتنی مدت صحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کرنے اور تعلیم و تربیت پانے کے بعد پھر تاریکیٔ ضلالت و کفر عود کرینگے۔

(۳) حضرعمرؓ کے اسلام کا خیر مقدم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب رسولؐ نے گرمجوشی سے کیا اور حضور علیہ لسلام نے بغلگیر ہو کر جو برکات پہنچائیں اور اعزاز بخشا یہ حضرت عمرؓ کا ہی خاص حصہ تھا۔

(۴) یہ حضرت عمرؓ کے جلال و جبروت کا نتیجہ تھا کہ آپ کے اسلام لاتے ہی شوکت اسلام دوبالا ہوگئی اور بجائے خفیہ عبادت کے خدا کے گھر کعبۃ اللہ میں پہنچ کر نماز با جماعت پڑھی گئی اور کفار نابکار کو حضرت عمرؓ کی تیغ آبدار کے سامنے آنے کی جرآت نہ ہوسکی۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے

جس روز آپ داخل دین مبین ہوئے
کعبہ میں جمع بہر نماز اہل دیں ہوئے
آہستہ سے اذاں جو کہی خشمگیں ہوئے
فرمایا کیا مشرف دیں ہم نہیں ہوئے؟
نام خدا و نامِ نبی لو پکار کر
اب تم کو کِس کا ڈر ہے اذاں دو پکار کر

(۲) شیعہ کی معتبر کتاب تاریخ ناسخ التواریخ ص ۶۱۶ میں اسلام عمرؓ کے متعلق یوں لکھا ہے۔

"عرض کرد یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم از بہر آں آمدہ ام کہ کیش مُسلمانی گیرم وکلمہ توحید بر زبان رانم۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از اسلام عمرؓ چناں شاد شد کہ بابانگ بلند تکبیر گفت و تکبیر آں حضرتؐ و اصحابؓ شنید ندو ہمہ بہ یک بار تکبیر گفتند و باستقبال عمرؓ بیرون

آمدند۔ وآنگاہ عمرؓ گفت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کافران لات وعزیٰ را آشکارا پرستش میکنند چرا باید خدائے را پنہانی پرستش کرد پس آہنگ کعبہ کردند"۔

ترجمہ:۔ عمرؓ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ مذہب اسلام قبول کروں یہ کہہ کر کلمہ توحید پڑھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے ایسے خوش ہوئے کہ بلند آواز سے تکبیر کہی۔ آپ کی تکبیر اصحابؓ نے سُنی اور سب نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور حضرت عمرؓ کے استقبال کو باہر نکلے۔ اُس وقت حضرت عمرؓ نے عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم! کافر تو لات وعزیٰ کی پرستش ظاہر ہو کر کریں ہم خدائے قدوس کی عبادت کیوں چھپ کر کریں؟ پھر انہوں نے کعبہ جانے کا ارادہ کر لیا۔

جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علانیہ نماز پڑھنے کی اجازت فرمائی تو مصنف کتاب مذکور لکھتا ہے کہ سب لوگ کعبہ کو اس شان سے چلے کہ:۔

"عمرؓ از جانب پیغمبر و ابوبکرؓ از طرف دیگر و علی علیہ السلام از پیش و اصحابؓ از دنبال رواں شدند و عمرؓ باشمشیر خویش از پیش جملہ ہمی رفت واز اں سوئے کفار قریشیاں چناں می پنداشتند کہ عمر رسول خدائے را آسیب خواہد رساند۔ ناگاہ دیدند کہ پیش رسول خدا باشمشیر حمائل کردہ می آید۔ گفتند ہاں عمرؓ بر چہ گونہ گفت یا رسول خدا ایمان آوردم واگر کسے از شما بنالائقی جنبش کند باہمیں تیغش کیفر کنم واایں شعر گفت"۔

مَالِیْ اَرَاکُمْ کُلُّکُمْ قِیَامَا　　اَلْکُھُلَ وَ الشَّبَانَ وَ الْغُلَامَا

قَدْ بَعَثَ اللّٰہُ لَنَا اِمَامًا　　مُحَمَّدٌ قَدْ شَرَعَ الْاِسْلَامَا

حَقًّا وَقَدْ یَکْسِرُ الْاَصْنَامَا　　نَذُبُّ عَنْ الْخَالِ وَ الْاَعْمَامَا

پس کافراں از عجز در خشم شدند و آہنگ کردند و عمرؓ نیز بہ پشتوانی علی السلام باایشان درآویختہ آں جماعت از کعبہ بکنار کرد و رسول خدا دو رکعت نماز بگذاشت و باز بخانہ شد۔ و اسلام عمرؓ را بدیگر گونہ روایت کردہ اند ہمانا ایں قصہ مختار افتاد۔ و بالجملہ بعد از اسلام بدر خانہ ابوجہل رفت و در بکوفت و ابوجہل چوں بانگ ازاں بشنید بیاید د ور بکشود۔ وگفت مرحباو اہلاً از چہ حاجت

مرا یاد کردی و برا ینجا شدی گفت آمدم تا ترا آ گہی دہم کہ ایمان بخدائے رسول آوردم ابوجہل در خشم شد در بروئے بست وگفت قَبَّحَكَ اللّٰهَ وَ قَبَّحَ مَاجِئتبِهٖ

ترجمہ:۔ عمرؓ آنحضرتِ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں تھے اور ابو بکرؓ دوسرے پہلو میں اور علیؓ سامنے اور دیگر اصحابؓ پیچھے روانہ ہوئے اور حضرت عمرؓ اپنی تلوار لئے سب سے آگے چلے۔ ادھر کفار قریش منتظر تھے کہ حضرت عمرؓ حضور علیہ السلام کو ایذا دیں گے۔ ناگاہ انہوں نے دیکھا کہ وہ تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اردلی میں تلوار حمائل کئے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ سب نے کہا ہاں عمرؓ تمہاری کیا حالت ہے؟ انہوں نے کہا میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں اور اگر تم میں سے کوئی شخص اپنی نالائقی سے ذرہ بھی کچھ بیجا حرکت کریگا تو اسی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا۔ حضرت عمرؓ نے یہ عربی شعر پڑھے ''کیا وجہ ہے کہ میں تم کو یہاں کھڑا ہوا دیکھتا ہوں۔ بوڑھوں جوانوں اور بچوں کو بھی۔ بالتحقیق خدا نے ہمارے لئے ایک امام مبعوث کیا ہے جس کا اِسم گرامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس نے سچا دین ہمارے لئے جاری کیا ہے۔ وہ بتوں کو توڑ دیں گے اور ہم اُن سے اپنے ماموؤں اور چچاؤں کو دور ہٹا دیں گے۔'' پس کافر غضب ناک ہوئے اور انہوں نے حضرت عمرؓ کے قتل کا ارادہ کیا۔ حضرت عمرؓ نے بامداد علیؓ ان سے مقابلہ کر کے ان کو کعبہ سے دور ہٹا دیا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کے ساتھ کعبہ میں دو رکعت نماز ادا کی اور پھر گھر واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کے اسلام کو اور لوگوں نے دوسری طرح بیان کیا ہے۔ مگر صحیح یہی روایت ہے۔ حضرت عمرؓ اسلام لانے کے بعد ابوجہل کے گھر گئے۔ دروازہ کھٹکھٹایا ابوجہل نے دروازہ کھولا اور آؤ بھگت کر کے کہا کہ آپ نے مجھے کیسے یاد کیا اور کس طرح تشریف لائے؟ آپ نے کہا کہ تجھے بتانے آیا ہوں میں خدا اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آیا ہوں۔ ابوجہل کہ بہت غصہ آیا اور دروازہ بند کر لیا اور کہنے لگا ''خدا تمہارا برا کرے اور جو خبر تم لائے ہو اس کو بھی برا کرے۔''

اب جائے غور ہے کہ اسلام لاتے ہی حضرت عمرؓ کی حسنِ عقیدت کا یہ حال ہوگیا تھا کہ دینِ حق کے پاس میں کفار سے دوبدو ہوگئے۔ اور ان کو للکارا کہ ذرہ برابر بھی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ والا میں بے ادبی سے پیش آؤ گے تو میری تلوار ہے اور تمہارا سر۔ پھر کس بہادری سے ابوجہل جیسے خطرناک دُشمن دین کے گھر تن تنہا جاکر اسلام کا اعلان کیا۔ کیا ایسی جرأت کوئی شخص کرسکتا ہے؟ پھر حضور علیہ السلام جن کو علوم اولین و آخرین سب معلوم تھے اسلام عمرؓ پر اسقدر خوشی کیوں مناتے؟ اگر معلوم تھا کہ بالآخر اُس نے اسلام سے پھر جانا ہے اور میرے اہل بیت کو تکلیف پہنچانی ہے۔ شیعو! خُدا را انصاف کرو۔ [اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ]

(۳) نہج البلاغت ص ۱۸۷ میں ہے:۔

وَمِنْ کَلَامٍ عَلَیْہِ السَّلَام وَقَدْ شَاوَرَہٗ عُمَرَ فِی الْخُرُوْجِ الی غَزْوَۃ الرُّوم بِنَفْسِہٖ وَقَدْ تَوَکَّلَ اللہ لاھل ھذا الدین باعذاز الحذرۃ وستر العورۃ والَّذیْ نصرھم وھم قلیل لاینتصرون ومَنَعَھُمْ وھم قلیل لایمتنعون حی لایموت انک متی تسر الی ھذا العدو بنفسہ فتلقھم فَتُنْکَبُ لاتکن للمسلمین کَانِفَۃٌ دون اقصٰی بلادھم لیس بعدکَ مرجعٌ یرجعون الیہ فابعث الیھم رجلا مُجرَّبًا واحْفِزْ معہ اھلَ البلاء والنصیحۃ فان اظھر اللہ فذاک ماتحب وان تکن الاخری کنت ردا للناس ومثابۃ للمسلمین.

ترجمہ:۔ ''جب خلیفہ ثانی عمرؓ نے روم پر چڑھائی کی اور حضرت علیؓ سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا۔ نواحی اسلام کو غلبۂ دشمن سے بچانے اور مسلمانوں کی شرم رکھنے کا اللہ ہی کفیل ہے۔ وہ ایسا خدا ہے جس نے انہیں اس وقت فتح دی ہے جب اُن کی تعداد نہایت قلیل تھی اور کسی طرح فتح نہیں پاسکتے تھے۔ انہیں اس قت مغلوب ہونے سے روکا ہے جب یہ کسی طرح روکے نہیں جا

سکتے تھے۔ اور وہ خداوند عالم حی لا یموت ہے اب اگر تو خود دشمن کی طرف کوچ کرے اور تکلیف اُٹھائے تو یہ سمجھ لے کہ پھر مسلمانوں کو ان کے اقصائے بلاد تک پناہ نہ ملے گی۔ اور تیرے بعد کوئی ایسا مرجع نہ ہو گا جس کی طرف وہ رجوع کریں۔ لہٰذا تو دشمنوں کی طرف اس شخص کو بھیج جو کار آزمودہ ہو۔ اس کے ماتحت ان لوگوں کو روانہ کرو جو جنگ کی سختیوں کے متحمل ہوں اور اپنے سردار کی نصیحت کو قبول کریں اب اگر خدا غلبہ نصیب کرے گا تب تو وہ چیز ہے جسے تو دوست رکھتا ہے اور اگر اس کے خلاف ظہور میں آیا تو تو ان لوگوں کا مددگار اور مسلمانوں کا مرجع تو موجود ہے۔" (نیرنگ فصاحت ص ۱۹)

ہم نے جناب امیر علیہ السلام کے عربی کلام کا ترجمہ شیعہ کی کتب نیرنگ فصاحت سے لیا ہے تاکہ ان کو یہ عذر نہ ہو کہ ترجمہ میں کچھ دست اندازی کی گئی ہے۔

حضرت علی المرتضیٰؓ کے اس کلام سے حسب ذیل اُمور ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) حضرت عمرؓ کو حضرت علی المرتضیٰؓ پر پورا اعتماد و بھروسہ تھا۔ اور باہمی کامل اتحاد تھا کہ ہر ایک معاملہ میں ان سے مشورہ لیا جاتا تھا ورنہ یہ مسلّم ہے کہ کوئی شخص اپنے دشمن سے ایسے اہم معاملہ میں ہرگز مشورہ نہیں لیا کرتا۔

(۲) حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کو مسلمانوں کا ملجاؤ ماویٰ سمجھتے تھے اور ان کو کچھ صدمہ پہنچنا صدمۂ اسلام تصور فرماتے تھے۔ اسی وجہ سے آپ نے حضرت عمرؓ کو یہ مشورہ نہ دیا کہ اس مہم میں بذاتِ خود معرکۂ کارزار میں جائیں اگر خدانخواستہ باہمی کدورت ہوتی اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے خیر خواہ نہ ہوتے تو یہ مشورہ کیوں دیتے کہ آپ لڑائی میں نہ جائیں تاکہ کوئی صدمہ نہ پہنچ جائے بلکہ ان کی تو یہ خواہش ہونی چاہئے تھی کہ یہ خود وہاں جائیں۔ ان کا وہاں کام تمام ہو اور آپ کے لئے جگہ خالی ہو۔ غرض جناب امیرؓ کا یہ مشورہ دینا کہ آپ میدان جنگ میں نہ جائیں بلکہ آزمودہ کار جرنیل کو بھیج دیں اس کا بین ثبوت ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کے صادق الوداد دوست تھے۔

(۳) حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کی کامیابی کو کامیابی اسلام تصور کرتے تھے اس لئے ان کو تسلی دی کہ ایزد متعال تمہارا اور مسلمانوں کا خود حافظ و ناصر ہے جب مسلمان تھوڑے تھے اس وقت بھی ان کی حفاظت فرمائی اور اب تو خدا کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد کثیر ہے پھر اس کی تائید و نصرت پر کیوں بھروسہ نہ کیا جائے۔ جناب امیر علیہ السلام کے کلام سے یار لوگوں کی اس گھڑت کی بھی تردید ہوتی ہے کہ مسلمان بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم صرف تین چار ہی رہ گئے تھے۔ ایسا ہوتا تو آپ یوں فرماتے کہ پہلے مسلمانوں کی تعداد کثیر تھی۔ اب گنتی کے چند آدمی مسلمان رہ گئے ہیں۔ ان کو اس مہم پر بھیجو تو فتح ہوگی ورنہ شکست۔

(۴) نہج البلاغت ص ۱۹۷ میں دوسرا خطبہ جناب امیر علیہ السلام:۔

وَمِنْ كَلَامِهٖ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِعُمَرَبْنَ الْخَطَّابِ وَقَدِ اسْتَشَارَهٗ فِی غَزْوَةِ الْفرس بِنَفْسِهٖ اِنَّ هٰذَا الْاَمْرَ لَمْ یَكُنْ نَصْرُهٗ وَلَاخِذْلَانُهٗ بِكَثْرَةٍ وَلَا بِقِلَّةٍ وَهُوَ دِیْنُ اللّٰهِ الذی اَظْهَرَهٗ وَجُنْدُهُ الَّذِیْ اَعَدَّهٗ وَاَمَدَّهٗ حَتّٰی بَلَغَ مَا بَلَغَ وَطَلَعَ حَیْثُ مَا طَلَعَ وَنَحْنُ عَلٰی مَوْعُوْدٍ مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مُنجِزُوَعْدِهٖ وَنَاصِرُ جُنْدِهٖ وَمَكَانُ الْقَیِّمِ بِالْاَمْرِ مَكَانَ النِّظَامِ مِنَ الْخَرَزِ یَجْمَعُهٗ وَیَضُمُّهٗ فَاِذَا انْقَطَعَ النِّظَامُ تَفَرَّقَ الْخَرَزُوَذَهَبَ ثُمَّ لَمْ یَجْتَمِعْ بِحَذَافِیْرِهٖ اَبَدًا ولَعَرَبُ الْیَوْمَ وَاِنْ كَانُوْ قَلِیْلًا فَهُمْ كَثِیْرُوْنَ بِالْاِسْلَامِ وَ عَزِیْزُوْنَ بِالْاِجْتِمَاعِ فَكُنْ قُطْبًا وَاسْتَدِرِالرُّحیٰ بِالْعَرَبِ وَ اَصْلِهِمْ دُوْنَكَ فَارَالْحَرْبِ فَاِنَّكَ اِنْ شَخَصْتَ مِنْ هٰذِهِ الْاَرْضِ اَنْتَقَضَتْ عَلَیْكَ الْعَرَبُ مِنْ اَطْرَافِهَا وَ اَقْطَارِهَا حَتّٰی یَكُوْنَ مَاتَدَعُ وَرَاءَكَ مِنَ الْعَوْرَاتِ اَهَمَّ اِلَیْكَ مِمَّا بَیْنَ یَدَیْكَ اِنَّ الْاَعَاجَمَ اِنْ یَنْظُرُوْ اِلَیْكَ غَدًا یَقُوْلُوْا هٰذَا اَصْلُ الْعَرَبِ فَاِذَا اقْتَطَعْتُمُوْهُ اِسْتَرَحْتُمْ فَیَكُوْنَ ذٰلِكَ اَشَدَّ لِكَلْبِهِمْ عَلَیْكَ وَ طَمْعِهِمْ فِیْكَ فَاَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ

مَسِيْرِ الْقَوْمِ الىٰ قِتَالِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاِنَّ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ هُوَ اَكْرَهُ لِمُسِيْرِ هِمْ مِنْكَ وَهُوَ اَقْدَدس عَلىٰ تَغْيِيْر مَايَكْرَهُ وَاَمَّا مَاذَكَرْتَ مِنْ عَدَدِهِمْ فَانَّا لَمْ يَكُنْ نُقَاتِلُ فِيْمَا مضى بالكثرة اِنَّمَا نُقَاتِلُ بالنَّصرِ وَالمَعُونَةِ .

ترجمہ:۔ جب حضرت عمرؓ نے غزوہ فارس میں بذات خود جانا چاہا اور امیر علیہ السلام سے مشورہ لیا تو آپ نے فرمایا دین اسلام کا غالب آنا اور مغلوب ہو جانا کچھ سپاہ کی کثرت وقلت پر موقوف نہیں ہے یہ اسلام اس خدا کا دین ہے جس نے اس کو تمام ادیان و مذاہب پر غالب کیا ہے اور لشکر اسلام اس خدا کی فوج ہے۔ جس نے اس کی ہر جگہ نصرت و تائید کی اور اب ایک بلند مرتبہ پر پہنچا دیا۔ ان کا آفتاب وہاں سے طلوع ہوا جہاں سے طلوع ہونا تھا: ہم لوگ اس وعدہ خداوندی پر کامل یقین کے ساتھ راسخ القدم ہیں جو اُس نے غلبہ اسلام کے بارے میں فرمایا۔ بیشک وہ اپنے وعدوں کا وفا کرنے والا ہے۔ وہ اپنی سپاہ کا مددگار ہے۔ دین اسلام کے پیشوا مختار کار (خلیفہ) کا مرتبہ رشتۂ مروارید کی مثل ہے۔ جو موتی کے دانوں کو ایک نظام میں منسلک رکھتا ہے۔ اگر رشتہ ٹوٹ جائے تو تمام دانے متفرق ہو کر بکھر جاتے ہیں۔ پھر اجتماع کامل مشکل ہے آج کے روز اہل عرب اگرچہ قلیل ہیں لیکن شوکت اسلام انہیں کثیر ظاہر کر رہی ہے۔ یہ اپنے اتفاق و اجتماع کی وجہ سے یقیناً دشمن پر غالب ہونگے۔ تم ان کے لئے قطب آسیا ہو اور آسیائے جنگ کو گروہ عرب کے ساتھ گردش دو۔ اور اپنے سوائے کسی دوسرے شخص کے ماتحت بنا کر آتش جنگ کو برافروختہ کرو کیونکہ اگر تم مدینہ سے باہر چلے گئے تو عرب کے تمام قبائل اطراف واکناف سے یک لخت ٹوٹ پڑیں گے۔ اس وقت پیچھے رہنے والی مستورات کی حفاظت تم پر اس چیز سے زیادہ مقدم ہو جائے گی جو تمہارے سامنے (جنگ) موجود ہے۔

دوم:۔ یہ کہ اہل ایران تجھے دیکھیں گے تو کہیں گے۔ بس یہی ان عربوں کا سردار ہے۔ اگر اس کا کام تمام کر دو تو پھر تمہیں ہر طرح سے آرام ہے۔ بیشک یہ اقوال

تمہاری لڑائی پر انہیں حریص کر دیں گے۔ اور تمہاری گرفتاری کی از حد طمع کریں گے اور یہ جو تم نے کہا ہے کہ ایرانی فوج مسلمانوں پر چڑھائی کر رہی ہے۔ سو پروردگار عالم ان کی اس حرکت کو تم سے زیادہ مکروہ سمجھتا ہے اور وہ بیشک جس امر سے کراہت رکھتا ہے اس کی تغیر پر پورا پورا قادر ہے۔ اور یہ بات کہ حملہ آور کی تعداد زیادہ ہے سو یہ خیال کرو کہ ہم گروہ اصحابؓ نے عہد پیغمبر علیہ السلام میں کبھی دشمن کے ساتھ کثیر التعداد لشکر لے کر جنگ نہیں کی بلکہ ہمیشہ خداوند کریم کی نصرت و معونت ہمارے شامل حال رہی ہے۔ اور اب صرف اُسی کی نصرت و امداد کے بھروسہ پر کفار سے قتل و قتال کرتے رہے ہیں۔ (نیرنگ فصاحت ص ۲۰۰۔۲۰۱)

جناب امیر علیہ السلام کے فصیح و بلیغ خطبے میں (قیمتی مشورہ) آفتاب نیمروز کے طرح روشن ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ باہم شیر و شکر تھے۔ دونوں کو ایک دوسرے پر مکمل اعتماد و بھروسہ تھا اس میں بھی غزوہ روم کی طرح جب امیر المومنین فاروق اعظمؓ نے اسد اللہ الغالب سے مشورہ طلب کیا تو آپ نے کمال خیر خواہی سے ان کو یہی مشورہ دیا کہ آپ بذات خود معرکہ کارزار میں تشریف نہ لیجائیں ایسا نہ ہو کہ ایرانی آپ کو لشکر اسلام کا قائد اعظم سمجھ کر یکبارگی ٹوٹ پڑیں آپ کو نقصان پہنچانے کی سعی کریں اگر خدانخواستہ باہمی دشمنی ہوتی تو حضرت علیؓ کو خوب موقعہ ہاتھ آ گیا تھا۔ یہی صلاح دیتے کہ تم خود لڑائی پر جاؤ تاکہ تم وہاں مارے جاؤ اور خلافت کی گدی ہمارے لئے خالی ہو آپ کا یہ فرمانا کہ مکان القیم بالامر مکان النظام من الخرز صاحب [1] خلیفہ کی مثال رشتہ مروارید کی سی ہے۔ رشتہ ٹوٹ جائے تو موتی بھی کہیں کے کہیں بکھر جاتے ہیں) تو اس امر پر ناطق فیصلہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰؓ حضرت عمرؓ کو برحق خلیفہ سمجھتے تھے۔ ورنہ یہ مثال کیوں دیتے؟ شیر خدا کی نگاہ میں فاروق اعظمؓ کی ذات باعث بقاءِ اسلام و اسلامیان تھی اور آپ

---

[1] قاموس جلد ۳ ص ۹۲ میں ہے۔ قیم الامر مصلح لہ دالقرآن والنبی والخلیفہ وقائد الجند' قیم الامر وہ ہے جو اس امر کا مصلح ہو۔ قرآن نبی اور خلیفہ اور سالار لشکر پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ گویا جناب امیر کا حضرت عمرؓ کو امر (اسلام) کا قیم فرمانا ان کی خلافت کا اعتراف صریح ہے۔

صدقِ دل سے آپ کی سلامتی جان کے متمنی تھے۔

(۴) آپ نے حضرت عمرؓ کو آسیائے اسلام کا قطب اور محور قرار دیا۔ اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کیا ہو سکتی ہے کہ آپ حضرت عمرؓ کو سچا خلیفۂ رسول اور پیشوائے اسلام سمجھتے تھے۔ غرض اس خطبہ کا لفظ لفظ فاروقِ اعظمؓ کی تعریف سے پُر ہے۔ پھر حضرات شیعہ کو شرم کرنی چاہیے کہ جس شخص کی تعریف حضرت علی المرتضیٰؓ فرمائیں اس کو منافق کہو۔ شرم! شرم!! شرم!!!

(۵) اُصول کافی ص ۲۹۶ میں ہے۔

عَنْ اَبِی جَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قَدِمَتْ بِنْتُ یَزْدجر عَلٰی عُمَرَ اَشْرَفَ لَهَا عَذٰرَی الْمَدِیْنَةِ وَاشْرَق الْمَسْجِد بِضَوْلِهَا لَمَّا دَخَلَتْهُ نَلَمَا نَظَرَ اَلَیْهَا عُمَرُ غَطَّتْ وَ جْهَهَا وَ قَالَتْ اَفِیْرُوْج بِاذهُرمُز فَقَال عُمَرُ اَلْشْتِمُنِیْ هٰذِهٖ وَهَمَّ بِهَا حَسْبِهَا بِفَیْئِهٖ وَ خَیَّر هَا فَجَائَت حَتّٰی وَضَعَتْ یَدَهَا عَلٰی رأس الْحُسَیْنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اَمِیْر الْمُؤْمِنِیْنَ مَا اسْمُکِ فَقَالَتْ جَهَان شاه فَقَالَ لَهَا اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ بَلْ شَهْرُ بَانُوِیَهْ ثُمَّ قَالَ لِلْحُسَیْنِ یَا اَبَاعَبْدِ اللّٰهِ لَیَلِدَنَّ مِنْهَا خَیْرَ اَهْل الْاَرْضِ فَوَلَدَ عَلِیُّ ابْن حُسَیْنِ.

ترجمہ:۔ امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب یزدگرد (شاہِ ایران) کی بیٹی (مالِ غنیمت) میں حضرت عمرؓ کے پاس آئی تو مدینہ کی کنواری لڑکیاں اس کو دیکھنے کے لئے آئیں اور جب وہ مسجد میں داخل ہوئی تو مسجد اس کی روشنی سے چمکنے لگی۔ حضرت عمرؓ نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے کہا۔ ''افروج باذاہرمز'' حضرت عمرؓ نے کہا۔ ''کیا یہ مجھے گالی دیتی ہے؟'' اور اس کو سزا دینے کا ارادہ کیا۔ تو امیر المومنین علیہ السلام نے کہا کہ ایسا آپ کو نہ چاہیے۔ آپ اس کو اختیار دیجئے کہ جس مسلمان کو چاہے پسند کرے اور اس کو اسے کے حصہ میں سمجھ لیجئے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو اختیار دے دیا۔ اس

نے جا کر حضرت امام حسین علیہ السلام کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ امیر المومنین نے پوچھا۔ تمہارا نام کیا ہے؟ اُس نے کہا "جہان شاہ" امیر المومنین نے فرمایا نہیں بلکہ! شہر بانو"۔ حضرت امام حسین علیہ السلام سے فرمایا "اے ابوعبداللہ اس سے تمہارا ایک فرزند پیدا ہوگا جو تمام روئے زمین کے لوگوں سے بہتر ہوگا" چنانچہ زین العابدین پیدا ہوئے"۔

اِس حدیث سے حسب ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:۔

(۱) حضرت علیؓ اور امام حسینؓ حضرت عمرؓ کی بارگاہ خلافت میں ہمیشہ باریاب رہتے تھے اور مال غنیمت میں، جو فتوحات عمرؓ سے حاصل ہوتا تھا برابر حصہ لیتے تھے۔

(۲) حضرت عمرؓ کو حضرت علیؓ اور آپ کے شہزادہ امام حسینؓ سے اس قدر محبت تھی کہ آپ نے شاہی خاندان کی ایک پری جمال خاتون (شہزادی شہر بانو) حضرت امام حسینؓ کو بخشدی جو تمام سادات کی جَدّہِ عُلیا ہے۔

(۳) جناب امیر علیہ السلام حضرت عمرؓ کی خلافت کو جائز خلافت اور آپ کو برحق خلیفہ سمجھتے تھے۔ اسی لئے یہ عطیہ قبول کیا۔ ورنہ ایک کافر یا منافق کی فتوحات کا مالِ غنیمت ایک متقی متورّع مسلمان کو اپنی ذات واولاد کے لئے لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

سادات پر حضرت عمرؓ کا بھاری احسان

شیعہ سادات اگر احسان فراموش نہ ہوں تو حضرت عمرؓ کے بارِ منت سے وہ قیامت تک سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ اگر حضرت عمرؓ بکمالِ ایثار حضرت شہر بانو حضرت امام حسینؓ کو نہ بخش دیتے۔ نہ زین العابدین کا وجود مسعود ظہور پذیر ہوتا۔ نہ اس کی پشت سے سادات ہی پیدا ہوتے۔ یہ بھی معلوم ہو کہ معاذ اللہ اگر حضرت عمرؓ مسلمان نہ تھے تو اُن کو بخشا ہوا مالِ غنیمت نہ حضرت علیؓ نہ حضرت امام حسینؓ کو لینا حلال ہوتا تو پھر حضرت شہر بانو کا نکاح بھی جائز نکاح نہ ہو سکتا تھا اس لئے اس امر کے جوابدہ شیعہ سادات ہیں کہ جب معاذ اللہ تزویج ہی صحیح نہیں تو اولاد کیسے رشید ہو سکتی ہے؟ غرض ہمارے شیعہ بھائی سوچیں کہ یہ بُرا عقیدہ یعنی حضرت عمرؓ کو کافر اور منافق سمجھنا کیا کچھ خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ بھائیو

سوچو! اور خوب غور کرو۔

ایک اور بات

پھر قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت شہر بانو شہزادی کی بخشش بجائے خود بھی ایک بڑی ایثار کی بات تھی کہ اپنی اولاد پر حضرت امام حسین کو ترجیح دے کر شہزادی شہر بانو ان کو نکاح کر دی گئی۔ وگرنہ اگر ان کی دلی منشاء نہ ہوتی تو شہزادی کا امام حسینؓ کو پسند کرنا یا امیر علیہ السلام کی سفارش کا کیا اثر ہو سکتا تھا؟ شیعہ کہتے ہیں کہ شیخین نے باوجود مشکل کشا اور خاتون کی منت خوشامد کے باغ فدک ان کو نہ دیا تو شہر بانو کا گرانقدر عطیہ کیسے مل سکتا تھا؟ علاوہ ازیں شہزادی جس وقت قید ہو کر آئیں تو وہ بیش قیمت شاہانہ پوشاک اور گراں بہا زیورات پہنے ہوئے تھیں ان کے زیورات میں اس قدر جواہرات جڑے ہوئے تھے کہ جن کی قیمت سے فدک جیسے کئی باغ خریدے جا سکتے تھے جو شہر بانو معہ لباس فاخرہ زرنگار و زیورات و جواہرات حضرت امام حسینؓ کے حوالہ کر دی گئیں اگر حضرت عمرؓ کو بزعم شیعہ اہل بیت سے عداوت ہوتی تو وہ ہرگز ایسا نہ کرتے ۔ غرض حضرت شہر بانو کا عطیہ تمام بیجا مطاعن شیعہ کا ایسا مکمل جواب ہے جس کا کوئی جواب الجواب نہیں ہو سکتا۔ شیعہ سخت احسان فراموش اور ناشکر گزار ہیں کہ باوجود اس قدر احسانات کے پھر ان کی شکایت کرتے ہیں خدا اُن کو ہدایت کرے۔

(٦) حیات القلوب جلد۲ ص ۲۰۳ میں ہے:۔

> "خاصہ و عام روایت کردہ اند کہ در جنگ احزاب آنحضرت کندن خندق را درمیان صحابہ بہ قسمت فرمودہ کہ ہر چہل ذراع راد نفر حضر نمایند پس رحصہ سلمانؓ و حذیفہؓ زمین بسنگے رسید کہ کلنگ دراں اثر نمی کرد چوں سلمانؓ بخدمت آنحضرت عرض کرد از مسجد احزاب زیر آمد و کلنگ را از ایشاں گرفت و سہ مرتبہ برقے ساطع می شد کہ جہاں روشن می شد و اللہ اکبر می گفت و صحابہؓ اللہ اکبر می گفتند پس فرمود کہ برق اول قصر یمن را دیدم و خدا آں را بمن داد۔ دوم قصر ہائے شام را دیدم و ملک بادشاہان عجم بمن داد پس خدا فرمود:

[لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ]

ترجمہ:۔خاص و عام نے روایت کیا ہے کہ جنگ احزاب میں حضور علیہ السلام نے خندق کی کھدائی کا کام صحابہ کرامؓ میں اس طرح تقسیم کیا کہ دس دس اشخاص چالیس چالیس گز کی کھدائی کریں جو زمین حضرت سلمانؓ اور حذیفہؓ کے درمیان تقسیم تھی اس میں ایک پتھر آ گیا اُنہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تو حضور مسجد احزاب میں اُتر آئے اور اُن سے ہتھیار لے کر تین دفعہ پتھر پر رسید کیا ہر مرتبہ پتھر کا تیسرا حصہ اُڑ گیا اور ہر دفعہ کی ضرب سے پتھر سے روشنی نکلی جس سے جہان روشن ہو گیا حضور علیہ السلام نے نعرہ بلند فرمایا۔صحابہؓ نے بھی تکبیر کہی۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلی روشنی میں میں نے یمن کے محلات دیکھ لئے کہ خدا نے وہ ملک مجھے دیا۔دوسرے میں شام کے محلات نظر آئے وہ ملک بھی خدا نے مجھے عطا فرمایا۔تیسرے میں مدائن کے چوبارے دکھائی دیئے اور خدا نے بادشاہان عجم کی سلطنت مجھے بخش دی۔پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خدا اس دین کو غالب کرے گا خواہ کفار بُرا منائیں۔

یہی واقعہ فروع کافی جلد دوم ص۱۰۲ میں بروایت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام درج ہے اور صاحبِ حملہ حیدری نے بھی اس کو نظم میں لکھا ہے۔

نظم فارسی

بداں فاقہ و ضعف سالار دیں ستد تیشہ از دست انصار دیں

چو برداشت فولاد خار اشگاف در آمد بز نہارازاں کوہ قاف

بنام خدائی جہاں آفریں بزد تیشہ را بسید المرسلینؐ

کہ یک گوشۂ سنگ از ہم شکست دراں وقت برقی ازاں سنگ جست

کہ روشن شدآں دشت صحرا تمام برآورد تکبیر خیر الانامؐ

بضرب دوم ضلع دیگر شکست بداں گونہ برقی ازاں باز جست

بفرمود تکبیر بار دوم — بزد پس براں سنگ ضرب سوم
دریں بارہم جست برقی چناں — نبی شد بہ تکبیر رطب اللساں
شدایں بارآں سنگ زیر وزبر — نماند احتیاجش بضرب دگر
درآندم بدو گفت سلمانؓ چنیں — کہ ای خاک راست سپہر بریں
چہ بدایں و اباشدچہ تعبیرآں — بہ تکبریں چو ں برکشودی زباں
بپاسخ چنیں گفت خیر البشرؐ — کہ چوں جست برقی نخست از حجر
نمودند ایوان کسریٰ بمن — دوم قصر روم و سوم از یمن
سبب راچنیں گفت روح الامیں — کہ بعد ازمن اعوان و انصار دیں
بریں مملکت ہامسلط شوند — بہ آئین من اہل آں بگروند
بدیں مژدہ و شکر و لطف خدا — بہر بار تکبیر کردم ادا
شنید ندآں مژدہ چومومناں — کشید * تکبیر شادی کناں

ترجمہ: باوجود گرسنگی اور نحافت بدن کے حضور علیہ السلام نے جب خدا کا نام لیکر پتھر پر تیشہ کی ضرب ماری تو پہاڑ بھی لرز گئے پہلی ضرب سے کچھ حصہ ٹوٹ پڑا اور ایسی روشنی نکلی کہ تمام بیابان بقعہ نور ہو گیا تب حضور علیہ السلام نے تکبیر پڑھی دوسری ضرب سے پتھر کا اور ٹکڑا اڑا اور ایسے ہی روشنی ہوئی۔ اور پھر تکبیر فرمائی۔ تیسری دفعہ بھی یہ کیفیت ہوئی تو حضرت سلمانؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا ماجرا تھا؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں تکبیر فرمائی؟ حضور علیہ السلام نے جواب دیا جب پہلی ضرب سے پتھر سے شعلہ نور اُٹھا تو ایوان کسریٰ مجھے دکھائے گئے۔ دوسری ضرب سے محلات روم۔ تیسری میں یمن نمودار ہوئے اس کا سبب جبرائیل نے یہ بتایا کہ میرے بعد میرے تابعداران جو اس دین کے اعوان و انصار ہوں گے۔ ان ممالک کو فتح کریں گے اور میری طرح ان میں حکمرانی کریں گے اس بشارت پر میں نے ہر دفعہ شکریہ کے طور پر تکبیر پڑھی پس مسلمانوں نے جب بشارت سُنی سب نے غلغلہ تکبیر بلند کیا۔

پس اب ہم شیعہ حضرات سے دریافت کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی یہ

پیشگوئی کب کس کے عہد میں پوری ہوئی؟ یہ بات مُسلّم ہے کہ روم، یمن، مدائن اور حضرت عمرؓ کے عہد میں فتح ہوئے۔ قیصر و کسریٰ کے تخت آپ ہی نے الٹ دیئے اور ایوان کسریٰ میں جہاں تخت نوشیروان بچھا تھا مسلمانوں نے اذان دیکر نماز جمعہ ادا کی پھر اگر معاذ اللہ حسب زعم شیعہ حضرت عمرؓ منافق یا کافر تھے تو حضور علیہ السلام نے ان کے فتوحات کی خوشی کیوں کی؟ ان کو دین حق کا اعوان دانصار کیوں فرمایا؟ اور اُن کی فتوحات کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا؟ اس سے روز روشن کی طرح واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جائز جانشین تصور فرماتے تھے۔ تب ہی تو ان کی فتح کو اپنی فتح فرمایا۔ اور دین متین کے سچے مددگار انصار کا لقب عطا فرمایا کہ۔

بریں مملکت ہا مسلط شوند
بہ آئین من اہل آں بگروند

یعنی دین حق کے پاسبان وہ اعوان میرے جانشین ان ممالک پر مسلط ہونگے اور میری طرح حکمرانی کریں گے۔ ان کی فتح میری فتح ہوگی اور ان کی حکومت میری حکومت ہوگی کیا شیعہ صاحبان میں کوئی صاحب بصیرت ہے جو اپنی کتابوں کی بین شہادت دیکھ کر خیال کرے کہ جن پاک ہستیوں کی تم شکایت کرتے ہو۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی انہوں نے کیسی مدد کی اور کیسے کیسے مادی جبروت سلاطین کو حلقہ بگوش اسلام بنایا اور دنیا کی آبادی میں ظلمت کفر کو مٹا کر انہوں نے نور اسلام پھیلایا۔

مولانا شبلیؒ نے الفاروق حصہ دوم میں یورپین مؤرخین کی رائے کے موافق فتوحات فاروقی کی وسعت اور اس کی حدود اربعہ کی یوں تشریح کی ہے کہ:۔

''حضرت عمرؓ کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۲۷، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حدِّ حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

سچ تو یہ ہے کہ دنیائے اسلام حضرت عمرؓ کی ذات اقدس پر جس قدر فخر کرے بجا ہے آپ نے اپنے عہد خلافت میں ایسی مشکلات کو حل کیا جو انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔ ایک ہزار چھتیس بلاد وامصار بڑے بڑے شہر، جسمیں کفار کی حکومت اور بتوں کی خدائی مانی جاتی تھی، فتح کر کے ان کو دارالسلام بنایا اور باشندگان کو کلمہ توحید پڑھایا۔ چار ہزار جامع مسجد تعمیر کیں۔ ہزاروں بت خانے گرائے اور آتشکدے سرد کیے۔ حق یہ ہے کہ آنجناب کی کوشش اور علو ہمت نے مشرق سے مغرب تک اور جنوب سے شمال تک آفتاب عالمتاب کی طرح نور ایمان پھیلایا اور صحرائے ضلالت میں مشعل ہدایت جلا کر تاریکیٔ کفر کو مٹا دیا آپ کی صولت فاروقی نے لشکر قیصر و کسریٰ کو ہزیمت دی اور عجم و عراق سے بیشمار مال غنیمت حاصل کیا۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

کی ہے خلافت آپ نے کس دھوم دھام سے ایران سے خراج لیا اور شام سے
شوکت بھی فخر کرتی ہے حضرت کے نام سے گر شبہ ہے تو پوچھ لو ہر خاص و عام سے
طہران اور عراق میں سکہ بٹھا دیا گبروں کا نام ملکِ عجم سے مٹا دیا

(۷) حیات القلوب جلد ۲ ص ۲۴۸ میں ہے:۔

ابن شہر آشوب وغیرہ روایت کردہ اند کہ روزے آنحضرت نظر کرد بسوئے ذراعہائے سراقہ بن مالک کہ باریک و پرمو بود پس فرمود چگونہ خواہد بود حال تو کہ دست رنجہائے بادشاہ عجم را در دست خود کردہ باشی پس چوں در زمان عمرؓ فتح مدائن کردند۔ عمرؓ او را طلبید و دست رنجہائے بادشاہ عجم را در دست اُو کرد۔

ترجمہ: ابن شہر آشوب وغیرہ نے روایت کی کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک کے بازوؤں کو دیکھا جو بہت پتلے اور بالوں سے بھرے ہوئے تھے اور فرمایا سراقہ! تمہاری اس روز کیا حالت ہوگی جب شاہ عجم کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہونگے؟ پھر جب حضرت عمرؓ کے زمانہ میں مدائن فتح ہوا تو آپ نے سراقہ کو طلب کیا اور شاہ عجم کے کنگن اس کے ہاتھ میں پہنا دیئے۔

اس روایت کو بغور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو جن کو قیامت تک کے واقعات کا علم غیب ❶ حق تعالیٰ نے بخشا ہوا تھا اپنے جلیل القدر صحابی حضرت عمرؓ

---

❶ علم سے مراد علم اجمالی ہے نہ تفصیلی۔ چنانچہ مصنف آفتاب ہدایت مرحوم نے بھی دوسری جگہ ص ۱۷۰ پر اس کی تصریح فرمادی ہے۔ کہ یہ مسئلہ بھی مُسَلَّم ہے کہ علم ما کان ما یکون خاصہ ذات باری تعالیٰ ہے۔ نیز جناب مولف نے ص ۱۹۴ پر تصریح فرمائی ہے کہ کسی مخلوق کے لئے علم ما کان و ما یکون کا اعتقاد رکھنا اس کو شان الوہیت تک پہنچا دینا ہے۔

اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے حضرات علماء محققین کی تصانیف کا مطالعہ ضروری ہے۔ اور اکابر صوفیہ کے ارشادات سے بھی یہی مستفاد ہوتا ہے۔ چنانچہ قطب ربانی جامع کمالات صوری و معنوی عارف باللہ حضرت شاہ غلام علی شاہ صاحب نقشبندی مجددی قدس سرہ خلیفہ اعظم حضرت مرزا مظہر جانِ جاناں شہید کے ملفوظات میں ہے۔ "بعد ازاں در مجلس ذکر جامعیت آں سرور علیہ الصلوٰۃ اللہ الملک الاکبر آمد حضرت ایشاں فرمودند کہ جمیع کمالات ظاہری و باطنی بطریق اجمال جناب سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ اللہ الملک الاعلیٰ راہ حاصل بود۔ لیکن حصول ظہور تفصیل جمیع کمالات موقوف بزمانہ خاص و بہ شخص خاص بود چنانچہ فرمودہ اند آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم [اُعْطِيتُ بِمَفَاتِحِ كُنُوزِ الارض] وحال آنکہ درزمان آنحضرت فتح اکثر اقالیم نشدہ بود درزمان خلفاء اکثر مقامات فتح شدند واکثر بعد از صحابہؓ سلاطین نامدار فتح نمودہ اند چنانچہ محمود غزنوی ہندوستان فتح کرد ظہور ایں کمال موقوف برایشاں بود جناب آں سرور علیہ الصلوٰۃ الملک الاکبر را جمیع علوم توحید وجودی وچہ کلام وچہ علم مسائل فقہ مجملاً حاصل بود لیکن تفصیل علم توحید وجودی بروجود محی الدین عربی رحمۃ اللہ علیہ وظہور علم کلام ابوالحسن اشعری وابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہما وتفصیل علم جزیات مسائل فقہ بر امام اعظم وامام شافعیؒ وامام مالک وامام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم موقوف بود حاصل آنکہ ہر کمالے کہ بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درامت از ہر کس کہ ظہور نمود کمال آنحضرت است وآنحضرت راقبل ازیں ظہور ہم حاصل بود غیر از فرق اجمال وتفصیل نیست (باقی اگلے صفحہ پر)

کی فتوحات کو دیکھ دیکھ کر ایسی خوشی ہوتی تھی کہ مسلمانوں کے نئے نئے طریق سے بشارت سُنا کر حضرت عمرؓ کی جلالت قدر اور عظمت پر متنبہ فرماتے تھے۔ بھلا اگر حضرت عمرؓ بقول شیعہ معاذ اللہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کافر و منافق ہوتے تو ان کا جہاد نا جائز ہوتا اور اس جہاد کا مالِ غنیمت، مالِ مغصوب اور حرام ہوتا تو کیا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ کو مال حرام و (مغصوب) کے حاصل ہونے کی بشاوت دی تھی؟ اس سے تو پرہیز کرنے کا حکم دینا چاہئے تھا۔ شیعو غور کرو اور خوب غور کرو۔

(۶) یہ امر مسلم الطرفین ہے کہ حضرت عمرؓ کی دختر نیک اختر حضرت حفصہؓ کو حضور علیہ السلام کی زوجہ ہونے کا شرف حاصل تھا اور آپ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خُسر تھے۔ تو معاذ اللہ آپ منافق و کافر ہوتے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر سے

(گزشتہ سے پیوستہ) (درالمعارف ملفوظات حضرت شاہ غلام علیؒ ص ۲۱۲) واضح ہو کہ اس تحریر سے ہمارا مقصود صرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم تفصیلی محیط کائنات کی نفی کرنا ہے۔ معاذ اللہ تنقیص شان مقصود نہیں برادران اسلام کسی غلط فہمی میں نہ مبتلا ہو جائیں کیونکہ ہمارے اکابر حضرات نے اپنی تصانیف مبارکہ میں تصریح فرما دی ہے۔ کہ حضور فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم اہل عالم کے واسطے جملہ کمالات کے لئے واسطہ ہیں۔ یعنی جملہ کمالاتِ خلائق علمی ہوں یہ عملی نبوت ہو یا رسالت صدیقیت ہو یا شہادت سخاوت ہو یا شجاعت علم ہو یا مروت قوت ہو یا وقار وغیرہ وغیرہ سب کے ساتھ اولاً بالذات آپ کی ذات والا صفات جناب باری عزشانہ کی جانب سے متصف کی گئی اور آپ کے ذریعہ سے جملہ کائنات کو فیض پہنچا جیسا کہ آفتاب سے نور قمر میں آیا۔ اور قمر سے نور ہزاروں آئینوں میں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم اولین و آخرین عطا فرمائے گے۔ کوئی بشر کوئی ملک اور کوئی مخلوق علم و کمالات میں آپ کے مساوی نہیں چہ جائیکہ افضل ہو۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ تفصیل کے لئے یہ کتابیں مطالعہ فرمائیں۔ آب حیات، تحذیر الناس، قبلہ نما، از حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شہاب ثاقب۔ از حضرت مولانا المدنی رحمۃ اللہ علیہ (احقر مظہر حسین ابنِ مؤلف)

شادی کرنے کے مجاز نہ ہوتے جب آپ کو صریح حکم تھا [لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ] (مشرکہ عورتوں سے مت نکاح کرو) لامحالہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت عمرؓ صاحب فضیلت و شریعت تھے تب ہی تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے رشتہ قرابت اختیار فرمایا۔ بھائیو! انصاف کرو خسر بمنزلہ والد واجب التعظیم ہوتا ہے پھر جو لوگ حضرت عمرؓ کو بُرا بھلا کہتے ہیں وہ گویا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے باپ کو بُرا کہتے ہیں۔ پھر ایسے لوگوں کا قیامت میں کیا حال ہوگا؟ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب آپ کے اعزہ و اقارب کی گستاخی کر کے وہ اپنے آقائے نامدار کو کیا منہ دکھائیں گے؟ عبرت! عبرت!! عبرت!!!

نظم اردو

کیا ہو گیا ہے خبط یہ شیعہ کرام کو
کرتے ہیں سب و شتم صحابہ عظامؓ کو

دیتے مغلظات ہیں منبر پر بیٹھ کر
ازواج پاک سید بیت الحرام کو

حضرت کے دوستداروں کو دیکر گالیاں
دیتے ہیں دُکھ رسول علیہ السلام کو

لعنت کا ورد کرتے ہیں صلوٰات کے بجا
لعنت وظیفہ ان کا ہے بس صبح و شام کو

حضرت ہمارے رحمت عالم ہیں بالیقین
لعنت سے پیار اُمت خیر الانام کو

یہ بات بس بعید ہے اے یار عقل سے
لعنت سے پیار ہوتا ہے شر الانام کو

اصحابؓ کو رسولؐ سے سمجھو نہیں جُدا
پڑھ کر ذرا تو دیکھو خُدا کے کلام کو

ایسی معیت اُن کو تھی حاصل رسولؐ سے
بھولے نہ ایک پل میں بھی حضرت کے نام کو

زندہ رہے تو آپؐ پر ہر دم فدا رہے
ملحوظ ہر طرح سے رکھا احترام کو

مر کر بھی ساتھ چھوڑا نہ اپنے حبیبؐ کا
آقا سے کیا پیار تھا دونوں غلام کو

پہلو بہ پہلو سوئے ہیں حضرتؐ کے دونوں یار
اور حشر ہو گا ساتھ ہی یوم القیام کو

محشر میں بھی نہ چھوڑیں گے ہرگز نبی کا ساتھ
حتیٰ کہ مل کے جائیں گے دارالسلام کو

جلتا ہے گر رقیب حسد سے جلا کرے
بخشا یہ قُرب حق نے صحابہ کرامؓ کو

آغوش میں نبیؐ کے وہ سوتے ہیں دوستو — رحمت برس رہی ہے وہاں صبح شام کو
جب لَا یُجَاوِرُوْنَكَ حق نے بتادیا — ملتا نہیں پڑوس یہ ہرگز لئام کو
کرتے ہو اپنے نامہ اعمال کو سیاہ — یہ لعن طعن چھوڑ دو اور اتہام کو
ڈالا گلے میں طوق ہے لعنت کا تم نے کیا — کرتے ادا نہیں ہو صلوٰۃ وصیام کو
مرغوب میر جی کو ہے اب دارے کی نشست — مسجد نہیں پسند محُب امام کو
ڈاڑھی ہے چٹ جناب کی موچھیں دراز ہیں — اور کر رکھا وظیفہ ہے بھنگِ حرام کو
کر لیتے سال بھر میں ہیں مجلس امام کی — پس آپ بخشے جائیں گے یوم القیام کو
مجلس حسینؓ کی ہے لگی واہ واہ کیا — دے کر منادی جمع کیا خاص و عام کو
چوہڑے، مُسلی، ڈوم، قلندر ہیں جمع یاں — آئے ہیں مل کے پیٹنے حضرت امامؑ کو
روزہ نماز کا نہ لیا عمر بھر میں نام — استنجا بھی کیا نہیں سالِ تمام کو
ناپاک منہ سے لیں گے یہ نام حسینؓ کو — ہو گی بہت خوشی ہی ائمہ عظام کو
زندہ شہید ہوتے ہیں قرآن ہے گواہ — تم پیٹتے ہو مردہ سمجھ کر امام کو
ہے پیٹنا حرام یہ صادق❶ نے کہہ دیا — تم بندگی سمجھتے ہو فعلِ حرام کو
قول خُدا و قول پیغمبرؐ سے ہے اِبا — اور خود ہی گھڑ رکھا ہے خیالاتِ خام کو
ہیں دُشمنانِ دین نہ مومن ہیں یہ دبیر — بس دے رہے ہیں دھوکہ یہ مل کر عوام کو

(۹) حیات القلوب جلد۲ص ۴۱۹ میں ہے:۔

بروایتِ دیگر مشت خاکے از برائے آنحضرتؐ فرستاد۔ حضرتؐ فرمود کہ اُمت من بزودی مالک زمین اُو خواہد شد۔ چنانچہ خاک از برائے من فرستاد

ترجمہ:۔ دوسری روایت میں ہے کہ کسریٰ (شاہِ ایران) نے رسولؐ کے پاس مُشت خاک بھیجی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عنقریب میری اُمت اس زمین کی مالک ہوگی جیسا کہ خاک اُس نے میرے لئے بھیجی۔

❶ حضرت امام جعفر صادق

اب یہ مسلم ہے کہ یہ پیشگوئی بھی حضرت عمرؓ کے عہد فرخ میں پوری ہے چنانچہ ملکِ ایران کو آپ نے ہی فتح کیا۔ اگر معاذ اللہ حضرت عمرؓ منافق و کافر تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ میری اُمت سرزمین ایران کی مالک ہوگی، کیسے درست ہو سکتا ہے؟ کیا اُمت رسول میں کافر و منافق شمار ہو سکتے ہیں؟ اور نبی علیہ السلام ان کی فتح کو اپنی امت کی فتح قرار دے سکتے ہیں؟

(۱۰) حضرت عمرؓ داماد علیؓ تھے۔

ایک روشن دلیل اس امر کی کہ حضرت عمرؓ سے حضرت علی المرتضیٰؓ کو کمال محبت و پیار تھا اور ان کے نزدیک ان کی شرافت ونجابت مسلم تھی، یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اپنی دختر بلند اختر حضرات ام کلثوم کا رشتہ حضرت عمرؓ کو دیکر نکاح کر دیا۔ اگر معاذ اللہ وہ منافق تھے تو جناب امیر علیہ السلام نے سیدہ ام کلثومؓ کا کیوں ایک کافر و منافق سے نکاح کر دیا؟

شیعہ اس امر سے تو انکار نہیں کر سکتے کہ حضرت ام کلثوم بنت علیؓ حضرت عمرؓ کی تزویج میں آئیں لیکن اس بارہ میں ان کو سخت اضطراب لاحق ہوا اور طرح طرح کی تاویلات رکیکہ سے کام لینے لگے۔

ایک روایت یہ وضع کی گئی کہ حضرت ام کلثوم جبرا چھین لی گئی۔ جیسا کہ فروع کافی جلد۲ ص ۱۴۱ باب تزویج ام کلثوم میں ہے:۔

عَنْ زَرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ تَزْوِیْجِ اُمِّ کُلْثُوْم فَقَالَ اِنَّ ذَالِکَ اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبنَاهُ ۔

ترجمہ:۔ زرارہ نے روایت کی ہے کہ حضرت امام جعفر صادق سے دربارۂ نکاح ام کلثوم دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی۔

دوسری روایت اسی کتاب کے صفحہ مذکورہ میں یوں ہے:۔

عَنْ هِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا خَطَبَ اِلَیْهِ قَالَ لَهٗ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّهَا صَبِیَّةٌ قَالَ فَلَقِیَ الْعَبَّاسَ

فَقَالَ لَهُ مَالِيَ اَبِيْ بَاسٌ قَالَ فَمَاذَاكَ قَالَ خَطَبْتُ اِلَى بْنِ اَخِيْكَ فَرَدَّنِيْ اَمَاوَ اللّٰهِ لَاُعِيْدَنَّ زَمْزَمَ وَلَا اَدْعُ لَكُمْ مَكْرَمَ اِلَّا هَدَمْتُهَا وَلَا قِيْمَنَ عَلَيْهِ شَاهِدِيْنِ بِاَنَّهُ سَرَقَ وَ لَا قْطَعَنَّ يَمِيْنَهُ فَاَتَاهُ الْعَبَّاسُ فَاَخْبَرَهُ وَ سَاَلَهُ اَنْ يَجْعَلَ الْاَمْرَ اِلَيْهِ فَجَعَلَهُ اِلَيْهِ .

ترجمہ:۔ ''ہشام بن سالم نے امام صادق سے روایت کی ہے کہ جناب امیر سے اُم کلثوم کا ناطہ طلب کیا گیا تو آپ نے کہا کہ وہ چھوٹی لڑکی ہے فرمایا پھر وہ عباسؓ کو ملے اور کہا۔ کیا مجھ میں کوئی نقص ہے؟ عباسؓ نے کہا کیا بات ہے؟ عمرؓ نے کہا میں نے ناطہ تمہارے بھتیجے علیؓ سے مانگا ہے اس نے انکار کر دیا میں زم زم کو لوٹاؤں گا اور تمہارے جملہ اعزازات کو مٹا دوں گا اور علیؓ پر دو گواہ سرقہ کرنے کے گزار کر اس کے ہاتھ کاٹ دوں گا۔ حضرت عباسؓ حضرت علیؓ کے پاس گئے اور کہا اس ناطہ کا مجھے وکیل بنا دو۔ حضرت علیؓ نے ان کو اجازت دے دی اور نکاح ہو گیا''۔

ان روایات میں اس امر کو تسلیم کیا گیا ہے کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ سے ہوا لیکن پہلی روایت میں نہایت مکروہ لفظ (فرج) استعمال کر کے کہا گیا ہے کہ اُم کلثوم ہم سے جبراً چھین لی گئی تھی۔ دوسری روایت میں بتایا گیا کہ حضرت علیؓ ناطہ دینے پر اس لئے مجبور ہو گئے کہ ان کو دھمکی دی گئی کہ تمہارے اعزاز چھین لئے جائیں گے بلکہ تمہیں سرقہ کا اتہام لگا کر قطع ید کی سزا دیجائیگی۔ سو اہل بصیرت سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کبھی ہو سکتا ہے؟ کہ شجاعت مآب فاتح خیبر حیدرؓ کرار سے ان کی صغیرۃ السن لڑکی جبراً چھین لی جائے۔

---

❶ قاضی نور اللہ شوستری نے بھی اپنی کتاب مجالس المومنین مطبوعہ ایران ص ۷۸ میں اس مضمون کی عبارت لکھی ہے۔ نیز اسی کتاب کے ص ۸۲ پر ہے کہ اُم کلثوم حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد محمد بن جعفر کے نکاح میں آئیں نیز اسی کتاب کے ص ۸۸ میں یہ عبارت درج ہے۔ واگر نبی دختر بعثمان داد، ولی دختر بعمر فرستاد نیز اسی کتاب کے ص ۱۸۸ میں لکھا ہے۔ دیگر پُرسید چرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دختر خود را بعمر ابن خطابؓ داد۔ گفت بواسطہ آن کہ اظہار شہادتین می کرد۔ خود براں واقرار بفضلِ حضرت امیر میکرد۔

یا ان کو ڈرا دھمکا کر ناطہ دینے پر مجبور کر لیا جائے۔ ایسا تو کوئی کم حیثیت کمین شخص جولاہا، بھنگی بھی نہیں کریگا کہ جیتے جی ڈر کر اپنی کمسن لڑکی دوسرے کے حوالہ کر دے یا بخوف سزا بدنی ایک غیر مستحق شخص کو بلا رضامندی خود لڑکی دیدے۔ ایسے موقعہ پر انسان سزاءِ بدنی تو کیا جان دیدینا گوارا کر لیتا ہے۔ لیکن یہ ذلت کبھی گوارا نہیں کرتا کہ کوئی غیر شخص اس کی دوشیزہ کمسن لڑکی جبراً چھین لے ہر ایک دانشمند شخص قیاس کر سکتا ہے کہ کوئی باغیرت بہادر شخص اس قسم کی ذلت کبھی قبول کر سکتا ہے؟ کلّا وحاشا یہ تمام باتیں یار لوگوں کی من گھڑت ہیں جو اصلیت کو چھپانے کے لئے وضع کی گئی ہیں۔ لیکن حق چھپانے سے چھپ نہیں سکتا۔

اسی باب تزویج اُم کلثوم میں ایک دوسری حدیث درج ہے:۔

كَتَبَ عَلِيٌّ بْنُ اَسْبَاطِ اِلٰى اَبِيْ جَعْفَر عَلَيْهِ السَّلَامُ فِيْ اَمْرِ بَنَاتِهٖ وَاَنَّهٗ لَاتَجِدُ اَحَدًا مِثْلَهٗ فَكَتَبَ اِلَيْهِ اَبُوْ جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَهِمْتُ مَا ذَكَرْتَ مِنْ اَمْرِ بَنَاتِكَ وَاَنَّكَ لَاتَجِدُ اَحَدَ اَمْثَلَكَ وَلَا تَنْتَظِرُ فِيْ ذَالِكَ رَحِمَكَ اللّٰهُ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وسلم قَالَ اِذَاجَاءَ كُمْ مَنْ تَرْضَوْنَ خُلُقَهٗ وَدِيْنَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ. (فروع کافی جلد۲ ص۱۴۱)

ترجمہ:۔ "علی بن اسباط نے امام محمد باقرؒ کو اپنی لڑکیوں کے بارے میں لکھا اور اس کو اپنے جیسا کوئی شخص نہ مل سکتا تھا آپ نے فرمایا میں نے تیرا مطلب سمجھا ہے کہ تجھے اپنے رتبہ کا داماد نہیں مل سکتا مگر تم اس بات کی انتظار مت کرو۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے پاس ایسا شخص (ناطہ مانگنے) آجائے جس کے اخلاق اور دینداری کا تمہیں اطمینان ہو تو اُسے ناطہ دے دو ورنہ زمین میں فتنہ وفساد کا اندیشہ ہوگا"۔

اس حدیث کو تزویج اُم کلثوم میں درج کرنے سے مطلب صاف یہ ہے کہ حضرت علیؓ بھی چونکہ حضرت عمرؓ کے اخلاق اور دینداری کو پسند کرتے تھے اور ناطہ کے نہ

دینے میں فتنہ وفساد کا اندیشہ تھا اِس لئے اپنی خوشی سے اُنہوں نے نکاح کر دیا۔

شیعہ کی دوسری چال

نکاح اُم کلثوم کے متعلق جب شیعہ حضرات کو سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی اور کچھ جواب نہیں بن سکا تو ایک دوسری چال یہ چلتے ہیں کہ اُم کلثوم کا نکاح تو حضرت عمرؓ سے ہوا لیکن وہ اُم کلثوم حضرت علیؓ کی اپنی بیٹی نہ تھی بلکہ بنت اسما بنت عمیس اور حضرت علیؓ کی ربیبہ ❶ تھیں۔سو احادیث بالا میں اس امر کی خاص تصریح ہے کہ وہ حضرت علیؓ کی اپنی دختر تھیں اسی لئے [اَوَّلُ فَرْجٍ غُصِبْنَاہُ] کہا گیا ورنہ اسماءً کی لڑکی اگر چھین لی جاتی تو جناب امیر علیہ السلام اور اُن کے اہلبیت کو اس کی کیا شکایت تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حضرت علیؓ سے خواستگاری نکاح اور طرح طرح کی ترغیب ترہیب کی کیا ضرورت تھی؟ جب لڑکی نابالغہ تھی تو لڑکی کے ورثا کی اجازت سے نکاح ہو سکتا تھا اور اس میں کسی قسم کی کوئی دِقت نہ تھی۔

اس میں مطلق شک وشبہ نہیں ہے کہ حضرت اُم کلثوم حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے بطن سے حضرت علیؓ کی دختر تھیں اور نکاح حضرت علی المرتضیٰؓ نے بخوشی خود کر دیا۔اس کے

---

❶ شیعہ یہاں پر ایک اور مضحکہ خیز خلاف عقل وقیاس تاویل یہ کرتے ہیں کہ منکوحہ عمرؓ اُم کلثوم بنت علی نہ تھیں بلکہ ان کی ہم شکل جنیہ مسماۃ سحیقہ نجران سے لائی گئی تھیں اور حضرت عمرؓ کے گھر بھیجی گئی تھیں جیسا کہ ایک متبحر شیعی عالم عارف سید محمد باقر موسوی نے بحرالجواہر میں یوں لکھا ہے ''بطریق صحیحہ روایت شدہ کہ چوں مبالغہ عباسؓ از حد گزشت۔آنحضرت جنیہ از اہل نجران را طلبیدہ کہ نام او سحیقہ بن جہیرہ بود پس چوں آں جنیہ بخدمت آنحضرت رسیدہ فرمود۔بشکل اُم کلثوم درآمد و بعد ازاں اُو را بخانہ عمرؓ فرستاد......شیعہ حضرات کی یہ گھڑت نہایت ہی عجیب ہے کہ ایک مدت مدید تک جناب امیر نے اپنی صاحبزادی اُم کلثوم کو چھپائے رکھا اور جنیہ ان کے گھر رہیں پھر زید بن عمرؓ جنیہ کے بطن سے کیونکر پیدا ہوئے کیونکہ وہ ناری اور عمرؓ خاکی تھے۔اور اختلاف جنس مانع حمل ہے چنانچہ کتاب مذکور میں یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ اس کی مقاربت پر قادر نہ ہو سکے اور اس بات کو بنی ہاشم کے سحر پر محمول کیا۔شیعو! سوچو اور عقل سے کام لو۔

متعلق ہم شیعہ کی کتاب حدیث تہذیب الاحکام ص ۳۸۰ سے دوسری حدیث تحریر کرتے ہیں:۔

عَنْ جَعْفَرَ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ مَاتَتْ ام کُلْثُوْمِ بِنْتُ عَلِیٍّ وَبْنُهَا زَیْدُ بنُ عُمرؓ بْنِ خطاب فِیْ سَاعَةٍ وَاحِدَةٍ ۔

ترجمہ:۔ ’’جعفر صادق اپنے والد ماجد سے روایت کرتے ہیں کہ اُم کلثوم بنت علیؓ اور اس کا بیٹا زید بن عمرؓ خطاب ایک ہی وقت میں فوت ہوئے‘‘۔

اس حدیث میں صاف بیان ہے کہ حضرت اُم کلثوم جو حضرت کی زوجہ محترمہ تھیں علی المرتضیٰؓ کی دختر تھیں اور ان کے شکم سے زید بن عمر بن خطاب پیدا ہوئے اور ماں بیٹا دونوں ایک روز ایک ہی وقت فوت ہوئے تھے۔ اب جو لوگ کہتے ہیں کہ ام کلثوم کا نکاح عمر بن خطاب سے ہوا تھا وہ حضرت علیؓ کی نہ تھیں اس حدیث سے ان کی تکذیب ہوتی ہے۔

دوسری حدیث:۔ اس کی تائید میں ایک دوسری حدیث جو فروع کافی جلد۲ ص ۳۱۰، ۳۱۱ میں ہے پیش کی جاتی ہے:۔

عَنْ سُلَیْمَانَ بْنِ خَالِدٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلامُ عَنْ اِمْرَأةٍ تُوَفِّیْ عَنْهَا زَوْجِهَا اَیْنَ تَعتَدُّ فِیْ بَیْتِ زوجِهَا اَوْحَیْثُ شَاءَ تْ قَالَ بَلْ حَیْثُ شَاءَ تْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ عَلیًّا صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَیْهِ لَمَّامَاتَ عُمَرُ اَتیٰ ام کُلْثُوم فَاَخَذَ بِیَدِهَا فَانْطَلَقَ بِهَا اِلیٰ بَیْتِهٖ ۔ [1]

ترجمہ: سلیمان بن خالد سے روایت ہے کہ میں نے حضرت صادق سے پوچھا کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے تو وہ عدت کہاں گزارے خاوند کے گھر میں یا جہاں اس کا جی چاہے؟ پھر کہا جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے تو حضرت علیؓ ام کلثومؓ کے پاس آئے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے۔

اِس حدیث سے اس امر کا فیصلہ ہو گیا کہ اُم کلثوم زوجہ عمرؓ حضرت علیؓ کی بیٹی

---

[1] یہی حدیث تہذیب احکام مصنفہ ابو جعفر محمد بن حسن طوسی (متوفی ۴۶۰ ھ) مطبوعہ ایران کتاب الطلاق باب عدۃ النساء کے ص ۲۲۸ میں بھی درج ہے۔

تھیں۔ کیونکہ جب حضرت عمرؓ فوت ہو گئے۔ آپ جا کر ام کلثوم کو اپنے گھر لے آئے۔ اگر ام کلثومؓ آپ کی بیٹی نہ ہوتیں یا آپ کی رضا مندی کے بغیر نکاح حضرت عمرؓ سے ہوتا تو باہمی تعلقات بالکل منقطع ہو گئے ہوتے۔ پھر اُن کو کیا پڑی تھی کہ وفاتِ شوہر پر ان کو اپنے گھر لے آئیں علاوہ ازیں ایک بُرہان قاطع اس امر کی کہ ام کلثومؓ منکوحہ حضرت عمرؓ جناب امیرؓ کی اپنی دختر حضرت فاطمہؓ کے شکم سے تھیں یہ ہے کہ اُصولِ کافی ص ۱۷۳ مطبوعہ نولکشور میں ایک آسمانی وصیت کا ذکر ہے۔ جس میں جناب امیرؓ کو جن مکارہ پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ منجملہ ان کے ہتک حُرمت بھی ہے۔ جو غصب ام کلثوم بنتِ فاطمہؓ کی طرف اشارہ ہے جیسا کہ ملا خلیل قزوینی نے صاف شرح اصول کافی جز سوم ص ۲۸۲ میں یوں لکھا ہے۔

''گفت امیر المومنین پس بغایت مضطرب شدم وقتیکہ فکر کردم وفہمیدم آن سخن را از امین الٰہی جبرئیل علیہ السلام کہ مُراد شکستن عہد نیست بلکہ مُراد غصب دختر من است بزور خواہند گرفت اشارتست بغصب عمرؓ اُم کلثوم بنت فاطمہ علیہا السلام را تا نکہ افتادم بروئے خود الخ'' اس عبارت سے ظاہر ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کو سنن کے معطل ہو جانے قرآن کے پارہ پارہ ہو جانے، کعبہ کے گرا دینے، آپ کی رِیش کو خون آلود کر دینے سے اس قدر صدمہ نہ ہوا۔ جیسا کہ غصب ام کلثوم کی خبر سن کر ہوا جس کی وجہ سے آپ منہ کے بل گر پڑے پھر اگر آپ کی حقیقی دُختر نہ تھیں بلکہ اسماء بنت عمیس کی لڑکی تھیں تو آپ کو اس سے غشی آ جانے اور منہ کے بل گر پڑنے کی کیا وجہ تھی؟ [ھَلْ مِنْ مُذَّكِرٍ]

جب تحقیق بالا سے صاف ہو گیا کہ ام کلثوم بنت علیؓ کا نکاح حضرت عمرؓ سے اُن کی رضامندی سے ہوا تھا۔ اور بنت علیؓ اپنے شوہر حضرت عمرؓ کے گھر اُن کی زندگی بھر آباد رہی تھیں۔ ایک بیٹا زید بھی وہاں پیدا ہوا تھا تو محبانِ علیؓ اگر واقعی امیر علیہ السلام کے محبِ صادق ہیں تو پھر دامادِ علیؓ کو گالیاں دینا ان کو مناسب نہیں۔ کیا شیعہ اس بات پر غور کریں گے ویسے تو شیعہ صاحبان کہا کرتے ہیں۔

علیؓ کو میں محمدؐ سے تو بہتر کہہ نہیں سکتا
مگر اپنے سے بہتر ڈھونڈھ کر داماد کرتے ہیں

لیکن یہاں اس مقولہ کو بھول کر داماد علیؓ کو بجائے بہتر سمجھنے کے بدتر سمجھتے ہیں۔ یاللعجب۔

یورپین مؤرخین کی شہادت

حضرت عمرؓ کے کمالات کے نہ صرف مسلمان ہی قائل ہیں بلکہ مخالفین اِسلام بھی آپ کے محاسن کے بیان کرنے پر مجبور ہوگئے ہیں:[اَلْفَضْلُ مَاشَھِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ]

سر ولیم میور جیسا متعصب عیسائی بھی حضرت عمرؓ کا یوں مداح ہوا ہے:۔

''حضرت عمرؓ انتقال کے وقت اتنی بڑی سلطنت کے شہنشاہ اور خلیفہ تھے جس میں شام، مصر اور فارس کے ملک شامل تھے۔ تاہم ایسے تعجب خیز دولت اور اقبال کے زمانہ میں ان کی قوت فیصلہ میں ہمیشہ دانائی اور سنجیدگی پائی جاتی تھی۔ اُنہوں نے اپنے گزارہ میں معمولی سرداران عرب کے قناعت آمیز طریقہ سے کبھی تجاوز نہیں کیا۔ اگر کوئی اجنبی دور کے ملک سے آتا تو بڑی مسجد کے صحن کے چاروں طرف دیکھ کر سوال کرتا کہ خلیفہ کہاں ہے؟ حالانکہ وہ شہنشاہ اپنے معمولی لباس میں اس کے سامنے بیٹھا ہوتا تھا۔ سادہ مزاجی اور ادائے فرض ان کے اصول تھے۔ بڑی ذمہ داری کے عہدہ کے فرائض ادا کرنے میں بے رعایتی اور پرہیزگاری مشہور اور ضرب المثل تھی آپ اُمورِ خلافت کے اِنصرام سے ایسے خوف سے کام کرتے کہ اکثر اوقات پکار اُٹھتے کہ کاش! میری ماں مجھے نہ جنتی۔ یا میں گھاس کا پودا ہوتا۔

جوانی میں آپ اکھڑ اور تند مزاج وصاحب انتقام مشہور تھے۔ اور ہمیشہ اپنی تلوار کو نیام سے باہر نکالنے کو تیار رہتے۔ بدر کی لڑائی میں آپ ہی نے صلاح دی تھی کہ تمام قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ مگر عمر رسیدگی اور تجربہ کاری نے آپ کی فطرت کو نرم کر دیا تھا۔ آپ کے عدل وانصاف کی قوت نہایت مضبوط تھی۔ حُکام اور عُمال کے تقرر میں آپ کا انتخاب طرفداری سے بالکل بری ہوتا تھا۔ ہاتھ میں چابک لے کر آپ گلیوں اور کوچوں میں گشت کیا کرتے تھے۔ تاکہ ملزموں کو موقعہ پر سزا دیں۔ یہ ایک کہاوت بن گئی تھی کہ عمرؓ کا چابک دوسروں کی تلوار سے زیادہ خوفناک ہے مگر باوجود ان سب باتوں کے آپ کا دل

نہایت نرم تھا اور آپ کے رحم کی بے شمار مثالیں بیان کی جاتی ہیں جن میں آپ نے بیواؤں اور یتیموں کی دستگیری کی۔(کتاب سکیچز آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مولفہ سر ولیم میور)

ایسا ہی ڈاکٹر موسولیبان ، پیرس کا مشہور فاضل اپنی مشہور اور نامور کتاب ''سویلیزیشن آف دی عربس'' میں حضرت عمرؓ کے متعلق یوں رقمطراز ہے:۔

''حضرت عمرؓ بعوض اس کے کہ افواج اسلام کی بیش بہا غنیمتوں میں حصہ لیں محض ایک عبا کے مالک تھے جس میں متعدد پیوند تھے اور آپ راتوں کو مساجد کی سیڑھیوں پر غرباء کے ساتھ سو رہا کرتے تھے۔ جس وقت غسان کا نصرانی بادشاہ جو مسلمان ہو گیا تھا حضرت عمرؓ سے ملنے کے لئے آیا۔ تو حُسن اتفاق سے ایک عرب نے نادانستہ اُسے دھکا دیا اس پر بادشاہ نے خفا ہو کر اسے مارا عرب کی نالش پر حضرت عمرؓ نے یہ فیصلہ دیا کہ وہ عرب بادشاہ کو مارے۔ اس پر بادشاہ نے کہا۔ امیر المومنین یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک عامی بادشاہ کو ہاتھ لگائے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ اسلام کا قانون یہی ہے۔ اسلام میں درجہ کی عزت ہے نہ دولت کی۔ ہمارے پیغمبرؐ کی نظروں میں سب مسلمان برابر تھے اور اُن کے خلفاء کی نظروں میں بھی یہی مساوات قائم رہے گی۔''

حضرت عمرؓ ہی کا زمانہ تھا جس میں اسلام کی بڑی ملک گیریاں شروع ہوئیں آپ جس قدر عمدہ منتظم تھے اُسی قدر عمدہ سپہ سالار بھی اور آپ کا انصاف ضرب المثل ہے۔ جس وقت آپ خلیفہ مقرر ہوئے تو یہ تقریر کی۔

> ''اے سامعین غور سے سنو! میری نظروں میں تم میں سے ضعیف سے ضعیف شخص سب سے قوی ہے بشرطیکہ وہ حق پر ہو اور تم میں سے قوی سے قوی شخص اضعف الناس ہے بشرطیکہ وہ ناحق پر ہو''۔

فی الحقیقت مسلمانوں کی سلطنت کی ابتداء حضرت عمرؓ سے ہوئی۔ اور جس وقت عربوں کے غلبہ سے شہنشاہ ہرقل شام سے بھاگ کر قسطنطنیہ جا چھپا تو اس کو معلوم ہوا کہ اب حکومت دوسروں کے ہاتھ چلی گئی۔''

غیر مسلم مؤرخین کی ان شہادتوں سے عمرؓ کے شہنشاہ اعظم ہو کر زہد و تورع اتقاء

وخشیت الٰہی انصاف پژوھی حق پسندی کا ثبوت ملتا ہے پھر افسوس ہے کہ شیعہ ادعائے اسلام کرتے ہوئے ایسی مایۂ ناز ہستی پر زبان طعن دراز کریں غرض حضرت عمرؓ کے کمالات کا استقصاء مشکل ہے۔ مصنفین اسلام نے ان کی سوانح عمری میں ضخیم کتابیں لکھی ہیں چونکہ ہمارا روئے سخن صرف شیعہ حضرات سے ہے۔اس لئے یہاں مشتے نمونہ از خروارے صرف شیعہ کی مستند اور مسلمہ کتب سے اوپر کی شہادت لکھی گئی ہیں۔[وَتِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ] خدا کرے کسی بھائی کی ہدایت کا باعث ہو۔

[واللہ یَهْدِی مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْم] اب ہم خلیفہ سوم کا ذکر کرتے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق حسب ذیل شہادت شیعہ کی مستند کتب سے درج کرتے ہیں:۔

پہلی شہادت:۔شیعہ کی صحیح الکتاب مصدقہ امام غائب علیہ السلام فروع کافی جلد۲ کتاب الروضہ ص ۹۹ میں ہے:۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيِّ الْحَلَبِيِّ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ اِخْتِلَافُ بَنِي الْعَبَّاسِ مِنَ الْمَحْتُوْمِ وَالنِّدَاءُ مِنَ الْمَحْتُوْمِ قُلْتُ كَيْفَ النِّدَاءُ قَالَ يُنَادِىْ مُنَادٍ مِنَ السَّمَاءِ اَوَّلَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عَلِيًّا شِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْنَ قَالَ وَيُنَادِىْ مُنَادٍ اٰخِرَ النَّهَارِ اَلَا اِنَّ عُثْمَانَ وَ شِيْعَتَهُ هُمُ الْفَائِزُوْنَ .

(فروع کافی جلد۳ ص۹۹)

ترجمہ:۔محمد بن علی حلبی روایت کرتا ہے کہ میں نے امام صادق سے سنا وہ فرماتے تھے بنی عباس کا اختلاف یقینی ہے اور ندا بھی یقینی ہے میں نے کہا وہ ندا کیا ہے؟ فرمایا آسمان سے پکارنے والا ابتداء روز میں پکارا کرتا ہے خبردار علیؓ اور اُس کے پیرو کامیاب ہیں۔اور پھر دن کے اخیر میں پکارنے والا

پکارتا ہے۔ خبردار عثمانؓ اور اُس کے پیروکار کامیاب ہیں۔

اِس حدیث میں جو حضرت امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ صاف تصریح ہے کہ ہر روز دن کے اول و آخر ہمیشہ غیب سے آواز آتی ہے پہلے یہ کہ علیؓ اور ان کے تابعین فائز المرام ہیں پھر اسی طرح دوسری آواز آتی ہے کہ عثمانؓ اور اُس کے متبعین بھی فائز المرام ہیں۔ پھر ایسی تصریح کے بعد اگر شیعہ فضیلت عثمانؓ سے انکار کریں تو امام والا مقام کی تکذیب ہوگی۔

دوسری شہادت:۔ ایسا ہی کتاب مذکور کے ص ۱۵۱ جلد نمبر ۳ میں درج ہے:۔

فَجَلَسَ سُهَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُبِسَ عُثْمَانُ فِي عَسْكَرِ الْمُشْرِكِيْنَ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ[illegible]ـبَ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى بِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى مِنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَة وَاَحَلَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَا كَانَ لِيَفْعَلُ فَلَمَّا جَاءَ عُثْمَانُ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُطُفْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَطُفْ بِهٖ

ترجمہ:۔ سہیل بن عمرو (سفیر مشرکین) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا اور حضرت عثمانؓ (سفیر رسول) مشرکین کے لشکر میں محبوس ہوئے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ پر مارا اور عثمانؓ کی (غائبانہ) بیعت کی۔ مسلمان کہنے لگے زہے نصیب عثمانؓ نے طواف کعبہ کیا اور صفا مروہ کی سعی نصیب ہوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عثمانؓ ایسا نہیں کرے گا پھر جب عثمانؓ آئے تو حضور علیہ السلام نے دریافت کیا عثمانؓ! کیا تم نے طواف کعبہ کیا؟ عثمانؓ نے کہا میں طواف کیسے کرتا حالانکہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف نہیں فرمایا۔

اس روایت سے فضیلت عثمانؓ کا نمایاں ثبوت ملتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے ہاتھ کو عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر بیعت کی اور اپنا سفیر بنا کر مشرکین مکہ میں بھیجا۔ پھر حضرت عثمانؓ کے عاشق صادق ہونے پر اس قدر اعتماد تھا کہ مسلمانوں نے جب [طُوْبیٰ لِعُثْمَانَ] کہہ کر یہ کہا کہ عثمانؓ نے طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ کی سعادت حاصل کی تو آپ نے فرمایا ایسا کرنے کی عثمان جیسے جاں نثار عاشق سے توقع نہیں ہوسکتی کہ ہمارا بغیر اکیلا طواف کرے۔ چنانچہ عثمانؓ کے آنے پر اس بات کی تصدیق ہوگئی۔

مشرکین مکہ نے عثمانؓ کو کہا بھی کہ طواف کرلو تمہیں ہم منع نہیں کرتے البتہ تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو طواف نہیں کرنے دیں گے۔ لیکن عثمانؓ نے اکیلے طواف کرنے سے انکار کردیا۔

صاحب حملہ حیدری نے اس واقع کو یوں لکھا ہے:۔

ببو سید عثمانؓ زمین و زماں   بمقصد رواں شد چو تیراز کماں
چو اورفت اصحاب روز دگر   بگفتند چندیں بہ خیر البشرؐ
خوشا حال عثمانؓ بااحترام   کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسولؐ خدا چوں شنید ایں سخن   بپاسخ چنیں گفت باانجمن
بعثمانؓ نداریم ما ایں گماں   کہ تنہا کند طوف آں آستاں

ترجمہ:۔ ''عثمانؓ زمیں چوم کر سرعت سے روانہ ہوگیا جب چلا گیا۔ اصحاب کہنے لگے خوشا نصیب عثمانؓ کہ حج بیت اللہ اُسے نصیب ہوا۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ سُنا تو فرمانے لگے ہم عثمانؓ سے کبھی یہ توقع نہیں رکھتے کہ ہمارے سوائے اکیلا طواف کعبہ کرے''۔

کفار مشرکین کی اجازت طواف

اگر میل داری طواف حرم   بکن مانعت نیست کس زیں حشم
ولیکن محالست ایں بے گزاف   کہ آمد محمدؐ برائے طواف
چو بشنید عثمانؓ زو ایں سخن   چنیں داد پاسخ باں اہرمن

کہ طوف حرم ۔ بے رسول خدا نباشد بر پیر دانش روا

ترجمہ:۔اگر تجھے طواف کعبہ کا شوق ہو تو کیجئے۔کوئی مانع نہ ہوگا لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ محمدؐ آ کر طواف کریں۔عثمانؓ نے یہ سنکر کہا کہ طواف کعبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوائے ان کے جاں نثار کبھی نہیں کر سکتے۔

اگر شیعہ انصاف سے دیکھیں تو حضرت عثمانؓ کے کمالِ ایمان عشق رسول خلوصِ نیت اور رسول علیہ السلام کا ان پر کامل اعتماد بلا کسی مزید دلیل کے اس روایت سے ظاہر و ہویدا ہے اور یہ تو حضرت عثمانؓ کے لئے ایک بڑا بھاری اعزاز ہے۔کہ حضور علیہ السلام اپنے دستِ مبارک کو دستِ عثمانؓ قرار دیں یہ ایسی خصوصیت اور فضیلت ممیزہ ہے کہ کسی دوسرے جلیل القدر صحابی کو نصیب نہیں ہوئی۔

تیسری شہادت:۔شیعہ کی مستند کتاب ''نہج البلاغت'' مطبوعہ مصر جلد اول ص ۲۳۴ میں ہے:۔

[اِنَّ النَّاسَ وَرَائِیْ وَقَدِ اسْتَفْسَرُوْنِی بَیْنَکَ وَبَیْنَھُمْ وَوَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ مَااَقُوْلُ لَکَ مَا اَعْرِفُ شَیْئاً تَجْھَلُہٗ وَلاَ اَدُلُّکَ عَلٰی شَیْءٍ لاَّتَعْرِفُہٗ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَانَعْلَمُ مَاسَبَقْنَاکَ اِلٰی شَیٍٔ فَنُخْبِرُکَ عَنْہُ وَلاَ خَلَوْنَا بِشَيٍ فَتُبَلِّغَہٗ رأَیْتُکُمَارَاَیْنَا وَسَمِعْتَ کَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ کَمَا صَحِبْنَاہُ وَمَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَۃَ وَلاَ عُمَر بن الْخَطَّابَ اَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِ مِنکَ وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَشَیْجَۃً رَحْمٍ مِنْھُمَا وَقَدْنِلْتَ مِنْ صِھْرِہٖ مَالَمْ یَنَالاَ]

ترجمہ:۔حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کو جب کہ آپ کو لوگ سفارش کے لئے ان کے پاس لے گئے فرمایا یہ لوگ میرے پیچھے ہیں جو مجھے تمہارے اور اپنے مابین سفیر بنا کر لائے ہیں۔بخدا میں نہیں جانتا کہ آپ کو کیا کہوں میں ایسی بات کوئی نہیں جانتا۔جسے آپ نہ جانتے ہوں اور نہ ہی آپ کو کوئی ایسی بات

بتاتا ہوں جس کو آپ نہ پہچانتے ہوں۔ بے شک جو کچھ میں جانتا ہوں وہ آپ بھی جانتے ہیں جیسا ہم نے دیکھا ہے۔ آپ نے بھی دیکھا ہے۔ اور جو کچھ ہم نے سُنا آپ نے بھی سُنا ہے۔ جیسے ہم نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مصاحبت حاصل کی ہے آپ نے بھی کی ہے اور ابوبکرؓ و عمرؓ آپ سے زیادہ عامل بحق نہ تھے آپ قرابت کی وجہ سے رسول علیہ السلام سے ان سے زیادہ قُرب رکھتے ہیں اور آپ کو دامادیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فخر حاصل ہے جو ان دونوں کو حاصل نہیں ہے۔

اس خطبہ میں حضرت علی المرتضیٰؓ کمال صراحت سے اوصاف امیر المومنین عثمانؓ یوں بیان فرماتے ہیں:۔

(۱) عِلم و معلومات میں ہم اور آپ برابر ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے جو ہمیں آپ سے زیادہ معلوم ہو۔

(۲) ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جسے ہم جانتے ہوں اور آپ کو اس کا علم نہ ہو۔

(۳) رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر جو کچھ ہم نے دیکھا سُنا اس میں بھی ہمیں اور تمہیں مساوات ہے (ہمیں کسی امر میں تم پر ترجیح نہیں ہے)

(۴) آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوسرے دو یاروں پر دو وجہ سے ترجیح ہے ایک قرابت کی وجہ سے اور دوم داماد رسول ہونے کے باعث۔

شیعہ صاحبان میں اگر کچھ بھی انصاف ہو تو اُن کو تسلی کے لئے جناب امیرؓ کا یہ خطبہ دربارِ فضیلت عثمانؓ کافی و وافی ہے۔ جب جناب امیرؓ حضرت عثمانؓ کو ہر ایک کمال میں عملی ہو یا حسبی نسبی، اپنے برابر سمجھتے ہیں اور ان کی قرابت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دامادی کا اعتراف کرتے ہیں تو پھر شیعہ ہزار بکواس کریں شہادت امیر علیہ السلام کی وہ تردید نہیں کر سکتے۔ یہ ایسی زبردست شہادت ہے جس کے مقابلہ میں روافض کی خرافات کی ذرہ بھر وقعت نہیں ہو سکتی۔ اگر حضرت عثمانؓ معاذ اللہ کافر و منافق ہوتے تو حضور علیہ السلام اپنی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے اُن کو نکاح نہ کر دیتے۔

چوتھی شہادت :۔ حضرت عثمانؓ کے داماد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا ثبوت :۔

چوتھی شہادت اس بارہ میں کہ حضرت عثمانؓ ذوالنورین کو حضور علیہ السلام کا داماد ہونے کا فخر حاصل ہے۔شیعہ کی مستند کتاب ''حیات القلوب'' مصنفہ ملا باقر مجلسی جلد دوم ص ۴۴۶ میں ہے۔

''درقرب الاسناد بسند معتبر از حضرت صادقؒ روایت کردہ است کہ از برائے رسول خدا از خدیجہؓ متولد شد طاہر و قاسم و فاطمہؓ وام کلثومؓ ورقیہؓ وزینبؓ و فاطمہؓ را بحضرت امیر المومنین تزویج نمود۔ و تزویج کرد بابو العاص بن ربیعہ کہ نبی اُمیہ بود زینبؓ را و بہ عثمانؓ عفان ام کلثومؓ را وپیش ازانکہ بخانہ آں برُ داو برحمتِ الٰہی واصل شد و بعد از و رقیہ را باتزویج نمود''۔

ترجمہ:۔ قرب الاسناد میں معتبر اسناد کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد جو حضرت خدیجہؓ کے شکم سے ہوئی طاہر اور قاسم اور فاطمہؓ اُم کلثومؓ رقیہؓ زینبؓ تھیں۔ فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کر دیا اور زینبؓ ابولعاصؓ کو نکاح کر دی۔ اور اُم کلثوم کے ساتھ عثمانؓ کا نکاح ہوا۔ ابھی وہ حضرت عثمانؓ کے گھر نہ گئی تھیں کہ فوت ہو گئیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رقیہؓ کا حضرت عثمانؓ سے نکاح کر دیا۔

اس روایت سے جو شیعہ کے مفترض الاطاعت امام جعفر صادق سے مروی ہے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام نے اپنی دو صاحبزادیوں (اُم کلثومؓ ورقیہؓ) کا نکاح حضرت عثمانؓ سے یکے بعد دیگرے کیا۔ پہلی صاحبزادی اُم کلثوم کا آباد ہونے سے پہلے وصال ہو گیا تو پھر دوسری صاحبزادی رقیہؓ کا اُن سے نکاح کر دیا گیا۔ جو عمر بھر ان کے گھر آباد رہیں۔

شیعہ کی بے قراری:۔ اس واقعہ سے کہ حضرت عثمانؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دامادی کا فخر حاصل تھا۔ اور اسی وجہ سے ان کا لقب ذوالنورین مشہور ہے۔ شیعہ سخت بے قرار ہوتے ہیں اور کوئی چارہ کار نظر نہیں آتا کہ اس زبردست الزام کا کہ اگر حضرت عثمانؓ

جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں۔معاذ اللہ مسلمان نہ تھے تو حضور علیہ السلام نے اپنی صاحبزادیاں ان کو کیوں نکاح کر دیں جبکہ [وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ] (کفار کو اپنی لڑکیاں مت دو) صریح ممانعت ہو چکی تھی کہ کفار سے ناطے نہ کئے جائیں۔شیعہ کیا جواب دیں۔اس موقعہ پر پریشان حال ہو کر عجیب حیلہ سازیاں کرتے ہیں۔پہلے تو یہ کہتے ہیں کہ سوائے فاطمہؓ کے اور کوئی لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی ہی نہیں اور یہ ان کا ایسا دھوکہ ہے جس میں تمام عوام شیعہ کو پھنسا رکھا ہے جب کبھی یہ کہو کہ حضرت عثمانؓ داماد رسول تھے، جھٹ کہہ دیتے ہیں کہ اور کون سی بیٹی حضرت کی تھی جس کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا؟ اس لئے میں اس معاملہ کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا چاہتا ہوں۔تا کہ شیعہ کے اس مغالطہ کا قلع قمع ہو جائے۔

کیا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت فاطمہؓ کے سواء کوئی اور بیٹیاں بھی ہیں؟

میں حیران ہوں کہ جاہل شیعہ تو معذور ہیں لیکن لکھے پڑھے شیعہ اس بات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت خدیجہ الکبریٰؓ کے بطن سے حضرت فاطمہؓ کے علاوہ اور تین صاحبزادیاں زینبؓ ام کلثومؓ اور رقیہؓ بھی تھیں۔چنانچہ ان کے ثبوت میں ایک تو ''حیات القلوب'' کی روایت لکھی جا چکی ہے اب دوسرا ثبوت ملاحظہ فرمائیے۔

دوسرا ثبوت:۔اس امر کا کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں چار تھیں جو سب کی سب ام المومنین خدیجہؓ کے بطن سے تھیں۔

شیعہ کی مستند کتاب حدیث مصدقہ امام مہدی علیہ السلام اصول کافی ص ۲۷۸ میں ہے۔

وَتَزَوَّجَ خَدِيْجَةَ وَهُوَا بْنُ بِضْعٍ وَّعِشْرِيْنَ سَنَةٍ فَوُلِدَ لَهٗ مِنْهَا قَبْلَ الْمَبْعَثِ الْقَاسِمُ وَرُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ وَاُمُّ كُلْثُوْم وَوُلِدَ لَهٗ بَعْدَ الْمَبْعَثِ الطَّيِّبُ وَالطَّاهِرُ وَ الْفَاطِمَةُ عليهم السَّلَامُ.

ترجمہ:۔ ''آپؐ نے خدیجہؓ سے نکاح کیا جبکہ بیس اور چند سال کے تھے۔ پس مبعوث ہونے کے پہلے ان کے بطن سے قاسمؓ رقیہؓ اور زینبؓ اور اُم کلثومؓ پیدا ہوئیں اور مبعوث ہونے کے بعد طیب طاہر فاطمہؓ کا تولد ہوا تھا''۔

اس روایت سے مثل روایت حیات القلوب کے ثابت ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ کے علاوہ رقیہؓ زینبؓ اور ام کلثومؓ بھی تھیں جو خدیجۃؓ الکبریٰ کے شکم مبارک سے پیدا ہوئی تھیں۔ ایسی ظاہر روایات کے ہوتے ہوئے اگر شیعہ عوام کو دھوکا دیں۔ کہ حضرت کی ایک ہی صاحبزادی تھی تو اس مصرع کے مصداق ہونگے ''چہ دلا وراست وزدے کہ بکف چراغ دارد''

تیسرا ثبوت:۔ شیعہ کی مشہور و متداول کتاب ''تحفۃ العوام' جو ہر ایک خاص و عام شیعہ کے گھر میں بالعموم موجود رہتی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۰۵ جلد اول میں ہر روزہ ادعیہ میں صاف لکھا ہوا ہے۔ [اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی رُقَیَّةَ بِنْتِ نَبِیِّكَ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی اُمِّ کُلْثُوْمِ بِنْتِ نَبِیِّكَ] (اے خدا رحمت بھیجو رقیہؓ دختر رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اے خدا رحمت بھیجو اُم کلثوم بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر) شیعہ کی مستند کتاب حدیث تہذیب الاحکام مطبوعہ ایران جلد اول، کتاب الصلوٰۃ ص ۱۵۴ میں بھی حضرت فاطمہؓ کے علاوہ رقیہ اور ام کلثوم دختران نبی علیہ السلام کے (روح) پر درود صلوٰۃ درج ہے۔

اب اُمید ہے کہ عوام شیعہ اپنے علماء سے سوال کریں گے۔ کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ہی بیٹی تھی تو اوراَد و ادعیہ میں رقیہ وام کلثوم بنات النبیؐ کیوں ذکر ہوتی ہیں؟ جن پر صلوٰۃ بھیجنا اِسی طرح ضروری ہے جیسا کہ حضرت فاطمہؓ پر۔

چوتھا ثبوت: ''حیات القلوب'' جلد دوم ص ۲۹۴ میں ہے۔

''پس یازدہ مرد و چہار زن خفیہ از اہل مکہ گریختند و بجانب حبشہ رواں شدند واز جملہ آنہا عثمانؓ بود ورقیہؓ دختر حضرت رسولؐ کہ زن او بود''۔

ترجمہ:۔ ہجرت حبشہ کے متعلق مصنف کتاب رقم طراز ہے کہ گیارہ مرد اور چار عورتیں اہل مکہ سے بھاگ کر حبشہ کو روانہ ہوئے منجملہ ان کے حضرت عثمانؓ

تھے اور رقیہؓ دختر رسولؐ جو عثمانؓ کی منکوحہ تھیں۔

اس روایت میں اس امر کی تصریح ہے کہ جب حضرت عثمانؓ نے بامرِ خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم حبشہ کو ہجرت کی اس وقت آپ کیساتھ حضرت رقیہؓ بنت رسول بھی تھیں، جو اُن کی جورو تھیں کیا شیعہ حضرات ان روایات بینات کی تردید کر سکتے ہیں۔

[کَلاّ وَ حَاشَا]

حق کو چھپانا سہل نہیں اے جنابِ من

جواب شیعہ

جب شیعہ حضرات اس موقعہ پر پھنس جاتے ہیں اور ایسی صریح معتبر روایات کے ہوتے ہوئے انکار کی گنجائش نہیں پاتے تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح اپنی بعثت سے قبل یا ممانعت نکاح با مشرکین سے پہلے کر دیا ہوگا لیکن یہ عذر رکیک قابل سماعت نہیں ہے کیونکہ شیعہ کی کتابوں میں یہ بھی تصریح ہے کہ رقیہ بنت رسولؐ کا نکاح اس وقت ہوا تھا جب آپ جنگ بدر کو روانہ ہوئے تھے۔ جیسا کہ ''حیات القلوب'' جلد دوم ص ۵۵۹ پر ہے:۔

''و ابن بابویہ بسند معتبر از اں حضرت روایت کردہ است کہ از برائے رسولؐ متولد شد از خدیجہؓ قاسم و طاہر و نام طاہر عبداللہ بود و ام کلثوم و رقیہ و زینب و فاطمہؓ و حضرت امیر المومنین فاطمہؓ را تزویج نمود و تزویج نمود زینب را ابوالعاص ابن ربیعہ واد مردے بود از بنی امیہ و عثمان بن عفان ام کلثوم را تزویج نمود و پیش از آنکہ بخانہ آورد برحمت الٰہی واصل شد پس چوں بجنگ بدر رفتند حضرت رسولؐ رقیہ را باو تزویج نمود''۔

ترجمہ:۔ ابن بابویہ نے معتبر سند سے روایت کی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد خدیجہؓ کے شکم سے قاسم و طاہر پیدا ہوئے طاہر کا نام عبداللہ تھا اور بیٹیاں ام کلثومؓ، رقیہؓ، زینبؓ اور فاطمہؓ پیدا ہوئیں۔ فاطمہؓ کا نکاح ہوا حضرت علیؓ سے اور زینبؓ کا ابوالعاص بن ربیعہ سے نکاح ہوا جو بنی امیہ سے

تھا۔اورکلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ بن عفان سے ہوا آپ ان کے گھر جانے
سے پہلے واصل باللہ ہوگئیں۔پس جب جنگ بدر کو گئے رسول پاک صلی اللہ
علیہ وسلم نے رقیہؓ کا نکاح عثمانؓ سے کردیا۔

اب شیعہ کا یہ فضول عذر بھی رفع ہوگیا۔جنگ بدر کا واقعہ اسوقت ہوا جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم منصب رسالت پر سرفراز ہوکر اشاعت کلمہ توحید میں کمر بستہ تھے اور اس وقت مشرکین کو رشتے ناطے دینے کی ممانعت ہوچکی تھی۔غرض حضرت عثمانؓ کیلئے یہ فخر کہ دوصاحبزادیاں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آپ کی تزویج میں آئیں۔ان کی فضیلت کے لئے ایک کامل سرٹیفکیٹ ہے اس کے ہوتے ہوئے جو شخص دامادرسول کو گالیاں دیتے ہیں وہ رسولؐ کے سخت دشمن ہیں۔خدا اُن کو عقل دے کہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔

حضرت عثمانؓ کے محامد ومحاسن کا شمار نہیں ہوسکتا۔آپ نے جس قدر مالی وجانی خدمت اسلام کی۔دنیائے اسلام تا قیامت اس کی ممنون رہے گی۔روایت میں چونکہ آپ کے فضائل کا بین ثبوت کتب شیعہ سے لکھا گیا ہے اس لئے ہم مزید بیان خوف طوالت سے چھوڑ کر وہ روایات لکھتے ہیں جن سے اصحابؓ ثلاثہ کی مشترکہ تعریف ثابت ہوتی ہے۔

اصحابؓ ثلاثہ کی مشترکہ تعریف

حضرت امیر المومنین علی المرتضیٰؓ نے جہاں اصحابؓ ثلاثہ کی فرداً فرداً اپنے اقوال میں تعریف فرمائی ہے وہاں مشترکہ اوصاف کا بیان بھی ان کے خطبات میں پایا جاتا ہے۔جو ان کے فضائل کا بین ثبوت ہے۔اس لئے اب ہم ایسی روایات لکھیں گے جو کتب شیعہ میں اصحابؓ ثلاثہ کے اوصاف کے مشترکہ پائی جاتی ہیں۔اول نہج البلاغت جلد نمبر ا ص ۱۴۹ میں ہے:۔

لَقَدْ عِهِدْتُ اَقْوَامًا فِیْ عهد خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰه عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرة
الْعُیُوْن مِن الْبُكَاء وَ حَمُصَ الْبُطُوْن مِنَ الصِّیَام ذبل الشفَاءِ
مِنَ الدُّعَاءِ صُفْرَ الْاَ لْوَان مِنَ السَّهر عَلٰی وجوهِهِمْ غَبَرَةٌ

---

❶ ابن بابویہ کی کتاب الخصال مطبوعہ ایران ص ۳۷ تا ص ۳۸ یہ حدیث پوری اسناد کے ساتھ درج ہے۔۱۲

الْخَاشِعِیْنَ اُولٰئِکَ اِخْوَانِیْ الذَّاهِبُوْنَ فَحَقَّ لَنَا اَنْ نَظْمَأَ اِلَیْهِمْ وَ نَعَضُّ الْاَیْدِیَ عَلٰی فِرَاقِهِمْ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَسَنِّی لَکُمْ طُرُقَهٗ وَیُرِیْدُ اَنْ یُحِلَّ دِیْنَکُمْ عُقْدَةً عُقْدَةً وَ یُعْطِیَکُم بِالْجَمَاعَةِ الْفُرْقَةَ فَاصْدِفُوْا عَنْ نَزْغَاتِهٖ واقْبَلُوْا النَّصِیْحَةَ مِمَّنْ اَهْدَاهَا اِلَیْکُمْ واعْقِلُوْهَا عَلٰی اَنْفُسِکُم۔

ترجمہ:۔'' میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کو دیکھا ہے۔ کثرتِ گریہ سے ان کی آنکھیں خیرہ ہو گئی تھیں۔ روزہ داری کی وجہ سے ان کے پیٹ خالی ہو گئے تھے۔ دعا کرتے کرتے اُن کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے۔ شب بیداری کے سبب ان کے چہرے زرد تھے۔ کثرت سجود کے باعث ان کے چہرے خاک آلودر ہتے تھے۔ وہ لوگ میرے بھائی تھے جو گزر گئے کہ ان کی ملاقات کی پیاس رکھیں اور اُن کے فراق میں دانتوں سے ہاتھ کاٹیں شیطان تمہارے لئے راستہ پیدا کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ دین کی رسی کو پارہ پارہ کر دے اور تمہاری جماعت میں تفرقہ ڈال دے تم اس کے وساوس سے بچو اور اپنے راہنما کی نصیحت مانو اور اپنے دلوں میں گرہ کرلو۔

اس خطبہ میں جناب امیر علیہ السلام نے اصحابؓ رسول کی، جو فوت ہو گئے ہیں بے حد تعریف فرمائی ہے۔ کہ وہ قائم اللیل، صائم النہار تھے۔ خشیت الٰہی ان کے رگ وریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ گریہ وزاری میں ہمیشہ سربسجود رہتے تھے۔ وہ میرے بھائی تھے ان کے فراق کا دل میں سخت صدمہ ہے۔ پھر مسلمانوں کو نصیحت فرمائی کہ شیطان تم کو گمراہی میں ڈالنا چاہتا ہے اور جماعت میں تفرقہ ڈالنے کے درپے ہے۔ شیطان کی پیروی مت کرو اور جماعت سے علیحدگی اختیار مت کرو۔

شیعہ حضرات بتائیں کہ کیا اصحابؓ ثلاثہ ان افراد میں داخل تھے یا نہ؟ اور یہ اوصاف ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں؟ بیشک حضرت امیرؓ کے اپنے ان بھائیوں خلفاء ثلاثہ کی فرقت کا دل میں رنج تھا۔ ان کے اوصاف یاد کر کے دل کو تسکین دیتے تھے اور

مسلمانوں کو اُن کے طریق پر چلنے اور جماعت میں ملے رہنے کی ترغیب دیتے تھے۔

شیعہ کے نزدیک تو صرف معدودے چند، ابوذرؓ، مقدادؓ، سلمان فارسیؓ کے سوائے اصحاب رسولؐ سے کوئی مسلمان ہی نہ رہا تھا۔ پھر وہ اقوام جن میں یہ اوصاف تھے کہاں تھیں جن کی وفات کا جناب امیرؓ کو از حد رنج تھا اس میں کلام نہیں ہے کہ وہ لوگ جن میں یہ اوصاف تھے، خلفاء رسول اور ان کے پیروان دین تھے۔ جن کو شیعہ معاذ اللہ کافر کہتے ہیں۔ اور ناصح مشفق جناب امیرؓ کی نصیحت کی پرواہ نہ کر کے شیطان کے متبع ہو کر سواد اعظم سے علیحدگی کر بیٹھے۔ (خدا ہدایت کرے)

دوم نہج البلاغت جلد ۲ ص ۸ میں ہے:۔

وَمِنْ كَلَامٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامِ اِلٰى مَعَاوِيَةَ اَنَّهُ بَايَعَنِى الْقَوْمُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْ اَبَا بَكْرٍؓ وَعُمَرَؓ وَعُثْمَانَ عَلٰى مَابَايَعُوْ هُمْ عَلَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ لِلشَّاهِدِ اَنْ يَخْتَارَ وَلَا لِلْغَائِبِ اَنْ يُرَدَّ اِنَّمَا الشُّورٰى لِلْمَهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَسَمُّوهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رَضِىً فَاِنْ خَرَجَ عَنْ اَمْرِهِمْ خَارِجٌ بِطَعْنٍ اَوْبِدْعَةٍ رُدُّهُ اِلَى مَا خَرَجَ مِنْهُ فَاِنْ اَبٰى قَاتِلُوْهُ عَلٰى اِتِّبَاعِهٖ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَوَلَّاهُ اللّٰهُ مَاتَوَلّٰى .

ترجمہ:۔ جناب امیرؓ کے ان خطوط سے جو معاویہؓ کو آپ نے لکھے، یہ بھی تھا کہ میری بیعت اسی قوم نے اس امر پر کی ہے جس پر انہوں نے ابوبکرؓ، عمرؓ عثمانؓ سے کی تھی۔ اب کسی حاضر یا غائب کو اس بیعت کے رد کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور شوریٰ مہاجرین و انصار ہی کا حق ہے کہ جس شخص کی بیعت پر ان کا اتفاق ہو جائے اور اس کو امام بنالیں خدا کو بھی وہی منظور ہے اس متفقہ خلیفہ کی اطاعت سے کسی طعن یا بدعت کے باعث انحراف کرے اہل شوریٰ کا حق ہے کہ اسے اس خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کریں اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ دینے پر اس سے لڑیں۔

اس خطبہ میں جناب امیرؓ نے مسئلہ خلافت و خلیفہ کا بالکل فیصلہ فرما دیا۔ اور آپ نے یہ بھی بتادیا کہ میری اور خلفائے سابقہ کی خلافت ایک ہی طریق سے ایک ہی جماعت (مہاجرین و انصار) کے انتخاب سے عمل میں آئی ہے اور انتخاب خلیفہ کا حق بھی مجلس شوریٰ مہاجرین و انصار ہی کو ہے۔ وہ اپنی متفقہ رائے سے جس شخص کو خلیفہ کر دیں عنداللہ بھی وہی خلیفہ برحق ہے جو ایسے منتخب کردہ خلیفہ کی اطاعت سے منحرف ہو جائے۔ اس کو مسلمان خلیفہ کی اطاعت پر مجبور کر سکتے ہیں۔ نہ مانے تو اس سے لڑائی بھی کی جا سکتی ہے اب جو لوگ کہتے ہیں کہ خلافت کے حقدار سب سے پہلے امیر علیہ السلام اور خلفاءِ ثلاثہؓ کا انتخاب غلط ہوا تھا اور جناب امیرؓ کے اس قول کی تکذیب کرتے ہیں جو بقول ممدوح ہر چہار خلفاء کا انتخاب ایک ہی طریق سے ایک ہی جماعت کے ہاتھ سے عمل میں آیا اور بقول جناب موصوف خدا کی رضا بھی اسی میں تھی۔ تو پھر شیعہ کا حق کیا ہے کہ اس کے خلاف کہنے کی جرأت کریں کہ حق تو علیؓ کا تھا۔ ثلاثہ نے زبردستی چھین لی اگر ایسا ہوتا تو جناب امیرؓ یوں فرماتے کہ ثلاثہ کا انتخاب تو نااہل لوگوں نے غلط کر دیا تھا اور خدا بھی [illegible] پر راضی نہ تھا ہاں جس جماعت نے میرا انتخاب کیا اور جس طریق سے لیا۔ یہ انتخاب [illegible] اور منظور خدا تھا۔

اس خطبہ سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جو لوگ کہتے تھے کہ حضرت علیؓ انتخاب خلیفہ سے ناراض تھے اور انہوں نے بیعت نہ کی تھی یا جبراً قہراً بیعت کرائی گئی تھی یہ سب کچھ یار لوگوں کی گھڑت اور اتہام محض ہے کیونکہ جناب خود ممدوح خود فرماتے ہیں کہ مجلس شوریٰ کے فیصلہ پر جو شخص راضی نہ ہو اور منتخب شدہ خلیفہ کی بیعت سے انکار کرے وہ مومنین کے طریقہ سے الگ اور واجب القتال ہے اور یہ کہ خدا کو بھی وہی منظور ہے جو مہاجرین و انصار کی مجلس شوریٰ فیصلہ کر دے۔ کیا شیعہ اصحاب جناب امیر المومنین کے اس فرمان واجب الاذعان کے سامنے سر تسلیم خم کریں گے؟

سوئم:۔ حیات القلوب جلد۲ ص ۵۸۹ میں ہے:۔

[وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ]

یعنی پیش گیرندگاں کہ پیشتر بودہ انداز مہاجرین و انصار و آنانکہ متابعت ایشاں کردہ اند بہ نیکی راضی شد خدا واز ایشاں و راضی شدند از وحضرت فرمود پس خدا ابتداء نمود بآں ہاک پیشتر ہجرت کردہ بودند۔ بقدر درجہ آں پس در مرتبہ دوم انصار را یاد کرد کہ بعد از مہاجراں یاری انحضرت نمودند پس در مرتبہ قرار داد بقدر درجات ومناز لے کہ ایشاں رانزد اوہست

شیعی مصنف نے تفسیر آیت میں مہاجرین دانصار اور تابعین کی تعریف اور ان کے مدارج کا ذکر کیا ہے یہ کون تھے؟ کیا اس کے مصداق وہی تین مقدادؓ ابوذرؓ، سلمانؓ ہی تھے۔ کیا خلفاء ثلاثہؓ مہاجرین دانصار سے خارج ہیں؟ اگر یہ ان کے سرتاج ہیں تو ان کے درجات اور راضی مرضی ہونے سے کیوں انکار کیا جاتا ہے؟ کیا خدائے پاک کا کلام معاذ اللہ جھوٹا اور شیعہ سچے ہیں؟

چہارم: حملہ حیدری میں جنگ بدر کے بیان میں لکھا ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کی قلت اور بے سامانی اور کفار کی کثرت اور اُن کے ساز وسامان کو دیکھا تو دست بدعا ہو کر فرمانے لگے۔

خدایا گرایں چند تن از عباد — کہ کردند امر ترا انقیاد
بحکم تو بستند بر کیں میاں — ندیدند پیش و کم دشمناں
بمانند از فتح کوتاہ دست — بیابند ازدست اعداء شکست
بروئے زمیں تاقیامت دگر — نگردد پرستندہ اے داد گر

ترجمہ:۔ اے خدا اگر تیرے یہ قلیل بندے، جو تیرے عبادت گزار ہیں اور تیرے حکم کی تعمیل میں لڑائی پر کمر بستہ ہو کر دشمن کی قلت و کثرت کی پرواہ نہیں رکھتے اگر یہ دشمن کے ہاتھ سے شکست یاب ہو کر فتح یابی حاصل نہ کر سکے تو یا خدایا! روئے زمین پر تا قیامت تیری پرستش کرنے والا کوئی باقی نہ رہ جائے گا۔

بتاؤ جن اشخاص کے متعلق حضور علیہ السلام نے یہ شہادت دے کر حق تعالیٰ سے دعا کی کہ یہ تیرے فرماں بردار بندے ہیں اور تیرے عشق کے ایسے متوالے ہیں کہ تیرے دشمنوں سے لڑائی کرتے وقت دشمنوں کی تعداد کی بھی پرواہ نہیں کرتے اور یہ تیرے ایسے

مخلص بندے ہیں اگر ان کا وجود صفحہ دہر سے مٹ گیا تو دنیا میں تیرا پرستار، تیرا نام لیوا ان جیسا قیامت تک پیدا نہ ہوگا۔ یہ لوگ کون تھے؟ وہی مہاجرین وانصار جن کے میر عسکر ثلاثہ رضی اللہ عنہم تھے یا کوئی اور؟ کیا صرف وہی شیعہ کے تین چار بزرگوار ہر ایک معرکہ کارزار میں شامل ہو کر دشمن کی صفیں الٹ دیا کرتے تھے یا یہی حضرات تھے جنھوں نے نبی علیہ السلام کی زندگی میں ہی نہیں آپ کی وفات کے بعد بھی دین اسلام کو مشرق سے مغرب تک پھیلا دیا اور دشمنان دین کا نام ونشان باقی نہ رہنے دیا۔ انصاف! انصاف

پنجم:۔ حیات القلوب جلد۲ ص ۱۴۱ میں ہے:۔

''عروہ بن مسعود چوں در غزوہ حدیبیہ از جانب قریش بخدمت حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم آمد دید کہ ہرگاہ آنحضرت وضوی ساخت یا دست می شست مبادرت میکردند در گرفتن آن آب بمرتبہ کہ یک دیگر را بکشد و ہر مرتبہ کہ آب دہاں یا آب بینی می انداخت بدست خود آں رامی ربودند وچوں امری فرمود بریک دیگر سبقت می گرفتند در امتثال آں وچوں سخن مے فرمود صداہائے خود راپست می کردند وتند برروئے مبارک آن حضرت نظر نمی کردند وسرہا در پیش می افگندند وچوں عروہ بہ نزد قریش برگشت گفت اے گروہ قریش من بہ نزد بادشاہ عجم وبادشاہ روم وبادشاہ حبشہ رفتہ بودم نہ دیدم کہ ہیچ قومے بادشاہ خود را تعظیم واطاعت کنند مثل آنکہ اصحاب آں حضرت تعظیم اطاعت وی نمایند''۔

ترجمہ:۔ غزوہ حدیبیہ میں جب عروہ بن مسعود کفار قریش کا سفیر بن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اس نے دیکھا کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو کرتے یا ہاتھ دھوتے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ سے تھوک یا ناک سے پانی پھینکتے (صحابہؓ) برکت کے لئے ہاتھوں میں لے کر اپنے منہ اور بدن پر ملتے اور اگر کوئی بال جسم اطہر سے گرتا اس کے لینے کے لئے ایک دوسرے پر سبقت کرنا چاہتے تھے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلام کرتے یہ لوگ چپکے ہو جاتے اور حضور انورؐ کے رخ پر تیز نگاہ ڈال نہ سکتے تھے اور آپ کے حضور میں بیٹھ کر اپنے سر نیچے جھکا دیا کرتے۔ جب عروہ نے یہ حالت دیکھی اور قریش میں لوٹا تو کہنے لگا میں نے بادشاہان عجم وروم وحبشہ کو دیکھا ہے لیکن میں نے ایسی کوئی قوم نہیں دیکھی جو اپنے بادشاہ کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے اصحاب رسول اپنے شہنشاہ

اسلام کی اکرام وتعظیم کرتے ہیں۔

اسی مضمون کو صاحب حملہ حیدری نے نظم میں بیان کیا ہے:۔

پس آں گاہ درمجلس شاہ دین نشست او زمانِ دگر در کمیں
کہ اصحاب او را کند امتحان بہ بیند کہ چوں است اخلاص شاں
بظاہر گرہ کردہ ابروز خشم نہانی ہمیں دید از زیر چشم
چو اکرام و تعظیم و فرمانبری ارادت شعاری عقیدت دری
ز اصحاب نسبت بہ سالار دین
بتائید آں مرد و زدید بیں

ترجمہ:۔ ”عروہ بن مسعود جب مجلس رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں اس لئے گھات لگا کر بیٹھا کہ اصحابؓ کے اخلاص و جان نثاری کا امتحان کرے۔ بظاہر تو اس نے غصہ سے ابرو پر گرہ ڈالی مگر نیچی نظر سے اس نے دیکھنا شروع کیا جب اس نے عاشقان جمال احمدی کی ارادت و عقیدت کا حال دیکھا تو اسے بے حد تعجب ہوا کیونکہ پہلے اس کی نظیر نہ دیکھی تھی“۔ جب عروہ قریش کے پاس واپس گیا تو اپنے چشم دید واقعات کی ان کو جا کر یوں اطلاع دیتا ہے:۔

کہ من آنچہ دیدم زیاران و ازاں سر بکف جاں نثاراں او
در ایران و در روم و در زنگبار ندیدم زنیک و بد آں دیار
کہ دارند پاس شہ خود چنیں بسائندہ برنقش پائش جبیں
محمدؐ گراند ازد آب دہن براں آب خوں می کند انجمن
کہ گیرند آں آب مانند رو ازاں آب تازہ کنند آبرو
دگر ہر کرا بینی از مہتراں کند کفش او پاک چوں کہتراں
برآب وضویش نزاعے کنند کہ خواہند سرہائے خود بشکنند

ترجمہ:۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں باز اصحاب میں جو کچھ دیکھا ہے میں نے ایران، روم اور زنگبار میں کسی نیک و بد کو نہیں دیکھا کہ وہ اپنے بادشاہ کا اس قدر اکرام

کریں کہ اس کی جوتیوں پر اپنے ماتھے رگڑیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آب دہن پھینکنا چاہتے تو اس کے لینے کے لئے مجمع میں کشت وخون تک نوبت پہنچ جاتی ہے اس آب دہن کو لے کر اپنے چہروں پر ملتے اور اپنی آبرو بڑھاتے ہیں اور جس بڑے سے بڑے سردار کو دیکھو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتیاں ادنیٰ خادم کی طرح صاف کرتا ہے۔ اُن کا وضو کا پانی حاصل کرنے پر ایسا جھگڑا ہوتا ہے کہ سر دینے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

جب اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جاں نثاری کی یہ حالت ہو کہ کفار بھی ان پر رشک کریں اور معترف ہوں کہ ایسی کوئی قوم روئے زمین پر موجود نہیں ہے جو اپنے آقا پر یوں جاں نثار کریں اور اس کے پاؤں کی خاک سُرمہ چشم اور آب دہن کو زینت چہرہ کے لئے غازہ گلگوں سمجھتے ہوں جو اس کی شمع جمال پر پروانہ وار گرے پڑتے ہوں اور سر بکف اس کی خدمت میں جاں سپاری کے لئے ہر وقت حاضر ہوں کیا یہ نشہ کبھی قیامت تک اُترنے والا ہے؟ یہ وہ نشہ نہیں جسے ترشی اتار دے

وہ لوگ سخت حقیقت ناشناس ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے آنکھ بند کرنے (فوت ہونے) کی دیر تھی کہ وہ سارا کھیل بگڑ گیا۔ نہ وہ عشق رہا نہ وہ محبت، سب کے سب اصحاب بغیر تین چار کے دین سے پھر گئے۔ لاحول ولا قوۃ۔ جن لوگوں کا کوچۂ عشق میں گزر نہ ہو ایسی بہکی باتیں وہی کرتے ہیں۔ عاشقان ذاتِ احمدی کے سوز جگر کا حال وہی جانیں جن کو اس نعمت سے بہرہ ملا ہے۔

چوں دِل بہ مہر نگارے نہ بستہ اے ماہ
تراز سوز درون ، نیاز ماچہ خبر

الحق جاں نثاران رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جیسے حضور کی زندگی میں دین حق کے شیدا تھے۔ بعد وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انہوں نے اپنی جانیں اعلائے کلمۃ الحق کے لئے وقف کر دی تھیں۔ اُنہوں نے اشاعت اسلام میں عمریں خرچ کر دیں اور تمام دنیا کو کلمہ توحید کا قائل کر کے چھوڑا۔ خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو خدائے قدوس کا صحیفہ قدس قرآن بھی ہم تک نہ پہنچتا نہ کسی کو اسلام و مسلمانی کی ہی خبر ہوتی۔

دنیائے اسلام فاتح فارس وروم اور اُن کے سابق خلفاء کی تابقاء دہر شرمندہ احسان رہے گی۔ رضی اللہ عنہم ورضواعنہ۔ اگرچہ اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب نجوم ہدایت تھے لیکن خلفائے اربعہ فلک اسلام کے وہ روشن سیارے تھے جن کے نور نے عالم کو منور کیا اور جن کی بدولت شرق وغرب وجنوب سے شمال تک خشکی وتری میں اسلامی حکومت کا ڈنکا بجا۔

چار یار

چار کے اعداد سے بس حق تعالیٰ کو ہے پیار — ہیں حبیب کبریاء کے برگزیدہ چار یار
جسم کی ترکیب ہے اربعہ عناصر سے ہوئی — ہوتے ہیں ہر اک مکان کے دیکھ لو دیوار چار
عرش سے نازل ہوئیں چاروں [1] کتابیں دوستو — ہیں الوالعزم انبیاء [2] ایزد غفار چار
ہیں فرشتے بھی مقرب چار [3] جو مشہور ہیں — ہیں مذاہب بھی یہی مقبول بے انکار چار
کعبۃ اللہ میں بچھے چاروں مصلے ہیں ضرور — خانوادے [4] بھی طریقت کے ہیں پُر انوار چار
اربعہ متناسبہ پڑھتے ہیں طفلان سکول — اور مربع شکل کے اضلاع بھی ہیں چار چار
فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ جو ارشاد حق — ہے تمہیں معلوم تھے وہ طائر طیار چار
چار پائے تخت کے ہوتے ہیں بے شک دوستو — اور جوارح بھی ہر اک انسان کے ہیں چار چار
چار کے اعداد ہیں لاریب منظور خدا — بالیقیں ہے دوزخی کرتا رہے جو انکار چار
فاطمہ حسنین اور حضرت علی المرتضیٰؓ — تھے یہ خویشان نبی احمدؐ مختار چار

ہیں چراغ مسجد ومحراب ومنبر اے دبیر
یہ ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدر یار چار

---

[1] زبور، تورات، انجیل، قرآن
[2] ابراہیمؑ، موسیٰ، عیسیٰ، محمد ﷺ
[3] جبرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ، عزرائیلؑ
[4] چشتی، نقشبندی، قادری، سہروردی

خلافت وامامت

اب ہم شیعہ سُنی کا معرکۃ الآرا مسئلہ خلافت وامامت شروع کرتے ہیں اور اس پر کسی قدر تفصیل سے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کیونکہ یہی مسئلہ تمام نزاعات کا اصل الاصول ہے۔

مسئلہ خلافت میں اہل سنت والجماعت کا یہ اعتقاد ہے کہ خلافت کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس سال بتلایا تھا۔ جن نفوس مقدسہ کی دینی واسلامی خدمات بیش از بیش تھیں بموجب وعدہ الٰہی اس مخصوص زمانہ میں ان کو یہ اعزاز بالترتیب حاصل ہوا۔ اولاً باتفاق اہل حل وعقد ابوبکر صدیقؓ پھر حضرت عمر فاروقؓ پھر عثمان ذوالنورینؓ پھر علی المرتضیٰؓ منصب خلافت رسول پر متمکن ہوئے۔ سب کی خلافت جائز خلافت تھی یہی ترتیب ربُ العباد کو منظور تھی اور اپنے وعدے کے مطابق حق تعالیٰ نے ان بزرگانِ اسلام کو یہ جلیل القدر منصب خلافت عطا فرمایا تھا۔ خلافت وامامت ایک ہی چیز ہے۔ امامت اُصولِ دین سے نہیں ہے۔

اہل تشیع کا مذہب ہے کہ امامت اصول دین سے ہے۔ حقِ امامت بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کا تھا۔ ان کی امامت منصوص تھی۔ خدا ورسول نے انہی کی امامت پر نص کی۔ لیکن خلفائے ثلاثہ زبردستی تختِ خلافت پر بیٹھ گئے۔ اُن کی خلافت ناجائز خلافت تھی ان کا زمانہ جور وجفا کا تھا۔ عدل وانصاف کا زمانہ حضرت علیؓ کا تھا اور بس۔ اس موقعہ پر حسب ذیل اُمور تنقیح قائم کرکے ہر ایک امر پر ہم بالتفصیل مدلل بحث کریں گے۔

فردِ تنقیح

(۱) کیا امامت وخلافت دو علیٰحدہ علیٰحدہ چیزیں ہیں۔ یا دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے؟ اور کیا امامت اصُول دین سے ہے یا نہ؟

(۲) کیا امامت حضرت علیؓ کا ہی حق تھا۔ اور وہ خلیفہ بلافصل تھے۔ اس کے متعلق قرآن یا حدیث سے کوئی نص ہو چکی تھی؟ یا انتخاب خلافتِ شوریٰ مہاجرین و

انصار وانفاق اہل حل وعقد سے ہی ہوتا رہا ہے اور اسی میں رضاء الٰہی تھی؟

(۳) کیا حضرت علیؓ خود طالب خلافت بلافصل تھے اور خلافت چھن جانے پر وہ مہاجرین وانصار کے در بدر حسنینؓ کو ساتھ لے کر پھرتے رہے۔ یا ان کو مطلق رغبت نہ تھی اور یہ بہ نسبت خلافت کے وزارت کو زیادہ پسند کرتے تھے اور پہلے خلافت کے دعویدار ہونے کو قبل از وقت مطالبہ تصور فرماتے تھے۔

(۴) کیا حضرت علی المرتضیٰؓ نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی؟ اگر کی تو جبراً یا قہراً یا برضا مندی خود کی؟

امر اوّل

چونکہ ان تمام امور میں شیعہ مدعی اور ہم مدعا علیہ ہیں کیونکہ مسند خلافت رسول صلی اللہ علیہ سلم پر ہم قابض ومتصرف رہے۔ شیعہ ہزار چیخ پکار کریں وہ زمانہ گزر چکا ان کو اب قبضہ ودخل ملنا محال ہے اس لئے بار ثبوت جملہ امور میں بذمہ شیعہ ہوگا اور ہمارے ذمہ اس کی تردید ہوگی۔

پہلے امر کے متعلق شیعہ کہتے ہیں کہ امام معصوم ہونا چاہئے۔ خلافت میں عصمت شرط نہیں ہے۔ اس لئے امامت وخلافت دو علیحدہ علیحدہ اُمور ہیں، لیکن قرآن وحدیث اور اقوال ائمہ کرام اس کے برخلاف ہیں اور شیعہ کا یہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ ہے اس کے متعلق اُن کے ہاتھ میں کوئی ثبوت نہیں ہے۔

عصمت صرف انبیا کرامؑ کا خاصہ ہے۔ جو لوگ اماموں کی عصمت کے قائل ہیں وہ گویا شرک فی النبوۃ کرتے ہیں۔ یہ بات از بس عجیب ہے کہ شیعہ حضرات انبیاءؑ کو تو متّہم بالذنب کرتے ہوئے اُن کی عصمت پر حملہ کر دیتے ہیں لیکن اماموں کو معصوم سمجھتے ہیں۔

ببیں تفاوتِ راہ کُجاست تا بکُجا

چنانچہ اُبو البشر اسبق الانبیاء حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت ان کا اعتقاد ہے کہ ان میں تین اصول کفر میں سے دو موجود تھے۔ چنانچہ اصول کافی ص ۵۱۷ میں ہے:۔

[قَالَ اَبُوْعَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامَ اُصُوْلُ الْكُفْرِ ثَلٰثَةٌ اَلْحِرْصُ وَالْاِ سْتِكْبَارُ وَالْحَسَدُ فَاَمَّالْحِرْصُ فَاِنَّ اٰدَمَ حِيْنَ نُهِيَ مِنَ الشَّجَرَةِ حَمَلَهٗ عَلٰى اِنْ اَكَلَ مِنْهَا وَ اَمَّا الْاِسْتِكْبَارُ فَاِبْلِيْسُ حَيْثُ اُمِرَ بِالسُّجُوْدِ لِاٰدَامَ فَاَبَا فَاَمَّا الْحَسَدُ فَاِبْنَا اٰدَمَ حَيْثُ قَتَلَ اَحَدُ هُمَا صَاحِبَهٗ]

ترجمہ:۔"امام جعفر صادق نے فرمایا۔اصول کفر تین ہیں۔حرص اور تکبر اور حسد۔حرص تو آدم علیہ السلام نے کی۔جب درخت سے منع کیا گیا تو حرص نے اسے کھانے پر برانگیختہ کیا اور تکبر شیطان نے کی، جب آدمؑ کے لئے سجدہ کا حکم ہوا اور وہ انکاری ہوا۔حسد آدمؑ کے دو بیٹوں نے کیا۔جب کہ ایک نے دوسرے کو قتل کیا"۔

جائے غور ہے کہ شیعہ ابوالبشر آدم علیہ السلام کو ابلیس کے ہم پلہ بیان کرتے ہیں کہ اصول کفر سے ایک ابلیس کے حصے میں آیا یعنی تکبر۔دوسرا آدمؑ کو نصیب ہوا۔یعنی حرص۔شاباش! خلف رشید ہوں تو ایسے ہوں جو جدّ امجد (آدمؑ) سے بھی نہ ٹلیں۔پھر دوسروں کو ان سے کیا شکایت ہوسکتی ہے؟ اسی پر اکتفا نہیں بلکہ شیعہ ابوالبشر کو ابلیس سے بھی بدتر قرار دیتے ہیں کہ ابلیس نے اصول کفر سے صرف تکبر کیا۔لیکن آدمؑ نے حرص کے علاوہ حسد بھی کیا۔یعنی اُن میں دو اصول کفر پائے گئے۔لاحول ولا قوۃ۔

چنانچہ حیاتِ القلوب جلد اول صفحہ ۵۰ میں ہے۔کہ خدا نے آدمؑ کو ائمہ اہل بیت پر حسد کرنے سے منع کیا اور کہا۔میرے نوروں کی طرف حسد کی نگاہ سے مت دیکھنا ورنہ تمہیں قرب رحمت سے جدا کر دیا جائے گا۔اور بہت ذلیل ہو گے۔مگر آدم ان پر حسد کرنے سے باز نہ آیا اور اسی کی سزا میں جنت سے آدم وحوا ہر دو نکال کر باہر پھینکے گئے۔

عبارت یوں ہے:۔

"اے آدمؑ وتو انظر نکنید سوئے نورہا۔وحُجت ہائے من بدیدہ حسد، پس شمارا پائیں می فرستم از جوار خود و برشامی فرستم خواری خود را پس وسوسہ کرد شیطان

ایشاں را وفریب داد۔ و بریں داشت کہ آرزوئے منزلت آنہا بکنید پس نظر کردند بسوئے ایشاں بدیدہ حسد۔ پس بایں نسبت ایشاں را بخود۔ نگزاشت و یاری وتوفیق خود را ازیشاں برداشت (انتہیٰ ملخصاً)

کوئی ان عقل کے دشمنوں سے پوچھے کہ اپنی اولاد کے حسن و جمال کو دیکھ کر انسان خوش ہوا کرتا ہے کہ اس پر حسد کیا کرتا ہے؟ غرض شیعہ نے اپنے جدِّ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کا خوب حق ادا کیا کہ شیطان سے بھی بدتر بنا دیا۔ پس بہ ماؤ شا چہ می رسد؟ یہی نہیں بلکہ شیعہ کہتے ہیں۔ انسانوں کی گنہگاری کا باعث ہی آدم علیہ السلام ہوئے ہیں وہ گناہ نہ کرتے تو کوئی بشر بھی گنہگار نہ ہوتا۔ چنانچہ حیات القلوب ص ۵۱ میں ہے:۔

"بسند معتبر از حضرت امام محمد باقر منقول است کہ اگر آدم گناہ نمی کرد۔ ہیچ مومنے گناہ نمی کرد۔ اگر حق تعالیٰ توبہ آدم را قبول نمی کرد تو بہ ہیچ گنہگارے را قبول نمی کرد۔"

ترجمہ:۔ معتبر سند سے امام محمد باقر سے مروی ہے کہ اگر آدم گناہ نہ کرتے تو ہرگز کوئی مومن گناہ نہ کرتا۔ اور اگر حق تعالیٰ آدم کی توبہ قبول نہ کرتا تو کسی گناہ گار کی توبہ قبول نہ ہوتی:۔

شیعہ صرف آدم علیہ السلام کی گنہگاری کے قائل نہیں بلکہ ان کا اعتقاد ہے کہ پیغمبری سے پہلے تمام پیغمبر صغیرہ گناہوں کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ اسی کتاب حیات القلوب کے ص ۵۳ میں ہے:۔

"وایں از آدم پیش از پیغمبری بود وایں نیز گناہ بزرگے نہ بود کہ آں مستحق دخول آتش شود۔ بلکہ از گناہ ہائے کوچک بخشندہ شدہ بود کہ بر پیغمبران جائز است پیش از آنکہ وحی بر ایشاں نازل شود"۔

ترجمہ:۔ یہ گناہ آدم کا پیغمبری سے پہلے کا ہے اور یہ گناہ کبیرہ نہ تھا جو کہ باعث دخول جہنم ہو۔ بلکہ صغیرہ گناہوں سے تھا جو بخشے جاتے ہیں اور پیغمبروں کو صغیرہ گناہ کر لینا نزول وحی سے پہلے جائز ہے۔

واہ چہ خوش! امام تو پیدا ہوتے ہی معصوم ہوں اور ان کی پیدائش بھی بجائے رحم کے ران سے ہو۔ تا کہ آلائش نجاست سے محفوظ ہوں۔ لیکن پیغمبر وحی سے پہلے جو چاہیں کیا کریں۔ بڑے بڑے گناہ نہ کریں چھوٹے چھوٹے بے شک کیا کریں۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

ناطق فیصلہ

اس بارہ میں کہ خلافت و امامت ایک ہی چیز ہے اور جس کو مہاجرین و انصار بالاتفاق خلافت کے لئے نامزد کر دیں وہی امام ہے اور جس میں خوشنودی رب العباد ہے۔ ناطق فیصلہ جناب امیر علیہ السلام صادر ہو چکا ہے۔ چنانچہ آپ کا قول نہج البلاغت مطبوعہ طہران ص ۳۹۸ و جلد ۲ ص ۷ مطبوعہ بیروت میں لکھا ہے:۔

وَاِنَّمَا الشُّوْرٰى لِلْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰى رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًى

ترجمہ:۔ شوریٰ مہاجرین و انصار کا حق ہے پس جس شخص پر وہ اتفاق کر لیں اور اس کو امام نامزد کریں اسی میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی ہے۔

پس خطبہ میں جناب امیرؓ نے ناطق فیصلہ دے کر ہمیں اہل تشیع کے خلاف ڈگری دے دی ہے کہ امام اور خلیفہ وہی ہے جسے مجلس شوریٰ نامزد کر دے اور اسی بات پر اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوتا ہے۔ اب اس فیصلہ کے بعد ہمیں مزید دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسا ہی جناب ممدوح نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ امام اور خلیفہ کا معصوم ہونا بھی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ نہج البلاغت ص ۶۰ میں ہے:۔

اِنَّهٗ قَالَ لَابُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْفَاجِرٍ يَعْمَلُ فِيْ اِمْرَتِهِ الْمُوْمِنُ يَسْتَمْتِعُ فِيْهَا الْكَافِرُ وَيَبْلُغُ فِيْهَا الرَّجُلُ وَتَامَنُ فِيْهَا السُّبُلُ وَيُوْخَذُ بِهٖ لِلضَّعِيْفِ مِنَ الْقَوِيِّ لِيَسْتَرِيْحَ بَرٌّ وَيُسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِرٍ

ترجمہ:۔ اور فرمایا آدمیوں کے لئے چارہ نہیں ہے امام سے۔ نیک ہو یا بد کہ

اُس کی حکومت میں مومن عمل کرے (آخرت کیلئے) اور کافر (مال دنیا سے) متمتع ہو اور اس کی امارت میں پیادہ (منزل مقصود) کو پہنچ سکے۔ راستے محفوظ ہوں اور کمزور زبردست سے اپنا حق لے سکے تا کہ نیکوکار (بھلامانس) امن و آسائش میں رہے۔ اور بدمعاشوں سے کھٹکا نہ رہے۔

اس خطبہ میں جناب ممدوح نے قطعی فیصلہ فرمادیا ہے کہ خلیفہ (امام) کا تقرر اس لئے ہے کہ پبلک کو آرام و آسائش ہو۔ مومن تو مومن کافر بھی دنیوی اُمور میں آزاد رہے۔ کسی راہرو کو راہزنوں کی لوٹ مار کا ڈر نہ ہو۔ مظلوم کا بدلہ ظالم سے لیا جائے۔ عدل و انصاف کا دور دورہ ہو۔ نیک معاش انسان پر بدرویہ اشخاص دست برد نہ کر سکیں۔ آپ نے ابتداء ہی میں اس بات کا تصفیہ فرمادیا کہ امام میں معصومیت شرط نہیں ہے بلکہ ہر نیک و بد مومن یہ عہدہ حاصل کر سکتا ہے۔ جناب امیرؓ نے یہ خطبہ خارجیوں کے جواب میں فرمایا جو آپ کو اس وجہ سے خلیفہ نہیں مانتے تھے کہ اُن کے خیال میں آپ نیک نہ تھے آپ فرماتے ہیں ۔ میں خواہ نیک ہوں یا بد۔ درجہ امارت سے تو گر نہیں سکتا۔ کیونکہ اس میں معصومیت شرط نہیں ہے۔

اب شیعہ صاحبان بتلائیں کہ جناب امیرؓ تو تمہارے خلاف فیصلہ صادر کرتے ہیں اب تمہارے ہاتھ میں شرط عصمت امام کی کون سی دلیل ہے؟

رہا یہ امر کہ امامت اُصول دین سے ہے۔ سو واضح ہو کہ شیعہ صاحبان کا اس کے متعلق بھی عجیب عقیدہ ہے اُن کے نزدیک اصول چار ہیں۔ (۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوت (۴) امامت۔ [1]

---

[1] شیعہ اس قدر نہیں کہتے۔ بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اسلام کی بنائیں، نماز، روزہ، حج، زکوۃ، ولایت ہیں۔ اور ان میں سے افضل ولائت ہے جیسا کہ اصول کافی ص ۳۶۸ میں ہے عن ابی جعفرؑ بني الاسلام علی خمسۃ اشیاء علی الصلوۃ والزکوۃ والحج والصوم والولائت قال زرارۃ وای شیئی من ذالک افضل فقال الولایۃ افضل'' ترجمہ: یہ کہ امام باقر نے کہا اسلام کی بنا پانچ نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور ولایت ہیں اور ان میں افضل ولائیت ہے

لیکن تعجب ہے نماز۔ روزہ۔ زکوۃ کے متعلق تو قرآن میں جابجا تاکیدی احکام موجود ہیں لیکن ولائیت کے متعلق کہیں اشارہ بھی نہیں۔ شائد اس قرآن مزعومہ شیعہ میں ہو جو امام غائب کے پاس ہے

سو یہ ایک عجیب بات ہے کہ قرآن نے جہاں اصول دین بیان فرمائے ہیں وہاں امامت کے متعلق صراحتاً یا کنایتاً بھی کوئی حکم بیان نہیں ہوا اور نہ ہی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت علی المرتضیٰؓ کے متعلق کوئی نص فرمائی۔ پھر شیعہ کا امامت کو اصول دین میں داخل کرنا قول بے دلیل ہے جس کے متعلق بحث کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ امر اول کی نسبت کافی بحث ہو چکی ہے اور یہ تنقیح بحق اہلسنت خلاف اہل تشیع ثابت ہے۔ اب امر تنقیح نمبر۲ کی بحث شروع ہوتی ہے۔

امر دوم: کیا حضرت علیؓ خلیفہ بلا فصل تھے؟

ہم علی المرتضیٰؓ کی عظمت شان اور رفعت قدر کے قائل ہیں۔ بیشک آپ صہر النبی ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم والد حسنینؓ، زوج زہرا، باب العلم، خلیفہ رابع تھے۔ اور آپ کے مناقب وفضائل کا احصار نہیں ہوسکتا لیکن یہ دعویٰ کہ خلافت آپ ہی کا حق تھا اور آپ خلیفہ بلا فصل تھے، عقل ونقل کے خلاف ہے اور اس دعویٰ کے بطلان پر ہم چند ایسے دلائل پیش کرتے ہیں کہ اُن کے ماننے سے کسی ذی فہم منصف شخص کو انکار نہیں ہوسکتا۔

پہلی دلیل :

آیت استخلاف سے ثابت ہو چکا ہے کہ خلافت خلفاء حسب وعدہ ایزد متعال عمل میں آئی۔ جب قرآن اس بات پر ناطق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں سے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم ان کو ضرور خلیفہ بنائینگے۔ جیسے بنی اسرائیل میں خلیفہ گزر چکے ہیں۔ تو پھر ناممکن تھا کہ منشاء ایزدی وعدہ الٰہی کے خلاف خلافت موعودہ سے کوئی غیر مستحق مستفید ہو جاتا اور جس سے وعدہ کیا گیا ہے وہ محروم رہ جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں تخلف نہیں ہے اور خدا تعالیٰ سے کوئی شخص غالب نہیں ہوسکتا کہ اس کے خلاف منشاء اس کا موعود انعام زبردستی چھین لے۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ سب سے زبردست جبار وقہار ہے۔ کون ہے جو اس کے ارادوں میں خلل انداز ہو۔ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ اور فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اُس کی مانی ہوئی اوصاف ہیں اس لئے ماننا پڑے گا کہ اس کو ایسا ہی منظور تھا جیسا کہ وقوع میں آیا کہ

خلافت کا منصب جلیل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب اربعہ کو ایسی ترتیب سے ملے جو عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک خلافت کے مستحق یہی چار اصحاب تھے ان کی خدمات اسلام میں بیش از بیش تھیں اور دیگر اصحاب پر اُن کو ہر طرح سے ترجیح تھی۔ اگر یہ ترتیب قائم نہ رہتی تو ان سب کو اس کا انعام سے حصہ ملنا مشکل تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے فوت ہو جانا تھا۔ اگر باقی خلفاء سے کوئی شخص خلیفہ ہو جاتا تو اُن کو خلافت نہ مل سکتی اور اگر عثمانؓ یا علیؓ میں سے کوئی شخص پہلے خلیفہ ہوتا تو حضرت عمرؓ کی عمر چونکہ اُن سے پہلے ختم ہو جانے والی تھی وہ محروم رہ جاتے۔ اور اگر حضرت عثمانؓ سے اول حضرت علی المرتضیٰؓ خلافت حاصل کر لیتے تو حضرت عثمانؓ کی زندگی پہلے ختم ہو جانے کی وجہ سے وہ بہرہ ور نہ ہو سکتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ علیم وخبیر نے اپنے وعدہ کئے ہوئے انعام کو اسطرح تقسیم فرمایا کہ ہر چہار اصحابؓ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بہرہ یاب ہو گئے۔ [سُبْحَانَ اللّٰہ۔ فِعْلُ الْحَکِیْمِ لَا یَخْلُوْ عَنِ الْحِکْمَۃِ] ''اللہ تعالیٰ کے کام حکمت سے خالی نہیں ہوتے''۔

دوسری دلیل :

اگر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت علیؓ منصب خلافت پر جا گزیں ہو جاتے تو مخالفین اسلام (کفار) کو یہ طعن کرنے کا موقعہ تھا کہ پیغمبر علیہ السلام نے یہ سارا کام کنبہ کے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کے لئے بنا رکھا تھا کہ زندگی میں خود حکومت کی اور مرنے کے بعد اپنے چچا زا بھائی اپنے داماد کو یہ اعزاز بخش دیا کہ ان کی دُختر بلند اختر (فاطمہؓ) اور ان کے نواسے حسنینؓ چین سے زندگی بسر کریں۔ پھر کفار کے اس اعتراض کا کوئی جواب بہ نہ ہو سکتا اور اسلام پاک کے ذمے ہمیشہ کیلئے یہ طعن باقی رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ جو اسلام پاک کا ہمیشہ کیلئے ناصر ومحافظ تھا۔ اس نے اپنی قدرت کاملہ سے انتظام خلافت کا کام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور خلافت کی ترتیب اس طرح اختیار فرمائی کہ کسی دشمن اِسلام کو کوئی گنجائش اعتراض کرنے کی نہ رہی۔ کیونکہ اگر امر خلافت (نیابت

رسول صلی اللہ علیہ وسلم) موروثی ہوتی تو سب سے زیادہ مستحق حضرت عباسؓ عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اُن کو خلافت نہ ملی۔ پھر زیادہ قرابت حضرت علیؓ سے تھی۔ اُن کو بھی سب سے اخیر میں حصہ ملا۔ بلکہ رب العباد نے یہ کام خود مسلمانوں کے سپرد فرمادیا کہ جسکو وہ مستحق سمجھیں خلیفہ بنالیں۔ چنانچہ مجلس شوریٰ نے انتخاب خلیفہ باالاتفاق رائے کیا۔ ثم، فتم، فتم۔

تیسری دلیل :

حضرت علی المرتضیٰؓ نے اس بارہ میں خود فیصلہ فرمادیا:۔

[اِنَّمَا الشُّوْرٰی لِلْمُهَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَاِنِ اجْتَمَعُوا عَلٰی رَجُلٍ وَسَمُّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ اللّٰهِ رِضیً]

انتخابِ خلافت کا کام مجلس شوریٰ مہاجرین وانصار کے ہاتھ میں ہے جس کو وہ خلیفہ منتخب کرلیں اللہ تعالیٰ کو بھی وہی منظور ہے۔

اور یہ مُسلّم الطرفین ہے کہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ صدیق کا انتخاب مجلس شوریٰ مہاجرین وانصار کے اجتماع سے عمل میں آیا اور جب اس کو علی المرتضیٰ حق بجانب سمجھتے ہیں تو بقول شخصے "مدعی ست وگواہ چست" شیعہ کا امیرؓ کے فیصلہ کے خلاف شور وغل کرنا بے فائدہ ہے۔

چوتھی دلیل:

اگر علی المرتضیٰؓ کو یہ فیصلہ منظور نہ ہوتا اور وہ خلافت اپنا حق تصور فرماتے تو وہ کبھی خاموش نہ بیٹھتے بلکہ مرنے مارنے پر تیار ہوجاتے، آپ کی شجاعت مُسلَّم تھی۔ آپ کی ذوالفقار غضب ڈھاتی تھی۔ آدمی تو آدمی بقول شیعہ دیو اور جن بھی اس کے سایہ سے کانپتے تھے۔ اور چونکہ آپ ابن عم رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صہر النبی تھے۔ مسلمان کبھی اُن کی حق تلفی پسند نہ کرتے اور قتل وقتال کی نوبت آجاتی تو جمہور المسلمین آپ کا ساتھ دیتے، اور نہیں تو بنی ہاشم تو سب آپ کے ساتھ تھے ہی۔ آپ کو غاصبین خلافت پر تلوار اٹھانی واجب تھی اور اگر راستی پر ہوتے تو نصرت الٰہی آپ کے شامل ہوتی اور [بحکم كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ

غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ] (اہل حق کی تھوڑی) جماعت اہل باطل کی بڑی جماعت پر غالب ہوا کرتی ہے) آپ ضرور اس مقابلہ میں کامیاب ہوتے۔ جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مقابلہ میں لا الہ الا اللہ کی تیغ عریاں ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ آپ کے ساتھ کون تھا؟ وہی نصرت الٰہی آپ کے شامل حال تھی اور اِسی وجہ سے دُنیا کی طاقتیں آپ کے مقابلہ سے عاجز آ گئیں اور اسد اللہ الغالب [لافَتٰى اِلَّا عَلِى لَا سَيْفَ اِلَّا ذُوالفِقار] کے مصداق تو اکیلے مقابلہ پر کھڑے ہو جاتے تو مخالفین کو تہس نہس کر دیتے جیسا کہ نہج البلاغت، مطبوعہ بیروت جلد ۲ صفحہ ۶۵ ایضاً مطبوعہ تہران ص ۵۰۷ میں لکھا ہے:۔

[قَالَ اَمِيرِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِنِّى وَاللّٰهِ لَوْ لَقِيتهُمْ وَاحِدًا وَّهُمْ طِلَاءُ الْاَرْضِ كُلِّهَا مَا بَالَيْتُ وَ لَاسْتَوْحَشْتُ]

ترجمہ: ’’جناب امیر نے فرمایا۔ خدا کی قسم! اگر میں اُن کے مقابلہ میں کھڑا ہو جاؤں اور زمین سے پر ہوں تو مجھے کچھ پرواہ نہ ہو اور نہ مجھے کچھ وحشت ہو‘‘۔

پھر جب آپ تن تنہا سارے جہان کا مقابلہ کے لئے کافی تھے اور اصحاب ثلاثہؓ نے آپ سے زبردستی خلافت چھین لی ہوتی تو وہ اُن کو دنیا میں دم نہ لینے دیتے اور ایک پل میں تباہ کر دیتے۔

اِس سے صاف ثابت ہے کہ حضرت امیر المومنین علیؓ خلافت بلافصل اپنا حق نہیں سمجھتے تھے اور جس طرح خلافت کی ترتیب عمل میں آئی اِسی پر راضی تھے، اور خدا کو بھی یہی منظور تھی۔

پانچویں دلیل :

اگر ترتیب خلافت حق نہ تھی اور اصحاب ثلاثہؓ نے خلافت زبردستی چھین لی تھی اور اپنے وقت میں وہ جور و جفا اور بے انصافی کرتے رہے تھے تو حضرت علیؓ کا پہلے تو اُن سے جہاد کرنا فرض تھا۔ اگر اس کی طاقت نہ رکھتے تھے تو اُن کے مشیرِ کار نہ بنے رہتے اور مال غنیمت

میں حصہ گیر نہ ہوتے بلکہ ان کا فرض تھا کہ ملک چھوڑ کر ہجرت کر جاتے۔ جیسا کہ ایسے موقع پر ہجرت کر جانا بحکم الٰہی فرض ❶ ہے۔ جبکہ نہ لڑائی کی، نہ ہجرت فرمائی۔ بلکہ ہر ایک امر میں ان کے صلاح کار اور مشیر بنے رہے اور غنائم سے حصہ لیتے رہے تو اس سے اس امر کا یقین ہوتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز خلافت بلافصل اپنا حق نہ سمجھتے تھے۔

اِن پانچ دلائل سے ہر ایک باسمجھ انسان اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ حضرت علیؓ بلافصل نہ تھے۔ پہلی خلافتیں صحیح اور درست تھیں۔ اور حضرت نے ان کو درست تسلیم کیا اور خدا کو بھی یہی منظور تھا۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ شیعہ کے پاس خلافت بلافصل علی المرتضیٰؓ کے متعلق کیا دلائل ہیں؟ اور اِن کا جواب کیا ہے؟

دلائل شیعہ (خمِ غدیر)

شیعہ کے دلائل کا زیادہ مدار حدیث خمِ غدیر پر ہے اور اس کو وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کی خلافت بلافصل پر زبردست دلیل سمجھتے ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور آنجناب نے مقام خم غدیر میں قیام فرمایا جو مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان واقع ہے تو بعض اشخاص نے جو بماتحتی جناب امیرؓ مہم ملک یمن پر مامور تھے جناب امیرؓ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بیجا شکایات کیں۔ حضور علیہ السلام نے اس خیال سے کہ اگر ماتحت لوگ اپنے افسر سے اسطرح کی بدگمانیاں کریں گے تو انتظام میں خلل واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ اس لئے

---

❶ قرآن میں ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِیْمَ كُنْتُمْ قَالُوْٓا كُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِیْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا﴾ (پارہ ۵ سورۃ نساء) ترجمہ:۔ جن لوگوں کی فرشتوں نے اس حالت میں روح قبض کی کہ انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہوا تھا۔ فرشتے پوچھیں گے کہ تم کس حالت میں تھے۔ کہیں گے کہ ہم زمین میں ہارے ہوئے تھے۔ فرشتے کہیں گے کیا خدا کی زمین وسیع تھی۔ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ ان لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہوگا۔ جو بُرا ٹھکانا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مصلحت سمجھی کہ عام لوگوں کو جمع کر کے خطبہ فرمایا جس سے اصلی غرض جناب امیرؓ کی بریت اور شاکیوں کو تنبیہ تھی اور اس خطبہ میں یہ الفاظ فرمائے:

[یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَلَسْتُ اَوْلٰی بِکُمْ مِنْ اَنْفُسِکُمْ قَالُوْا بَلٰی قَالَ مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ اَللّٰھُمَّ وَالِ مَنْ وَّالَاہُ وَعَادِ مَنْ عَادَاہُ]

ترجمہ:۔اے جماعت مسلمانان! کیا میں تمہارے نزدیک تمہاری جانوں سے بہتر نہیں ہوں۔ حاضرین نے کہا۔ ہاں حضور (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ پھر فرمایا۔ جو شخص مجھ کو دوست رکھے علیؓ کو دوست رکھتا ہے بار خدایا۔ جو شخص علیؓ کو دوست رکھے، تو بھی اس کو دوست رکھیوں اور جو علیؓ کو دشمن رکھے تو اس کو دشمن رکھیو۔"

شیعہ کہتے ہیں کہ یہ خلافت بلافصل حضرت علیؓ کا اعلان تھا جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کے حکم سے کیا۔ چنانچہ بارہا جبرائیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا پیغام سنایا کہ علیؓ کی ولایت کا اعلان کیا جائے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ڈرتے تھے کہ لوگ کہیں گے اپنے داماد کیلئے ایسا کرتا ہے۔ آخر جبرائیلؑ نے یہ آیت سنائی ﴿یٰۤاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسٰلَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ﴾ (سورۃ مائدہ ع ۱۰) ترجمہ:۔اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جو حکم تیرے رب نے تجھے دیا ہے اس کی تبلیغ کر دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو حق رسالت کا ادا نہ کیا اور خدا لوگوں کے شر سے تجھے بچانے والا ہے۔ خدا کافروں کی رہبری نہیں کرتا۔

سو آیت اور حدیث میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے کہ جو ولایت علیؓ یا خلافت بلافصل پر صراحت یا کنایت سے دلالت کرے۔ حدیث کا صرف اسی قدر مفہوم ہے کہ حضرت علیؓ کی شکایات بے بنیاد ہیں اور ان کے ماتحتوں کو شکایت کرتے وقت یہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست کی شکایت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ان سے محبت و پیار کرنا چاہئے۔ اور حضرت علیؓ کی عداوت باعث نارضامندی حق تعالیٰ ہے۔

اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ نبی علیہ السلام کو جو احکام حق تعالیٰ نے بابت

توحید، نماز، روزہ، حج، زکوۃ وغیرہ بھیجے ہیں ان کی بخوبی تبلیغ کر دینی چاہیے۔ ایسا نہ کریں گے تو حق رسالت ادا نہیں ہوگا اور لوگوں کی شر وایذا کا کچھ فکر نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا حافظ و ناصر ہے۔ شیعہ دھینگا مشتی سے آیت و حدیث میں ولایت و خلافت کو گھسیڑنا چاہتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا کہ اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم علیؓ کی خلافت کا اعلان کر دے تو ایسے گول مول الفاظ اور چیستان کی کیا ضرورت تھی؟ صاف طور پر حکم ہوتا ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ بِوِلَايَةِ عَلِيٍّ﴾ (اے رسول! علیؓ کی ولایت کی تبلیغ (اعلان) کر دیجئے) پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا افصح الفصحاء ایسا گورکھ دھندا گول مول کلام کیوں بولتا بلکہ صاف طور پر فرما دیتے:۔ "یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ وَعَلِیٌّ خَلِیْفَتِیْ بَعْدَ وَفَاتِیْ"۔

جب خدا نے [وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ] فرما کر وعدۂ حفاظت بھی فرمایا تھا تو پھر کس انسان کا خوف ہوسکتا تھا؟ بے کھٹکے صاف الفاظ میں علیؓ کی خلافت بلافصل کا اعلان کر دیتے لیکن شیعہ ایمان سے کہیں کہ اس حدیث اور آیت میں کون سا لفظ ایسا ہے جس سے علیؓ کی خلافت وولایت کا استدلال کیا جا سکتا ہے؟

لفظِ مولیٰ

شیعہ کہتے ہیں کہ لفظ مولیٰ سے مراد اولیٰ بالتصرف ہے اور اِسی لفظ سے ولایت علیؓ کا استدلال کیا جا سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک کتب لغت کا مطالعہ کیا گیا ہے ہمیں تو اس کا ثبوت نہیں مل سکا۔ قاموس جو لغت عربی کی مستند کتاب ہے اس میں لکھا ہے:

[اَلْمَوْلٰی اَلْمَالِکُ وَالْعَبْدُ وَالصَّاحِبُ وَ الْقَرِیْبُ کَابْنِ الْعَمِّ وَنَحْوِهٖ وَالْجَارُ وَالْحَلِیْفُ وَالْاِبْنُ وَالْعَمُّ وَالشَّرِیْکُ وَالرَّبُّ وَالنَّاصِرُ وَ الْمُحِبُّ وَالتَّابِعُ وَالصِّحْرُ] (قاموس جلد۴ص۳۰۲)

ترجمہ:۔ "مولیٰ کے معنیٰ مالک اور غلام اور صاحب اور قریبی رشتہ دار جیسے چچا زاد بھائی وغیرہ اور پڑوسی اور حلیف اور بیٹا اور چچا اور ساجھی اور آقا اور مددگار

اور داماد ہے"۔

اب بتائیے! اولیٰ بالتصرف کونسی کتاب میں لکھا ہے۔ اور ایسے مشترک لفظ سے جس کے اسقدر مختلف معانی ہوں۔ حتیٰ کہ غلام تابع حکم اور پسر پر بھی اس کا اطلاق ہوسکتا ہے۔ استدلال کس طرح صحیح ہوسکتا ہے؟ اس جگہ سوائے محبّ کے اور کوئی معنی موزوں نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ [وَالِ مَنْ وَّالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ] اِس بات کا قرینہ موجود ہے کہ مولیٰ کا معنی محبّ اور دوست کا ہی ہے۔

حدیث خم غدیر کا نص خلافت نہ ہونے کا ثبوت کتب شیعہ سے

شیعہ حضرات مسئلہ خلافت بلافصل ثابت کرنے کے متعلق عجیب چکر کھاتے ہیں اور ہر چند جدوجہد کرتے ہیں لیکن ان کی ڈگمگاتی کشتی ساحل مراد تک پہنچ نہیں سکتی۔

ظفر نے قصۂ زلف دراز جاناں کو کیا بیان تو کیا کیا بیان میں اُلجھا

اُدھر تو یہ کہتے ہیں کہ حدیث خم غدیر خلافت بلافصل علیؓ پر نص جلی ہے۔ ادھر قصہ قرطاس کو دلیل ثابت کرنے کی بے سود کوشش کرتے ہیں لیکن کسی طرح بھی اپنے مقصود میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ ہم اس امر کو ثابت کرنے کے لئے کہ حدیث خم غدیر سے خلافت بلافصل جناب امیرؓ کی ثابت نہیں ہوتی، کتب شیعہ سے ہی حسب ذیل استدلال کرتے ہیں:۔

اول:۔ جلاء العیون اردو مطبوعہ مطبع جعفری لکھنؤ کے ج ا ص ٦٠ میں ذکر وقتِ وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں لکھا ہے۔ "پس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم کھول کر فرمایا۔ اے عباسؓ اے عم رسول خدا، میری وصیت میرے اہل بیت اور میری عورتوں کے حق میں قبول کرو اور میری میراث لو اور میرا دَین ادا کرو اور میرے وعدوں کو عمل میں لاؤ اور مجھ کو بَری کرو۔ عباسؓ نے کہا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں پیر مرد عیالدار ہوں اور آپ ہوائے تند اور ابر بہار سے زیادہ بخشش و سخاوت فرمانے والے ہیں اور میرا مال آپ کے وعدوں اور بخششوں کو وفا نہیں کرسکتا۔ اس سبب مجھ کو معاف رکھیئے۔

پس حضرت نے فرمایا۔ میں میراث اس کو دونگا جو قبول کرے اور اس طرح قبول کرے جو حق قبول کرنے کا ہے اور جیسا کہ اے عباسؓ! تو نے جواب دیا وہ جواب نہ دے گا۔ پس جناب امیرؓ سے خطاب فرمایا اور ارشاد فرمایا اے علیؓ! تم میری میراث لو کہ تم سے مخصوص ہے اور کسی کو تم سے اس میں نزاع نہیں ہے۔ میری وصیت کو قبول کرو اور میرے وعدوں پر عمل کرو اور میرے قرض ادا کرو۔"

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ وصی کے متعلق پہلے خم غدیر وغیرہ میں فیصلہ ہوا نہیں تھا۔ ورنہ حضرت عباسؓ کو یہ کیوں کہا جاتا کہ میری وصیت کو قبول کرو بلکہ پہلے ہی سے حضرت علیؓ کو کہا جاتا کہ اے علیؓ! تم کو ہم نے بمقام خم غدیر خلیفہ اور اپنا وصی بنا دیا ہے تم ایسا کرنا اور ویسا کرنا۔

دوم:۔ جلاء العیون ج ۱ ص ۶۴ میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے آخری وقت میں جو خطبہ فرمایا۔ اس میں یہ بھی فرمایا کہ جو شخص والی امر مسلمانان ہو لازم ہے کہ انصار نیکو کار کی رعایت اور بدکار سے درگزر کرے اور یہ آخری مجلس تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لے گئے یہاں تک کہ حق تعالیٰ سے ملاقات فرمائی۔

حضور علیہ السلام کے اس آخری خطبہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ اس وقت تک کسی شخص کو حضور علیہ السلام نے خلیفہ نہیں بنا رکھا تھا۔ اگر خم غدیر میں آپ خلیفہ بنا چکے ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ جو شخص والی امر مسلمانان ہو۔ بلکہ حضرت علیؓ کو صریح خطاب فرما کر کہتے کہ اے علی! تم میرے بعد والی امر مسلمانان ہو تم ایسا کرنا اور ویسا کرنا۔

سوم:۔ جلاء العیون ج ۱ ص ۶۲ میں ہے۔ شیخ مفید نے روایت کی ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو رخصت کیا اور سب چلے گئے۔ عباسؓ نے کہا "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائیگا پس ہم کو بشارت دیجئے کہ بادشاہ ہوں اور اگر آپ جانتے ہیں کہ ہم پر ستم کریں گے اور ہم سے خلافت کو غصب کریں گے پس اپنے اصحابؓ سے ہماری سفارش کیجئے۔" حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم کو بعد

میرے ضعیف کریں گے اور تم پر غالب ہوں گے"۔

اگر امیر علیہ السلام کی خلافت کا فیصلہ پہلے ہو گیا ہوتا تو اس موقعہ پر حضرت عباسؓ بجائے اس کے کہ "امر خلافت ہم بنی ہاشم میں قرار پائے گا" یوں کہتے کہ "اگر خلافت علیؓ جس کا آپ نے فیصلہ کر دیا ہے، قائم و بحال رہے گی تو ہم کو بشارت دیجئے۔"

چہارم:

کتاب "حیات القلوب" جلد ۲ ص ۲۲۳ میں ہے روایت کردہ اند کہ عامر بن طفیل و ازید بن قیس بقصد قتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمدند چون داخل مسجد شدند۔ عامر بہ نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آمد و گفت یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اگر من مسلمان شوم برائے من چہ خواہد بود۔ حضرت فرمود برائے تو خواہد بود۔ آنچہ برائے ہمہ مسلمانانست و بر تو خواہد بود۔ آنچہ بر ہمہ مسلمانان است گفت می خواہم بعد از خود امر خلیفہ گردانی۔ حضرت فرمود اختیار ایں امر بدست خداست و بدست من و تو نیست۔

ترجمہ:۔ روایت ہے کہ عامر بن طفیل اور ازید بن قیس بارادہ قتل آنحضرت آئے۔ جب مسجد میں داخل ہوئے تو عامر نے کہا اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تجھے وہ کچھ ملے گا جو تمام مسلمانوں کو ملے گا اور جو مسلمانوں کو حرج پہنچے گا تمہیں بھی پہنچے گا۔ پھر اُس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ آپ اپنے بعد مجھے خلیفہ بنا دیں آپ نے فرمایا اس کا اختیار خدا کو ہے۔ مجھے اور تجھے اس بات میں دخل نہیں ہے۔"

سو اگر فیصلہ خلافت بحق علیؓ ہو گیا ہوتا تو آپ کا جواب یہ ہوتا کہ خلافت کا فیصلہ تو ہم بحق علیؓ کر چکے ہیں اب اس کا مطالبہ بے سود ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ خلافت کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں اُن کے متعلق کوئی فیصلہ نہیں فرما گئے۔

پنجم:

حیات القلوب جلد ۲ ص ۵۵۹ میں زیر تفسیر آیت ﴿وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ

حَدِیْثًا ﴾ یوں لکھا ہے ''علی بن ابراہیم وعیاشی روایت کردہ اند کہ چوں حفصہ رضی اللہ عنہا برقصہ ماریہ مطلع شد وحضرت رادراں باب عتاب نمود حضرت فرمود کہ دست ازمن بدار کہ برائے خاطر تو ماریہ رابرخود حرام گردانیدم ورازے بتو مے گویم کہ اگر آں راز رابدیگرے خبردہی۔ برتو خواہد نفریں خداوقہر ملائکہ وطعن جمیع مردماں حفصہ رضی اللہ عنہا گفت چنیں باشد بگوں آں راز کدام است۔ حضرت فرمود کہ راز آنست کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ بعدازمن بجور ❶ خلیفہ خواہد شد۔ وبعدازو پدرتو خلیفہ خواہد شد۔ حفصہ رضی اللہ عنہا گفت تراکہ خبردادہ است بایں امر؟ حضرت فرمود خدا مرا خبردادہ است۔ پس حفصہ رضی اللہ عنہا درہماں روز ایں خبر رابعائشہ از حفصہ خبرے نقل کردمن اعتمادے برقول اُوندارم تو از حفصہ سوال نما کہ آں خبر راست است یانہ؟ پس عمر رضی اللہ عنہ بہ نزدیک حفصہ رضی اللہ عنہا آمد و گفت ایں چہ خبر است کہ عائشہ رضی اللہ عنہا از تو نقل میکند حفصہ درابتداء حال مُنکر شد وگفت من بانہ سخنے نگفتہ ام، گفت اگر خبر راست از ماَمخفی مدارتا آنکہ بیشتر درکار خود تدبیرے بکنیم۔ چوں حفصہ رضی اللہ عنہا ایں راشنید گفت بلے حضرت چنیں گفت''۔

ترجمہ:۔علی بن ابراہیم اور عیاشی نے روایت کیا ہے کہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ماریہ کا حال معلوم ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! خفا نہ ہو میں نے تمہاری خاطر ماریہ کو اپنے اوپر حرام کردیا ہے اور میں ایک راز بتاتا ہوں۔ اگر ظاہر کروگی تو تمہارے لئے برا ہوگا۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا، نہ بتاؤں گی، بتایئے وہ راز کیا ہے۔ فرمایا راز یہ ہے کہ میرے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ زبردستی خلیفہ بن جائے گا اور اس کے بعد تیرا باپ عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوگا۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ آپ کو کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا۔ خدا نے مجھے خبر دی ہے۔ پس حفصہ رضی اللہ عنہا نے اسی روز یہ بات عائشہ کو بتادی۔ اس نے اپنے باپ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بتایا اور اس نے عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کیا۔ کہ عائشہ رضی اللہ عنہا حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ روایت کرتی ہے اس سے پوچھ کر بتاؤ۔ کیا یہ سچ ہے؟ عمر نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا۔ پہلے انکار کیا کہ مجھے اس کی خبر نہیں لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا بتادو کہ اگر یہ سچ ہے تو ہم زیادہ حیلہ سازی کریں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہاں پیغمبر نے ایسا ہی بتایا ہے۔

---

❶ یہ ملا باقر مجلسی کی ایجاد ہے۔۱۲

ایسا ہی دیگر شیعہ مفسرین نے بھی آیت ﴿اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ﴾ کے متعلق اسی طرح روایت کی ہے چنانچہ تفسیر مجمع البیان میں یہ روایت وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔

اب اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ حق تعالیٰ نے خلافت کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بخش دی تھی کہ آپ کے بعد خلیفہ ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ ہونگے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح اس کا فیصلہ حضرت علیؓ کے حق میں فرما سکتے تھے۔ دیکھو شیعہ کی کتب اس امر کی شہادت دے رہی ہیں کہ حضرت علیؓ کی خلافت منصوص نہیں بلکہ بموجب آیت ﴿اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ﴾ ابوبکرؓ کی منصوص ہو چکی تھی جس کی اطلاع خدا نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی اور آپ نے اپنی ازواج کو اس سے مطلع کر دیا۔ سچ ہے [اَلْفَضْلُ مَاشَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ]

ششم:

شیعہ کہتے ہیں کہ مقام خم غدیر میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲ لاکھ اصحابؓ کے روبرو جناب امیرؓ کی خلافت کا اعلان کر دیا تھا اگر ایسا ہوتا تو ناممکن تھا کہ اصحابؓ رسول جو حضور علیہ السلام کے قول و فعل پر اپنی جانیں قربان کیے ہوئے تھے حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت علیؓ کے خلاف ابوبکرؓ کی خلافت پر اجماع کر لیتے۔ جلا العیون ص ۱۴۹ میں ہے۔ ''جب رات ہوئی۔ جناب امیر حسنینؓ کو اپنے ہمراہ لے کر ایک ایک گھر مہاجرین و انصار کے پھرے۔ مگر بغیر چار آدمیوں کے اور بروایت تین آدمیوں کے اور کسی آدمی نے بیعت قبول نہ کی۔ (انتہی ملخصا)

شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ سوائے چار اشخاص مقدادؓ، سلمانؓ، عمارؓ، کے باقی جمیع اصحابؓ نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور جناب امیرؓ حسنینؓ کو ہمراہ لے کر مہاجرین و انصار کے در بدر پھر کر الحاح کرتے رہے کہ میرا ساتھ دو کسی نے ساتھ نہ دیا۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ میں کچھ ایسا نقص تھا کہ کوئی مسلمان بھی ان کا خلیفہ بننا پسند نہ کرتا تھا یا حضرت ابوبکرؓ میں کچھ ایسے اوصاف تھے جن کے گرویدہ ہو کر اصحابؓ

رسول نے قاطبۃً ان کی بیعت اختیار کر لی۔ اہلسنت والجماعت کے ہاں ایک حدیث ہے [لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ] (حضورؐ نے فرمایا میری امت گمراہی پر جمع نہ ہوگی)۔

ایسا ہی کتب شیعہ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ حیات القلوب جلد ۲ ص ۱۳۳ میں ہے۔ ''سیزدہم آنست کہ خدا ایشاں را از گرسنگی نمی کشد و ایشاں را بر گمراہی جمع نمی کند''۔

ترجمہ: خواص امت نبی آخر الزمان سے تیرھویں بات یہ ہے کہ یہ امت بھوک سے ہلاک نہ ہوگی اور گمراہی پر ان کا اجماع نہ ہوگا۔

پھر کیسے مانا جا سکتا ہے کہ امت مرحومہ کلہم گمراہی پر جمع ہو کر خلافت ابوبکرؓ پر متفق ہو گئی۔ اور اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی پرواہ نہ کی۔ اس بات کو عقل و نقل دونوں تسلیم نہیں کرتے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ یہ بات درست نہیں ہے کہ بمقام خم غدیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کی خلافت کا فیصلہ کر دیا تھا۔

ہفتم:

خم غدیر کا مسئلہ بلافصل خلافت اس واسطے بھی صحیح نہیں ہے کہ جناب امیر نے دعویٰ خلافت کے وقت اس حدیث سے استدلال نہیں کیا اگر حدیث خلافت بلافصل پر نص صریح تھی تو آپ کو عین وقت پر اس سے استدلال کر کے فریق مقابل کو ملزم کرنا چاہئے تھا لیکن کسی کتاب شیعہ سے یہ ثابت نہیں ہے کہ جناب امیرؓ نے حدیث خم غدیر کو استدلال میں پیش کیا تھا۔

ہشتم:

حدیث خم غدیر پر شیعہ کو بھی اطمینان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث قرطاس سے تمسک کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں ورنہ اگر پہلے ہی سے مسئلہ خلافت کا فیصلہ ہو چکا تھا تو پھر بوقت وفات اس تکلیف کی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلافت کا فیصلہ لکھنے کے لئے قلم دوات منگوانے کی کیا ضرورت تھی؟ اور اگر کہا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کو اطمینان نہ تھا کہ آپ کا فیصلہ مان لیا جائے گا تو پھر جب کھلے فیصلہ پر جو لاکھوں کے مواجہ میں بحالت صحت ایک کھلے میدان میں کیا گیا تھا۔ اطمینان نہ تھا تو بحالت مرض ایک تنگ حجرہ میں چند افراد کے روبرو اعلان خلافت بلافصل علی المرتضیٰؓ پر کس طرح اطمینان ہو سکتا تھا۔ (مسئلہ قرطاس کی بحث آگے آئے گی)

شیعہ کی دوسری دلیل

حضرت علیؓ کے خلاف بلافصل کے متعلق دوسری دلیل شیعہ کی یہ آیت ہے:۔

﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ﴾ [1]

ترجمہ: تمہارے مددگار خدا اور رسول خدا ہیں اور مومن لوگ جو نماز روزہ قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع وسجدہ کرنے کے عادی ہیں"۔

اس آیت سے شیعہ ولایت علیؓ کا استدلال کرتے ہیں۔ حالانکہ آیت میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جس سے ولایت امیر علیہ السلام ثابت ہو اگر لفظ ولی سے استدلال ہے تو یہاں خدا اور رسول اور ان مومنوں پر اس کا اطلاق کیا گیا ہے جو نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ کے پابند ہیں۔ تمام صیغے جمع کے ہیں پھر ان سے ایک فرد حضرت علیؓ مراد لینا انصاف کا خون کرنا ہے۔

شیعہ نے اس موقعہ پر ایک عجیب روایت وضع کی ہے جیسا کہ اصول کافی کتاب الحج ص ۱۷۷ میں ہے:۔

[كَانَ اَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي صَلٰوةِ الظُّهْرِ وَقَدْ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ وَهُوَ رَاكِعٌ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ قِيْمَتُهَا اَلْفُ دِيْنَارٍ فَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَسَاهُ اِيَّاهَا وَكَانَ النَّجَاشِيُّ اَهْدَاهَا فَجَاءَ سَائِلٌ وَقَالَ سَلَامٌ عَلَيْكَ يَاوَلِيَّ اللّٰهِ وَاَوْلٰى

---

[1] وَهُمْ رَاكِعُوْنَ یا تو یقیمون الصلوۃ سے حال واقع ہوا ہے۔ یا یہاں رکوع بمعنی خشوع ہے۔۱۲

بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ عَلٰى مِسْكِيْنٍ فَطَرَحَ الْحُلَّةَ اِلَيْهِ وَاَوْمٰى بِيَدِهٖ اِنِ احْمِلْهَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فِيْهِ هٰذِهِ الْاٰيَةَ]

ترجمہ:۔ ''امیر المومنین علیہ السلام ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے چنانچہ دو رکعت نماز ادا کر چکے تھے۔ آپ ایک قیمتی شال اوڑھے ہوئے تھے جس کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو دی تھی۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نجاشی نے بطور ہدیہ بھیجی تھی پس ایک سائل آیا اس نے کہا کہ اے ولی اللہ اور مومنوں کے سردار مسکین کو کچھ خیرات دیجئے۔ آپ نے وہ شال سائل کی طرف پھینک دی اور ہاتھ سے اشارہ کیا کہ اس کو لے جا تب خدا نے یہ آیت ﴿اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ﴾ اتار دی''۔

ہمارا جواب:

ہم اُوپر لکھ چکے ہیں کہ آیت کا کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو حضرت علیؓ کی ولایت اور خلافت پر دلالت کرے۔ اگر اس سے ولایت کا ثبوت ملتا ہے تو پھر ہر ایک نمازی اور زکوٰۃ دینے والا صاحب ولایت اور خلیفہ ہوسکتا ہے۔ قاموس میں لکھا ہے:۔[اَلْوَلِيُّ اَلْقُرْبُ وَالدِّنُوُّ وَالْوَلِيُّ اَلْاِسْمُ مِنْهُ وَالْمُحِبُّ وَالصَّدِيْقُ وَالنَّاصِرُ] (ولی کا مصدر) کا معنی قرب اور نزدیکی کا ہے ولی اس کا اسم ہے جسکا معنی محبّ اور دوست اور مددگار ہے)۔

اب بتائیے کہ لفظ ولی سے خلافت اور ولایت پر کس طرح دلیل لی جا سکتی ہے؟ اور روایت جو وضع کی گئی ہے۔ عقلاً ونقلاً قابل تسلیم نہیں ہے۔

روائیت بالا کے موضوع ہونے کے دلائل

اول حضرت علیؓ المرتضیٰ کی شان والا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ دنیاداروں کی قیمتی پوشاک پہنتے تھے جو قریباً پچیس ہزار روپے کی ہو۔ آپ کی صوفیانہ اور متقیانہ حیثیت پر ایک سخت حملہ ہے۔ ہم پہلے جلاء العیون کی روایت سے لکھ چکے ہیں کہ جب حضرت علیؓ کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے ناطہ کی خواستگاری کا مشورہ دیا گیا تو آپ نے اپنی مفلسی کا عذر

پیش کیا اور جب سامانِ شادی خریدنے کی آپ کو ضرورت پیش آئی تو آپ نے اپنی زرہ فروخت کر کے وہ سامان خرید لیا۔ علامہ سید علی حائری اپنی مؤلفہ کتاب غایۃ المقصود کے صفحہ ۱۵۴ پر مرزا قادیانی پر طعن کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:۔

''در آنجا در بیت النبوۃ از کمال زہد و تقویٰ و فقر تا مہ سہ یوم فاقہ مے گذرانیدند۔ تا آنکہ شہادت آیت ﴿یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ﴾ نازل شد و ایں جا بدوں شالہائے خلیل خانی و تہرمہ کشمیری و سریر نمیگذارد و آنجا بر حصیر لیف خرما و اکثر بر خاک خوابیدہ دید و فرمود۔ قُمْ یا اباتُراب واز ہماں رز بانی تراب مکنٰی شد''۔

ترجمہ: وہاں خاندان نبوت حضرت علیؓ کے گھر میں کمال زہد و تقویٰ سے تین تین روز فاقہ گذراتے تھے حتیٰ کہ آیت ﴿یُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ﴾ نازل ہوئی اور یہاں مرزا قادیانی کا یہ حال ہے کہ خلیل خانی شال اور کشمیری چادر اور ریشمی پارچات کا استعمال ہوتا ہے اور اہل بیت کا یہ حال تھا کہ کھجور کی چھال کی بنی ہوئی بوریا بلکہ اکثر اوقات خاک زمین پر لیٹ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حضور علیہ السلام نے شجاعت مآب کو فرش زمین پر لیٹے ہوئے دیکھ کر فرما دیا۔ اے ''ابو تراب'' چنانچہ آپ کی یہی کنیت مشہور ہوگئی''۔

علامہ حائری کی تحریر اور جلاء العیون کی روایت اور دیگر صحیح حالات سے جو حضرت علیؓ کی زاہدانہ اور صوفیانہ پوزیشن کے متعلق کتب طرفین میں لکھے ہیں صاف ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو ایسی پوشاکوں سے جو ایک طالب دنیا شخص کی خاصیات سے ہے بالکل کچھ غرض نہ تھی۔ ایسی بیش قیمت پوشاک کا استعمال اسراف و تبذیر میں داخل ہے جو ایک متقی مومن پسند نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ علی المرتضیٰ جیسی متقی متورع تارک الدنیا عالی مرتبت امام کی نسبت خیال کیا جائے کہ وہ ایسے ریشمی اور طلائی پارچات استعمال کیا کرتے تھے۔

اصحاب رسولؐ کو دنیاداروں کی طرح زیب و زینت سے سخت نفرت تھی چنانچہ یہ مانی ہوئی بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ باوجودیکہ اپنے وقت کے بادشاہ تھے لیکن آپ کی چادر اور کرتہ پر متعدد پیوند لگے ہوتے تھے بلکہ آپ کے عاملان (گورنران) سے جس شخص کی نسبت اطلاع ملتی کہ وہ باریک ململ کی قمیص استعمال کرتے ہیں فوراً ان کو طلب کر کے تنبیہ

کردی جاتی۔ بلکہ ان کو اپنے منصب جلیل سے معزول کردیا جاتا۔

پھر جب شیعان علیؓ شجاعت مآب کو باقی خلفاء پر زہد تقویٰ میں ترجیح دیتے ہیں تو ایسی روایات شائع کرنے سے ان کو تامل کرنا چاہیئے۔ جس سے حضور ممدوح کی شانِ تقدس کو بٹہ لگتا ہے۔

دوم:

اگر مان لیا جائے کہ حضرت علیؓ نے ایسی ریشمی طلائی چادر اوڑھ رکھی تھی اور نماز پڑھ رہے تھے تو پھر یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ سائل جو آپ کو نماز کی حالت میں دیکھ رہا تھا اتنا بھی انتظار نہ کرے کہ آپ نماز سے فارغ ہولیں۔ ایسی جلد بازی تو کوئی اندھا شخص بھی نہیں کرسکتا۔ وہ اپنے ساتھی (راہ نما) سے پہلے دریافت کرلیتا ہے کہ مسؤل عنہ کس حالت میں ہے پھر اگر سائل نے ایسی حماقت کی تو پھر حضرت علی المرتضیٰؓ جن کی نسبت مشہور ہے کہ نماز پڑھنے کے وقت آپ ایسے استغراق میں ہوتے کہ دنیا و مافیہا سے کچھ خبر نہ رہتی پھر ایسی حالت استغراق میں ایک گداگر کی بک بک کی آواز آپ کے کانوں تک کس طرح پہنچ سکتی؟ اور یہ بھی تسلیم کیا جائے کہ آپ کی نماز خشوع وخضوع سے خالی تھی (یعنی استغراق تام نہیں تھا) آپ نے سائل کی آواز سن لی تو پھر نماز کی حالت میں فعل کثیر چادر اتار پھینکنا اور پھر سائل کو اشارہ کرنا کہ یہ لے جا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب ایک فرض نماز ادا کررہے تھے تو اس کی تکمیل کے بغیر دوسرے فرض ادائے زکوٰۃ کی طرف متوجہ ہونا کیا ضروری تھا؟ اگر آپ نے سائل کو حُلہ دینا تھا تو نماز سے فارغ ہو کر بھی دے سکتے تھے۔

سوئم:

آیت میں ﴿وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ﴾ لکھا ہے (یعنی وہ زکوٰۃ دیتے اور نماز پڑھتے ہیں) اور روایت موضوعہ سے سائل کو چادر قیمتی ایک ہزار دینار کا ذکر ہے۔ کیا ادائے زکوٰۃ کا یہ طریق ہے؟ اس سے پہلے یہ ثابت کردینا چاہیئے کہ جناب امیرؓ

صاحبِ زکوٰۃ تھے اور اس قدر مال رکھتے تھے کہ اس کی زکوٰۃ ایک ہزار دینار آپ کے ذمہ واجب تھی۔ اگر شیعہ صاحبان ایڑی چوٹی کا بھی زور لگائیں تو یہ ثابت نہیں کر سکتے تو جب آپ صاحبِ زکوٰۃ نہ تھے اور نہ اس قدر زکوٰۃ آپ کے ذمہ واجب تھی تو پھر ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ﴾ (وہ دیتے ہیں زکوٰۃ) کا مفہوم صحیح نہیں ہو سکتا۔ غرض یہ روایت بالکل عقل و قیاس کے خلاف اور یار لوگوں کی بنائی ہوئی ہے۔ ایسی وضعی روایات سے تمسک کر کے شیعہ حضرات خلافت بلافصل علی المرتضیٰؓ کے بارِ ثبوت سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

شیعہ کی تیسری دلیل

صحیح بخاری و مسلم میں براء بن عازب سے روایت ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کا قصد فرمایا تو جناب امیرؓ کو بال بچوں کی حفاظت کے لئے مدینہ طیبہ میں مقرر فرمایا۔ کفار نابکار نے جناب امیرؓ کو طعنہ دیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے ساتھ کیوں نہیں لے جاتے؟ جناب امیرؓ کو یہ بات ناگوار گذری آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ماجرا بیان کیا اور عرض کی [يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تُخَلِّفُنِيْ فِي النِّسَآءِ وَالصِّبْيَانَ] کیا مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ جاتے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلجوئی کے لئے فرمایا [اَمَا تَرْضىٰ اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسىٰ اِلَّا اِنَّهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ] کیا تجھے پسند نہیں ہے، کہ تو مجھ سے بمنزلہ ہارون کے ہو موسیٰ سے، ہاں میرے بعد نبوت نہیں ہے۔

شیعہ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو اپنے بعد خلیفہ سمجھتے تھے۔ سو حدیث میں ایسا لفظ نہیں ہے کہ جس سے آپ کی خلافت بلافصل کا استدلال ہو کیونکہ۔

(۱) ہارون کو موسیٰ نے عارضی طور پر اپنی عدم حاضری کے خلیفہ مقرر کیا تھا۔ جب کوہ طور سے واپس ہوئے تو حضرت ہارون خلیفہ نہ رہے گو وہ نبی مستقل تھے ایسا ہی یہاں بھی سمجھنا چاہیے۔

(۲) اس قسم کی خدمت بہ سبب قرابت اپنے پسر یا داماد کے ہی سپرد کی جاسکتی ہے کہ مستورات اور بال بچوں کی نگرانی رکھے ایسی خدمت کو خلافت سے کیا تعلق؟

(۳) یہ مُسَلَّم ہے کہ حضرت ہارون حضرت موسیٰ کی زندگی میں فوت ہو گئے تھے پھر خلیفہ کیسے؟ جب مشبہ بہ ہی خلیفہ نہ ہوئے تو مشبہ کی خلافت کیسی؟

(۴) حضرت ہارونؑ سے تشبیہ صرف قرابت داری کی وجہ سے دی تھی ورنہ وہ نبی تھے عمر میں موسیٰ سے بڑے تھے۔ حقیقی بھائی تھے۔ جناب امیرؓ میں ان اوصاف سے ایک بھی نہ تھی۔ پھر اس حدیث سے استدلال خلافت بلافصل چہ معنی دارد؟

(۵) اس تشبیہ سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں جیسے ہارون بوجہ قرابت داری موسیٰ کی نیابت کرتے تھے ویسے جناب امیرؓ بھی خدمات خانگی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں مامور رہے بعد وفات موسیٰ حضرت ہارونؑ نہیں بلکہ یوشع بن نون اور قالب بن یوقنا خلیفہ ہوئے اسی طرح بعد وفات نبی ابوبکرؓ اور عمرؓ خلیفہ ہوئے۔ گویا یہ حدیث شیعہ کی تردید کر رہی ہے نہ کہ ان کے مدعا کی اس سے تائید ہوتی ہے۔

شیعہ کی چوتھی دلیل

قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَااَیُّهَاالنَاسُ اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُم الثَّقَلَیْن کِتَابُ اللّٰهِ وَ عِتْرَتِیْ اِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِهِمَا لَنْ تَضِلُّوْ بَعْدِیْ.

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں چھوڑے جاتا ہوں تم میں دو وزنی چیزیں۔ کتاب اللہ اور اپنے اقارب کو۔ اگر تم ان کی اتباع کرو گے میرے بعد کبھی گمراہ نہ ہو گے۔

اس حدیث سے بھی شیعہ جناب امیرؓ کی خلافت بلافصل کا استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس سے خلافت آں جناب پر دلالت ہو۔

ہاں یہ امر تنقیح طلب ہے کہ شیعہ وسُنی ہر دو فریق سے کون فریق کتاب اللہ اور عترت رسول کی عزت کرتا ہے اور ان سے تمسک کرتا ہے اور کون فریق ان سے کوسوں دور پڑا ہے؟

ثقل اکبر:۔ قرآن پاک کی عزت اہل سنت والجماعت کے دلوں میں ہے وہ اس کی تلاوت میں شب و روز مصروف ہیں۔ حفظ قرآن اہل سنت کے مردوں عورتوں بچوں بوڑھوں کا معمول ہے۔ برخلاف اس کے شیعہ حضرات اس کو صحیح ہی نہیں سمجھتے بلکہ اس کو محرف ناقص پُر از اغلاط سمجھتے ہیں جس قرآن کی انتظار میں ہیں اسکی زیارت خواب میں بھی نصیب نہیں۔ غرض شیعہ کے دلوں میں بوجہ عناد جامع القرآن حضرت عثمانؓ کی بالکل عزت نہیں ہے اسی لئے حفظ قرآن کی نعمت سے بالکل محروم ہیں۔ برخلاف اس کے کہ اہل سنت میں ہزاروں حافظ قرآن موجود ہیں جو رات دن تلاوت قرآن میں مصروف رہتے ہیں اور سال بھر میں نماز تراویح میں سنیوں کی ہر ایک مسجد میں قرآن ہوتا ہے لیکن شیعہ تراویح کے سرے سے ہی منکر ہیں اس لئے ختم قرآن کیوں کریں۔

وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ

ثقل اصغر:۔ عترت رسول کی عزت اہلسنت والجماعت کے دلوں میں ہے۔ ہم عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا اپنا دین اور ایمان سمجھتے ہیں اور کسی بزرگ پر طعن دراز کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔ لعنت تبرا بازوں کو مبارک ہو۔ ہم تو رَحْمَةٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ کی امت ہیں۔ کسی کو برا کہنا ہمارا شیوہ نہیں ہے اہلسنت کا دل آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے کہ زنگ کینہ و بغض اس کو مکدر کر نہیں کرسکتا۔

کفر است در طریقت ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چو آئینہ داشتن

ہاں روافض کی زبان طعن سے نہ اپنا بچ سکتا ہے نہ بیگانہ۔ عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سلوک کرتے ہیں۔ اس سے توبہ۔

توہین عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آپ کے خویش واقارب ہیں۔ شیعہ، عائشہؓ صدیقہ، حفصہؓ کو معاذ اللہ کافر و منافق کہتے ہیں۔ تحفۃ العوام جلد ا ص ۲۰ میں ہے۔
کتاب تہذیب میں وارد ہے کہ جائے نماز سے نہ اٹھو جب تک کہ بنوامیہ پر لعنت نہ کرو۔ مُرادان سے چار مرد ہیں کہ حق مرتضٰی کا چھین لینا۔ محسنؓ کو شہید کیا۔ نسبت نبی کی اتہام بہ ہذیان کیا اور چار عورتیں ہیں کہ آزار پہنچایا۔ نسبت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی۔"

اسی صفحہ پر آگے ایک دعا لکھی ہے۔ جس کے آخری الفاظ یہ ہے:

وَابَرّاَمِنْ فَلَانٍ وَفُلَانٍ وَفَلَانَةٍ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَعَلٰى اولياءِ هِمْ۔

ترجمہ:۔ "میں بیزار ہوں فلاں، فلاں مرد اور فلاں، عورت سے۔ لعنتِ خدا ہو ان پر اور ان کے دوست رکھنے والوں پر" حاشیہ پر لکھا ہے کہ بجائے فلاں کے نام ان کے لئے جنہوں نے حق مرتضٰی کا چھین لیا۔

سُنی بھائی توجہ کریں

جو سُنی بھائی ایسے روافض سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں اور ان کو اپنا مسلمان بھائی تصور کرتے ہیں وہ غور کریں کہ جو لوگ تمہارے بزرگان دین اصحاب و ازواج رسول سے یہ سلوک رکھتے ہوں کہ ہر ایک نماز کے بعد ان کے نام لے لے کر لعنت و تبرا کرنا ان کا یومیہ ورد ہو اور ان بزرگان دین پر ہی لعنت نہیں کرتے بلکہ ان لوگوں کو بھی اس میں شامل کرتے ہیں جو ان سے محبت رکھتے ہیں یعنی تمام اہلسنت و الجماعت مسلمانوں کو، پھر حیف ہے کہ غیور سُنی ایسے بدطینت اشخاص کو اپنا دوست بنائے جو عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر دشمنی رکھتے ہوں اور سنیوں سے ان کو ایسا بیر ہو۔

سُنّی کا جنازہ

کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اوّل تو سُنّی کا جنازہ نہ پڑھا جائے اگر بضرورت پڑھے تو بجائے دعا کے میت پر بددعا کرے۔ چنانچہ تحفۃ العوام جلد ا ص ۱۳۸ میں ہے۔

''اور اگر میت [1] سُنّی خلاف مذہب ہو [2] اور بضرورت نماز پڑھنا پڑے تو بعد چوتھی تکبیر کے کہے۔[اَللّٰھُمَّ اَخْزِ عَبْدَكَ فِیْ عِبَادِكَ وَبِلَادِكَ اَللّٰھُمَّ اَصْلِهٖ حَرَّ نَارِكَ اَللّٰھُمَّ اَذِقْهُ اَشَدَّ عَذَابِكَ] ترجمہ:۔اے خدا اس بندے کی میت کو اپنے بندوں میں اور اپنے شہروں میں ذلیل و رسوا کر۔ اے خدا اس کو نار جہنم سے جلا اے خدا اس کو سخت ترین عذاب دے۔

سُنّیو ! جانتے ہو یہ لوگ تمہارے جنازوں میں شامل ہو کر میتوں سے کیا سلوک کرتے ہیں تم اس بات کو گوارا کر سکتے ہو؟ کہ ایک شخص تمہارے عزیز یا بزرگ کی میت کے جنازہ پر کھڑا ہو کر اس کے لئے بددعائیں کرے کہ خدایا اسے جہنم میں داخل کر اور سخت سے سخت عذاب میں مبتلا کر۔ عبرت

نہ آنے دیجو انہیں لاش پر خدا کے لئے　　نماز پڑھنے جو آئیں گے بددعا کے لئے

---

[1] یہ عبارت پرانے مطبع کی تحفۃ العوام کی ہے۔ جو مصنف کے پاس موجود ہے جدید طبع میں یار لوگوں نے کچھ ترمیم کر دی ہے۔

[2] پرانے مطبع کی تحفۃ العوام میں جو ہمارے پاس موجود ہے اس میں ''سُنّی میت یا خلاف مذہب ہو'' لکھا ہوا ہے۔ لیکن دوسری تحفۃ العوام میں جو تازہ نولکشور میں طبع ہوئی ہے اس میں یوں لکھا ہے۔ '' اگر میت شیعہ نہ ہو اور دشمن اہل بیت ہو الخ'' ص ۲۱۵۔ مطلب دونوں عبارتوں کا ایک ہے۔ کیونکہ سنیوں کو جو شیعہ نہیں یہ لوگ معاذ اللہ دشمن اہل بیت سمجھتے ہیں۔ یہ نوٹ لکھنے کی ضرورت اس لئے لاحق ہوئی کہ پرانے مطبع کی کتاب نہ ملنے کی وجہ سے یہ لوگ دھوکہ دے سکتے ہیں کہ تحفۃ العوام ص ۱۳۸ میں یہ عبارت کہاں لکھی ہے؟ فافھم۔ شیعہ کے مشہور مناظر مرزا احمد علی امرتسری نے جس کو علامہ حائری لاہوری کا نفس ناطقہ کہا جا سکتا ہے بمقدمہ مسجد پنڈ دادنخان عدالت دیوان سیتارام صاحب سینیئر جج جہلم میں اپنے حلفی بیان میں لکھا کہ جو شخص حضرت علی کو گالیاں دے وہ بھی مسلمان ہے۔

پھر عترت رسولؐ میں سے آنحضرت ﷺ کی تین لڑکیوں، ام کلثومؓ، رقیہؓ، زینب کو اولادِ رسول ﷺ سے ہی خارج کر دیتے ہیں۔ یہ کس قدر توہین و ہتک عترت رسول ﷺ ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، فاطمۃ الزہراؓ، حسنین رضی اللہ عنہما سے اگرچہ بظاہر محبت کا ادّعا ہے لیکن ان کی توہین و ہتک کا بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ بوقت ضرورت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گالی گلوچ دے لینا جائز کیا گیا ہے۔ چنانچہ اصولِ کافی ص ۴۸۴ میں ہے۔ ان علیا علیہ السلام قال علی منبر کوفۃ یا ایھا الناس ستدعون الی شئی فسبونی (ترجمہ) حضرت علی نے کوفہ میں منبر پر بیٹھ کر فرمایا۔ لوگو! تمہیں میری سب وشتم کی طرف بلایا جائے گا۔ پس تم مجھے گالی گلوچ دے لینا) واہ چہ خوش! ان تقیہ بازوں کو خدا ہدایت دے۔ جھوٹ میں بھی عبادت ہے۔

کیا جو جھوٹ کا شکوہ تو یہ جواب ملا ۔۔۔ تقیہ ہم نے کیا تھا ہمیں ثواب ملا

پھر حضرت علیؓ کی شان میں کس قدر افراط وتفریط سے کام لے کر ان کی ہجو ملیح و ہتک صریح کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہجو ملیح

طفولیت کا معجزہ شیعہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ ابھی شیر خوار بچے تھے کہ مکہ میں اژدہا نمودار ہوا جس کا سر مثل پہاڑ کے تھا۔ چار سو گز لمبا تھا۔ دانت چار چار بالشت لمبے، منہ بیس گز چوڑا اور گہرائی میں غار کی طرح تھا۔ اس نے ایک دن شہر کا رخ کیا سب لوگ مارے ڈر کے جنگلوں میں بھاگ گئے اژدہا سیدھا حضرت کی طرف آیا۔ آپ نے لیٹے لیٹے اس کو سر سے پاؤں تک چیر دیا۔ خون کا دریا جاری ہو گیا۔ اژدھے کے دو ٹکڑے بچے کے گہوارے کے دونوں طرف ایسے پڑے ہوئے تھے جیسے پہاڑ کے دو ٹکڑے، آٹھ سو آدمیوں نے بمشکل ان کو اٹھا کر شہر کے باہر پھینکا اور جناب امیر کی تحسین و آفرین کا غلغلہ بلند ہوا (فضائل مرتضوی ص ۲۱، ۲۲)

دوسرا معجزہ:۔ خیبر کی لڑائی میں یہود کی طرف سے ایک جوان مرحب نامی حضرت علیؓ کے مقابل آیا۔ آپ نے جو تلوار ماری اس کو دونیم کرتی ہوئی زمین پر اور وہاں سے اُتر کر گاؤ زمین تک پہنچی حال زمین کو چیرنے کو تھی کہ جبرائیل نے پر نیچے بچھائے جو کٹ کر پرے جا پڑے ۔

زیں کو جلا کے پشت فرش پر کیا گذر ۔۔۔ دو کر کے زین خاک پر آئی وہ شعلہ ور
سیماب کی طرح نہ کہیں دم لیا مگر ۔۔۔ پہنچا زمین سے گاؤ زمین پر بہ کروفر
بیٹھی تو پاس پیک جدائے جلیل کے ۔۔۔ اُٹھی تو کاٹتی ہوئی پر جبرئیل کے

نیز سید نعمت اللہ جزائری نے انوار نعمانیہ میں یوں لکھا ہے۔

رَوَی الْبُرْسِیُّ فِیْ کِتَابِہٖ لَمَّا وَصَفَ وَقْعَةَ خَیْبَرَ وَاَنَّ الْفَتْحَ فِیْهَا کَانَ عَلٰی یَدِ عَلِیٍّ اَنَّ جِبْرَائِیْلَ جَآءَ اِلَی رَسُوْلِ اللّٰهِ مُسْتَبْشِرًا بَعْدَ قَتْلِ مَرْحَبٍ فَقَالَ النَّبِیُّ عَنْ اسْتِبْشَارِہٖ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ عَلِیًّا لَمَّا رَفَعَ السَّیْفَ لِیَضْرِبَ بِہٖ اَمَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اِسْرَافِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ اَنْ یَقْبِضَا عَضُدَ هُمَا فِی الْهَوَاءِ حَتّٰی لَایَضْرِبَ بِکُلِّ قُوَّتِہٖ مَعَ هٰذَا قَسَمَهٗ نِصْفَیْنِ وَکَذَا مَاعَلَیْهِ مِنَ الْحَدِیْدِ کَذَا فَرَسَهٗ وَوَصَلَ السَّیْفُ اِلٰی طَبَقَاتِ الْاَرْضِ فَقَالَ لِیَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ یَاجِبْرَائِیْلُ بَادِرْ اِلٰی تَحْتِ الْاَرْضِ وَامْنَعْ سَیْفَ عَلِیٍّ عَنِ الْوُصُوْلِ اِلٰی ثَوْرِ الْاَرْضِ حَتّٰی لَا تَنْقَلِبُ الْاَرْضُ فَمَضَیْتُ فَاَمْسَکْتُهٗ وَکَانَ عَلٰی جَنَاحِیْ اَثْقَلَ مِنَ الْمَدَائِنِ قَوْمِ لُوْطٍ وَهِیَ سَبْعُ مَدَائِنَ قَطَعْتُهَا مِنَ الْاَرْضِ السَّمَاوَرَفَعْتُهَا فَوْقَ رِیْشَةٍ وَاحِدَةٍ مِنْ جَنَاحِیْ اِلٰی قُرْبِ السَّمَآءِ وَبَقِیْتُ مُنْتَظِرَ الْمَرِ الْیَوْقْتِ السَّحَرِ حَتّٰی اَمَرَنِیَ اللّٰهُ بِقَلْبِهَا فَمَاوَجَدْتُ لَهَا ثِقْلًا کَثِقْلِ سَیْفِ عَلِیٍّ فَسَئَلَهُ النَّبِیُّ لِمَ لَمْ تَقْلِبْهَا مِنْ سَاعَةٍ رَفَعْتَهَا فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ کَانَ فِیْهِمْ شَیْخٌ کَافِرٌنَائِمٌ عَلٰی قَفَاهُ وَ شَیْبَتُهٗ اِلَی السَّمَآءِ فَاسْتَحْیٰ

اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ اَنْ یُعَذِّبَھُمْ فَلَمَّا اَنْ کَانَ وَقْتَ السَّحْرِ الْقَلْبِ ذٰلِکَ الشَّائِبَ عَنْ قِفَاہُ فَاَمَرَنِیْ بَعْدًا بِھَا.

ترجمہ:۔'' برسی نے اپنی کتاب میں راویت کی ہے جبکہ اس نے خیبر کا واقعہ بیان کیا اور یہ کہ وہ حضرت علیؓ کے ہاتھ پر فتح ہوا، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام مرحب کے قتل ہو جانے کے بعد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بشارت دی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ کیسی بشارت ہے۔ پس جبرائیل نے عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت علیؓ نے مرحب کے مارنے کے لئے تلوار اُٹھائی تو اللہ نے حضرت اسرافیلؑ اور حضرت میکائیلؑ دونوں کو حکم دیا کہ وہ ہوا میں حضرت علیؓ کا ہاتھ تھام لیں تا کہ پورے زور سے تلوار نہ مارنے پائیں۔ اور باوجود اس کے انہوں نے مرحب کو دو ٹکڑے کر دیا، اور اسی طرح اس کی آہنی زرہ اور اس کے گھوڑے کو بھی دو نیم کر دیا اور تمام طبقات تک اتر گئی تو مجھے اللہ تعالیٰ سُبحانہ نے حکم دیا کہ جبرائیل زمین کے نیچے فوراً پہنچو اور حضرت علیؓ کی تلوار روک لو، تا کہ وہ گاؤ زمین کو نہ کاٹ ڈالے تا کہ زمین زیر و زبر نہ ہو جائے۔ پس میں گیا اور اس کو روک لیا اور تلوار میرے پروں پر قوم لوط کے شہروں سے بھی زیادہ بھاری تھی۔ حالانکہ وہ سات شہر تھے، جن کو میں نے ساتویں زمین سے اکھیڑا اور اپنے بازوں کے ایک پَر پر آسمان کے قریب تک اُٹھا لیا تھا اور میں حکم کی انتظار میں سحر تک ٹھہرے رہا۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان کے الٹ دینے کا حکم فرمایا، لیکن میں نے اُن کا بوجھ حضرت علیؓ کی تلوار کے بوجھ کے برابر نہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تو نے اُٹھانے کے وقت ہی کیوں نہ الٹ دیا۔ تو جبرائیل نے عرض کیا کہ اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس لے کہ ان لوگوں میں ایک بوڑھا کافر پیٹھ کے بل سویا ہوا تھا اور اس کے بال سفید آسمان کی طرف تھے اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کو ان کے عذاب دینے سے شرم آئی اور پھر جب سحر کا وقت ہوا بوڑھے نے

کروٹ بدلی تو خدا تعالیٰ نے مجھے ان کو عذاب دینے کا حکم فرمایا‘‘

شیعہ صاحبان کو ایسی دور از عقل و قیاس روایت لکھنے سے شرمانا چاہئے، کیا یہ جناب شجاعت مآب کی تعریف ہے، یا آپ کی نسبت تمسخر ہے، تعجب ہے کہ تلوار کا وجود زیادہ سے زیادہ تین چار فٹ ہوگا پھر وہ کس طرح ساتویں طبقات زمین کو چیر کر گاؤ زمین تک جا پہنچی۔ باوجود یہ کہ جناب ممدوح نے اپنی پوری قوت سے بھی تلوار نہ چلائی تھی پھر اس کا ثقل جبرائیل کے بازؤں پر، حضرت لوط علیہ السلام کے سات شہروں کی زمینوں سے جو ساتویں طبقہ تھیں، کر جبرائیل نے سحر تک اُٹھائے رکھا۔ کس طرح زیادہ ہو گیا پھر حق تعالیٰ کو جب اس امر کا علم تھا کہ جناب امیرؓ کی تلوار اس قدر غضب ڈھانے والی ہے تو بجائے اس کے کہ اسرافیل و میکائیل کو ہوا میں ان کے بازو تھام رکھنے اور جبرائیل کو ساتویں زمین کے نیچے جا کر سیف علیؓ کی زد سے زمین کو بچانے کا حکم دے۔ جناب امیرؓ کے دل ہی میں القاء کیا جاتا کہ تلوار چلاتے وقت ذرا رحم سے کام لینا۔ ایسا نہ ہو کہ سیف علیؓ طبقاتِ ارض کو چیر کر گاؤ زمین کے ٹکڑے ہی کر ڈالے اور زمین تہ و بالا ہو جائے۔

ایسا ہی جنات سے لڑائی وغیرہ دور از عقل کہانیاں بیان کی گئی ہیں جن کو پڑھ کر مخالفین اسلام مضحکہ اڑاتے ہیں پھر اس کے مقابلے میں جب تفریط سے کام لے کر آپ کی شان گھٹانے لگتے ہیں تو خارجیوں سے بھی بڑھ جاتے ہیں۔

حضرت علیؓ کی ہتکِ صریح

حضرات شیعہ جناب امیرؓ کی شجاعت کے اِس قدر افسانے بیان کرنے کے باوجود جب دوسرا پہلو بدلتے ہیں تو جناب شجاعت مآب کو ایسا نکما اور بزدلانہ بنا دیتے ہیں کہ مخالفین آپ کو گلے میں رسی ڈال کر بیعت ابوبکرؓ کے واسطے گھسیٹ لے جاتے ہیں اور معاذ اللہ خاتون جنت کے شکم محترم پر دروازہ گرا کر محسنؓ کو شہید کر دینے کی روایات بیان کر کے توہین عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ادا کرتے ہیں۔ چنانچہ جلاء العیون اردو ص ۱۵۲ میں ہے۔

"پس اشقیائے امت گلوئے مبارک جناب امیر میں ریسماں ڈال کر مسجد میں لے گئے" اور بروایت دیگر جب دروازہ پر پہنچے اور جناب فاطمہؓ پر مارا کہ بازو جناب سیدہ کا شکستہ ہو گیا اور سُوج گیا مگر پھر بھی جنابِ فاطمہؓ نے جناب امیرؓ سے ہاتھ نہ اُٹھایا اور ان اشقیاء کو گھر میں آنے سے منع کیا یہاں تک کہ دروازہ شکم جناب فاطمہؓ پر گرا دیا اور پسلیوں کو شکستہ کیا اور اس فرزند کو جو شکم میں جنابِ فاطمہؓ کے تھا اور حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام محسن رکھا تھا شہید کیا۔"

اب جائے غور ہے اس سے زیادہ توہین عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہو سکتی ہے؟ کہ اصحاب کو بدنام کرنے کے لئے ایسی روایات وضع کی جاتی ہیں۔ جو حضرت علیؓ اور خاتونِ جنت کی غایت درجہ کی توہین کا باعث ہیں۔ کیا کوئی عقلمند شخص ایک منٹ کے لئے بھی یقین کر سکتا ہے کہ اگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خاتونِ جنتؓ جگر گوشہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں ہتک کرتے تو کوئی متنفس بھی ان کی بیعت اختیار نہ کرتا۔ اور جناب امیرؓ خاتونِ جنت کی اس درجہ توہین دیکھ کر خاموش رہ سکتے یا خود مر جاتے یا خصم کو مار دیتے۔ اور یہ کس کی جرأت تھی کہ شیرِ خدا کی گردن میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر لے جائے اور آپ چُوں تک نہ کریں۔

بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات دوستی کے پردہ میں جس قدر دشمنی اہل بیت سے کرتے ہیں ایسے خارجی بھی جرأت نہیں کرتے۔

کیوں دوستی کے پردہ میں کرتے ہو دشمنی
کیوں دامن ادب کی اُڑاتے ہو دھجیاں

حضرت علیؓ کا ناطقِ فیصلہ

حضرت علی المرتضیٰؓ نے شیعہ وسُنی سوال کا صاف الفاظ میں ناطق فیصلہ فرما دیا ہے:۔ چنانچہ نہج البلاغۃ ص ۱۹۹ وایضاً مطبوعہ طہران ص ۱۷۸ میں ہے:۔

سَیَهْلِکُ فِیَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ تَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ غَیْرِ الْحَقِّ وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ تَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ وَ خَیْرُ النَّاسِ فِیَّ حَالاً النمط الاَوسط فَالْزَمُوا السَّوَادَ الْاَعْظَمَ فَاِنَّ یَدَ اللّٰهِ عَلَی الْجَمَاعَةِ وَاِیَّاکُمْ وَالْفُرْقَةُ فَاِنَّ الشَّاذَ مِنَ النَّاسِ لِلشَّیْطَانِ کَمَا اَنَّ الشَّاذ مِنَ الْغَنَمِ لِلذِّئْبِ اَلا مَنْ دَعَا اِلٰی هٰذَا الشِّعَارِ فَاقْتُلُوْهُ وَلَوْ کَانَ تَحْتَ عِمَامَتِیْ هٰذِهٖ]

ترجمہ:۔"دو فریق میرے بارہ میں ہلاک ہو جائیں گے۔محبّ دوستی میں افراط (غلو) کرنے والا کہ اس کو یہ دوستی حق سے دور لے جائے اور دشمن دشمنی میں افراط کرنے والا کہ اسکو یہ عناد حق سے دور کر دے۔خوشحال انسان میرے بارہ میں وہ ہیں جو میانہ روی اختیار کرتے ہیں تم اسی جماعت کے تابع ہو جاؤ اور بڑی جماعت کی اتباع کرو۔کیونکہ خدا کا ہاتھ بڑی جماعت کے سر پر ہے۔تفرقہ سے باز آجاؤ کیونکہ جماعت سے علیحدہ ہونے والا انسان شیطان کا شکار ہوتا ہے جیسا کہ ریوڑ سے الگ ہونے والی بکری بھیڑیئے کا شکار بنتی ہے۔خبردار جو تمہیں جماعت سے علیحدگی کی دعوت دیں ان کو قتل کر دو اگرچہ میری اس دستار کے نیچے ہوں۔

جنابِ امیرؓ نے اپنے خطبہ میں حقانیت مذہب اہل سنت والجماعت پر مہر کر دی ہے اور رافضیوں اور خارجیوں کے مذہب کو مردود قرار دیا ہے کیونکہ رافضی محب مفرط ہیں جو جناب امیرؓ اور دیگر ائمہ کو مثل انبیاء معصوم سمجھتے ہیں اور حضرت علیؓ کو دیگر انبیاء سے افضل اور نبی آخر الزمان ﷺ کا ہم پلہ سمجھتے ہیں رافضیوں میں ایسے فرقے بھی ہیں جو جناب امیرؓ کی رسالت بلکہ الوہیت کے بھی قائل ہیں (اس کی تفصیل آگے آئے گی)۔اور حال کے شیعہ اگرچہ بظاہر آپ کی الوہیت کے قائل نہیں تاہم اوصاف ایسے بیان کرتے ہیں جو آپ کو درجہ الوہیت پر پہنچا دیتے ہیں۔چنانچہ علم ماکان و مایکون ان کو حاصل ہونا، اشیائے حلال وحرام کرنے کا اختیار، موت وحیات پر اختیار وغیرہ وغیرہ بہت سے اوصاف ہیں جو شانِ

الوہیت تک پہنچا دیتی ہیں اِس لئے بقول جناب امیرؓ یہ مذہب باطل ہے۔ ایسے ہی خارجی جو جناب امیرؓ سے اِس درجہ بغض رکھتے ہیں کہ آپ کو مشرک و کافر قرار دیتے ہیں۔ وہ بھی مردود ازلی ہیں۔ ہاں نمط اوسط میانہ روی اختیار کرنے والا مذہب اہلسنت و الجماعت ہے جو جناب امیرؓ سے محبت رکھتے ہیں لیکن شانِ نبوت والوہیت تک پہنچانا کفر جانتے ہیں اور آپ سے بغض رکھنا بھی کفر و الحاد سمجھتے ہیں۔ اس لئے یہی مذہب جناب امیرؓ کے نزدیک مذہب برحق ہے۔

دوم:۔ جناب امیرؓ نے کھلے الفاظ میں فرمادیا ہے۔ کہ مذہب حق وہ ہے جس طرف مسلمانوں کا سوادِ اعظم (بڑا گروہ) ہے اب یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ روافض و خارجی بمقابلہ مسلمانانِ اہل سنت والجماعت آٹے میں نمک بھی نہیں ہیں اور اسلام کا سوادِ اعظم (بڑی جماعت) یہی مذہب اہلسنت رکھتا ہے۔ اس لئے حسب فیصلہ امیرؓ یہی لوگ اہل حق ہیں اور خدائے واحد کا دست فضل اسی بڑی جماعت کے سر پر ہے اور اس مذہب سے علیحدگی اختیار کرنے والے بشہادت جناب امیر شیطان کے متبع ہیں۔ اگرچہ وہ کتنے ہی محبانِ علیؓ کہلاتے ہوں، کیونکہ آپ نے بالتصریح فرمایا ہے کہ جو تمہیں اس بڑی جماعت سے علیحدگی کی طرف مدعو کرے وہ واجب القتل ہے اگرچہ میری دستارِ مبارک کے زیر سایہ ہونے کا مدعی یعنی حب علی کا دعویدار ہو۔

اُمید ہے کہ جناب امیرؓ کے اس ناطق فیصلہ کے ہوتے ہوئے سُنی و شیعہ نزاع کے فیصلہ کے لئے اور کسی مزید دلیل کی ضرورت نہ ہوگی۔ ہاں جن لوگوں کی قسمت میں ضد اور ہٹ لکھی ہے وہ ایسے روشن دلائل سے بھی فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ۔۔۔ بآبِ زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

ائمہ اہل بیت کی توہین

جناب امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ اور خاتونِ جنتؓ سے روافض کے سلوک کا ذکر ہو چکا ہے دیگر ائمہ اہل بیت سے بھی شیعان علی نے ایسا ہی سلوک کیا ہے۔

حضرت امام حسنؓ

جناب امیر کے خلف اکبر حضرت امام حسنؓ سے حضرات شیعہ اِس لئے ناراض ہے کہ آپ نے امیر معاویہؓ سے صلح کر کے مسلمانوں کو گشت وخون سے بچالیا۔ جناب ممدوح اپنے شیعہ کے جوروستم کی جس قدر حکایت کرتے ہیں۔ ذیل کی روایات سے ظاہر ہے۔

(۱) جلاء العیون ص ۲۶۸ میں ہے: "جب ان منافقین نے یہ کلام حضرت سے سُنا اور ایک نے دوسرے پر نظر کی اور کہا اس کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو معاویہؓ سے صلح منظور ہے اور چاہتے ہیں کہ منصب خلافت معاویہؓ کو دلائیں پس سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا۔ معاذ اللہ! یہ شخص مثلِ پدر کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوا کر دیا اور اسباب امام حسنؓ کا لوٹ لیا۔ یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور رداءِ دوش مبارک سے اُتار لی"۔

(۲) جلاء العیون ص ۲۷۶۔ حضرت نے فرمایا بخدا سوگند اس جماعت سے میرے لئے معاویہؓ بہتر ہے۔ یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادۂ قتل کیا اور میرا مال لوٹ لیا۔ بخدا معاویہؓ سے میں عہد لوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل وعیال میں ایمن ہو جاؤں، اُس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں اور میرے اہل وعیال وعزیز واقارب ضائع ہو جائیں۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہؓ سے جنگ کروں یہی لوگ مجھے پکڑ کر معاویہؓ کو دے دیں۔

(۳) اسی کتاب کے صفحہ ۲۷۷ میں ہے۔ "شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقرؒ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسنؓ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے، ناگاہ ایک سوار آیا کہ اُسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے اس نے کہا۔ [اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ یَا مُذِلَّ الْمُؤْمِنِیْنَ] (اے ذلیل کنندۂ مومنان)

ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ شیعان علیؓ نے ان کے خلف اکبر حضرت امام حسنؓ سے کیا سلوک کیا صرف اس جرم پر کہ معاویہؓ سے صلح کرتا ہے۔ ان کو اور ان کے قبلہ

جناب امیرؓ کو معاذ اللہ کافر کہا۔ بلوہ کر کے ان پر ٹوٹ پڑے، مال لوٹ لیا اور آپ کے پاؤں کے نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا اور دوش مبارک سے چادر اتالی۔ پھر ایک مخلص نے آپ کو ذلیل کنندہ مومناں کا خطاب دیا۔ یہ تو ان شیعوں کے کرتوت تھے جنھوں نے آپ کا جمال اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر حال کے شیعہ کا کیا کہنا۔

متاخرین شیعہ

متاخرین شیعہ جو جو باتیں جناب ممدوح کی طرف منسوب کرتے ہیں وہ کسی شُہدے اوباش کی طرف منسوب کی جائیں تو وہ بھی ازالہ حیثیت عرفی کا استغاثہ دائر کر دے۔

چنانچہ متاخرین شیعہ کا سرگروہ ملا باقر مجلسی امام ممدوح کی نسبت یوں گوہرافشانی کرتا ہے:۔ جلاء العیون اردو ص ۲۸۰ میں ہے۔

روایت ہے کہ ایک روز امام حسنؓ مجلس معاویہؓ میں تشریف رکھتے تھے۔ مروان نے کہا۔ آپ کی مونچھوں کے بال جلد سفید ہو گئے ہیں۔ امام حسنؓ نے فرمایا سبب اس کا یہ ہے کہ بنی ہاشم کا دہن خوشبودار ہے اور ہماری ازواج بوجہ خوشبو استشمام کرتی ہیں اور ان کی ہوائے نفس سے ہمارے بال شارب کے سفید ہو جاتے ہیں اور چونکہ تم بنی اُمیہ گندہ دہن ہو۔ تمہاری ازواج تمہارے دہنوں سے احتراز کرتی اور اپنا منہ تمہارے رخسار کی جانب رکھتی ہیں اس لئے تمہارے رخسار جلد سفید ہو جاتے ہیں۔ پس مروان نے کہا۔ بنی ہاشم میں ایک خصلت بد یہ ہے کہ خواہش جماع زیادہ رکھتے ہیں۔ امام حسنؓ نے فرمایا۔ خواہش ہماری عورتوں سے سلب کر لی گئی اور وہ بھی مردوں میں اضافہ ہوئی اور تمہارے مردوں سے علیحدہ کر کے تمہاری عورتوں میں دی گئی ہے۔ اور یہی سبب ہے کہ زن اموبہ سوائے مرد ہاشمی دوسرے سے سیر نہیں ہو سکتی''۔

لاحول ولا قوۃ! ایسی فحش اور بیہودہ گفتگو تو اوباش لوگ بھی کرنے سے شرماتے ہیں یہ اُن پاک لوگوں کے ذمے افتراء ہے کہ وہ سرِ مجلس اجنبی لوگوں کے سامنے اپنی مستورات (ازواج) کی نسبت ایسی بے شرمی کی باتیں بیان کرتے تھے کہ وہ ہمارے منہ

کی خوشبو سونگھتی ہیں اوران کی نفسانی جذبات کے اثر سے ہمارے بال شارب سفید ہو جاتے ہیں اور پھر یہ مقدس لوگ دوسروں کی مستورات پر ایسا کمینہ حملہ کر سکتے ہیں کہ تمہاری عورتوں میں اس قدرت شہوت تیز ہوتی ہے کہ وہ ہاشمی مردوں کے سوا سیر ہی نہیں ہوتیں۔
اللہ اکبر! ایسے نادان دوستوں سے دانا دشمن اچھا ہوتا ہے۔

ترا اژدہا گر بود یارِ غار ازاں بہ کہ جاہل بود غم گسار

دیکھئے۔ تو شیعہ صاحبان جو بھنگ نوشوں کی مجلس میں دارے میں بیٹھ کر آپس میں یاوہ گوئی کیا کرتے ہیں اسی پر ان پاک نفوس کو بھی قیاس کرتے ہیں شرم! شرم!!

توبہ، توبہ، ناعاقبت اندیش راوی نے حضرت امام حسنؓ کی پاک ذات پر کیسا پاجیانہ حملہ کیا ہے کہ وہ سرِ اجلاس ایسی بدتہذیبی اور اخلاق سے گری ہوئی باتیں کیا کرتے تھے جو ہوا پرست بے تمیز مشٹنڈے تخلیہ میں بیٹھ کر باہم ایسی فحش گوئی کیا کرتے ہیں۔

مگر امام تو کیا! شیعہ حضرات تو انبیاء کو بھی ایسے الزام دینے سے دریغ نہیں کیا کرتے چنانچہ یہی حضرت ملا باقر مجلسی اپنی مصنفہ کتاب حیات القلوب جلد ا ص ۲۱ میں رقمطراز ہیں:۔ "بسند معتبر حضرت امام رضا منقول است کہ از اخلاق پیغمبران است خود را پاکیزہ کردن و خود را خوشبو کردن و بسیار جماع کردن و بسیار زناں داشتن"۔

ترجمہ:۔ امام رضا فرماتے ہیں کہ پیغمبروں کے اخلاق یہ ہیں: اپنے بدن کو پاکیزہ رکھنا، خوشبو لگاتے رہنا، بہت جماع کرنا اور بہت عورتیں رکھنا۔

لاحول ولاقوۃ: شہوت پرستی اور کثرت جماع پیغمبروں کے اخلاق میں شمار کیا جاتا ہے۔ شیعو! ہوش کرو اور مخالفین اسلام تمہاری یہ حالت دیکھ کر شانِ انبیاء وائمہ میں کیا کہیں گے؟ افسوس!

نے فروعت محکم آمد نے اصول شرم باید از خدا و از رسولؐ

قاتلان امام حسینؓ شیعہ تھے

سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ سے جو سلوک شیعہ نے کیا کتب

شیعہ اس پر شاہد ہیں کوفہ سے ہزاروں کی تعداد میں مراسلات بھیج کر امام علیہ السلام کو منگوایا۔ پہلے حضرت امام مسلم کو مع خورد سال بچوں کے شہید کیا۔ پھر امام حسینؓ کو انہی شیعہ حضرات نے بیدردی سے قتل کیا۔ چنانچہ جلاء العیون اردو جلد اص ۴۷۹ میں تصریح ہے۔

''پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسینؓ سے بیعت کی اور جنہوں نے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسینؓ پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے امام حسینؓ ان کی گردنوں میں تھیں کہ امام حسینؓ کو شہید کیا (اس مسئلہ کی تفصیل آگے آئے گی)

قاتلانِ امیر رضی اللہ عنہ شیعہ ہی تھے

اسی طرح امیر المومنین علی المرتضیٰؓ بھی شہر کوفہ میں جو شیعان علیؓ کا مرکز تھا ایک ملعون کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ چنانچہ جلاء العیون اردو ص ۲۲۲ میں درج ہے:۔

''پس جبرائیل نے کہا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بدرستیکہ آپ کا برادر علی بن ابی طالب بعد آپ کے مقہور و مظلوم ہوگا اور اس امت کے منافق اس پر غالب ہوں گے اور اس سے غصب خلافت کریں گے اور آخر میں بدترین خلائق و بدترین اولین و آخرین و نظیر پۓ کشندہ ناقہ صالح کے ہاتھ سے اس شہر میں جہاں ہجرت کرے گا وہاں شہید ہوگا اور وہ علی کے شیعوں اور فرزندان شیعہ کا محل و مسکن ہوگا۔

ابن ملجم قاتل جناب امیرؓ شیعہ تھا جس نے آں جناب سے بمنت و خوشامد بیعت کی تھی اور اپنے عہد و پیمان پر قسمیں کھائیں تھیں چنانچہ کتاب مذکور کے جلد اص ۱۹۹ میں ہے:۔

شیخ مفید وغیرہ نے بسند ہائے معتبر روایت کی ہے کہ جناب امیر نے لوگوں سے بیعت لی۔ اسوقت عبدالرحمٰن بن ملجم مرادی ملعون آیا کہ حضرت سے بیعت کرے۔ حضرت نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں آیا اور مرتبہ سوم میں حضرت سے اس نے بیعت کی۔ جب اس نے پیٹھ پھیری حضرت نے پھر اسے بلایا اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور عہد ہائے محکم اس ملعون سے

لئے۔الخ

نظم

اِن کوفیوں نے کیسی دغا دی امیرؓ کو
بن کر مُرید قتل کیا اپنے پیر کو

بدنام خارجی تو ہیں بغض و عناد میں
پر بڑھ گئے ہیں رافضی شر و فساد میں

مسلم کو بھی شہید کیا کر کے میہماں
مظلوم کو نہ ایک بھی شیعہ نے دی اماں

پھر کر دیا شہید جناب حسینؓ کو
ابن علیؓ رسولؐ کے اس نور عین کو

بلوایا کس نے آپ کو لکھ کر مراسلات
پھر کس نے ان سے روک لیا دجلہ وفرات

بھوکے پیاسے مار دیئے اہلبیتؓ سب
بن کر مرید پیر پہ ڈھایا تھا یہ غضب

قاتل جناب کے بھی روافض ہیں آہ آہ
اس پر کتابیں شیعہ کی ہیں سربسر گواہ

ماتم ہوا امام کا گھر میں یزید کے
ہیں ماتمی یہ گویا مرید اس عنید کے

اِس سنتِ یزید سے لائق ہے اجتناب
رونے میں پیٹنے میں نہ ہرگز ہے کچھ ثواب

صابر کو ملتا اجر ہے رب العباد سے
چھوڑے جو صبر رہتا ہے خالی مراد سے

کرنے سے جزع فزع کے ہوتا ہے بس گناہ
اس مسئلہ پہ سارے ائمہ بھی ہیں گواہ

مطلوب بس نصیحتِ احباب ہے دبیر
کینہ حسد سے اپنا مگر صاف ہے ضمیر

حضرت امام محمد باقر و جعفر صادق رحمہما اللہ تعالیٰ

ان حضرات پر تو شیعہ صاحبان کی انتہا سے زیادہ عنایت ہے بلکہ وہ اپنے مذہب کا دارومدار ہی حضرت امام جعفر و باقر علیہما السلام پر رکھتے ہیں۔ان حضرات کی نسبت جو جو اتہام شیعہ صاحبان نے لگائے ہیں سن کر تعجب آتا ہے۔

(۱) حضرت محمد باقر کی نسبت شیعہ کی معتبر کتاب من لاّ یحضرہٗ الفقیہ جلد۱ص۱۰ میں لکھا ہے:۔

دَخَلَ اَبُوْ جَعْفَرَ اَلْبَاقِرُفِیْ بَیْتِ الْخَلاءَ فَوَجَدَ لُقْمَۃً فِیْ الْقَذَرِ

فَاَخَذَهَا وَغَسَلَهَا و دَفَعَهَا اِلىٰ مَمْلُوكٍ كَان مَعَهٗ فَقَالَ تَكُوْنُ مَعَكَ لِاٰ ء كُلَهَا اِذَا خَرَجْتُ فَلَمَّا خَرَجَ قَالَ لِلْمَمْلُوْكِ اِيْنَ اللقُمَة ؟ قَالَ اَكَلْتُهَا يَا بْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ............

ترجمہ:۔"امام محمد باقر بیت الخلا (پاخانہ) میں داخل ہوئے تو وہاں ایک روٹی کا ٹکڑا گوبہ میں پڑا ہوا دیکھا آپ نے اُٹھا کر دھولیا اور اپنے غلام کے حوالہ کیا کہ اسے محفوظ رکھنا جب میں باہر نکلوں گا اسے کھاؤں گا۔ جب آپ باہر نکلے تو نوکر سے ٹکڑا مانگا اس نے کہا حضرت وہ تو میں نے کھالیا۔ آپ نے کہا جا میں نے تجھے آزاد کیا کیونکہ تو ٹکڑے کے کھانے سے جنتی ہو گیا اور جنتیوں سے خدمت نہیں لیا کرتے۔"

دیکھئے! یہ کیسا الزام امام والا مقام پر ہے کہ آپ گوبہ سے ملوث ٹکڑا کھالینا جائز سمجھتے تھے۔ بلکہ اس میں الٹا ثواب سمجھتے کہ کھانے سے جنت مل جاتی ہے۔

بھائی جنت تو پاک ہے۔ پھر ناپاک چیز کے کھانے سے کیسے مل سکتی ہے؟

(۲) کیا حضرت امام پہلے جنتی نہ تھے؟ گوبہ سے ملوث ٹکڑا کھا کر جنتی بننا چاہتے تھے؟

(۳) یہ بھی عجیب بات ہے کہ جنت ایسی ارزاں ہو گئی ہے کہ صرف ایسے متعفن لقمہ کھانے سے مل جاتی ہے بہر حال امام ہمام کی طرف ایسی روایت منسوب کرنا ان کی ذات اقدس کی از حد توہین ہے۔

[اَنَّ اَبَا جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلاَمُ كَانَ يَقُولُ مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلاَ يَدخُلُ الْحَمَّامَ اِلَّا بِمِيْزَرٍ قَالَ فَدَخَلَ ذَاتَ يَوْمِ الْحَمَّامَ فَتَنَوَّرَ فَلَمَّا اَنْ اَطْبَقَتِ النُّوْرَةَ عَلىٰ بَدْنِهٖ اَلْقَى الْمَيْزَرَ فَقَالَ لَهٗ مَولىً لَهٗ بِاَبِىْ اَنْتَ وَاُمِّىْ اِنَّكَ لَتُوْصِيْنَا بِالْمَيْزِ رِوَلْزُوْمِهٖ وَلَقَدْ اَلْقَيْتَهٗ عَنْ نَفْسِكَ فَقَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ النُّوْرَةَ اَطْبَقَتِ الْعَوْرَةَ]

(فروع کافی جز دوم جلد ۲ ص ٦١)

ترجمہ:۔ امام باقر علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں تہ بند باندھے۔ بغیر داخل نہ ہوا کرے۔ ایک روز آپ حمام میں داخل ہونے لگے تو اپنی شرمگاہ کو آپ نے چونہ لگا دیا جب چونہ لگا چکے تو تہ بند کھول کر پھینک دیا۔ غلام نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں آپ تو ہمیں تہ بند باندھنے کا ضروری حکم دیا کرتے تھے آج آپ نے تہ بند اتار کر پھینک دیا ہے۔ فرمانے لگے تجھے معلوم نہیں ہے کہ چونہ نے شرمگاہ کو چھپالیا۔

توبہ! توبہ آئمہ پاک کے ذمہ یہ کیسا افتراء ہے کہ لوگوں کو تہ بند باندھے حمام میں داخل ہونے کا حکم دیتے تھے اور خود شرمگاہ کو چونہ لگا کر تہ بند پھینک اپنے غلام کے سامنے ننگ دھڑنگ کھڑے ہوئے اور اس کے معترض ہونے پر یہ جواب باثواب دیا کہ چونہ لگا لینا ستر عورت کیلئے کافی ہے۔ کیا ایسی حرکت بھی کوئی باحیا آدمی کر سکتا ہے؟ ایسی بیہودہ روایات آپ کے ذمے لگا کر آپ کی ہتک کی جاتی ہے۔ استغفر اللہ۔ ایک اور سنیئے۔

(۳) فروع کافی جلد ۲ جز دوم ص ۶۰ میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ حَسَنِ الْمَاضِی قَالَ الْعَورَۃِ عَوْرتَانِ الْقُبُلُ وَالدُّ بُرُ اَمَّا اَلدُّبُرُ فَمَسْتُوْرٌ بِالاُ لِیَتَیْنِ فَاِذا سُتِرَتْ الْقَضِیْبَ وَالْبَیْضَتَیْنِ فَقَدْ سَتَرْتَ الْعَورۃ وَقَالَ فِیْ رَوَایَۃِ اُخْرٰی فَاَمَّا الدُّ بُرُ فَقَدْ سَتَرتْہُ الاَلْیتَانِ فَاَمَّا الْقُبُلُ فاسْتُرْہُ بِیَدِکَ

ترجمہ:۔ امام ابو الحسن ماضی فرماتے ہیں کہ شرمگاہیں صرف دو ہیں۔ اگلی اور پچھلی۔ لیکن پچھلی تو خود چوتڑوں میں چھپی ہوئی ہے پس جب تو نے۔ ذکر اور خصیتین کو چھپالیا تو تو نے اپنی شرمگاہ کو چھالیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ دُبر کو تو چوتڑوں نے چھپالیا ہے اور اگلی کو فقط ہاتھ سے چھپالو بس ستر عورت ہو گیا۔

لاحول ولاقوۃ اِمامانِ پاک کا درجہ تو بہت رفیع ہے کوئی باحیا شخص ایسا حکم دے

نہیں سکتا کہ انسان سرتاپا ننگا صرف ذکر پر ہاتھ رکھ کر کھڑا ہو جائے۔

(۴) اسی فروع کافی جز دوم جلد ۲ ص ۶۱ میں ہے۔

[عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ النَّظْرُ اِلیٰ عَوْرَةِ مَنْ لَّیْسَ بِمُسْلِمٍ مِّثْلُ نَظْرِكَ اِلیٰ عَوْرَةِ الْحِمَارِ]

ترجمہ: امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ کافر مرد یا عورت کی شرمگاہ کو دیکھ لینا ایسا ہے جیسا گدھے کی شرمگاہ دیکھ لینے میں مضائقہ نہیں ہے۔

واہ چہ خوش! حضرات شیعہ اپنے ائمہ عظام کی طرف کیسے عجیب مسائل منسوب کرتے ہیں کہ مسلمان مرد اور عورت کی شرمگاہ تو چونہ سے ڈھانپ لینا چاہیے۔ ہاں کافر مرد عورت کی شرم گاہ دیکھا کرو جیسے گدھے کی شرمگاہ کو ستر نہیں ہے ستر کافر کا بھی وہی حکم ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نگاہ شوق کو حاصل ہے کیا کیا لطف نظارہ کہ عُریاں دیکھنا جائز ہے معشوقانِ کافر کو

اسی قسم کے عجیب وغریب مسائل اہلبیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں ان میں سے کسی قدر مسائل بطور مشت نمونہ خروار درج کیے جاتے ہیں۔

مسائل شیعہ جو آئمہ اہلبیت کی طرف منسوب کیے گئے ہیں

پہلا مسئلہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو بداء ہوتا ہے۔ یعنی معاذ اللہ وہ جاہل ہے اس کو سب باتوں کا علم نہیں اسی وجہ سے اس کی اکثر پیشنگوئیاں غلط ہو جاتی ہیں اور اس کو اپنی رائے بدلنا پڑتی ہے۔

یہ ایسا ضروری مسئلہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے برابر کوئی عبادت نہیں ہے چنانچہ اصول کافی ص ۸۳ میں مستقل باب ہی بداء کے متعلق باندھا گیا ہے۔ احادیث ذیل ملاحظہ ہوں۔

(۱) [عَنْ زُرَارَةَ بْنِ اَعْیَنَ عَنْ اَحَدِهِمَا قَالَ مَا عُبِدَ اللّٰهُ بِشَیْءٍ مِثْلِ الْبَدَاءِ]

(۲)[عَنْ مَالک الْجهنِیْ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاعَبْد اللّٰه یَقُوْلُ لَوْ عَلِمَ النَّاسُ مَافِی الْقَولِ بَا الْبَدَاءِ مِنَ الاَجْرِ مَافْتَروعَنِ الکلام فیه]

(۳)[عَنْ مَرَازِم بِنْ حَکِیْم قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ یَقُوْلُ مَاتَنَبَّاء نَبِیٌ قَطُّعتی بِقِرَّ اللّٰهِ بِخَمْسٍ بِالبَداء والْمشِیَّةِ والسُّجُودِ والْعَبُودیَّةِ والطَّاعَةِ]

(۱) ترجمہ: زراہ بن اعین نے حضرت امام باقر صادق سے روایت کی ہے کہ خدا کی عبادت بداء کے برابر کسی چیز میں نہیں۔

(۲) مالک جہنی کہتے تھے کہ امام صادق نے کہا۔ اگر لوگوں کو معلوم ہو کہ بداء کے اقرار کرنے میں ثواب ہے تو وہ اس سے باز نہ رہیں۔

(۳) مرازم بن حکیم راوی ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے کہا کسی نبی کو نبوت نہیں ملی جب تک اس سے پانچ چیزوں کا اقرار نہ لیا گیا ہو۔ بداء اور مشیت اور سجدہ اور عبودیت اور اطاعت کا۔

ان روایات سے بداء کا ضروری مسئلہ ہونا اس کا ثواب عظیم اعلیٰ عبادت میں داخل ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔ رہی یہ بات کہ بداء کیا چیز ہے؟ سو اس کے متعلق کتب لغت کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ کتب لغت میں لکھا ہے۔[بَدَءَ لَهٗ اَیْ ظَهَرَ لَهٗ مَالَمْ یَظْهَرْ] (فلاں شخص کو بداء ہوا یعنی وہ چیز معلوم ہوئی جو پہلے معلوم نہ تھی)

بداء کی مثالیں

شیعہ کی کتابوں میں بداء کے واقعات بہت مذکور ہیں ذیل میں دو واقعات کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) امام جعفر صادق نے بتایا کہ میرے بعد اللہ تعالیٰ نے میرے فرزند اسماعیل کو امامت کے لئے نامزد کیا ہے لیکن بعد میں فرمایا کہ بجائے اسماعیل کے موسیٰ کاظم کو خدا نے

امام بنا دیا ہے۔ جیسے کہ علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں روائیت کی ہے۔

[عَنْ جَعْفَرِ الصَّادِقِ اَنَّهُ جَعَلَ اِسْمَاعِيْلَ قَائِمَ مَقَامَهُ بَعْدَهُ فَظَهَرَ مِنْ اِسْمَاعِيْلَ مَالَمْ يَرْتَضِهِ فَجَعَلَ قَائِمَ مَقَامِهِ مُوْسىٰ فَسُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ بَدَاء لِلّٰهِ فِيْ اِسْمَاعِيْلَ مَابَدَاء اللّٰهِ فِيْ شيءٍ كَمَا بَدَاء لَهُ اِسْمَاعِيْلَ اِبْنِي.

ترجمہ:۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ انہوں نے اسماعیل کو اپنا قائم مقام اپنے پیچھے بنایا پھر اسماعیل سے کچھ ناپسندیدہ حرکت سرزد ہوئی تو پھر موسیٰ کاظم کو اپنا قائم مقام بنا دیا اس کی وجہ دریافت کی گئی تو امام نے فرمایا اسماعیل کے متعلق خدا کو بداء ہوا اور خدا کو پہلے ایسا بداء نہیں ہوا جیسا میرے بیٹے اسماعیل کے بارہ میں ہوا۔ ❶

دوسرا واقعہ:۔ امام علی نقی نے خبر دی ہے کہ میرے بعد میرا بیٹا محمد امام ہوگا لیکن شاید خدا کو علم نہ تھا کہ وہ باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے گا جب وہ نہ ہوا تو معاذ اللہ خدا کو رائے بدلنی پڑی۔ حسن عسکری امام ہوئے یہ واقعہ اصول کافی ص ۲۰۴ میں مذکور ہے۔

[عَنْ اَبِيْ الْهَاشِمِ الْجَعْفَرِيْ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ اَبِي الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ بَعْدَ مَامضىٰ اِبْنُهُ اَبُو جَعْفَرَ وَاِنِّي لَاَفِكْرفِيْ نَفْسِي

---

❶ تعجب ہے کہ حسب نوشتہ کتب شیعہ امام کی یہ علامت کہ وہ بجائے رحم کے ران سے پیدا ہوئے ہیں اور ان کی پیشانی پر آیت ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّ عَدْلًا﴾ لکھی ہوئی ہے نیز رسول علیہ السلام نے حضرت علی کو بارہ لفافے سربمہر کے نام بنام لکھ کر دیئے تھے جو جبرائیل درگاہ الٰہی سے لائے تھے، پھر حضرت امام کو مغالطہ کیسے لگا؟ اسماعیل بھی ران سے پیدا ہوئے ہوں گے۔ ان کے ماتھے پر آیت بھی لکھی ہوئی ہوگی اور لفافہ بھی ان کے نام کا موجود ہوگا پھر خدا کو بھی شناخت نہ ہوئی مگر اعلان کرنا پڑا کہ اسماعیل نہیں بلکہ موسیٰ کاظم امام ہونگے .... یاللعجب

اُرِیْدُ اَقُوْلَ کَاَنَّهُمَا اَعْنِیْ اَبَاجَعْفَرَ وَاَبَا مُحَمَّدٍ فِیْ هٰذَا اَلْوَقْتِ کَاَبِی الْحَسَنْ مُوْسیٰ وَ اِسْمَاعِیْلَ وَاِنَّ قِصَّتَهُ کَقِصَّتِهِمَا اِذْ کَانَ اَبُوْ مُحَمَّدِ الْمَرْجَا اَبِیْ جَعْفَرَ فَاَ قْبَلَ عَلیٰ اَبُو الْحَسَنَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَبْلَ اَنْ اَنْطِقَ فَقَالَ نَعَم یَا اَبَا هَاشِمٍ بدا لِلّٰهِ فِیْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ بَعْدَ اَبِیْ جَعْفَرَ مَالَمْ تَکُنْ تُعْرَفُ لَهُ کَمَا بَدَاءَ لَهُ فِیْ مُوْسیٰ بَعْدَ مَضِیْ اِسْمَاعِیْلَ مَا کَشَفَ بِهٖ عَنْ حَالِهٖ وَهُوَ کَمَا حَدَّثَتْکَ نَفْسُکَ فَاِنْ کَرِهَ الْمُبْطِلُوْنَ وَاَبُوْ مُحَمَّدٍ ابْنِی الْخَلَفُ مِنْ بَعْدِیْ عِنْدَهٗ عِلْمُ مَایُحْتَاجُ اِلَیْهِ وَ مَعَهٗ آیَةُ الْاِ مَامَةِ.

ترجمہ: ابوالہاشم جعفری سے روایت ہے کہتے ہیں کہ میں ابوالحسنؒ (امام تقی) کے پاس بیٹھا ہوا تھا جب ان کے بیٹے ابوجعفر (محمد) فوت ہو گئے اور میں اپنے دل میں خیال کر رہا تھا اور کہنا چاہتا تھا کہ محمد اور حسن عسکری کا معاملہ اسوقت موسیٰ کاظم اور اسماعیل کا سا ہے۔ ان دونوں کا واقعہ بھی ان دو کی طرح ہے۔ اچانک امام تقی میری طرف متوجہ ہو گئے۔ ابھی یہ بات کہنے نہ پایا تھا اور کہا کہ اے ابو ہاشم خدا کو ابو محمد یعنی حسن عسکری کے بارہ میں محمد کے بعد بداء ہوا۔ جو بات معلوم نہ تھی معلوم ہو گئی جیسا کہ خدا کو دربارۂ موسیٰ کاظم اسماعیل کے بعد بداء ہوا۔ جس سے اصل حقیقت ظاہر ہو گئی، اور یہ بات ویسی ہی ہے جیسے تم نے اپنے دل میں خیال کی، اگر چہ بدکار لوگ اس کو ناپسند کریں اور ابو محمد (حسن عسکری) میرے بعد میرا خلیفہ ہے اس کے پاس تمام ضرورت کی چیزوں کا علم ہے اور نیز اس کے پاس آیت امامت بھی ہے۔

اور یہ بات کہ بداء کے ماننے سے معاذ اللہ خدا کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔ خود علماء شیعہ نے تسلیم کرلیا ہے، چنانچہ مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ نے اپنی مصنفہ کتاب اساس الاصول ص ۴۱۹ میں تحریر کیا ہے:

[اِعْلَمْ اَنَّ الْبَدَاءَ لَایَنْبَغِیْ اَنْ یَّقُوْلَ بِهٖ اَحَدٌ لِاَنَّهٗ یَلْزَمُ اَنْ یَّتَّصِفَ

الْبَارِیْ تَعَالیٰ بِا لْجَھْلِ کَمَالَا یَخْفیٰ]
ترجمہ:۔ جاننا چاہئے کہ بداء کا قائل نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ اس سے باری تعالیٰ کا جاہل ہونا لازم آتا ہے۔

متاخرین شیعہ میں سے مولوی دلدار علی صاحب جیسے علماء مناظرین کو جب اہلسنت نے شرمندہ کیا تو کہنے لگے کہ بداء کا قائل نہ ہونا چاہئے لیکن شیعہ مولوی دلدار کو مانیں یا اصولِ کافی جیسی مستند اور مصدقہ امام مہدی کتاب حدیث کا اعتبار کریں؟ شیعہ بداء کے ماننے پر مجبور ہیں۔

ع آنچہ استاد ازل گفت ہماں مے گویم۔ نعوذ باللہ حضرات شیعہ خدا کے بداء کے قائل ہو کر خدا کو جاہل بتا رہے ہیں تو دوسروں کو کیا شکائیت۔

سمجھ میں ہی نہیں آتی ہے کوئی ذوق بات ان کی
کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟

دوسرا مسئلہ تقیہ

شیعہ کا ایک مسئلہ تقیہ کا ہے۔ کتب شیعہ میں اس کی بہت تعریف کی گئی ہے اور اس کو اعلیٰ عبارت میں شمار کیا گیا ہے۔ اصول کافی ص ۴۸۴ میں ہے۔[قَالَ اَبُوْجَعْفَر عَلَیہِ السَّلَام التقیّۃُ مِنْ دِیْنِیْ وَدِینَ اٰبَائی وَلَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا تقیۃ لَہٗ] (امام محمد باقر نے فرمایا ہے تقیہ میرا اور میرے باپ دادا کا دین ہے اور جو تقیہ نہ کرے اس کا کوئی ایمان ہی نہیں ہے۔

نیز اصول کافی ص ۴۸۲ میں ہے۔[قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَام یَا اَبَا عَمَرَانْ تِسْعَۃَ اَعْشَارِ الدِّیْنِ فِي التَقیَّۃِ وَلَا دِیْنَ لِمَنْ لا تَقِیَّۃَ لَہٗ] (صادق علیہ السلام نے فرمایا نو حصے دین کے تقیہ میں ہیں، جو تقیہ نہ کرے وہ بے دین ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اتنی بڑی عبادت شیعوں کا دین وایمان تقیہ چیز کیا ہے؟ واضح ہو کہ تقیہ کہتے ہیں خلاف حق (جھوٹ) بات کہنا اور حق کا اخفاء کرنا جیسا کہ روایت

ذیل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اصول کافی ص ۴۸۲ میں ہے۔

[عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامِ التَقِیَّۃِ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ قُلْتُ وَمِنْ دِیْنِ اللّٰہ قَالَ اِیْ و اللّٰہِ مِنْ دِیْنِ اللّٰہِ وَلَقَدْ قَالَ یُوْسُفُ ایتھَا الْعِیْرُ انکُمْ لِسَارِقُوْن و اللّٰہِ مَا کَانُوْ اسَرَقُوْا شیئاً وَلَقَدْ قَالَ ابْرَاھِیْمُ اِنِّی سَقِیْمٌ وَاللّٰہ مَا کَانَ سَقِیْماً]

ترجمہ:۔ ابوبصیر سے روایت ہے کہ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا تقیہ خدا کے دین سے ہے۔ راوی نے کہا کیا خدا کے دین سے ہے؟ امام نے فرمایا واللہ خدا کے دین سے ہے۔ یوسف نے کہا اے قافلہ والو! تم چور ہو [1]۔ بخدا انہوں نے کوئی چوری نہ کی تھی، اور ابراہیم تندرست تھے جھوٹ موٹ بیمار بن بیٹھے۔ حیات القلوب جلد ا ص ۴۳۰ میں ہے۔

و دو چند حدیث معتبر دیگر فرمود کہ تقیہ ہیچکس بہ تقیہ اصحاب کہف نمیرسد بدر ستیکہ ایشاں زنار مے بستند و بعید گاہے۔ مشرکان حاضر شدند پس خدا ثواب ایشاں بمضاعف گردانید۔

ترجمہ:۔ دوسری حدیث معتبر میں ہے کہ کسی شخص کا تقیہ اصحاب کہف کے تقیہ کے برابر نہیں ہو سکتا کہ جو جنجو پہنتے اور کفار کی عیدوں میں شامل ہوا کرتے تھے۔ اور خدا نے ان کا ثواب دو چند کر دیا ہے۔

---

[1] یہ غلط ہے کہ یوسف علیہ السلام نے ایسا کہا قرآن میں لکھا ہے۔ ﴿ثُمَّ اَذَّنَ مُوَذِّنٌ اَیَّتُھَا الْعِیْرُ اِنَّکُمْ لَسَارِقُوْنَ﴾ ترجمہ:۔ ''کسی پکارنے والے نے یہ پکار کی کہ قافلہ والو تم چور ہو۔ شیعہ کی قرآن دانی پر افسوس ہے کہ یہ بات حضرت یوسف کی طرف منسوب کر دی کیا کریں معذور ہیں۔ قرآن پر یقین ہو تو اس کو پڑھیں اور معانی سمجھیں۔ ایسا ہی ابراہیم علیہ السلام کا یہ کہنا کہ میں بیمار ہوں ہرگز جھوٹ نہ تھا۔'' ایک صادق الایمان شخص کفار کے نرغے میں آ جائے۔ اس کا دل سخت رنجور ہو جاتا ہے۔ صحبت ہم جنس سے بڑھ کر بیماری کیا ہو گی۔ تو آپ کا کہنا میں بیمار ہوں۔ امر واقعہ تھا جھوٹ نہ تھا۔ مگر شیعہ کی سمجھ کا کیا جائے۔ ۱۲

اس روائیت سے بوضاحت ثابت ہوا۔ کہ تقیہ جھوٹ بولنے کو کہتے ہیں۔ بڑے تقیہ باز اصحابؓ کہف تھے۔ وہ یہاں تک جھوٹ بولتے تھے کہ مسلمان ہوکر جنجو پہن لیتے اور مشرک بن کر کفار کی عیدوں میں شامل ہو جاتے اور اس کا ثواب عظیم حاصل ہوتا۔ اللہ اللہ شیعہ خود تو جھوٹ بولا کریں۔ تقیہ کا ثواب لوٹیں لیکن پاک لوگوں پیغمبروں، اولیاؤں، اماموں کو تکیہ باز جھوٹ کہنے والا کہنے سے تامل کیا کریں۔ مگر نہیں ان کے دست ستم سے نہ امام بچتا ہے نہ ولی نہ نبی اس وقت رسالہ "موعظہ تقیہ" جس میں اقوال علامہ حائری لکھے گئے ہیں۔ میرے سامنے ہے۔ اس میں جناب امیر علیہ السلام کا تقیہ یوں درج ہے۔

فرمایا اس اصول پر جس کو میں بیان کر چکا ہو امیر المومنین حضرت علی نے خلفائے ثلثہ کے زمانہ میں تقیہ کیا، اور ضرور تقیہ کیا۔ کیونکہ جس طرح صدر اسلام میں رسول ❶ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۹ انصار و اعوان ہونے کے باوجود تقیہ کیا۔ جناب ❷

---

❶ رسول خدا اور تقیہ؟ خدا کے لئے غور کرو۔ رسول پاکؐ نے ہر چند و کفار مکہ سے اذیتیں اُٹھائیں تکالیف کا سامنا ہوا اظہار حق اور اعلان کلمہ توحید سے نہ رکے یہی وجہ ہے کہ اسلام کی اشاعت بلاد کفار میں ہوگئی اور کفر و ظلمت کی تاریکی دور ہوگئی۔ اگر رسول خدا تقیہ کرتے تو اسلام کس طرح پھیلتا؟

❷ قلت اعوان و انصار کا عذر فضول ہے۔ جن کے شامل حال نصرت ہوتی ہے وہ قلت و کثرت اعوان کی پرواہ نہیں کرتے كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللهِ ساری خدائی ایک طرف فضل الٰہی ایک طرف۔ حضرت علیؓ کے زمانے میں تو اسلام کے نام لیوا لاکھوں کی تعداد میں تھے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کونسی فوج تھی۔ جب آپ نے ابتداء میں کفار کے سامنے کلمۃ الحق توحید الٰہی کا اعلان کیا۔ پھر جناب امیرؓ نے جیسا کہ نہج البلاغت میں کہا ہے۔ سارے جہاں کے مقابلہ کی طاقت رکھتے تھے اور موت بھی ان کے اختیار میں تھی۔ پھر تقیہ کرنے کی کیا ضرورت؟ شیعہ کی کتب معتبرہ اصول و فروع کافی، جلاء العیون، حملہ حیدری میں تصریح ہے کہ جناب امیرؓ کے گلے میں رسی ڈال کر بیعت کے لئے ابوبکرؓ کے پاس لے گئے اور آپ نے مجبوراً بیعت کی۔ کیا یہ سب روایات جھوٹی ہیں؟ حائری کے پاس اس کے خلاف کونسی روایت معتبر موجود ہے؟

امیرؓ نے بھی قلت انصار و اعوان کے سبب خلفاء سے تقیہ کیا۔ اس تقیہ کرنے سے اگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شجاعت وقوت و جرأت پر کوئی حرف نہیں وارد ہوتا تو لازماً نفس رسول (علی) پر جو کسی طرح پیغمبر سے کسی وصف میں بھی زیادہ نہ تھے کوئی اعتراض لازم نہیں آ سکتا۔ مزید برآں جناب امیرؓ نے بھی محض حفاظت اسلام کیلئے اس وقت تقیہ کیا۔ اگر وہ تقیہ نہ کرتے صدر اسلام کا زمانہ تھا اور مسلمانوں کی باہمی کشمکش سے اسلام خطرہ میں پڑھ جاتا، پس علیؓ نے بنا بر حدیث معتمد ثلٰثہ کی بیعت ہرگز نہیں کی، اور تقیہ میں زمانہ گذار دیا۔ ہاں اگر بیعت ثلاثہ کے لئے مجبور کیا جاتا تو لازماً پھر وہ مقابلہ میں ذوالفقار اٹھانے کو ترجیح دیتے اور تقیہ توڑ ڈالتے۔ مگر اخبار معتبرہ کی بنا پر نہ بیعت کے لئے وہ مجبور کئے گئے [1]۔ نہ انہوں نے تقیہ توڑا باوجود تقیہ کرنے کے بھی باعتراف اکابر علماء اہلسنت علیؓ نے سیرت ثلاثہ پر عمل نہیں کیا بلکہ عمل کرنے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جناب امیرؓ کی خلافت ظاہری کا زمانہ آیا اور آپ نے دوران خلافت میں اصحابؓ ثلاثہ کے رخنے ڈالے ہوئے اسلام سے سب زائل کر دیئے۔ اور اس کو از سر نو احیاء کیا۔

مسئلہ تقیہ کی ایجاد

موجدانِ مذہب شیعہ نے جب یہ دیکھا کہ جناب امیرؓ کے خطبات اور ائمہ اہل بیت کے اقوال سے اصحابؓ ثلاثہ کی تعریف بیحد پائی جاتی ہے اور جناب امیرؓ عہد خلافت اصحابؓ ثلاثہ میں ان کے شیر و شکر رہے اور ہر معاملہ میں ان کے مشیر با تدبیر رہے ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے، مال غنائم سے حصہ لیتے رہے، اور ماہانہ وظائف نقد و جنس حاصل کرتے رہے پھر کس طرح یقین کیا جائے کہ اصحابؓ ثلاثہ سے وہ ناراض اور ان کی خلافت کو ناجائز سمجھتے تھے؟ اس کے جواب کے لئے انہوں نے مسئلہ تقیہ ایجاد کیا۔ کہ یہ

---

[1] فروع کافی کتاب الروضہ ص ۲۹ میں تصریح ہے، کہ حضرت علیؓ نے فرمایا پہلے خلفاء کے دستور العمل کو اگر میں تبدیل کرنا چاہوں تو لوگ مجھ سے متنفر ہو جائیں گے۔ اسی لئے میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا۔ کیا جناب امیرؓ سچے ہیں، یا سید علی حائری؟ اس کی تفصیل اس کتاب کے (ایک مقام) میں ملاحظہ ہو جس سے حائری صاحب کی تاویلات کی قلعی کھل جاتی ہے۔ (احقر مظہر حسین غفرلہٗ)

سب کچھ جناب امیرؓ اور اہل بیت کا تقیہ تھا اور بیحد فضیلت رکھتا ہے اور دین کے دس اجزاء میں سے ۹ اجزا تقیہ میں ہیں اور تمام ائمہ بلکہ انبیاء علیہم السلام کا دین اور ایمان تقیہ ہی تھا! چلو چھٹی ہوئی، جاہل مریدوں کی تسکینِ خاطر کے لئے تقیہ کی پڑیا کافی ہے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ ائمہ اہل بیت نے فرما دیا ہے کہ دین حق ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ چھپانے کے لئے ہوتا ہے۔ اصول کافی ص ۴۸۵ میں ہے کہ حضرت امام صادق علیہ السلام نے اپنے ایک خاص شیعہ کو یوں فرمایا۔

[يَا سُلَيْمَانُ اِنَّكُمْ عَلٰى دِيْنٍ مَنْ كَتَمَهٗ اَعَزَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ اَذَاعَهٗ اَذَلَّهُ اللّٰهُ]

ترجمہ:۔اے سلیمان تم ایسے دین پر ہو جو اس کو چھپائے اللہ اس کو عزت دے گا اور جو اس کو ظاہر کرے خدا اس کو ذلیل کرے گا۔

دوسری جگہ اس کتاب کے ص ۵۵۲ میں ہے۔

[عَنْ اَبِىْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامَ مَنْ اَذَاعَ عَلَيْنَا شَيْئًا مِنْ اَمْرِنَا كَمَنْ قَتَلَنَا عَمَدًا وَلَمْ يَقْتُلْنَا خَطَاءً]

ترجمہ:۔امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص ہمارے مذہب میں سے کچھ ظاہر کر دے گویا اس نے ہمیں عمداً قتل کر دیا۔ نہ خطاءً۔

نیز کتاب مذکور کے ص ۵۵۱ میں ہے کہ

[مَنْ اَذَاعَ عَلَيْنَا حَدِيْثًا سَلَبَهُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ]

ترجمہ:۔امام صادق نے فرمایا جو ہماری حدیث کو ظاہر کر دے خدا اس کا ایمان چھین لیتا ہے۔

ہر ایک عاقل ذی بصیرت سمجھ سکتا ہے کہ یہ حدیثیں یار لوگوں کی گھڑت ہیں ورنہ ائمہ دین ایسا کیوں کہیں، کہ حق کے اظہار سے ایمان جاتا رہتا ہے اور مذہب اور دین کی اشاعت موجب قہر الٰہی اور اس کا کتمان باعث خوشنودیٔ خدا ہے، اور ائمہ حدیث یا ان کا مذہب ظاہر کر دینا ایسا ہے جیسا ان کو عمداً قتل کر دینا۔ ہاں یہ درست ہے کہ روافض کا

مذہب ضرور چھپانے کے قابل ہے اس کی تشہیری باعث فتنہ وفساد اور امن عامہ میں خلل اندازی کا موجب ہے اور مذہب روافض ہرگز ہرگز مذہب اہل بیت نہیں۔ بھلا جس مذہب میں امہات المومنین (ازواج رسول) کو گالیاں دینا ان کو لعنت، تبرا بھیجنا جائز بلکہ داخل عبادت ہو وہ کبھی اہل حق کا مذہب کہلا سکتا ہے؟ شاعر نے خوب کہا ہے۔

رکھیں جو نا خلف بغض وحسد امت کی ماؤں سے
انہیں پھر آب کوثر شیر مادر ہو نہیں سکتا

تیسرا مسئلہ متعہ

شیعہ حضرات کے مسائل کا کیا کہنا۔ ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی
ہر ایک مسئلہ نرالا اور ہر ایک مقولہ عجوبۂ روزگار ہوتا ہے۔ انہی مسائل میں سے ایک عجیب وغریب مسئلہ متعہ کا ہے۔ متعہ کی فضیلت میں مستقل رسالے تصنیف کئے گئے ہیں۔ اور اس کا اس قدر ثواب بیان کیا گیا ہے کہ فاعل اور مفعولہ صرف اسی قدر بجالانے سے کلید جنت کے مالک ہو سکتے ہیں۔ روایات ذیل ملاحظہ ہوں۔

فضائل متعہ

(۱) تحفۃ العوام جلد ۲ ص ۱۷۲ میں فرمایا۔ جو شخص متعہ کرے عمر میں ایک مرتبہ وہ اہل بہشت سے ہے، دوسری حدیث میں ہے کہ عذاب نہ کیا جائے گا وہ مرد اور وہ عورت کہ متعہ کرلے۔

(۲) برہان المتعہ مؤلفہ سید ابوالقاسم والد علامہ سید علی حائری مطبوعہ تیو امپریل پریس لاہور کے ص ۵۰ میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَامِنْ رَجُلٍ تَمَتَّعَ ثُمَّ اغْتَسَلَ اِلَّا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ كُلِّ قَطْرَةٍ تَقْطُرُ مِنْهُ سَبْعِيْنَ مَلَكاً يَسْتَغْفِرُوْنَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

ترجمہ:۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جو شخص متعہ کرے پھر غسل جنابت

کرے پانی کے ہر قطرہ سے۔ جو اس کے بدن سے گرے خدا تعالیٰ ستر ستر فرشتے پیدا کرتا ہے۔ جو اس متعی شخص کے لئے قیامت تک مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔"

(۳) ایسا ہی منہج الصادقین ص ۳۵٦ میں ہے۔

[قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً اَمِنَ سَخطُ اللّٰهِ الْجَبَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ حُشِرَمَعَ الاَبْرار وَمَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلَاثَ مَرَّاتِ صَاحبنِي فِي الجَنَّانِ]

ترجمہ:۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا جو ایک مرتبہ متعہ کرے خدا کے قہر سے نجات ملے، جو دو مرتبہ کرے اس کا حشر پاک لوگوں (پیغمبروں، اماموں، ولیوں) کے ساتھ ہوگا جو تین مرتبہ متعہ کرے وہ رسول پاک کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

(۴) [قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً واحِدَةً عُتِقَ ثُلُثُهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ عُتِقَ ثُلُثَاهُ مِنَ النَّارِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ عُتِقَ كُلُّهُ مِنَ النَّارِ]

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ جو ایک دفعہ متعہ کرے اس کے بدن کا تیسرا حصہ آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے، جو دو دفعہ کرے اس کے دو ثلث اور جو تین مرتبہ کرے اس کا تمام بدن آتش دوزخ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

(۵) [قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰه عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَتَّعَ مَرَّةً دَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحَسَنِ وَمَن تَمَتَّعَ مَرَّتَيْنِ دَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ الْحُسَيْنِ وَمَنْ تَمَتَّعَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُهُ كَدَرَجَةِ عَلِيٍّ وَمَنْ تَمَتَّعَ اَرْبَعَ مَرَّاتٍ دَرَجَتُهُ كَدَرَجَتِي]

ترجمہ:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ایک دفعہ متعہ کرے درجہ امام حسنؓ کا پائے، اور جو دو دفعہ کرے تو درجہ امام حسینؓ کا پائے اور تین دفعہ کرنے سے حضرت علیؓ کا رتبہ ملے، چار دفعہ کرنے سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم مرتبہ ہو جائے۔ ایسا ہی شیعہ کی معتبر تفسیر منہج الصادقین ص ۳۵٦ میں ہے۔

سبحان اللہ شیعہ مذہب میں متعہ مبارک میں کس قدر فضیلت ہے نہ ایسی فضیلت نماز و روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ نہ دیگر عبادات کی ہے کہ حسب روایت نمبر ا عمر بھر میں ایک دفعہ متعہ کر لینے سے بہشت کا ٹھیکہ مل جاتا ہے۔ اور جو مرد یا عورت متعہ جیسا کار ثواب کرے، عذاب دوزخ سے نجات مل جائے اور حسب روائت نمبر ۲ متعہ کنندہ جب غسل کرتا ہے تو اس کے بدن سے بے تعداد قطرات پانی کے گرتے ہیں ایک قطرہ سے ستر ستر فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں، جو قیامت تک اس نیک مرد متعہ کنندہ کیلئے خدا سے طلب مغفرت کرتے رہتے ہیں بموجب روایت نمبر ۳ ایک دفعہ فعل نیک کرنے سے غضب الٰہی سے امان مل جاتی ہے، دو دفعہ یہ عمل کرنے سے حشر مع الابرار (صدیقین، شہداء انبیا) ہونے کا مستحق ہو جاتا ہے۔ تیسری دفعہ عملِ متعہ کرنے سے بدن کی تہائی، دو دفعہ کرنے سے دو تہائی، تین دفعہ کرنے سے تمام بدن پر آتش دوزخ حرام ہو جاتی ہے۔ بمطابق روایت نمبر ۵ متعہ کی اتنی بڑی فضیلت ہے کہ ایک دفعہ کرنے سے حسنؓ کا، دو مرتبہ کرنے سے امام حسینؓ کا، تین دفعہ کرنے سے حضرت علیؓ کا اور چار دفعہ کرنے سے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مل جاتا ہے۔ پھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر عبادات کرنے کی کیا ضرورت؟ جن میں بدنی و مالی تکالیف اُٹھانی پڑتی ہیں، پس چار دفعہ کار ثواب (متعہ) کر لیا جائے۔ ہم خرما و ہم ثواب حظ نفس بھی حاصل ہو اور بہشت بھی مل جائے۔ نار جہنم کا کھٹکا نہ رہے، امام حسنؓ، امام حسینؓ، علیؓ، رسول پاک ؐ کے ہم رتبہ ہو کر نعیم جنت کے مزے لوٹے۔ کیا کوئی شخص ایک منٹ کے لئے بھی مان سکتا ہے کہ یہ بیہودہ روایات متعہ جو آئمہ دین نیک طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ فی الواقع ان کے ہی اقوال ہیں؟ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص شہوت رانی کی غرض سے ایسے فعل قبیح کا ارتکاب کرے اور وہ جنت الفردوس کا مالک بن جائے اور اماموں اور انبیاء کا ہم رتبہ ہو جائے۔ [كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِنْ يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا] ایسے اقوال کا آئمہ اہل بیت کی طرف منسوب کرنا عترت رسول کی بہت بڑی ہتک ہے۔ اعاذ اللہ منہ

افسوس ہے کہ متعہ جیسا حیا کش مسئلہ اسلام کا ایک فرقہ ایجاد کر کے دامن اسلام

پر ایک بدنما دھبہ لگاتا ہے۔ ہم آریہ کے خلاف مسئلہ نیوگ کے متعلق اعتراض کرتے ہیں۔ آریہ اس کے جواب میں متعہ کا مسئلہ پیش کر دیتے ہیں۔ بتایئے اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟

متعہ کیا چیز ہے

متعہ فی الحقیقت زنا ہے، جس کا نام صرف تبدیل کیا گیا ہے۔ اور اوصاف سارے وہی ہیں کیونکہ مُتعہ میں گواہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ توریث بھی نہیں، تعداد بھی معین نہیں، جتنی عورتوں سے چاہے متعہ کر سکتا ہے۔ جیسا زنا میں خرچی مقرر اور وقت معین کیا جاتا ہے ایسا ہی متعہ بھی ہے پیشہ ور عورتیں بے حجاب بازاروں میں پھرتی ہیں۔ اسی طرح ممتوعہ عورت کو بھی پردہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اُجرتِ متعہ:۔ بازاری عورتوں کی اُجرت خرچی چار آٹھ آنہ یا روپیہ دو روپیہ مقرر کی جاتی ہے بلکہ ممتوعہ عورت کی اُجرت (خرچی) حسب روایات شیعہ مٹھی بھر گیہوں یا ستو یا کھجور وغیرہ کافی ہے۔ فروع کافی جلد۲ ص۱۹۴ میں ہے۔ عَنِ الْاَ حْوَلِ قُلْتُ اِلٰی اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ اَدْنٰی مَا تَزَوَّجُ بِہِ الْمُتْعَۃُ قَالَ کَفٌّ مِنْ بُرٍّ راوی نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ متعہ کی کم درجہ اجرت کیا ہے؟ آپ نے کہا مٹھی بھر گیہوں۔

(۲) دوسری روایت اسی کتاب کے ص۱۹۴ میں ہے [عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عبداللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنْ اَدْنٰی مَھْرِ الْمُتْعَۃِ مَاھُوَ؟ قَالَ کَفٌّ مِنْ طَعَامٍ اودَقِیْقٍ اَوْ سَوِیْقٍ اَوْ تَمَرٍ] ابو بصیر کہتا ہے میں نے صادق سے دریافت کیا کہ متعہ میں سے ادنیٰ مہر کیا ہے؟ کہا مٹھی بھر طعام آٹا یا ستو یا کھجور۔

لاتعداد عورتوں سے متعہ ہو سکتا ہے:

نکاح چار عورتوں سے زائد نہیں ہو سکتا۔ لیکن متعہ کی عام اجازت ہے۔ خواہ ہزار عورتوں سے متعہ کرے، ممانعت نہیں ہے۔ [عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ سُئِلَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ عَنِ الْمُتْعَۃِ اَھِیَ مِنَ الْاَرْبَعِ قَالَ لَا وَلَا مِنَ السَّبْعِیْنَ] (فروع کافی جلد نمبر۲ ص۱۹۱)

ابوبصیر کہتا ہے صادق علیہ السلام سے متعہ کے بارے میں دریافت کیا گیا کہ کیا چار عورتوں سے ہی متعہ ہوسکتا ہے؟ کہا چار کیا بلکہ ستر کی بھی حد نہیں ہے۔

عَنْ زُرَارَةَ ابْنِ اَعْيَنٍ قَالَ مَاتَحِلُّ مِنَ الْمُتْعَةِ قَالَ كَمْ شِئْتَ زرارہ نے امام علیہ السلام سے پوچھا کتنی عورتوں سے متعہ ہوسکتا ہے؟ کہا جتنا جی چاہئے۔

ایک عورت سے بار بار متعہ

ایک عورت کو نکاح کر کے طلاق مثلثہ دی جائے تو دوبارہ اس سے نکاح نہیں ہو سکتا۔ لیکن متعہ کے متعلق عام اجازت ہے۔ ایک عورت سے کئی بار متعہ کیا جاسکتا ہے۔

عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِي جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَهُ جُعِلْتُ فِدَاكَ الرَّجُلُ يَتَزَوَّجُ الْمُتْعَةَ وَ يَنْقَضِيْ شَرْطُهَا ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا رَجُلٌ اٰخَرُ حَتّٰى بَانَتْ مِنْهُ ثُمَّ يَتَزَوَّجُهَا الْاَوَّلُ حَتّٰى بَانَتْ مِنْهُ ثَلَاثًا وَتَزَوَّجَتْ ثَلَاثَةَ اَزْوَاجٍ يَحِلُّ لِلْاَوَّلِ اَنْ يَتَزَوَّجَهَا قَالَ نَعَمْ كَمْ شَآءَ لَيْسَ هٰذِهِ مِثْلَ الْحُرَّةِ هٰذِهِ مُسْتَاجِرَةٌ وَهِيَ بِمَنْزِلَةِ الْاِمَآءِ.

ترجمہ:۔ زرارہ کہتا ہے۔ میں نے امام باقر علیہ السلام سے کہا، میں آپ پر قربان کوئی شخص متعہ کرے اور اس کی شرط پوری ہو جائے پھر دوسرا شخص اس سے متعہ کرے حتیٰ کہ اس سے قطع تعلق ہو جائے پھر اس سے متعہ کرے، حتیٰ کہ تین دفعہ اس سے قطع تعلق ہو اور تین خاوند کر چکی ہو کیا پہلا شخص اس سے متعہ کر سکتا ہے؟ آپ نے کہا جتنی دفعہ چاہئے متعہ کرے۔ یہ آزاد اصیل عورت جیسی نہیں بلکہ کرایہ کی عورت اور لونڈیوں کی جا بجا ہے۔

متعہ دوریہ

حضرات شیعہ نے متعہ کے متعلق ایک اور لطیف صورت یہ پیدا کی کہ ایک ایک عورت سے ایک رات میں دس بیس آدمی متعہ کریں اور یکے بعد دیگرے سب سے ہم بستر ہوں اگر وہ عورت ایسی ہو کہ اس کا حیض بند ہو چکا ہو تو یہ متعہ دوریہ بھی جائز ہے۔ چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے کتاب ''مصائب النوائب'' میں تحریر کیا ہے۔

[وَاَمَّا تاسِعًا فَلاَنَّ مَانسبَہُ اِلیٰ اَصْحَابِنَا مِنْ اَنَّهُمْ جَوَّزُوْا اَنْ يَتَمَتَّعَ الرِّجَالُ الْمُتَعَدِّدُوْنَ لَيْلاً وَاحِدَةً مِنْ امرأةٌ سَوَآءٌ كَانَتْ مِنْ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ ام لاَ فَمِمَّا خَانَ فِي بَعْضِ قُيُوْدِهٖ وذٰلکَ اَنَّ الْاَ صُحَابَ قَدْ خَصُّوْ ا ذالکَ بِالْاٰئِسَةِ لاَ بِغَيْرِ هَا مِنْ ذَوَاتِ الْاَقْرَاءِ]

ترجمہ:۔ مصنف نوأقص الروافض ❶ نے جو ہمارے اصحاب کی طرف منسوب کیا ہے کہ اس بات کو جائز رکھتے ہیں کہ بہت سے اشخاص ایک رات مل کر ایک عورت سے متعہ کریں وہ حیض والی ہو یا آئسہ ہو اس میں خیانتاً بعض قیود چھوڑ دی گئی ہیں۔ کیونکہ ہمارے اصحاب نے اس کو اس عوررت کے ساتھ مختص کر دیا ہے جس کو حیض نہ آتا ہو۔ نہ یہ کہ جس سے چاہے متعہ کرے۔

بہرحال آئسہ ہی کیوں نہ ہو،ایک رات میں ایک عورت سے بے تعداد اشخاص کا متعہ کرنا کتنا بڑا بے حیائی کا فعل ہے جس کو حضرات شیعہ جائز سمجھتے ہیں۔

ایک بیہودہ حکایت

دلدادگان متعہ نے اس بارہ میں عجیب وغریب حکایتیں واضع کی ہیں اور یہ بھی خیال نہیں کیا کہ ایسی بیہودہ حکایات سے آئمہ اہل بیت کی کہاں تک ہتک وتوہین ہوتی ہے؟ فروع کافی جلد۲ص۱۹۰میں ہے۔

جَاءَ عَبْدُ اللهِ بِنْ عُمَيْرِ اللَّيْثِي اِلیٰ اَبِیْ جَعْفَر فَقَالَ لَهٗ مَاتَقُوْلُ فِیْ مُتْعَةِ النِّسَآءِ فَقَالَ اَحَلَّهَا اللّٰهُ فِیْ كِتَابِهٖ وَعَلیٰ لِسَانِ نَبِيِّهٖ فَهِیَ حَلاَلٌ اِلی يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَقَالَ يَا اَبَا جَعْفَرَ مِثْلُکَ يَقُوْلُ. هٰذَا وَقَدْ حَرَّمَهَا عُمَرُو نَهیٰ عَنْهُ فَقَالَ وَاِنْ كَانَ فَعَلَ فَقَالَ اُعِيْذُکَ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ اَنْ تُحِلَّ شَيْئًا حَرَّمَهٗ عُمَرُ قَالَ فَقَالَ

---

❶ ’’نواقص الروافض‘‘ یہ فخر اہل سنت علامہ مرزا مخدوم الحنفیؒ (متوفی ۹۹۵ھ) کی تالیف ہے۔ بڑی بے مثل کتاب ہے۔کاش یہ علمی کتاب اس دور میں چھپ سکے۔(عبدالجبار سلفی)

لَهُ فَانْتَ عَلٰى قَوْلِ صَاحِبِكَ وَاَنَا عَلٰى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِلَا عَنْكَ فَاِنَّ الْاَوَّلَ مَاقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَاَنَّ الْبَاطِلَ مَاقَالَ صَاحِبُكَ قَالَ فَاقْبَلَ عَبْدُاللّٰهِ بْنِ عُمَيْرٍ فَقَالَ اَيَسُرُّكَ اَنَّ نِسَائَكَ وَبَنَاتِكَ وَاَخَوَاتِكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ يَفْعَلْنَ قَالَ فَاَعْرَضَ عَنْهُ اَبُوْ جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ حِيْنَ ذَكَرِ نِسَاءَهُ وَبَنَاتَ عَمِّهٖ.

ترجمہ:۔ابن عمر لیثی نے امام باقر علیہ السلام سے متعہ کا مسئلہ دریافت کیا تو انہوں نے کہا خدا نے اس کو اپنی کتاب میں اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے حلال کیا ہے، پس وہ قیامت تک حلال ہے، ابن عمیر نے کہا، آپ جیسا امام یہ بات کہے۔ حالانکہ عمرؓ نے اس کی حرمت کا فتویٰ دے دیا ہے۔ آپ سے یہ زیبا نہیں کہ جس چیز کی حرمت عمرؓ نے بیان کی اُسے آپ حلال کریں۔ امام باقر نے کہا، تو عمرؓ کے قول پر اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پر کاربند رہوں گا۔ پہلی بات قول رسول ہے اور تیرے صاحب عمرؓ کا قول باطل ہے۔ ابن عمیرؒ نے کہا کیا آپ کو یہ بات پسند ہے کہ آپ کی عورتیں، لڑکیاں، بہنیں، پھوپھیاں، یہ فعل کریں؟ امام باقر نے یہ بات سن کر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کچھ جواب نہ دیا۔

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ یہ قصہ یار لوگوں کا وضع کیا ہوا اور محض غلط ہے۔ اگر امام باقر معاذ اللہ متعہ کی حلت کے اس قدر قائل تھے کہ اس کو سنت الرسول اور قیامت تک جائز سمجھتے تھے تو پھر عورتوں کا سوال آ جانے سے کیوں خفگی آ جاتی؟ کہ بات ہی منقطع ہو گئی اور کوئی جواب نہ بن پڑا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جو فعل مردوں کے لئے قیامت تک حلال اور موجب ثواب ہو وہ عورتوں کے لئے باعثِ شرم و عار ہو، کوئی حکم اسلام میں ایسا نہیں ہے کہ جو ذکور کے لئے مباح اور اناث کے لئے حرام ہو۔ و بالعکس۔ اس سے صاف ثابت ہے کہ متعہ عورت مرد کے لئے یکساں حرام ہے نہ عقل اس کو درست سمجھتی ہے نہ نقل سے

اس کا کوئی ثبوت ہے۔

اسی طرح اس کتاب میں ص ۱۱۹ پر ایک دوسری حدیث میں در بارۂ متعہ امام باقر علیہ السلام اور امام ابوحنیفہؒ کے مابین مکالمہ درج کیا گیا ہے۔ مضمون ہر دو حدیث کا قریباً ایک ہی قسم کا ہے اس لئے اس کا اندراج ضروری نہیں سمجھا گیا۔

متعہ سے ممانعت

دوسری جگہ فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۲ میں ایک حدیث ہے جس سے متعہ کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔

[عَنِ الْمُفَضَّلِ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ فِي الْمُتْعَةِ دَعُوهَا! مَا يَسْتَحِي اَحَدُكُمْ اَنْ يَّرٰى فِيْ مَوْضِعِ الْعَوْرَةِ فَيَحْمِلَ ذٰلِكَ عَلٰى صَالِحِيْ اِخْوَانِهِ وَاَصْحَابِهِ]

ترجمہ:۔ مفضل کہتا ہے میں نے امام صادق علیہ السلام سے سنا وہ فرماتے تھے متعہ چھوڑ دو کیا تمہیں شرم نہیں آتی کہ کوئی شخص عورت کی شرم گاہ دیکھے اور اس کا ذکر اپنے بھائیوں اور احباب سے جا کر کرے؟

نیز اسی کتاب میں اسی ص ۱۹۲ پر درج ہے۔

[كَتَبَ اَبُو الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِلٰى بَعْضِ مَوَالِيْهِ وَلَا تُلِحُّوْا عَلَى الْمُتْعَةِ اِنَّمَا عَلَيْكُمْ اِقَامَةُ السُّنَّةِ فَلَا تَشْتَغِلُوْا بِهَا عَنْ فُرُشِكُمْ وَحَرَائِرِكُمْ فَيَكْفُفْنَ وَيَتَبَرَّأْنَ وَيَدْعِيْنَ عَلَى الْاَمْرِ بِذٰلِكَ فَيَلْعَنَّ لَنَا] (فروع کافی جلد ۲ ص ۱۹۲)

ترجمہ:۔ حضرت ابوالحسن نے اپنے بعض خدام کو کہا کہ متعہ پر اصرار مت کرو صرف سنت بجا لاؤ۔ اور اس میں مصروف مت ہو جاؤ۔ تاکہ تم اپنی منکوحہ عورتوں اور کنیزوں سے ہٹ جاؤ اور وہ معطل رہیں اور وہ پاکباز رہ کر ہماری دامن گیر ہوں اور ہمیں (اس وجہ سے کہ حکم متعہ دیا ہے) لعنت کریں۔

دوسری حدیث میں متعہ کے اصرار کی ممانعت ہے ،اور پہلی حدیث میں کلی ممانعت ہے۔اور یہ بات کہ احادیث شیعہ میں اس قدر تعارض وتخالف ہے، کہ معلوم نہیں ہوسکتا کہ کونسا حکم درست،کونسا درست نہیں ہے؟ ایک تشریح طلب امر ہے جس کو ہم اپنے موقع پر بیان کریں گے۔

غرض متعہ جیسا مخرب اخلاق حیا سوز مسئلہ اسلام کا مسئلہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔اگر چہ بندگان نفس وہوا کو اس سے کیسی ہی دلچسپی کیوں نہ ہو۔شاعر کہتا ہے ؎

مطلوب ہے کہ سیم تنوں سے وصال ہو
مذہب وہ چاہئے کہ زنا بھی حلال ہو

چوتھا مسئلہ انبیاء پر آئمہ کی فضیلت

یہ مُسلّم ہے کہ نبی کے درجہ کو غیر نبی نہیں پہنچ سکتا،خواہ کیسا ہی غوث،قطب،ولی، امام ہو لیکن شیعہ کا یہ عقیدہ ہے کہ آئمہ اہل بیت جمیع انبیاء سے افضل ہیں۔ چنانچہ حق الیقین اردو ص ۸۵ میں ہے۔اکثر علماء شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ حضرت امیرؓ و دیگر تمام آئمہ طاہرین جمیع انبیاء سے افضل ہیں۔

پانچواں مسئلہ

شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جناب امیرؓ دیگر آئمہ خدا کی زبان منہ، آنکھ، ہاتھ اور جَنبُ اللہ (خدا کی پسلی ہیں) اصول کافی ص ۸۴ میں ہے۔

عَنْ اَسْوَدَ بنِ سَعِیدٍ قَالَ کُنْتُ عَنْدَ اَبِیْ جَعْفَرَ فَانْشَاء یَقُوْلُ اِبْتِدَاءً مِنْهُ مِنْ غَیْرِ اَنْ اَسْئَلَهٗ نَحْنُ حُجَّةُ اللّٰهِ وَنَحْنُ بَابُ اللّٰهِ وَنَحْنُ لِسَانُ اللّٰهِ وَنَحْنُ وَجْهُ اللّٰهِ وَنَحْنُ عَیْنُ اللّٰهِ فِیْ خَلْقِهٖ وَنَحْنُ وَلَاةُ اَمْرِ اللّٰهِ فِیْ عِبَادِه.

(اسود بن سعید کہتا ہے کہ میں امام باقر علیہ السلام کے ہاں بیٹھا تھا وہ خود ہی کہنے لگے بغیر اس کے میں نے دریافت کیا ہو۔ہم خدا کی حجت ہیں۔ہم خدا

کا دروازہ ہیں۔ ہم خدا کی زبان اور خدا کا منہ اور اُس کی آنکھ ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں اور ہم خدا کے امر کے اس کے بندوں میں مختار کار ہیں)

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے۔

[حَدَّثَنِیْ هَاشِمُ اِبْنُ عَمَّار الْجَهَنِیْ سَمِعْتُ اَمِیْرَ الْمؤْمِنِیْنَ یَقُوْلُ اَنَا عَیْنُ اللّٰهِ وَاَنَا یَدُ اللّٰهِ وَاَنَا جَنْبُ اللّٰهِ وَاَنَا بَابُ اللّٰهِ]

(ہاشم بن ابی عمار کہتا ہے میں نے امیر المومنین سے سنا کہتے تھے، ہم خدا کی آنکھ، اس کے ہاتھ اس کے پہلو اور خدا کے دروازہ ہیں)

چھٹا مسئلہ

اگرچہ اسلام کا یہ مسلمہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے افضل ہیں لیکن شیعہ اس کے خلاف حضرت علی کو رسول کے ہم رتبہ ان سے ابھی افضل سمجھتے ہیں۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۱۸ میں ہے۔

قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ یَاسُلَیْمَانَ مَاجَاءَ مِنْ اَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُؤخَذُ بِهٖ وَمَا یَنْهِیْ عَنْهُ یَنْتَهِیْ عَنْهُ جَرٰی لَهٗ مِنْ فَضْلٍ مَاجَرٰی لِرَسُوْلِ اللّٰهِ .

(صادق نے فرمایا اے سلمان جو امیر المومنین حکم دیں مانو جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ علی کو وہی فضیلت حاصل ہے جو رسول کو ہے)

پھر اسی کتاب مذکور میں ہے۔

قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنَا قَسِیْمُ اللّٰهِ بَیْنَ الْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَاَنَا الْفَارُوْقُ الْاَکْبَرُ وَاَنَا صَاحِبُ الْعَصَا وَالْمِیْمِ وَلَقَد اَقَرَّتْ لِیْ جَمِیْعَ الْمَلٰئِکَةِوَ الرُّوْحُ بِمِثْلِ مَا اَقَرَّتْ لِمُحَمَّدٍ وَلَقَدْ حُمِلَتْ عَلَیَّ مِثْلَ حَمُوْلَةِ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهِیَ حَمُوْلَةُ الرَّب وَاَنَّ مُحَمَّدً ایُدْعٰی وَیُکْسٰی وَیُسْتَنْطَقُ وَاُدعیٰ فَاُکْسٰی وَاُسْتَنْطَقُ فَاَنْطِقُ

عَلیٰ حَدِّ منطقِهٖ وَلَقَدْ اُعْطِیْتُ خِصَالاً لَمْ یُعْطَهُنَّ اَحَدٌ قبلی عَلِّمْتُ عِلْمَ الْمُنایَاوَالْبَلَایَا وَلاَ نْسَابِ وَفَصْلَ الْخِطَابِ فَلَمْ یَفُتْنِیْ مَاسَبَقَنِیْ وَلَمْ یَعزُبْ عنِّی مَاغَابَ عَنِی اُبَشِّرُ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُوَدِیْ عَنِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ کُلُّ ذٰلک مَکَّنَنِیَ اللّٰهُ فِیْهِ بِاِذْنِهٖ

ترجمہ:۔امیر المومنین نے فرمایا میں خدا کی طرف سے جنت ودوزخ کی تقسیم کا مالک ہوں میں فاروق اعظم ہوں اور صاحب عصا اور میم ہوں۔تمام ملائکہ وارواح نے اسی طرح میرا اقرار کیا جیسا کہ رسول کا،انہوں نے اقرار کیا، مجھے اسی سواری پر سوار کیا گیا جو رسول کی سواری من جانب اللہ تھی۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلائے جائیں گے اور پوشاک پہنائے جائیں گے اور کلام کئے جائیں گے،اسی طرح میں پکارا جاؤں گا،اور پوشاک پہنایا جاؤں گا اور بلایا جاؤں گا ......رسول کی طرح میں پانچ چیزیں دیا گیا ہوں جو کہ کسی کو مجھ سے پہلے نہیں دی گئیں مجھے موتوں،مصیبتوں،نسبوں،فیصلہ حق کے علوم دیئے گئے ہیں۔پہلی باتیں مجھ سے چھپی نہیں رہیں اور نہ غیبی امور مجھ سے مخفی ہیں۔ میں خدا کے حکم سے بشارت دونگا اور خدا کی طرف سے سب کچھ پورا کردونگا ان تمام امور کا مجھے خدا نے کلی اختیار دے دیا ہے۔

ان روایات سے ثابت ہے کہ فضیلت میں رسولؐ اور علیؓ میں کچھ فرق نہیں ہے، پہلی روایات میں صاف کہا گیا ہے،کہ جملہ فضائل رسول علی کو حاصل ہیں۔دوسری میں تشریح کردی گئی ہے کہ جو خصوصیات رسول اکرم ﷺ کی ہیں ان میں علی ان کے شریک ہیں بلکہ علوم خمسہ کے حاصل ہونے میں رسول سے علی کا نمبر فائق ہوگیا۔

بحار الانوار جلد ۵ ص ۵۱۱ میں ہے۔ایک راوی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا۔اے علی تمہارے لئے بہت سی چیزیں ہیں کہ ان جیسی میرے لئے بھی نہیں ہیں اول یہ کہ فاطمہ جیسی تمہاری بیوی ہے،

حالانکہ اس جیسی بیوی❶ میرے لئے نہیں ہے۔ اور تمہارے نطفہ سے بیٹے ہیں کہ ان جیسے میرے نطفہ سے نہیں اور خدیجہؓ جیسی تمہاری ساس ہیں ایسی میری کوئی ساس نہیں ہے۔ اور مجھ جیسا تمہارا خسر ہے حالانکہ میرا کوئی خسر نہیں ہے اور جعفر جیسے تمہارے نسبی بھائی ہیں، حالانکہ اس جیسا میرا کوئی نسبی بھائی نہیں ہے اور فاطمہ بنت ہاشمیہ مہاجرہ جیسی تمہاری والدہ ہیں ان جیسی میری والدہ نہیں ہے۔

ساتواں مسئلہ

یہ مانا ہوا مسئلہ ہے کہ قبض ارواح خاصہ خالق الارواح (خدائے پاک ہے) اور ملائکہ اس کام پر مامور ہیں، لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ائمہ طاہرین سے مل کر بعض یا تمام ارواح کو قبض کرنے کا حق حاصل ہے، چنانچہ حق الیقین اردو ص ۴۹۶ میں ہے۔

''حدیث میں اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام ائمہ طاہرین کے ساتھ بعض روحوں کو قبض کرتے ہیں، یا تمام روحوں کے قبض کرنے میں بحکم خدا دخل رکھتے ہے مگر تقیہ کے سبب منافقوں سے اور ان یاران سے جن کی عقل ضعیف ہے اُس کی تصریح نہیں کی ہے، جیسا کہ خطبہ غیر مشہورہ میں فرمایا کہ میں بحکم خدا زندہ کرنے والا اور مارنے والا ہوں۔

---

❶ سبحان اللہ اثبات فضیلت علی کے لئے موجدانِ مذہب شیعہ نے کیسا عجیب استدلال قائم کیا ہے۔ اس منطق کی رو سے تو رعیت کا ایک ادنیٰ شخص بھی بادشاہ سے بڑھ جائے، یوں کہہ کر کہ ہمارا بادشاہ آپ جیسا جلیل القدر بادشاہ ہے لیکن آپ کا کوئی ایسا بادشاہ نہیں ہے۔ یا ایک زندیق شان الٰہی میں کہہ دے کہ ہمارا خدا جامع صفات کمالیہ اور وحدہ لاشریک ہے، لیکن خدا کا کوئی ایسا خدا نہیں ہے، اس لئے نعوذ باللہ میں خدا سے فضیلت میں بڑھا ہوا ہوں۔

ہر شے میں رائے شیعہ عجب باصواب ہے   جو بات کی خدا کی قسم لاجواب ہے

آٹھواں مسئلہ

موت و حیات ائمہ کے اختیار میں:۔ یہ مسلّم امر ہے کہ موت و حیات خدا کے اختیار میں ہے، کسی انسان کو اس کا اختیار نہیں دیا گیا، لیکن شیعہ کا اعتقاد ہے کہ ائمہ اہل بیت کو موت و حیات پر کُلی اختیار تھا، چاہے مریں یا نہ مریں۔ چنانچہ اصول کافی ص ۱۵۸ میں باب یوں باندھا گیا ہے۔[بَابُ اِنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَعْلَمُوْنَ مَتٰى يَمُوْتُوْنَ وَاَنَّهُمْ لَا يَمُوْتُوْنَ اِلَّا بِاخْتِيَارٍ مِنْهُمْ] ''باب اس کا کہ ائمہ اپنی موت کا وقت جانتے ہیں اور موت ان کے اختیار میں ہے''

اسی صفحہ میں ہے۔

[عَنْ اَبِیْ بَصِيْرٍ قَالَ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اَیُّ اِمَامٍ لَا يَعْلَمُ مَا يُصِيْبُهُ وَاِلٰى مَا يُصِيْبُ فَلَيْسَ ذالک بحجة اللّٰه]

''ابو بصیر کہتا ہے، امام صادق علیہ السلام نے فرمایا جس امام کو اپنی مصیبت کا علم نہ ہو اور کہ اس کو کب مصیبت پہنچے گی تو وہ خدا کی طرف سے مخلوق پر حجت نہیں ہوسکتا''۔

نواں مسئلہ

یہ مسئلہ بھی مسلم ہے کہ علم مَاکَانَ وَ مَایَکُوْن خاصۂ ذاتِ باری ہے۔ مگر شیعہ کہتے ہیں کہ ائمہ کو یہ سب معلومات حاصل ہیں۔ اصول کافی ص ۱۵۹ میں باب ہی یوں باندھا ہے۔[بَابُ اَنَّ الْاَئِمَّةَ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ يَعْلَمُوْنَ عِلْمَ مَا كَانَ وَ مَا يَكُوْنُ وَاِنَّهٗ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِمْ شَیْءٌ] ''باب اس کا کہ آئمہ کو علم ما کان و ما یکون حاصل ہوتا ہے اور ان پر کوئی امر کائنات سے مخفی نہیں ہے''

کتاب مذکور کے صفحہ ۱۶۰ میں ہے۔

[سَمِعُوْ اَبَا عَبْدَاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَام يَقُوْل اِنِّیْ لَاَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَافِی الْاَرْضِ وَاَعْلَمُ مَا فِی الْجَنَّة وَ اَعْلَمُ مَا فِی

النَّارِ وَاَعْلَمُ مَاکَانَ وَ مَایَکُوْنُ]

''امام صادق نے فرمایا کہ جو کچھ آسمان و زمین میں سے ہے سب کچھ جانتا ہوں اور گزشتہ اور آئندہ کُل واقعات دنیا کا بھی مجھے علم ہے''

دسواں مسئلہ

آسمان وزمین مافیہا جناب امیر کے تابع حکم:۔ شیعہ کا اعتقاد ہے کہ جناب امیر علیہ السلام کے تابع حکم آسمان وزمین و مافیہا سب کچھ ہے چنانچہ حق الیقین ص ٤٣٦ میں ہے۔ ''میں صاحب عصا و میم ہوں۔ میں [1] وہ ہوں کہ خدا نے ابروں اور رعدوں اور برقوں کو تاریکی و روشنائی اور ہوا اور پہاڑوں اور دریاؤں اور ستاروں اور آفتاب ومہتاب کو میرا مسخر کیا ہے۔ میں اس اُمت کا ہادی ہوں''۔

گیارھواں مسئلہ میت پر بدُعا:

ایک مشہور کہاوت ہے۔ ''مرے ہوئے کو مارے شاہ مدار'' مرے ہوئے شخص سے کسی کو بیر باقی نہیں رہتا ہر ایک متنفس کو اس کی حالت پر رحم آتا ہے اور اس کے لئے دعاءِ خیر کرتا ہے لیکن شیعہ حضرات ایسے صاف باطن ہیں کہ میت شیعہ نہ ہو بلکہ سُنی ہو تو اس کے جنازہ میں کھڑے ہو کر بجائے دعا کے بددعا کرتے ہیں جیسا کہ ہم بروایت تحفۃ العوام ثابت کر چکے ہیں، اور غضب یہ ہے کہ آئمہ طاہرین کے ذمہ بھی الزام عائد کرتے

---

[1] تو پھر اصحاب ثلاثہ کے بارے میں قلتِ اعوان وانصار کا عذر درست نہیں تھا، جب آپ کے تابع حکم ہوا، اور پہاڑ اور دریا اور رعد و برق بلکہ ستارے۔ اور آفتاب مہتاب بھی تھے تو پھر آپ کو ثلاثہ کے مقابلہ سے کیا ڈر تھا، ایک پہاڑ کو حکم دیتے دشمنوں کے سروں کو توڑ پھوڑ دیتا اور رعد و برق کو اشارہ کر دیتے آن کی آن میں ان کو جلا کر بھسم کر دیتے مہاجرین کے در بدر حسنین کو ساتھ لئے فدک حاصل کرنے کے لئے جانے کی کیا ضرورت تھی۔ افسوس شیعہ صاحبان ایسی خلاف عقل باتیں کہہ کر جگ ہنسائی کرتے ہیں اور صفات مختصہ باللہ میں جناب امیر کو شریک گدانتے ہیں۔

ہیں کہ وہ بھی ایسا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ فروع کافی ص ۹۹ جلد ا میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّ رَجُلاً مِنَ الْمُنٰفِقِیْنَ مَاتَ وَخَرَجَ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیٍّ صَلٰوتُ اللّٰہِ عَلَیْہِ یَمْشِیْ وَلَقِیَہٗ مَوْلیً لَّہٗ فَقَالَ لَہُ الْحُسَیْنُ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَیْنَ تَذْھَبُ یَافُلَانُ قَالَ فَقَالَ لَہٗ مَوْلَاہُ اَفِرُّ مِنْ جَنَازَۃِ ھٰذَا الْمُنَافِقِ اَنْ اُصَلِّیَ عَلَیْھَا فَقَالَ الْحُسَیْنُ اُنْظُرْ اَنْ تَقُوْمَ عَلٰی یَمِیْنِیْ فَمَا سَمِعْتَنِیْ اَقُوْلُ فَقُلْ مِثْلَہٗ فَلَمَّا اَنْ کَبَّرَ عَلَیْہِ الْاِمَامُ اللّٰہُ اَکْبَرُ قَالَ اَللّٰھُمَّ الْعَنْ فُلَانًا عَبْدَکَ اَلْفَ اَلْفِ لَعْنَۃٍ مُؤْتَلَفَۃً غَیْرَ مُخْتَلِفَۃٍ اَللّٰھُمَّ اَخْزِ عَبْدَکَ فِیْ عِبَادِکَ وَبِلَادِکَ وَ اَصْلِہٖ حَرَّ نَارِکَ اَذِقْہُ اَشَدَّ عَذَابِکَ فَاِنَّہٗ کَانَ یَتَوَلّٰی اَعْدَاءَکَ وَیُعَادِیْ اَوْلِیَاءَکَ وَیُبْغِضُ اَھْلَ بَیْتِ نَبِیِّکَ۔

ترجمہ:۔ امام صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک منافق مر گیا۔ حضرت امام حسین علیہ السلام جنازہ کے ہمراہ چلے جا رہے تھے کہ آپ کا غلام راستہ میں مل گیا۔ امام نے پوچھا، کہاں جاتا ہے؟ کہاں میں اُس کے جنازہ سے بھاگتا ہوں اس پر نماز پڑھنا نہیں چاہتا۔ آپ نے کہا، دیکھ میری داہنی جانب کھڑا ہو جانا اور جو کچھ میں کہوں تو بھی کہتے جانا۔ جب تکبیر ہوئی امام حسین نے یوں کہا۔ الٰہی تو اپنے فلاں فلاں بندے کو ہزار ہزار لعنتیں کر، جوڑی ہوئی الگ الگ نہ ہوں، الٰہی تو اپنے اس بندے کو اپنے بندوں اور شہروں میں رسوا کر اور آگ کی گرمی میں تپا اور اس کو سخت عذاب چکھا کہ یہ تیرے دشمنوں سے دوستی اور دوستوں سے دشمنی کرتا تھا اور تیرے نبی کے اہل بیت کا دشمن تھا۔

جائے غور ہے کہ حضرت امام حسینؓ ایسے بے رو و ریا شخص کو جس نے یزید کی بیعت نہ کرنے کے باعث اپنے اور اپنی اہلبیت کا سر کٹا دیا ایک منافق کے جنازہ پڑھنے کی ضرورت ہی کیا تھی؟ جس کی وجہ سے حاضرین جنازہ دھوکے میں پڑ جائیں کہ یہ تو

کوئی بڑا پکا سچا مسلمان تھا کہ اس کے جنازہ میں امام حسینؓ جیسے برگزیدہ امام بہ نفس نفیس تشریف لائے اور اس کے جنازہ کی نماز ادا فرمائی۔ غلام کے سوا کسی اور شخص کو کیا معلوم تھا کہ چپکے چپکے آپ کیا کہہ گئے دعا دی یا بددعا کرتے تھے؟

دوم:۔ نماز جنازہ تو صرف دعا کے لئے ہوتی ہے۔ اگر جناب امام کو اس کمبخت میت کے لئے بددعا کرنا ہی منظور تھی تو گھر میں بیٹھ کر کر سکتے تھے، جنازہ پر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ امام والا مقام کی بددعا گھر بیٹھے ہی تیر بہدف تھی۔

دیکھئے! کیسی کیسی بیہودہ روایات گھڑ کر ائمہ کرام کے ذمے اتہام لگاتے ہیں، بھلا جس شخص کے نانا رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہو کہ ایک منافق کے جنازہ پر جائیں تو اس کے لئے طلب مغفرت کریں حتیٰ کہ رب العزت فرمائے کہ اگر ستر دفعہ بھی اس نابکار کیلئے استغفار کی گئی تو بھی یہ بخشا نہ جائیگا۔ قربان جائیں اس نبی رؤف ورحیم کے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے میں اکہتر دفعہ استغفار کرتا اگر اس سے بخشا جاتا، پھر امام حسینؓ اپنے جدّ امجد کے خلاف ایسی سنگدلی کریں کہ میت کے جنازہ پر دعا کرنے کیلئے مدعو ہوں اور اُلٹے بددعا کرنے لگیں۔ استغفر اللہ!

بارھواں مسئلہ امام ران سے نکلتے ہیں:

قرآن گواہ ہے کہ تولد ہر ایک انسان کا ماں کے رحم سے ہوتا ہے۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ اس پر شاہد ہے لیکن شیعہ کا یہ اعتقاد ہے کہ امام رحم سے نہیں بلکہ ماں کی ران سے نکلتے ہیں۔ چنانچہ حق الیقین ص ۴۱۲ میں ہے۔ دوسری روایت کے مطابق حضرت نے فرمایا کہ ہم اوصیائے انبیاء کا حمل پیٹ میں نہیں رہتا بلکہ پہلو میں رہتا ہے اور ہم رحم سے باہر نہیں نکلتے بلکہ ماں کی ران سے نکلتے ہیں۔ کیونکہ ہم خدا کے نور ہیں اور خدا نے چرک ونجاست کو ہم سے دور کیا ہے۔

تیرھواں مسئلہ خنزیر کے بال و چمڑہ وغیرہ:

مسلمان خنزیر کو ایسا نجس سمجھتے ہیں کہ اس کا نام لینے سے بھی نفرت ہے لیکن شیعہ

حضرات خنزیر کے بال، پشم، چمڑے کو پاک سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خنزیر کے بالوں کی رسّی بنا کر کنویں سے پانی نکال کر پینا کوئی حرج نہیں ہے۔ نیز خنزیر چمڑے کا ڈول بنا کر استعمال کیا جا سکتا ہے روایات ذیل میں ملاحظہ ہوں۔

(۱) فروع کافی جلد ۱، ص ۴ میں ہے۔

[عَنْ زَرَارَۃَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلام قَالَ سَاَلْتُہٗ مِنَ الْحبْلِ یَکُوْنُ مِن شَعْرِ الخِنْزِیْر یستقٰی بِہٖ الْمَاءُ مِنَ الْبِیْر ھَلْ یُتَوضَّاءُ مِن ذالِکَ الْمَاء قَالَ لاَ بَاْسَ] ۔

ترجمہ:۔ ''زرارہ کہتے ہیں میں نے امام صادقؑ سے دریافت کیا کہ خنزیر کے بالوں کی رسی سے کنوئیں سے پانی نکال کر اسے وضو کیا جا سکتا ہے؟ آپ نے کہا، کچھ حرج نہیں ہے۔''

(۲) فروع کافی جلد ۲، جزو ۲، ص ۱۰۳ میں ہے:

[قَالَ فَقُلْتُ لَہٗ فشعر الْخِنْزِیرِ یَعْمَلُ حَبْلاً وَّ یُسْتَقٰی بِہٖ مِنَ الْبِیرِ الَّتِیْ یُشْرِبُ مِنھَا اَوْیتوَضَّآءُ مِنھَا قَالَ لاَ باسَ بِہٖ وَزَادَ فِیْہِ عَلِیِ بن عُقْبَہ وَ عَلِیُّ بْنُ الْحُسیْن بن رِبَاطٍ قَالَ والشَّعرُ والصُّوفُ کُلُّہٗ زَکِیٌّ]

ترجمہ:۔ ''راوی کہتا ہے، میں نے امام صادق علیہ السلام سے پوچھا، خنزیر کے بالوں کی رسی بنا کر کنوئیں سے پانی نکالا جائے جس سے پانی پیا جائے یا وضو کیا جائے؟ کہا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور علی بن عقبہ اور علی بن حسین بن رباط نے یہ ایزاد کیا ہے۔ فرمایا کہ خنزیر کے بال اور پشم سب پاک ہے۔''

(۳) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۵۰ میں ہے:

[سُئِلَ اَبُوْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلامُ وَاَبُوْ عَبْدُاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلامُ فَقِیْلَ لَھُمَا انَّا نشتریْ ثِیَابًا یُصِیبُھَا الْخَمْرُ وَ وَدَکَ الْخِنْزِیر أبعد حِکِّھَا انُصَلِّیْ فِیْھَا قَبْلَ اَنْ نَغْسِلَھَا فَقَالاَ نعم لاَبَاَسَ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ اَکله وَشَرْبَہٗ وَلَمْ یُحَرِّمْ لَبْسَہٗ وَمسَّہٗ وَالصَّلوٰۃَ فِیْھَا]

ترجمہ:۔ ''امام محمد باقر اور جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ ہم ایسے کپڑے خرید لیا کرتے ہیں کہ ان کو خنزیر کی چربی اور شراب لگا ہوا ہوتا ہے کیا ان کو چھیل کر دھوئے بغیر نماز اُن میں بھی پڑھی جا سکتی ہے؟ اُنہوں نے کہا، بے شک خدا نے خنزیر کا کھانا اور شراب کا پینا حرام کیا ہے، ان سے ملوث کپڑے پہن لینا یا چھونا اور ان سے نماز پڑھنا منع نہیں ہے۔''

خوب! یہ شیعہ پاک مذہب کی برکات ہیں کہ کپڑے کو خنزیر کی چربی لگی ہو یا شراب سے آلودہ ہو اس کو خوشی سے استعمال کرنا۔ کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ ان اشیاء کا کھانا پینا حرام ہے ویسے برت لینا منع نہیں ہے۔''

چودھواں مسئلہ

مذی۔ ودی۔ عضو مخصوص سے جو رطوبت خارج ہوتی ہے وہ پلید ناقص الوضو ہے لیکن شیعہ مذہب میں مذی اور ودی جو شرمگاہ سے خارج ہوتی ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا نہ نماز فاسد ہوتی ہے اگر بہہ کر ایڑیوں تک چلی جائے۔ شرمگاہ کو دھونے کی حاجت نہیں ہے۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۱، ص ۲۱ میں ہے:

[عَنْ زُرَارَةَ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ سَالَ من ذَکَرِکَ مِنْ مذی اَوْوَدِیٍ وَاَنْتَ فِی الصَّلٰوۃِ فَلَا تَغْسِلْہُ وَلَا تَقْطَعِ الصَّلٰوۃَ وَلَا تَنْقُضْ لَہُ الْوُضُوْءَ وَاِنْ بَلَغَ عَقِبَیْکَ فَاِنَّمَا ذٰلِکَ بِمَنْزِلَۃِ النُّخَامَۃِ .

ترجمہ:۔ ''امام جعفر صادق نے فرمایا، اگر تیرے ذکر سے مذی یا مذی خارج ہو جب تم نماز پڑھ رہے ہو تو اس کو مت دھوء اور نماز کو مت توڑو، وضو بھی شکست نہ سمجھو اگر چہ یہ بہہ کر تمہاری ایڑیوں تک جا پہنچے کیوں کہ یہ ایسا ہے جیسا ناک کا پانی بہنا۔''

(۲) من لایحضرہ الفقیہ، ص ۱۳ میں ہے:

[کَانَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلَیْہِ السَّلَامَ لَایَریٰ فِی الْمَذِیِّ وَضُوْءً لَا

غَسَلَ مَا اَصَابَ مِنْهُ وَرُوِیَ اَنَّ الْمَذِیَّ وَالْوَدِیَّ بِمَنْزِلَةِ الْبُصَاقِ وَالْمُخَاطِ فَلاَ یُغْسَلُ مِنْهُما الثَّوْبُ وَلاَ اِلَّا حَلِیْلِ

ترجمہ:۔"امیر المؤمنین مذی میں وضو کا حکم نہ دیتے تھے، اور نہ اس چیز کو دھونے کا جس کو مذی لگی ہو اور روایت کیا گیا ہے کہ مذی اور ودی تھوک یا ناک کے پانی کا حکم رکھتی ہیں پس جس کپڑے کو لگ جائیں اُسے دھونے کی حاجت نہیں ہے، بلکہ شرمگاہ (جہاں سے یہ پلیدی نکلی ہے) کو بھی دھونے کی ضرورت نہیں۔"

واہ شیعہ! پاک مذہب کا کیا کہنا، منہ، ناک اور شرمگاہ کو یکساں بنا دیا، جیسے منہ و ناک سے نکلی ہوئی رطوبت پاک ہے ویسا ہی اس ناپاک عضوِ مخصوص سے نکلی ہوئی رطوبت بھی پاک ہے...... کوئی جانے تو کیا جانے کوئی سمجھے تو کیا سمجھے؟

پندرھواں مسئلہ

کنوئیں میں کتا:۔ کتا نجس العین ہے، کنوئیں میں گر پڑے تو کنواں پلید ہو جاتا ہے جب تک سارا پانی نہ نکلے پاک نہیں ہوتا، لیکن شیعہ مذہب میں ہے، کتا، مرغی، چوہا، بلی وغیرہ کی طرح پانی میں گر جائے تو صرف پانچ ڈول نکال دو۔ کنواں پاک ہو جاتا ہے۔ فروع کافی جلد ۱، ص ۴ میں ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلام فِی الْفَارَةِ وَالسِّنَّوْرِ والدَّجَاجَةِ وَالطَّیْرِ والْکَلْبِ قَالَ مَالَمِ تَتفَسَّخُ اَفِیَتَغَیَّرْ طُعْمِ الْمَاءِ فَیَکْفِیْکَ خَمْسُ دِلاَءِ.

ترجمہ:۔"صادق علیہ السلام سے چوہا، مرغی، پنچھی، کتے کی بابت دریافت کیا گیا (جو کنوئیں میں گر پڑیں) آپ نے فرمایا اگر سوج نہ جائیں پانی کا ذائقہ نہ بدلے تو پانچ ڈول نکال دینا کافی ہیں۔"

سولھواں مسئلہ

شیعہ مذہب کی رو سے کنوئیں میں گوہ گر پڑے تو دس ڈول نکالنے کافی ہیں اور گل جائے تو چالیس ڈول۔ من لّا یحضرہ الفقیہ ص ۵ میں ہے۔

[متیٰ وَقَعَ فِیْ الْبِیْرِ عِفَارَةٌ اُسْتُقِیَ مِنهَا عَشْرُ دِلاَ ءِ وَاِنْ ذَابت

فِيهَا اُسْتُقِيَ مِنْهَا اَرْبَعُوْنَ دلوًا اِلىٰ خَمْسِيْنَ دَلْوًا]

ترجمہ:۔ "جب کنوئیں میں گوہ گر جائے تو دس ڈول پانی کے نکالے جائیں اور گل جائے تو چالیس سے پچاس تک نکالدیں۔"

سترھواں مسئلہ

کنوئیں میں گوہ سے بھری زنبیل گر پڑے گوہ گیلا ہو یا خشک تو کچھ حرج نہیں ہے، وضو کیا کریں، کوئی ڈول کھینچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ پر ہے۔

وَاِنْ وَقَعَ فِي الْبِيْرِ زَنْبِيْلٌ مِنْ عَذِرَةٍ رَطْبَةٍ اَوْيَابِسَةٍ اَوْ زَنْبِيْلٌ مِنْ سَرْقِيْنٍ فَلاَ بَاْس بالوضوءِ مِنْهَا وَلاَ يُنْزَحُ منها شئٌ

ترجمہ:۔ "کنویں میں گوہ سے آلودہ گیلا ہو یا خشک' زنبیل گر پڑے یا گوبر سے آلودہ تو کچھ حرج نہیں ہے اس کنویں کے پانی سے وضو جائز ہے کچھ بھی پانی نکالنے کی ضرورت نہیں ہے۔"

اٹھارھواں مسئلہ

نمازی مرد نماز میں کھڑا ہو اور کسی چیز کی ضرورت ہو تو اشارہ سے مانگ سکتا ہے۔ عورت کو کسی چیز کی حاجت ہو تو وہ تالی پیٹے یا رانوں پر ہاتھ مارے من لا یحضرہ الفقیہ میں ہے: عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي الرَّجُلِ اَرَادَ الحَاجَة وَهُوَ يُصَلِّيْ فِي الصَّلٰوةِ قَالَ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ وَالمراَةُ اِذَا اَرَادَ بالحَاجَةِ تَصْفَق. ترجمہ: امام صادق نے فرمایا: نمازی مرد نماز میں ہو اور کسی بات کی حاجت ہو تو ہاتھ سے اشارہ کر کے مانگ لے۔ اور عورت کو کوئی چیز مطلوب ہو تو وہ تالی بجائے۔

انیسواں مسئلہ

گھی یا تیل کے برتن میں کتا گر پڑے اور زندہ ہی نکال لیا جائے تو وہ گھی وغیرہ ناپاک نہیں ہوتا۔ فروع کافی جلد ۲ جزو ثانی، ص ۱۰۵ میں ہے:

[وَقَعَ الْفَارَةُ اَوِ الْكَلْبُ فِي السَّمْنِ وَ الذَّيْتِ ثُمَّ خَرَجَ مِنْهُ حَيًّا

لاَ بَاسَ بَاکلِہٖ]

ترجمہ:۔"چوہایا کتا گھی یا تیل میں گر پڑیں اور جیتے جی نکل جائیں، اس گھی وغیرہ کو کھایا جاسکتا ہے کچھ حرج نہیں۔"

بیسواں مسئلہ

گوشت کی دیگ پکائی جائے اور اس سے مرا ہوا چوہا نکل پڑے شوربا پھینک دیا جائے اور گوشت کو بوٹیاں دھوکر کھالو۔ کتاب مذکور، ص ۱۰۵ میں ہے۔

[قِدْرٌ طُبِخَتْ فَاِذَا فِیْہِ فَارَۃٌ یُھْرَاقُ مَرَقُھَا وَ یُؤْکَلُ لَحْمُھَا بَعْدَ اَنْ یُغْسَلَ]

ترجمہ:۔"دیگ میں گوشت پکایا گیا اور اُس میں سے چوہا نکلا ہو تو شوربہ پھینک دیا جائے اور گوشت دھوکر کھالیا جائے۔"

اکیسواں مسئلہ

ایک پانی کا پرنالہ اور دوسرا پیشاب کا جاری ہو، آپس میں مل جائیں۔ کپڑا یا اور چیز جس کو وہ پانی لگ جائے پلید نہیں ہوتے۔ فروع کافی، جلد ا، ص ۷۔

[عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ او اِنَّ مِیْزَابَیْنِ س الا اَحدہُ مَـامِیْـزَابُ بَوْلٍ وَاُخْرٰی مِیْزَابُ مَاءٍ فَاَخْتَلَفَ ثُمَّ اَصَابَکَ مَاکَانَ بِہٖ بَاسٌ]

ترجمہ:۔"صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ دو پرنالے جاری ہوں ایک پیشاب کا دوسرا پانی کا اور دونوں اکٹھے ہو جائیں اور اس میں سے کچھ تیرے بدن (یا کپڑے) سے لگ جائے اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔

بائیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب میں جنبی شخص قرأۃ قرآن کرسکتا ہے۔ فروع کافی، جلد ا، میں ہے۔

[عَنْ اُبْنِ بُکَیْرٍ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلَامُ عَنِ

الْجُنُبِ يَاكُلُ وَيَشْرَبُ وَ يَقْرَءُ يَذْكُرُ اللّٰهَ مَاشَآءَ]

ترجمہ:۔"ابن بکیر نے صادق علیہ السلام سے پوچھا کیا جنبی شخص کھا پی سکتا ہے، اور قرآن پڑھ سکتا ہے؟ آپ نے کہا، ہاں کھائے پیئے، قرآن پڑھے جس قدر ذکر اذکار کرنا چاہئے کرے۔"

تئیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب میں جنازہ بے وضو جائز ہے۔ فروع کافی جلد ا، ص ۹۳ میں ہے۔

[عَنْ يُونس بن يَعْقُوبَ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلاَمُ عَنِ الْجِنَازَةِ اُصَلِّيَ عَلَيْهَا بِغَيْرِ وَضُوْءٍ فَقَالَ نَعَمْ اِنَّمَا هُوَ تَكْبِيْرٌ وَتَسبِيحٌ وَ تَشَهُّدٌ]

ترجمہ:۔"یونس بن یعقوب نے صادق علیہ السلام سے دریافت کیا میں نماز جنازہ وضو کے بغیر پڑھ سکتا ہوں؟ آپ نے کہا۔ ہاں، جنازہ صرف اور تسبیح اور حمد وثناء۔"

چوبیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی ساس یا سالی سے یا جورو کی بیٹی سے زنا کرلے، عورت اس پر حرام نہیں ہوتی۔ فروع کافی جلد ۲، ص ۱۷۴ میں ہے۔

[عَنْ اَبِيْ جَعْفَرِ عَلَيْهِ السَّلاَمَ اِنَّه قَالَ فِي رَجُلٍ زَنٰى بِاُمِّ اِمْرَتِهٖ اَوْ ابابِنْتِهَا اَوْبِاُ ختِهَا فَقَالَ لاَ يُحرِمُ ذٰلِكَ عَلَيْهِ اِمْرَءَ تُهٗ]

ترجمہ۔"امام باقر علیہ السلام سے دریافت ہوا کہ کوئی شخص اپنی ساس یا جورو کی بیٹی سے یا سالی سے زنا کرے اس سے اس کی عورت حرام نہیں ہوتی۔"

پچیسواں مسئلہ

کوئی شخص اپنے باپ کی عورت یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ مزنیہ عورت زانی کے باپ پر حرام نہیں ہوجاتی۔ فروع کافی جلد ۲، ص ۱۷۶ میں ہے۔

[قَالَ قَالَ اَبُوْ جعفرُ صَلوٰۃ اللّٰہ عَلَیْہِ اِنْ زنی رَجُلٌ بِاِمْرَأۃ اَبِیْہِ اَوْجَادِیَۃِ اَبِیْہِ قَالَ ذٰلِکَ لاَ یُحَرِّمُھَا علٰی ازواجھا وَلاَ یُحَرِّمُ الْجَادِیَۃَ عَلٰی سَیِّدِھَا]

ترجمہ۔''امام باقر نے فرمایا، کوئی شخص اپنے باپ کی جورو یا لونڈی سے زنا کرے تو وہ عورت مزنیہ اس کے باپ پر اور وہ لونڈی آقا پر حرام نہیں ہو جاتی۔

چھبیسواں مسئلہ

شیعہ کی معتبر کتاب حدیث استبصار، ص۱۳۰ میں تصریح ہے کہ اپنی عورت سے خلافِ فطری حرکت کرنا جائز ہے بلکہ اس کے متعلق ایک عجیب روایت کتاب مذکورہ جلد۲، ص۳۰ میں یوں لکھی ہے۔

[عَنْ حَمَّادِ بْنِ عُثْمَانَ قَالَ سَئلتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ عَلَیْہِ السَّلاَمُ عَنْ الرَجُلِ یَاتِیَ الْمرْئَۃَ فِیْ ذٰلِکَ الْمَوْضِعِ وَفِی البیت جَمَاعۃٌ وَقَالَ لِیْ وَرَفَعَ صَوْتَہٗ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ کَلَّفَ مَمْلُوْکَۃ مالاَ یُطِیْقُ فَلْیَبِعْہُ ثُمَّ نَظَرَنِیْ وُجُوْہِ اَھْلِ الْبَیْتِ ثُمَّ صفیٰ اَبِیْ فَقَال لاَبَاسَ بِہٖ]

ترجمہ۔''حماد بن عثمان روایت کرتا ہے کہ میں نے حضرت امام صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اپنی عورت کی مقعد میں دخول کرنا کیسا ہے؟ اس وقت چونکہ آپ کے پاس بہت آدمی بیٹھے تھے آپ نے بلند آواز سے فرمایا۔ کہ اپنے غلام سے اس کی طاقت سے بڑھ کر خدمت لینی جائز نہیں بلکہ اسے فروخت کر دینا چاہئے۔ دوسرے لوگوں کے منہ کو دیکھ کر آپ نے اپنا منہ جھکا کر مجھے چپکے سے یہ فرمایا کہ اس میں کچھ حرج نہیں ہے۔''

اِس سے معلوم ہوا کہ امام عالی مقام علانیہ طور پر یہ مسئلہ بتانے سے شرماتے تھے۔ لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر راوی کے کان میں کہہ دیا کہ ہاں! اس فعل سے کچھ حرج نہیں ہے۔

فروع کافی جلد۲، ص۲۳۴ میں ہے۔

[قُلْتُ لِلرِّضَاء عَلَيْهِ السَّلَامَ اِنَّ رَجُلاً مِنْ مَوَالِيْکَ اَمَرَ نِی لاَ اَسْئَلَکَ عَنْ مَسْئَلَةٍ هَا بَکَ واستحيٰ مِنکَ اَنْ يَّسْئَلَکَ قَالَ وَمَا هُوَ قُلْتُ الرَّجَلَ يَاتِی امْرَءَ تَهُ فِیْ بُرِهَا قَالَ ذٰلِکَ لَهُ قُلْتُ فَاَنْتَ تَفْعَلُ ذٰلِکَ قَالَ اِنَّالاَ تَفعل ذَالِکَ]

ترجمہ۔ ''راوی کہتا ہے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے عرض کی کہ آپ کا غلام ایک مسئلہ دریافت کرنا چاہتا ہے، آپ سے مارے دہشت و شرم کے نہیں پوچھ سکتا۔ فرمایا کیا ہے؟ میں نے کہا مرد اپنی عورت کی مقعد میں ادخال کر سکتا ہے؟ آپ نے کہا، ہاں اسے اجازت ہے۔ میں نے کہا، آپ بھی ایسا کیا کرتے ہیں؟ کہا ہم ایسا نہیں کیا کرتے۔'' (خود را فضیحت، دیگران را نصیحت)

ستائیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب میں اپنی عورت کی شرمگاہ کو بوسہ دینا چومنا جائز ہے۔ فروع کافی جلد۲، ص۲۰۴۔

[عَنْ عَلِي اِبْن جَعْفَرَ قَالَ سَئَلْتُ اَبَا الْحسن عَنِ الرَّجُلِ يُقَبِّلُ فَرْجَ اِمْرَأَتِهِ قَالَ لاَ بَأسَ]

ترجمہ۔ ''حضرت علی بن جعفر سے روایت ہے کہ میں نے امام ابوالحسن سے دریافت کیا کہ مرد اپنی عورت کی شرمگاہ کو چوم سکتا ہے؟ آپ نے کہا حرج نہیں ہے۔''

اٹھائیسواں مسئلہ

اپنی عورت کی شرمگاہ کو دیکھنا بھی مضائقہ ندارد۔ اسی کتاب کے صفحہ مذکورہ میں ہے۔

[عَنْ اِسحَاق بِن عَمَّارٍ عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِی

الرَّجُلِ يَنظُرُ اِلىٰ اِمْرَأتِهٖ وَهِيَ عُرْيَانَةٌ قَالَ لَا بَاْسَ بِذٰلِكَ وَهَلِ اللَّذَّةِ اِلَّا بِذٰلِكَ]

ترجمہ۔''اسحاق بن عمار نے صادق سے دریافت کیا کہ مرد اپنی عورت کی شرمگاہ بحالت برہنگی دیکھ سکتا ہے؟ آپ نے کہا کیا مضائقہ بلکہ مزہ تو اسی میں ہے''۔ حاشا وکلا ائمہ طاہرین کی طرف ایسے حیا کش مسائل منسوب کرنا انکی غایت درجہ کی توہین ہے۔ایسی باتیں تو شہوانی مزاج تماشہ بین کرنے سے بھی شرماتے ہیں۔

انتیسواں مسئلہ:

عاریۃ الفرج (شرمگاہ دوسرے کو عاریۃً دے دینا) بھی جائز لکھا ہے:

استبصار جلد ۲، ص ۷۵ میں ہے:

سالت ابا عبدالله علیه السلام عن عارية الفروج قال لاباس به.

ترجمہ: ''امام صادق علیہ السلام سے مسئلہ عاریۃ الفروج دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا مضائقہ نہیں۔''

تیسواں مسئلہ

جناب امیر علیہ السلام سے ایک مسئلہ منسوب کیا گیا جو عقلاً ونقلاً قابلِ تسلیم نہیں وہ یہ کہ ایک عورت جنگل میں اکیلی جا رہی تھی، اس کو سخت پیاس لگی، ایک اعرابی سے پانی مانگا، اس نے کہا، ایک شرط پر پانی دیتا ہوں کہ مجھ سے ہمبستر ہو۔ مجبوراً عورت نے مان لیا، اعرابی نے مُنہ کالا کیا، عورت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے دربار میں آ کر اقبالی ہوئی۔ آپ نے سنگساری کا حکم دیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کہا کوئی جرم نہیں ہوا۔ عورت کی رضامندی سے یہ فعل ہوا، پس یہ نکاح ہو گیا۔ چلو چھٹی ہوگئی۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۲، ص ۱۹۰ میں ہے۔

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ جَائَتْ اِمْرَأَةٌ اِلىٰ عُمَرَ

فَقَالَتْ اِنِّیْ زَنَیْتُ فَطَهِّرْنِیْ فَاَمَرَ بِهَا اَنْ تُرْجَمَ فَاُخْبِرَ بِذَالِکَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ صَلٰوۃُ اللّٰهِ عَلَیْهِ قَالَ کَیْفَ زَنَیْتِ فَقَالَتْ بِالْبَادِیَةِ فَاَصَابَنِیْ عَطَشٌ شَدِیْدٌ فَاسْتَقَیْتُ اَعْرَابِیًا فَاَبٰی اَنْ یَسْقِیَنِیْ اِلَّا اَنْ اُمَکِّنَهٗ مِنْ نَفْسِیْ فَلَمَّا اَجْهَدَنِی الْعَطَشُ وَ خِفْتُ عَلَیَّ فَاَمْکَنْتُهٗ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ تَزْوِیْجٌ وَ رَبِّ الْکَعْبَةِ

ترجمہ۔ ''صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ ایک عورت حضرت عمرؓ کے پاس آئی اور کہا میں نے زنا کیا ہے۔ آپ مجھے پاک کیجئے، آپ نے سنگساری کا حکم دیا، جناب امیرؓ کو اس بات کی اطلاع ہوئی، آپ نے عورت سے پوچھا، تو نے کس طرح زنا کیا؟ اس نے کہا میں جنگل میں جارہی تھی مجھے سخت پیاس لگی، ایک اعرابی سے پانی مانگا، اس نے کہا مجھ سے ہمبستری کرلے تو پانی دوں گا۔ جب پیاس نے مجھے بے تاب کیا اور مرجانے کا اندیشہ ہوا تو میں نے اسے اپنے نفس پر قابو دیا۔ امیرؓ نے فرمایا بخدا یہ تو نکاح ہوگیا ہے۔''

جائے غور ہے کہ متعہ تو شیعہ کے ہاں مروج تھا ہی، اس روایت پر عمل کیا جائے تو زنا کا بھی دُنیا سے نام ہی اُٹھ جائے۔ بازاری عورتوں سے جو لوگ زنا کا ارتکاب کرتے ہیں اس میں بھی عورت و مرد باہم راضی ہو جاتے ہیں۔ یہاں تو صرف پانی پلایا گیا وہاں روپیہ بھی دیا جاتا ہے اور یہاں پیاس کی مجبوری تھی وہاں بھوک ستاتی ہے، پھر وہ بطریق اولیٰ جائز ہوگیا، زنا نہ رہا۔ تعجب ہے کہ ارکانِ نکاح دو گواہ وایجاب وقبول میں سے ایک بات بھی نہ ہوئی۔ عورت مجبوری سے بدکاری پر راضی ہوگئی اس کی کانشنس نے اسے شرمندہ کیا، وہ سمجھتی تھی کہ میں نے خلافِ شرع زنا کا ارتکاب کیا ہے، خوفِ عقبیٰ سے دربارِ شریعت میں گئی تا کہ سزا ہو کر عفو جرم ہو۔ امیرؓ نے حکم دے دیا۔ سزا کی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ یہ تو نکاح میں داخل ہوگیا ہے۔ یہ کس قدر بہتان امیرؓ پر ہے۔ مخالف اسلام یہ واقعہ سن لے تو وہ

کیا کچھ بکواس کرے۔ یہ شیعیانِ علی ہیں جو آپ کو یوں مطعون کرتے ہیں ؎

من از بیگا نگاں ہرگز نہ نالم
کہ بامن ہرچہ کرد آں آشنا کرد

کسی نے سچ کہا ہے۔ ''دشمنِ دانا بہ از نادان دوست''۔

اکتیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب میں ہے کہ عورت اونٹ پر سوار ہو، اور مرد جماع کرنا چاہے تو بھی اُسے انکار نہ کرنا چاہیے۔ تحفۃ العوام، ❶ ص ۲۸٦ میں ہے۔

''شوہر کو منع نہ کرے جماع سے اگرچہ پشتِ شتر پر ہو۔'' اللہ رے بے شرمی!

بتیسواں مسئلہ

لڑکے کا ختنہ تو سب لوگ کیا کرتے ہیں۔ شیعہ مذہب کی رو سے لڑکیوں کو بھی ختنہ کرنا چاہیے۔ فروع کافی جلد۲، ص۱۷۲ میں ہے۔

[عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَلْخِتَانُ سُنَّةٌ فِی الرِّجَالِ وَ مَكْرُمَةٌ فِی النِّسَآءِ]

ترجمہ۔ امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''ختنہ لڑکوں میں تو سنت ہے اور عورتوں میں باعث فضیلت ہے''۔ ایسا ہی حق الیقین اردو، ص۲۷ میں ہے۔ ''ختنہ کا حکم سُنتِ واجبہ ہے پسر کے لئے اور دختر کے لئے شوہر کے نزدیک اِس کی قدر و منزلت کا باعث ہے۔'' واہ چہ خوش!!

تینتیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب کے رو سے خصی مرد سے عورتوں کو پردہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فروع کافی، جلد۲، ص۲۳۱ میں ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ اِسْمَاعِیْلَ بن بُزَیْعٍ قَالَ سَأَلْتُ اَبَالْحَسَنِ الرضا

---

❶ ایسا ہی فروع کافی جلد۲، ص۲۱۹ میں ہے۔

عَلَیْهِ السَّلَامُ عَنْ تَنَاعِ الْحَرَائِرِ مِنَ الْخُصْیَانِ قَالَ کَانُوْ یَدْخُلُوْنَ عَلٰی بَنَاتِ اَبِیْ الْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ وَلَا یَتَقَنَّعْنَ قُلْتُ فَکَانُوا اَحْرَارً قَالَ لَا قُلْتُ فَالاُحْرَارُ یُتَقَنَّعُ مِنْهُمْ قَالَ لَا.

ترجمہ۔ ''محمد بن اسمٰعیل کہتا ہے، میں نے امام رضا سے پوچھا۔ کیا اصیل عورتوں کی خصی مردوں سے پردہ کرنا چاہیے۔ آپ نے کہا۔ خصی مرد ابوالحسن کی لڑکیوں کے سامنے ہوا کرتے تھے۔ راوی نے کہا کیا وہ مرد اصیل تھے۔ کہا نہیں پھر راوی نے کہا۔ کیا اصیل خصی مرد سے پردہ کرنا چاہیے، کہا نہیں۔

چونتیسواں مسئلہ

جلق (مشت زنی) کرنے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ فروع کافی جلد ۲، ص ۲۳۴ میں ہے۔

[عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ سَئَلْتُهُ عَنِ الْجلقِ ...... قَالَ نَاکِحِ نَفْسِهٖ لَا شَیْءَ عَلَیْهِ]

ترجمہ۔ ''امام جعفر صادق سے دربارۂ خلق (مشت زنی) دریافت کیا گیا۔ آپ نے کہا، اپنے وجود سے فعل کرتا ہے اسے کوئی مواخذہ نہیں ہے۔''

پینتیسواں مسئلہ

شیعہ کی مستند کتاب فروع کافی جلد ۲، ص ۲۵۲، میں لکھا ہے کہ جو شخص محرم عورتوں، ماں، بہن، بیٹی وغیرہ سے نکاح کر کے جماع کر لے اس کو زنا نہیں کہتے، بلکہ من وجہ یہ فعل حلال ہے اور من وجہ حرام ہے۔ اس کو سفاح کہیں گے زنا نہیں کہہ سکتے۔ اولاد پیدا ہو، اس کو اولاد زنا کہنا جائز نہیں ہے۔ جو ایسے مولود کو ولدالزنا کہے وہ قابل سزا ہے۔ ملخص عبارت یوں ہے۔

[اَلَّذِیْ یَتَزَوَّجُ ذَوَاتِ الْمَحَارِمِ الَّتِیْ ذَکَرَهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ تَحْرِیْمَهَا فِی الْقُرْآنِ مِنَ الْاُمَّهَاتِ وَالْبَنَاتِ اِلٰی اٰخِرِ الْاٰیَةِ کُلُّ ذٰلِکَ حَلَالٌ مِنْ جِهَةِ التَّزْوِیْجِ حَرَامٌ مِنْ جِهَةِ مَانَهَی اللّٰهُ

عَزَّوَجَلَّ عَنْهُ لَا يَكُونَ اَوْلَادُهُمْ مِنَ الْوَجْهِ نَوْجِهِ اَوْلَادَ الزِّنَا وَمَنْ قَذَفَ الْمَوْلُوْدَ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ جُلِّدَ الْحَدِّ لِاَنَّهُ مَوْلُوْدٌ بِتَزْوِيجِ رُشْدَةٍ]

ترجمہ۔ "جو شخص محرم عورتوں کو جن کی حرمت کا خدا نے قرآن میں ذکر کیا ہے، ماؤں، بیٹیوں وغیرہ سے (جن کا آخر آیت تک ذکر ہے) نکاح کریں۔ یہ سب حلال ہیں نکاح کی جہت سے اور حرام ہیں اس وجہ سے کہ اللہ نے اس سے منع فرمایا ہے اور ان کی اولاد اس وجہ سے اولاد زنا نہیں ہے۔ جو شخص ان لڑکوں کو جو اس وجہ سے پیدا ہوں تہمت دے (کہ وہ ولدالزنا ہیں) اُسکو سزائے تازیانہ دی جائیگی کیونکہ وہ نکاح صحیح سے پیدا ہوئے ہیں:۔

اللہ اللہ! شیعہ کے مسائل کا کیا کہنا شاعر کہتا ہے۔

يُلَازِمُكَ الْخَطَاءُ بِكُلِّ رَاْيٍ
لَعُمْرِي اَنْتَ اَزْكَى الْاَزْكِيَاءِ

چھتیسواں مسئلہ

شیعہ مذہب کے نزدیک سُنی مسلمان، کُتے اور ولدالزنا سے بھی بُرا ہے۔ فروع کافی جلد ا، ص ۸ پر ہے۔

[عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ لَا تَغْتَسِلْ مِنَ الْبِيْرِ الَّتِيْ يَجْتَمِعُ فِيْهَا الْحَمَامُ فَاِنَّ فِيْهَا غُسَالَةُ وَلَدِ الزِّنَا وَهُوَ لَا يَطْهُرُ اِلٰى سَبْعَةِ اٰبَاءٍ وَفِيْهَا غُسَالَةُ النَّاصِبِ وَهُوَ شَرُّهُمَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَخْلُقْ خَلْقًا اَهْوَنَ مِنَ الْكَلْبِ وَاِنَّ النَّاصِبَ اَهْوَنُ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْكَلْبِ]

ترجمہ۔ " امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ ایسے کنویں کے پانی سے مت نہاؤ جن میں حمام کا مستعمل پانی پڑتا ہے، کیونکہ اس میں ولدالزنا کے بدن کا پانی بھی گرا ہوا ہوتا ہے اور ولدالزنا سات پُشت تک پاک نہیں ہوسکتا اور اس میں ناصبی (سُنی) کے بدن سے گرا ہوا پانی بھی ہوتا ہے اور ناصبی

(سُنی) ولدالزنا اور کُتے سے بھی بدتر ہے۔ خدا نے تمام مخلوق سے برا کُتے کو بنایا ہے اور ناصبی کُتے سے بھی بُرا ہے۔''❶

دیکھو! شیعہ صاحبان، سُنیوں کو کُتے اور ولدالزنا سے بھی بُرا سمجھتے ہیں، پھر اگر سُنی ان سے برتاؤ کریں تو اُن سے بڑھ کر کون بے غیرت ہو سکتا ہے؟

سینتیسواں مسئلہ

شیعہ کے عقیدے کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ثلاثہؓ و ازواج پاک پر لعنت وتبرا داخل ثواب ہے۔ چنانچہ بحوالہ تحفۃ العوام لکھا جا چکا ہے۔ اور نیز حق الیقین ص ۶۸۵ میں ہے۔

''اور ہمارا اعتقاد اس برأت (تبرا) میں یہ ہے کہ بیزاری طلب کرنا چاہئے چاروں بتوں سے یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ و معاویہؓ چاروں عورتوں سے یعنی عائشہؓ، حفصہؓ و ہندہؓ و ام الحکم سے اور ان کے تمام اتباع واشیاع سے۔''

دیکھو شیعہ ہمارے بزرگانِ دین اصحاب ثلاثہؓ کو بُت قرار دیتے ہیں۔ ان کو اور امہات المومنین ازواج رسول کو لعنت وتبرا دینا واجب سمجھتے ہیں اور اس لعنت وتبرا میں تمام دوستداران اصحاب ثلاثہ و ازواج پاک کو بھی شریک کرتے ہیں۔ پھر اگر ہم ایسوں کو کافر کہیں تو ہمیں متعصب اور اتفاق میں خلل انداز سمجھا جاتا ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

اڑتیسواں مسئلہ

شیعہ کے نزدیک ان ائمہ اہلبیت پر بھی لعنت وتبرا بھیجنا واجب ہے جنہوں نے

---

❶ شیعہ سُنی کو ناصبی کہتے ہیں۔ جیسے حق الیقین ص ۶۳۹ میں ابن ادریس نے کتاب السرائر میں روایت کی کہ لوگوں نے امام علی نقی کی خدمت میں عریضہ لکھا کہ آیا ہم ناصبی کے جاننے اور پہچاننے میں اس سے زیادہ کے محتاج ہیں کہ حضرت امیر المومنین پر ابوبکرؓ و عمرؓ کو مقدم جانے اور ان کی امامت کا اعتقاد رکھے؟ حضرت نے جواب دیا کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے وہ ناصبی ہے۔

دعویٰ امامت کیا چنانچہ حق الیقین ص ۶۳۶ میں لکھا ہے کہ ثلاثہ دشمنان اہل بیت اور معاویہ و یزید و دیگر مخالفین اہل بیت سے بیزاری واجب ہے کیونکہ انہوں نے خلافت کا جھوٹا دعویٰ کیا بلکہ خلفائے اسمٰعیلیہ اور زیدیہ سے بھی بیزاری واجب ہے کیونکہ انہوں نے امامت کا جھوٹا دعویٰ کیا۔

ہمارے تو رہے، شیعانِ علیؓ کے دست ستم سے اولادِ علیؓ (اہلبیت) بھی نہ بچ سکے تو ثلاثہؓ تو کس شمار میں ہیں ۔

صوفی و رند دونوں تیرے غمزہ سے تباہ
خانقاہ گر ہے ویراں تو خرابات خراب

انتالیسواں مسئلہ

شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی جلد۴، کتاب الروضہ، ص ۱۱۰ میں ہے۔ کہ حضرت امام زین العابدین نے یزید کی بیعت کی۔ عبارت یہ ہے۔

[ثُمَّ اَرْسَلَ اِلٰی عَلِی ابْنَ الْحُسَیْنَ علیھما السَّلَامْ فَقَالَ لَہٗ مِثْلَ مَقَالَتِہٖ لِلْقُرَشِیْ فَقَالَ لَہٗ عَلِیُّ بْنُ حُسَیْنٍ عَلَیْھِمَا السَّلَامُ أَرَاَیْتَ اِنْ لَمْ اُقِرَّلَکَ اَلَیْسَ تَقْتُلْنِیْ کَمَاقَتَلْتَ الرَّجُلَ بِالْاَمْسِ فَقَالَ لَہٗ یَزِیْدُ لَعنَۃُ اللّٰہِ بَلٰی فَقَالَ لَہٗ عَلِیُ ابْنُ حُسَیْنَ عَلَیْھِمَا السَّلَامْ قَدْ اَقْرَرْتُ لَکَ بِمَاسَاَلْتَ اَنَا عَبْدٌ مُکْرَۃٌ لَکَ فَاِنْ شِئْتَ فَاَمْسِکْ وَان شِئْتَ فَبِعْ فَقَالَ لَہٗ یَزِیْدُ لَعْنَۃُ اللّٰہِ اَوْلٰی لَکَ حَقَنْتَ دَمَکَ وَلَمْ یَنْقُصْکَ ذٰلِکَ مِنْ شَرَفِکَ].

ترجمہ۔ ”پھر یزید نے امام زین العابدین کے پاس آدمی بھیجا اور ان کو وہی بات کہی جو قریشی مرد کے ساتھ کہی تھی۔ امام نے کہا، یہ تو بتاؤ کہ میں (تمہاری بیعت کا) اقرار نہ کروں تو مجھے قتل کر دے گا جیسا کہ کل مرد قریش کو

قتل کر دیا گیا ہے۔ یزید نے کہا ہاں ایسا ہی ہو گا۔ امام زین العابدین نے کہا میں تیری خلافت کو تسلیم کرتا ہوں ۔ میں تو تمہارا غلام ہوں، خواہ مجھے اپنے پاس رکھو یا فروخت کر دو۔ یزید نے کہا، تو نے اچھا کیا ہے اپنی جان بچالی ہے اور تیری شان میں کمی نہیں ہوئی۔''

غور کرو شیعہ کہا کرتے ہیں کہ اہل السنۃ والجماعۃ یزید کو خلیفہ مانتے ہیں۔ اہل سنت تو اس فاسق کو کبھی خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ لیکن شیعہ ہیں کہ امام زین العابدین کی بیعت کے قائل ہیں۔ بھلا یہ کس طرح مانا جا سکتا ہے کہ ایک قریشی تو اس ملعون کی بیعت کرنے پر موت کو ترجیح دے اور امام سجاد زین العابدین جو اس امام عالی مقام کے فرزند تھے جنہوں نے صرف بیعت نہ کرنے کی وجہ سے اپنی اور اپنے اہلبیت کی جان قربان کر دی، ان سے یزید کی غلامی کا اقرار اپنی اکیلی جان کی خاطر کب متصور ہو سکتا تھا۔ اس سے تو ثابت ہوتا ہے معاذ اللہ ایک عام قریشی بھی امام موصوف سے استقامت میں بڑھ نکلا کہ ایک فاسق و فاجر کی بیعت پر اپنی جان کی قربانی کو ترجیح دی لیکن امام نے جان کو ایمان سے زیادہ عزیز سمجھا۔ [اِنْ هٰذَا اِلَّا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ]

چالیسواں مسئلہ

تمام مسلمانوں کا اعتقاد ہے کہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ہر ایک مسلمان پر فرض ہے۔ جس کی ادائیگی پر وہ خود مجبور ہے، لیکن شیعہ کا عقیدہ ہے کہ بعض شیعہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا فریضہ ادا کریں تو بعض نہ کرنے والوں کی تلافی ہو جاتی ہے۔ گویا یہ سب امور فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہیں۔ اصولِ کافی ص ۵۸۵ میں ہے۔

عَنْ اَبِی عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ عَزَّ و جَلَّ لَیَدْفَعُ بِمَنْ یُصَلِّیْ عَمَّنْ لَایُصَلِّیْ مِنْ شِیْعَتِنَا وَلَوْ اَجْمَعُوْا عَلٰی تَرْکِ الصَّلٰوةِ لَهَلَکُوْا اَوْ اِنَّ اللّٰهَ لَیَدْفَعُ بِمَنْ یُزَکِّیْ مِنْ شِیْعَتِنَا عَمَّنْ لَا یُزَکِّیْ وَلو اجمعُوا عَلٰی تَرْکِ الزکوٰةِ لَهَلَکُوا اوْ ان اللّٰه

لَیَدْفَعُ بِمَنْ یحج من شیعتنا عمن یحج ولوا اجْمَعُوْ اعلٰی تَرَکِ الْحَجَّ لَهَلَکُوْ وَهُوَ قَوْلُ اللّٰهِ عَزّوجَلَّ و لَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰکِنَّ اللّٰه ذُوْفَضْلٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ فَوَ اللّٰهِ مَانَزَلَتْ اِلَّافِیْکُمْ وَلَا عُنِیَ بِهَا غَیْرُکم

ترجمہ۔ ''امام صادق علیہ السلام نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سے نماز پڑھنے والے شیعوں کے طفیل بے نمازوں کو بچالیتا ہے اور اگر ہمارے سارے شیعہ بے نماز ہو جائیں تو سب ہلاک ہو جائیں۔ اسی طرح زکوٰۃ دینے والے شیعوں اور حج کرنے والوں کے طفیل نہ زکوٰۃ دینے اور نہ حج کرنے والے شیعہ بچ جاتے ہیں اور ورنہ سب ہلاک ہو جائیں۔ یہی مفہوم ہے اس آیت کا کہ اگر خدا بعض لوگوں کے طفیل بعض کی مدافعت نہ کرے تو زمین تباہ ہو جائے۔ بخدا یہ آیت صرف تم شیعوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ اس سے غیر بالکل مراد نہیں ہیں۔''

خوب! شیعہ صاحبان کیلئے بہت سے دیگر اعمال ایسے موجود ہیں جن کی بدولت بے تعداد فرشتے پیدا ہو جاتے ہیں جو قیامت تک ان نیک اعمال کے بجالانے والوں کے لئے تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں اور وہ سب نیکی ان نیک مردوں کے نامہ اعمال میں لکھی جاتی ہے جیسا کہ متعہ جیسا کارِ ثواب کرنے والے ہیں۔ (کَمَامَرَّ)

یہ بھی کتب شیعہ میں لکھا ہے کہ اگرچہ بنائے اسلام پانچ ہیں۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ولایت۔ سب سے فضیلت ولائیت کو ہے جیسا کہ اصول کافی میں ہے۔ نیز جناب امیر علیہ السلام کی ولایت کے قائل ہو جانے سے شیعہ صاحبان داخل جنت ہو سکتے ہیں بالخصوص جب سال بھر میں ایک دفعہ غم امام حسینؓ میں سینہ کوبی کر لیں۔ پھر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ ایسی صعوبات میں پڑنے کی انہیں کیا ضرورت ہے؟

اکتالیسواں مسئلہ

شیعہ حضرات شیخین ؓ کو لعنت وتبرا کہنا اتنا بڑا ثواب سمجھتے ہیں کہ ایک دفعہ لعنت کرنے سے سات کروڑ نیکی کا درجہ ملتا اور سات کروڑ گناہ بخشے جاتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کا فخر المحققین مرزا ابوالفضل اسے یوں نقل کرتا ہے۔

''بالجملہ خاتمہ ایں بحث را بنقل یک حدیث در ثواب لعن جبت وطاغوت کہ در عرف اہل بیت عبارت از تیم وعدی است وگاہ بمطاق غاصبین حقوق ثمرات زاکیہ تاویل شدہ اختصار میکنم فاضل زاہد ورع اخوند ملا محمد کاظم ہزار جریبی کہ تلامذہ استاد عالم آقائے بیہبانی قدس سرہ بودہ وخود از فضلائے محدثین وعرفائے مخلصین است۔ در کتاب اجمع الفضائح از ابوحمزہ ثمالی رضی اللہ عنہ حدیث میکند کہ وے از امام ہمام زین العابدین وسید الساجدین علیہ السلام روائت کردہ۔

قَالَ مَنْ لَعَنَ الْجِبْتَ والطَّاغُوتَ لَعْنَةً وَاحِدَةً كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ سَبعِيْنَ اَلْفَ اَلْفَ حسنةٍ وَ حَسَنَةٍ وَ وَحىٰ عَنْهُ الْفَ الْفِ سَيِّئَةٍ ورَفَعَ لَهُ سَبْعِيْنَ اَلْفَ اَلْفَ دَرَجَةً وَمَنْ اَمْسىٰ يَا مَنهالَعْنَةً وَاحِدَةً كُتِبَ مِثْلَ ذٰلِكَ قَالَ مُوْلَانَا عَلِيُّ بْنُ الْحُسَيْنُ فَدَخَلْتُ عَلٰى مولٰينا اَبِيْ جَعْفَر مُحَمَّدِ الْبَاقِرَ فَقُلْتُ يَا مَوْلَائِيْ حَدِيْثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ اَبِيْكَ قَالَ هَاتِ يَاشَمَالِيْ فَاعَدْتُ عَلَيْهِ الْحَدِيْث قَالَ نِعْمَ يَاشَمَالِيُّ اَتُحِبُّ اَنْ اَزِيْدكَ فَقُلْتُ بَلٰى يَا مَوْلَائِيْ فَقَالَ مَنْ لَعْنَهُمَا لَعْنَةً وَاحِدَةً فِيْ كُلِّ عداةٍ لَمْ يكْتَب عَلَيْهِ ذَنْبٌ فِيْ ذالِكَ الْيومُ حَتّٰى يُمْسِيْ وَمَنْ اَمْسٰى وَلَعَنَهُمَا لَمْ يُكْتَب عَلَيْهِ ذَنبٌ فِيْ لَيْلَةٍ حَتّٰى تُصْبِحَ؛ قَالَ فَمَضىٰ اَبُو جَعْفَرَ فَدَخَلْتَ عَلٰى مَوْلَانَا الصَّادِقِ فَقُلْتُ حَدِيْثٌ سَمِعْتُهُ مِنْ اَبِيْكَ وَجَدِكَ فَقَالَ يَا اَبَا حَمْزَةَ فَاعَدْتُ عَلَيْهِ الْحَدِيْث فَقَالَ حَقًا يَا اَبَا حَمْزَةَ ثُمَّ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَيُرْدفعُ الْفَ الْفَ

دَرَجَۃٍ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ کَرِیْمٌ.

ترجمہ: ’’جو شخص جبت و طاغوت (ابوبکرؓ و عمرؓ) کو ایک دفعہ لعنت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سات کروڑ نیکی کا ثواب دیتا ہے اور اس کے سات کروڑ گناہ معاف کرتا ہے اور اس کے ساتھ کروڑ درجے بلند کرتا ہے۔ جو شام کو اُن دونوں پر ایک دفعہ لعنت کرے اور اسی قدر اس کو ثواب حاصل ہوتا ہے۔ کہا جب حضرت زین العابدین گزر گئے تو میں حضرت امام باقر کے پاس آیا اور کہا کہ جناب میں نے ایک حدیث آپ کے والد ماجد سے سُنی ہے۔ فرمایا بتاؤ اے ثمالی! میں نے وہ حدیث سنائی تو فرمایا ہاں ٹھیک ہے۔ کیا تو چاہتا ہے کہ میں مزید بتاؤں، میں نے کہا ہاں حضور، آپ نے فرمایا، جو شخص ہر صبح کو ایک دفعہ دونوں پر لعنت کرے اس رات کو اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا شام تک، اور جو شام کو ان دونوں پر لعنت کرے اس رات کو اس کا کوئی گناہ نہیں لکھا جاتا صبح تک۔ کہا، جب محمد باقر گزر گئے تو میں امام صادق علیہ السلام کے پاس گیا اور کہا کہ میں نے آپ کے باپ دادوں سے ایک حدیث سُنی ہے۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اے ابوحمزہ! میں نے حدیث سُنائی فرمایا۔ بالکل درست ہے پھر فرمایا اس کے سات کروڑ درجے بھی بلند ہوتے ہیں۔ پھر فرمایا اللہ تعالیٰ واسع الرحمت اور کریم ہے۔

جائے غور ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بتوں کو بھی بُرا کہنے سے منع کرے اور جناب باقر علیہ السلام فرمائیں کہ سِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُہٗ کُفْرٌ یعنی مسلمان کو بُرا کہنا کبیرہ جرم ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔ امام ممدوح کے متبع لعنت کو ثواب عظیم اور باعثِ رفع درجات سمجھتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو شیعوں کو نماز و روزہ، حج و زکوٰۃ وغیرہ عبادات کی ادائیگی کی ضرورت کیا ہے۔ جب وہ لعنت کا ورد کر کے پورے لعنتی بن جائیں تو نیکیاں ان کے نامہ اعمال میں درج ہو جاتی ہیں اور کروڑوں گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کروڑوں درجے بلند ہو جاتے ہیں۔ دن کو لعنت کا وظیفہ کر لیں تو دن بھر گناہ کرتے پھریں، ان کا کوئی گناہ شام تک نہیں لکھا جاتا اور رات کو وظیفہ کے بعد صبح

تک کوئی بدی نہیں لکھی جاتی۔ تو چلو چھٹی ہوئی، چوری، زنا، شراب نوشی، حرام کاری وغیرہ سب بدمعاشیاں کرتے رہیں، ان کو کوئی باز پرس نہ ہوگی۔ ایسے عقائد، ایسے مذہب کا کیا کہنا؟

بیالیسواں مسئلہ

شیعہ نہ صرف فاتح روم و فارس، خسر نبی و دامادِ علیؓ حضرت عمرؓ کو ہی معاذ اللہ کافر کہتے ہیں بلکہ تمام اہل سنت والجماعت کو جو ان کو اپنا پیشوائے دین سمجھتے ہیں کافر کہتے ہیں۔ چنانچہ مُلا باقر مجلسی اپنی کتاب حیات القلوب میں لکھتا ہے۔

وشکے نیست در کفر عمرؓ و کسے کہ عمر را مسلمان داند۔

پھر اگر ہم غالی شیعہ کو کافر کہیں تو ہمیں کیوں ملامت کی جاتی ہے۔

ہم آہ بھی کرتے ہیں تو ہو جاتے ہیں بدنام
وہ قتل بھی کرتے ہیں تو چرچا نہیں ہوتا

آمدم برسرِ مطلب

مضمون اتنا لمبا ہو گیا ہے کہ اصل مضمون سے ہم بہت دور جا پڑے ہیں۔ حدیث ثقلین کی بحث ہو رہی تھی۔ جو شیعہ خلافت بلا فصلِ جناب امیر رضی اللہ عنہ پر ایک دلیل پیش کرتے ہیں۔ سو ثقل اکبر قرآن کریم سے شیعہ کے انکار کو زبردست دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔ پھر ثقل اصغر ائمہ اہل بیت کی ہتک و توہین کی تشریح بھی کر دی گئی ہے اور یہ کہ ائمہ اطہار کے ذمے شیعہ ایسے گندے اور متعفن شرمناک مسائل منسوب کرتے ہیں جو ان کی سراسر ہتک و توہین ہے۔ اس لئے شیعہ کو حدیث ثقلین دائرہ اسلام سے ہی خارج کئے دیتی ہے۔ کجا یہ بات کہ وہ اس سے استدلال کر سکیں۔

شیعہ کی دلیل پنجم

ایک اور دلیل آیت ذیل سے دی جاتی ہے۔

قُلْ لَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى

ترجمہ۔''میں تم سے اس تبلیغ پر اجر نہیں مانگتا ہاں یہ چاہتا ہوں کہ قرابت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو''

اِس آیت کا شیعہ حضرات یہ معنی کرتے ہیں ''کہ میں تم سے اور تو کچھ اجر نہیں مانگتا۔ اتنا اجر مانگتا ہوں کہ میرے قریبیوں (اہل بیت) سے دوستی رکھو''۔

اِس آیت میں بھی مسئلہ خلافت علیؓ پر کوئی اشارہ تک نہیں پایا جاتا۔ اگر یہی معنی تسلیم کر لیا جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اقرباء سے دوستی رکھنا ضروری ہے تو اہل سنت کو اس سے کب انکار ہو سکتا ہے؟ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ حضرت علیؓ کو پہلا خلیفہ مان لو۔ جناب ممدوح خود اس کا مطالبہ قبل از وقت قرار دیتے ہیں جیسے کہ آگے ذکر ہوگا اور حضرت علیؓ کو خلیفہ رابع تسلیم کرنے سے بھی محبت اور مودّت میں کچھ فرق نہیں آتا اور اگر آیت کا وہ معنی کریں جو شیعہ کرتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ نبوت پر حرف آتا ہے۔ جب حق تعالیٰ نے تمام انبیاء کا مقولہ قرآن کریم میں بیان فرمایا ہے کہ ہم تبلیغ رسالت پر کچھ اجرت نہیں مانگتے تو ختم المرسلین ﷺ کی نسبت یہ اعتقاد کہ آپ اس امر پر اجر طلب کرتے تھے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شانِ اقدس کے منافی ہے۔ نیز یہ آیت دوسری آیت کے مخالف ہو جاتی ہے جو یوں ہے۔ قُلْ مَا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ ترجمہ۔''کہہ دے کہ میں تم سے تبلیغ رسالت پر کسی قسم کا اجر نہیں مانگتا نہ کچھ تکلیف چاہتا ہوں''۔

اگر آیت کا مضمون یہ ہو کہ میں تم سے اور تو کچھ اجر نہیں چاہتا ہوں یہ ضرور چاہتا ہوں کہ تم میرے رشتہ داروں سے دوستی کرو، جس کا دوسرا معنی یہ ہوگا کہ ان سے مروت و سلوک کرو، ان کی مالی اور جانی امداد کرتے رہو تو یہ رسالت نہیں بلکہ خود غرضی میں داخل ہو گا جس کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت گمان کرنا بھی کفر ہے۔

علاوہ اس کے چونکہ قرآن میں اس قسم کے اقوال جو انبیاء کرامؑ کی طرف سے بیان ہوئے ہیں ان سب میں مخاطب قومِ کفار ہے پھر اس صُورت میں یہ قباحت لازم آتی

ہے، کہ کفار جبکہ رسالت مآب سے دشمنی رکھتے تھے تو اس حالت میں آپ ان کو کس طرح کہہ سکتے تھے کہ میرے رشتہ داروں سے محبت و دوستی رکھو۔

نیز آیت میں لفظ القربیٰ واقع ہے۔ ذوِی القُربیٰ نہیں۔ سو قربیٰ کے معنی رشتہ داری ہے۔ رشتہ دار اس کے معنی ہرگز نہیں ہوسکتا۔

صحیح مفہوم آیت کا یہی ہے کہ آپ کفار و مشرکین سے کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ناحق دشمنی کرتے ہو۔ میں تم سے تبلیغ رسالت کا کچھ اجر تو نہیں مانگتا، یعنی اس میں میری کوئی ذاتی غرض نہیں ہے۔ چونکہ میں تمہارا رشتہ دار بھی ہوں، اس لئے بجائے دشمنی کے تم سے محبت و مودّت کی مجھے اُمید ہونی چاہئے۔ پھر اس آیت کا مفہوم وہی لیا جائے جو شیعہ کہتے ہیں تو بھی اس میں اس امر کی کہاں تخصیص ہے کہ وہ حضرت کے قرابتدار یہی چار افراد علیؓ فاطمہؓ اور حسنینؓ ہی ہیں۔ اِس میں تو جمیع رشتہ دار داخل ہو سکتے ہیں۔ نیز شیعہ کا اس آیت سے استدلال اس لئے بھی صحیح نہیں ہے کہ آیت مکی ہے اور اس کے نزول کے وقت حسنینؓ ابھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے، نہ حضرت فاطمہؓ جناب امیر کی زوجیت میں آئی تھیں بلکہ یہ واقعات ہجرت کے بعد کے ہیں، خواہ آیت کا معنی کچھ ہی کیوں نہ لیا جائے۔ شیعہ اس سے ہرگز استدلال نہیں کر سکتے۔

شیعہ کی چھٹی دلیل

شیعہ خلافت بلا فصل حضرت علیؓ پر آیت تطہیر سے بھی استدلال کرتے ہیں۔

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا .

ترجمہ۔ ”خدا چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے رجس (ناپاکی) کو دور کرے اور تم کو پاک کردے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔“

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت جن میں حضرت علیؓ بھی داخل ہیں، معصوم تھے۔ اس لئے وہی امامت کے لائق تھے۔ غیر معصوم مقابلِ امامت نہیں ہوسکتا، سو اس آیت سے شیعہ کا استدلال ہرگز درست نہیں ہوسکتا۔

کیونکہ سیاق وسباق آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہراتؓ کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے ماقبل اور مابعد تمام آیات میں ازواجِ مطہرات سے خطاب ہے۔ یہ کس طرح درست ہوسکتا ہے کہ پہلے اور پیچھے ازواج کا تذکرہ ہو اور درمیان میں ایک ٹکڑا اس کے خلاف حضرت علیؓ، فاطمہؓ، حسنینؓ کے خطابات میں آجائے جوکہ بلاغت کے بالکل خلاف ہے۔ بہرحال کوئی باسمجھ اور اور باانصاف شخص ماقبل اور مابعد دیکھ کر ہرگز خیال نہیں کرسکتا ہے کہ یہ آیت آزواج مطہرات کے خطاب میں نہ ہو۔

دوم:۔ لفظ اہلبیت ہر ایک زبان میں عورتوں پر اطلاق ہوتا ہے۔ فارسی میں اہلِ خانہ عورت کو کہتے ہیں، ہندی میں گھر والی عورت سے مراد ہوتی ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد ازواج رسول نہ ہوں۔

سوم:۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی اس لفظ کا اطلاق ازواج پر ہی ہوا ہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی حضرت سارہؑ کو جب فرشتوں نے فرزند کی بشارت دی اور انہوں نے اپنے بانجھ ہونے اور اپنے شوہر کے بوڑھا ہونے کے باعث اس بشارت پر تعجب کیا تو ارشاد ہوا۔ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ترجمہ۔ ''کیا خدا کے کام (قدرت) سے آپ تعجب کرتی ہیں۔ خدا کی رحمت اور برکتیں اے اہل بیت تمہارے شامل حال ہوں، بیشک وہ حمد کیا ہوا بزرگ و برتر ہے۔ اس جگہ لفظ اہل بیت سے مراد باتفاق ❶ شیعہ وسُنی حضرت سارہ ہیں۔ تو پھر آیت متنازعہ میں اہل بیت سے مراد خلاف محاورۂ قرآن غیر ازواج کیوں ہو؟''

چہارم:۔ اہل بیت (گھر والے) وہی ہوتے ہیں جو ہمیشہ کیلئے گھر میں ہی رہیں۔ سو یہ وصف ازواج میں ہی پائی جاتی ہے جس گھر میں نکاح ہوگیا وہیں کی ہوگئیں، لیکن بیٹیاں یا نواسے یا داماد چونکہ دوسرے گھر میں رہائش اختیار کر لیتے ہیں اس لئے ان

---

❶ شیعوں کی تفسیر صافی میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔ یعنی اِنَّ هٰذِهٖ وامثالها مِمَّا يُكْرِ مُكُمُ اللّٰه بِهٖ يَا اَهْلَ بَيْتِ النُّبُوَّةِ فَلَيْسَ هٰذَا مَكَانَ تَعَجُّبٍ ترجمہ۔ ''یعنی اے اہل بیت نبوت یہ اور اس کی مثل اور برکتیں اللہ تعالیٰ تم کو عطا کریگا پس یہ تعجب کا مقام نہیں۔ الخ'' اس سے ثابت ہوا کہ حضرت سارہؑ، حضرت ابراہیمؑ کی اہلبیت ہیں۔ کیونکہ تعجب کرنے والی وہی ہیں۔ ۱۲

پر اس لفظ کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ حضرت علیؓ اپنے گھر میں رہتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ بھی نکاح کے بعد اپنے شوہر، علی المرتضیٰؓ کے گھر میں چلی گئی، حسنینؓ کا تولد ہی دوسرے گھر میں ہوا، پھر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں رہائش رکھنے والی بیبیاں ہی تھیں اس لئے اہل بیت النبی بغیر اُن کے کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ [1]

اعتراض شیعہ

اس پر شیعہ کا یہ اعتراض ہے کہ اگر اہل بیت سے مراد نساء النبی (ازواج رسول) ہوتیں تو بجائے عَنْكُمْ اور يُطَهِّرَكُمْ ضمائر مذکر کے عَنْكُنَّ و يُطَهِّرَكُنَّ ضمائر مونث استعمال ہوتیں، سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اہل بیت کے لفظ کا مصداق مونث (ازواج) ہیں لیکن چونکہ لفظ اہلِ بیت مذکر ہے اس لئے لفظ مذکر کے لحاظ سے ضمائر مذکر استعمال ہوئیں جیسا کہ دوسری آیت مذکورہ میں باوجود اس کے کہ خطاب حضرت سارہ (مونث) سے تھا لیکن بلحاظ تذکیر لفظ اہل البیت کے لئے عَلَيْكُمْ ضمیر مذکر کا استعمال کیا

---

[1] واضح ہو کہ حضرت مصنف "حضرت حُسینؓ" وغیرہ ہم کو صرف اہلبیت سکونت سے خارج کر رہے ہیں، نہ کہ مطلقاً کیونکہ حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ از جہت ولادت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلبیت میں داخل ہیں نہ از جہت سکونت۔ حضرت شیخ عبدالحی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اہلبیت کی تشریح اس طرح فرمائی ہے

کہ بیت سہ است بیت نسب، و بیت سکنیٰ! بیت ولادت، پس بنو ہاشم اولاد عبدالمطلب اہل بیت پیغمبر اند صلی اللہ علیہ وسلم از جہت نسب و اولاد جد قریب را بیت می خوانند و مے گوئید خانہ فلانے بزرگ است و ازواج مطہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلبیت سکنیٰ اند، و اطلاق اہلبیت بر زنان مرد اخص و اعرف بحسب عرف و عادت است و اولاد شریف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہلبیت ولادت اند"۔ (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ جلد رابع، ص ۶۹۲) اہل سنت والجماعت تمام اہلبیت کی تعظیم وتکریم کرتے ہیں چنانچہ کتب احادیث میں اہل بیت کے فضائل ومناقب کے بیان کے لئے علیحدہ علیحدہ ابواب مقرر ہیں۔ ازواج مطہرات امہات المومنین مسلمانوں کی مائیں ہیں ان کو اہل بیت رسول سے خارج کرنا قرآن کا انکار کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ منکرین کو ہدایت نصیب فرمائیں (احقر مظہر حسین غفرلہ)

گیا، ایسا ہی یہاں بھی ہے۔

دوسرا جواب:۔ یہ ہے کہ اہل بیت میں خود ذاتِ اقدس سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہے کیونکہ اس بیت کے رہنے والے آپ بھی تھے اس لئے برعایتِ ادب و تعظیم حضور والا تغلیباً ضمیر مذکر کی مستعمل ہوئی۔

تیسرا جواب:۔ یہ ہے کہ کلام عرب میں بغرضِ اظہار محبت عورتوں کے لئے ضمیر مذکر آ جایا کرتی ہے جیسا کہ شاعر اپنی محبوبہ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے۔ فَاِنْ شِئْتِ حَرَّمْتُ النِّسَآءَ سِوَاكُمُ۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ کے قصہ میں مذکور ہے۔ قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْا ترجمہ۔ "موسیٰ نے اپنی بی بی کو کہا ٹھہر جاؤ" سو یہاں بجائے [اُمْكُثِي] کے اُمْكُثُوْا ضمیر مذکر کا استعمال ہوا۔ امید ہے کہ اس قدر جوابات سے معترض کو پوری تسلی ہو جائے گی۔

دوسرا اعتراض

شیعہ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ حدیثِ کساء سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسنین رضی اللہ عنہم کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے۔ یعنی یہ آیت جس وقت نازل ہوئی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں چار بزرگوں کو بلا کر چادر کے نیچے کر لیا اور دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ هٰٓؤُلَاءِ اَهْلُ بَيْتِىْ فَاذْهَبْ عَنْهُمُ الرِّجْسَ وَطَهِّرْهُمْ تَطْهِيْرًا.

"اے خدا یہ میرے اہل بیت ہیں پس اُن سے گناہ دور کر اور ان کو پاک کر جیسا پاک کرنے کا حق ہے۔"

اگر اہل بیت سے مراد ازواجِ رسول تھیں تو ان کو کیوں نہ بلا کر یوں دعا کی۔

جواب:

سو اگر غور و تدبر سے کام لیا جائے تو اس حدیث سے مزید ثبوت اس امر کا ملتا

ہے کہ آیت کا مصداق ازواج ہی تھیں۔ اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان چار بزرگوں سے بھی محبت تھی جو کہ اہل بیت میں از جہت نسب وولادت داخل تھے۔ اس لیے چاہا کہ یہ بھی اس انعام الٰہی سے بہرہ یاب ہو جائیں اس لیے ان کو یک جا کر کے دعا فرمائی کہ یا اللہ یہ بھی میرے ❶ اہل میں داخل ہیں ان کو بھی رجس سے پاک کیجیو، ورنہ اگر یہ چار ہی آیت کے مصداق ہوتے تو الٰہی حکم آجانے کے بعد پھر اس کے لیے دعا کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی جو تحصیل حاصل تھا۔

---

❶ یہی معاملہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عباس اور ان کی اولاد کے ساتھ بھی فرمایا: چنانچہ حافظ ابونعیم اصفہانی نے یہ روایت درج کی ہے:

عن ابی سعید الساعدی قال قال رسول اللّٰہ ﷺ العباس لاتبرح انت وبنوک غدًا فان لی فیکم حاجۃ قال فجمعھم العباس فی بیت فاتاھم رسول اللّٰہ ﷺ فقال السلام علیکم کیف اصبحتم قالو بخیرٍ نحمد اللّٰہ بابینا انت وامنا یا رسول اللّٰہ قال تقاربوا تقاربوا فزحف بعضھم الی بعض قال فلما امکنوا اشتمل علیھم بملاتہٖ ثم قال ﷺ اللھم ھذا عباس عمی و ھٰؤلاء اھل بیتی استرھم من النار کستری ایاھم بملاء تی ھٰذہٖ فامنت اسکفۃ الباب وحوائط البیت امین امین امین ثلاثا (دلایل النبوۃ ص ۱۵۴ مطبوعہ دائرۃ المعارف النظامیہ حیدر آباد دکن)

ابوسعید ساعدی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عباس سے فرمایا: کل تم اور تمہارے بیٹے گھر سے باہر نہ جائیں کیونکہ مجھے تم سے کچھ کام ہے۔ کہا (راوی نے) اس پر حضرت عباس نے ان کو ایک گھر میں جمع کیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے اور فرمایا السلام علیکم تم نے صبح کس طرح کی؟ انہوں نے جواب دیا خیریت سے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم ایک دوسرے کے قریب ہو جاؤ، پس وہ آپس میں مل کر بیٹھ گئے۔ راوی کہتے ہیں جب وہ حضور کے اختیار میں آ گئے، تو آپ نے ان کو اپنی چادر میں لے لیا۔ اور فرمایا اے اللہ یہ عباس میرا چچا ہے۔ اور یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں۔ ان کو آگ سے چھپا لے جس طرح میں نے ان کو چادر میں چھپا لیا ہے۔ پس اس پر دروازہ کے سائبان اور گھر کی دیواروں نے تین دفعہ آمین آمین کہی۔"

اس کی مثال یہ ہے کہ ان دنوں سرکار نے فوجی خدمات کے عوض، فوجی ملازمین کے بیٹوں اور بھائیوں کے لیے فوجی وظائف منظور کر کے آرڈر جاری کیا ہے کہ جن فوجیوں نے جنگِ یورپ میں خدمات کی ہیں ان کے بیٹوں اور بھائیوں کو اس قدر ماہوار وظیفہ ملا کرے گا۔ سو جن لوگوں کے بیٹے اور بھائی موجود تھے جب اُن کو یہ انعام ملا تو بعض فوجی اصحاب نے سرکار کی خدمات میں عرضیاں دیں کہ حضور فلاں لڑکا میرا متبنیٰ ہے۔ جو بیٹے کے قائم مقام ہے اس کو اس انعام سے حصہ ملنا چاہیے۔ چنانچہ سرکار نے از راہِ مہربانی ایسے لڑکوں کو بھی جو بطورِ متبنیٰ پیش کیے گئے، وظائف دے دیئے۔

سو ایسا ہی مَا نَحْنُ فِيْهِ میں خیال کرنا چاہیے کہ جب اہل بیت النبی ﷺ ازواج رسول کے متعلق تطہیر کا انعام نازل ہوا تو حضور علیہ السلام نے اپنی بیٹی، نواسوں، داماد کو بھی پیش فرمایا کہ یہ لوگ بھی میرے اہل بیت میں داخل ہیں ان کو بھی یہ انعام عطا ہو۔ اس کی تائید اس حدیث بخاری سے ہوتی ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول ﷺ سے عرض کی اَلَسْتُ مِنْ اَهْلِكُمْ (کیا میں اہل بیت میں داخل نہیں۔) آپ نے فرمایا: اِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ (تیرا مرتبہ تو پہلے ہی سے بہتر ہے) یعنی تو حقیقی طور پر اہل بیت [1] سے ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے خطاب فرمایا ہے۔ چونکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعا تحصیل حاصل میں داخل تھا۔ اس لیے اس کو آپ نے اس دعا میں داخل نہ فرمایا۔

بر تقدیر تسلیم

یہ تسلیم بھی کر لیں کہ آیتِ تطہیر کے مصداق ازواج نہیں بلکہ چار اصحاب رضی اللہ عنہم کساء ہیں تو بھی شیعہ اس سے عصمت جناب امیر رضی اللہ عنہ اور امامت پر استدلال نہیں کر سکتے، کیونکہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا چاہتا ہے کہ اے اہلبیت تمہارے رجس (گناہ) دور

---

[1] ایک روایت میں آیا ہے کہ ام سلمہ نے عرض کی یا رسول اللہ اَنَا مِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ (یعنی میں بھی اہل بیت سے ہوں۔) تو حضور نے فرمایا بَلٰى اِنْشَاء اللّٰه (ہاں ان شاء اللہ) صواعق محرقہ (از علامہ ابن حجر ہیثمی)۔

کردے۔ اگر پہلے ہی سے معصوم تھے تو رجس کا ازالہ بے معنیٰ ہوگا۔ جب ایک چیز کا وجود ہی نہ ہو تو اُس کے دور کرنے کا ارادہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اگر رب العباد کو آیت میں عصمت کی خبر دینی مطلوب ہوتی تو بجائے مضارع کے ماضی کا صیغہ مستعمل ہوتا یعنی اَذْهَبَ الرِّجْسَ عَنْكُمْ وَطَهَّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (خدا نے تم سے رجس کو دور کر دیا ہے اور تمہیں کلی طور پر پاک کر دیا ہے) مضارع کا صیغہ استعمال ہونا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ پہلے عصمت نہ تھی۔

دوم:

اگر یہ آیت دلیل عصمت ❶ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور ان کی امامت کی ہے تو پھر وہ آیت جو اصحاب بدر کی شان میں نازل ہوئی ہے:

---

❶ اس کے جواب میں علماء شیعہ صحیح مسلم میں زید بن ارقم والی روایت پیش کرتے ہیں جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

فقلنا من اهل بيته نساء ه قال لا ايم الله ان المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر ثُمَّ يطلقها فترجع الى ابيها وقومها اهل بيته اصله وعصبتهٗ والذين حرموا الصدقة بعدهٗ.

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم سے ہم نے پوچھا کہ آنحضرت کے اہل بیت کون ہیں؟ کیا حضور کی ازواج اہل بیت ہیں تو آپ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم عورت زمانے کا ایک حصہ شوہر کے ساتھ ہوتی ہے پھر وہ اس کو طلاق دے دیتا ہے۔ پس وہ اپنے باپ اور قوم کی طرف واپس چلی جاتی ہے۔ حضور کے اہل بیت آپ کے اصل اور عصبہ ہیں۔ جو آپ کے بعد صدقہ سے محروم کئے گئے الخ

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت زید بن ارقم از جہت نسب وولادت ازواج مطہرات کو اہل بیت سے خارج فرما رہے ہیں نہ مطلقاً۔ اور مناسب مقام یہی تھا۔ کیونکہ حضرت زید یہاں ان اہل بیت کا محترم ومکرم ہونا ثابت کر رہے ہیں۔ جو کہ سلاطین بنوامیہ نے ان صدقات سے محروم کر دیا تھا۔ جو عہدِ نبوی اور عہدِ خلفاء اربعہ میں ان پر تقسیم ہوا کرتے تھے۔ (باقی اگلے صفحہ پر)

(گزشتہ سے پیوستہ) ورنہ حضرت زید سے صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ازواجِ رسول کا اہل بیت سے ہونے کا اعتراف صریحاً ثابت ہے اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

ثم قال واهل بيتي اذكركم الله في اهل بيتي فقال له حصين ومن اهل بيتہٖ يا زيد قال نساءه من اهل بيته ولكن اهل بيته من حرم الصدقة بعده قال ومن هم قال هم ال عليؓ وال عقيل وال جعفرؓ وال عباسؓ قال كل هؤلاءِ حرموا الصدقة قال نعم (صحيح مسلم كتاب الفضائل)

ترجمہ: پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ دوسری چیز میرے اہل بیت ہیں، میں تم کو اپنے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈراتا ہوں، پس حصین نے زید سے پوچھا اے زید حضرت کے اہل بیت کون ہیں۔ کیا آنحضرت ﷺ کی ازواج آپ کے اہل بیت سے نہیں، زید نے فرمایا! حضور کی ازواج آپ کے اہل بیت میں سے ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت وہ ہیں جو آپ کے بعد صدقہ سے محروم کیے گئے۔ اس کے بعد حصین نے کہا وہ کون ہیں؟ زید نے جواب دیا وہ آل علی رضی اللہ عنہ اور آل عقیل رضی اللہ عنہ اور آل جعفر رضی اللہ عنہ اور آل عباس رضی اللہ عنہ ہیں فرمایا "کیا وہ سب صدقہ سے محروم کیے گئے، زید نے فرمایا ہاں۔"

معلوم ہوا کہ پہلی روایت میں از جہت نسب ازواج رسول کے لیے اہل بیت ہونے کی نفی کی گئی ہے۔ لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہ رہا۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ دوسری روایت بوجہ نصوص قرآنی کے موافق ہونے کے راجح ہے۔ اور باعتبار اسناد بھی اس سے قوی ہے۔ کیونکہ پہلی روایت کے اسناد میں احسان بن ابراہیم آتا ہے۔ جس کی نسبت میزان الاعتدال میں ہے۔ قال النسائي ليس بالقوي وقال ابن عدى حدث بافراداتٍ كثيرةٍ وهو من اهل الصدق الا انه يغلط۔ "یعنی نسائی نے کہا کہ احسان بن ابراہیم قوی نہیں۔ اور ابن عدی نے کہا کہ اس نے بہت سی مفردات روایت کی ہیں۔ اور وہ اہل صدق میں سے ہے لیکن غلطی کرتا ہے۔" لہٰذا پہلی روایت کے مقابلہ میں دوسری روایت بہر حال قابلِ حجت ہوگی۔

﴿ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ ﴾ [1]

"لیکن خدا چاہتا ہے تم کو پاک کر دے اور اپنی نعمتوں کا تم پر اتمام کرے۔"

دوسری جگہ ہے:

﴿ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْسَ الشَّيْطَانِ ﴾

"اور دور کر دے شر شیطان کو۔"

سو یہ آیت اصحابِ بدر (جن میں اصحاب ثلاثہ بھی داخل ہیں) کی عصمت کی بھی دلیل ہونی چاہیے۔ ایک ہی قسم کے الفاظ دونوں جگہ ہیں بلکہ اصحاب کی نسبت اتمام نعمت کا مضمون مزید براں ہے۔ اگر اصحاب [2] بدر کی عصمت باوجود ان آیات کے نہیں مانی جاتی تو اصحاب کساء کی کیوں مانی جائے۔ بہرحال اس آیت سے شیعہ کا استدلال کسی طرح بھی درست نہیں ہوسکتا۔

---

[1] حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خود بھی اپنے غیر معصوم ہونے کا اعتراف فرمایا ہے۔ چنانچہ جنگِ صفین میں حاکم اور رعایا کے حقوق بیان فرماتے ہوئے آپ نے ارشاد فرمایا: فلا تكفوا عن مقالةٍ بحق او مشورة بعدالٍ فاني لست في نفسي بفوق من ان اخطئ ولا امن ذلك من فعلي الا ان يكفي الله من نفسي ما هوا ملك مني (نہج البلاغت مطبوعہ بیروت جزو اول ص ۲۴۰ مطبوعہ ایران ص ۳۴۴ فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۶۵) پس تم سچ بات کہنے یا عدل کے ساتھ مشورہ دینے سے باز نہ رہو، کیونکہ میں بذاتِ خود خطا کرنے سے برتر نہیں ہوں۔ اور نہ اپنے فعل میں خطا سے محفوظ ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری ذات کے لیے ایسا کام بنا دے۔ جس سے وہ میری نسبت زیادہ مالک ہے۔ الخ

[2] بلکہ سورۃ مائدہ ع ۶ میں وضو و غسل کرنیوالوں کی نسبت بھی اس قسم کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔ مَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلٰكِنْ يُرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. "اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی تنگی کریں بلکہ وہ چاہتے ہیں کہ تم کو پاک کریں اور نعمت تم پر قائم کریں، تاکہ تم شکر کرو۔" تو کیا اس آیت میں لیطھرکم کے الفاظ سے ہر وضو اور غسل کرنے والے کی عصمت پر بھی استدلال کیا جائے گا؟ (احقر مظہر حسین غفرلہٗ)

شیعہ کی ساتویں دلیل

فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَ نَا وَاَبْنَآءَ كُمْ وَنِسَاءَ نَا وَنِسَآءَ كُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ

''آپ کہہ دیں آ ؤ ہم بلالیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اپنے وجودوں کو اور تمہارے وجودوں کو پھر مباہلہ کریں کہ خدا کی لعنت جھوٹوں پر ہو۔''

وجہ استدلال یہ بیان کی جاتی ہے کہ نصاریٰ نجران سے جب مباہلہ کی قرارداد ہوئی جیسا کہ آیت سے ظاہر ہوتا ہے تو حضرت رسول ﷺ انہیں چار بزرگوں علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسنین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر نکلے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ کی رسولِ پاک کے دل میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی اس لیے جناب امیر ہی آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے لائق تھے۔

جواب:

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ آیت سے یہ ہرگز مفہوم نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امامت وخلافت کے مستحق ہیں اور بس۔ نہ آیت کا کوئی لفظ اس امر پر دلالت کرتا ہے بلکہ آیت کا مفہوم صاف یہ ہے کہ ہر دو فریق سے حسب ذیل اشخاص مباہلہ کے لیے نکلیں۔ مباہلہ کرنے والے بذات خود اور ان کی اولاد، ان کی مستورات، چونکہ مسلمان فریق سے دعویدار اسلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم تھے جو کفار سے جہاد وقتال کرتے تھے اس لیے یہ سب لوگ اَنْفُسَنَا میں داخل تھے۔ انہوں نے ادھر سے میدانِ مباہلہ میں نکلنا تھا۔ درجہ دوم میں ان کی اولاد و احفاد ذکور واناث۔ درجہ سوم میں ان کی مستورات۔ ایسا ہی کفار کی طرف سے ابوحارثہ، اسید، عاقب معہ اپنی اولاد اور عورتوں کے نکلے۔ اب شیعہ کا یہ کہنا کہ سوائے اِن چار بزرگوں کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہمراہ کوئی نہ نکلا یا آپ کسی کو ساتھ نہ لے گئے۔ مضمون آیت کے بالکل خلاف ہے کیونکہ اگر حضور علیہ السلام معہ

علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسنین رضی اللہ عنہم کے نکلتے تو اَنْفُسَنَا، اَبْنَاءَ نَا کا مضمون تو پورا ہو سکتا ہے۔ یعنی رسول، علی بذاتِ خود نکلے۔ اولادِ رسول سے فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسنین رضی اللہ عنہم ساتھ ہوئے لیکن نِسَاءَ نَا کا مضمون کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔ نیز کفار کا مقابلہ تو رسول اور سردارانِ فوج اصحابِ کبار سے ہو اور صرف مباہلہ کے لیے حضرت رسول ﷺ، اُن کے داماد علی رضی اللہ عنہ، آپ کی دختر فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہم کے نکلنے پر راضی ہو جائیں۔ حضرت رسول ﷺ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ تو مجاہدین و مقاتلین میں داخل تھے۔ لیکن فاطمہ رضی اللہ عنہا و حسنین رضی اللہ عنہم جو جدال کے قابل نہ تھے اگر مقابلہ میں نکل کر چشم زخم بھی اٹھائیں تو کفار کی مراد کیسے پوری ہو سکتی تھی جبکہ ان کے استیصال کے لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ صحیح و سلامت زندہ موجود رہتے۔

غرض عقل و نقل دونوں اس امر کے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مباہلہ کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہم ہی کو ساتھ لیا اور جب آیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متعلقین کی خصوصیت ثابت نہیں ہوتی تو اس کے خلاف روایات خواہ کتبِ شیعہ کی ہوں یا اہل سنت کی، قابلِ استدلال نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ شیعہ حضرات ایسی روایات کے گھڑ لینے میں پورے مشاق ہیں اور کتب اہل سنت میں بھی دست اندازی کر لینے سے دریغ نہیں کرتے۔

ایک عجیب روایت

حیات القلوب جلد۲ ص۴۵۲ میں ہے۔

چوں ایں آیت نازل شد قرار کردند کہ روز دیگر مباہلہ کنند و نصاریٰ بجاہائے خود برگشتند پس ابوحارثہ باصحاب خود گفت کہ فردا نظر کنید اگر محمد با فرزندان و اہل بیت خود می آید پس بترسید از مباہلہ او و اگر باصحاب و اتباع خود می آید از مباہلہ او پروا نکنید۔

”جب آیت مباہلہ نازل ہوئی اور دوسرا دن مباہلہ کے لیے مقرر ہوا اور نصاریٰ اپنی جگہ پر واپس ہوئے تو ابوحارثہ اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ کل

دیکھنا اگر محمد (ﷺ) اپنے فرزندوں اور اہل بیت کے ساتھ مباہلہ کے لیے نکلیں
تو تمہیں ڈرنا چاہیے اور اگر اصحاب واتباع کے ساتھ نکلیں تو ذرا پروانہ کرنا۔"

اب جائے غور ہے کہ نصاریٰ نجران کو جناب امیر رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت سے اس قدر خوش اعتقادی کس وجہ سے ہوگئی تھی کہ مباہلہ کے لیے ان کے نکلنے سے ان کی روح کانپتی تھی۔ ممکن ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تو انہوں نے دیکھا ہو اور ان کے بشرہ کو دیکھ کر قیافہ سے ایسا حکم لگا لیا ہو۔ لیکن حسنین رضی اللہ عنہم اور جناب سیدہ کو انہوں نے کیسے دیکھ لیا کہ ان کے مباہلہ میں شمولیت سے اس قدر خوف پیدا ہوا۔ یہ سب کچھ شیعہ حضرات کی خوش اعتقادی کی باتیں ہیں۔ ورنہ کفار کو دہشت جناب رسول پاک ﷺ اور ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کبار (جو اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ کے مصداق تھے) سے تھی۔ اور ان کے کارناموں سے آگاہ ہو چکے تھے۔ انہی کے خوف سے انہوں نے نہ مباہلہ منظور کیا، نہ مقابلہ بلکہ مصالحت پر مجبور ہو گئے۔

اگر بالفرض مان لیا جائے کہ مہم نجران جنابِ امیر رضی اللہ عنہ کے طفیل ہی سر ہوئی تو یہ ایسی کون سی بڑی بات ہے ایک موضع جس میں صرف چالیس یا پچاس آدمیوں کی آبادی ہو قبضہ میں آجانے سے اسلام کی شوکت میں کیا کچھ اضافہ ہوسکتا تھا❶ سچ تو یہ ہے کہ خلفاء ثلاثہ ہی کی جدوجہد اور جانفشانی وجاں سپاری کا نتیجہ ہے کہ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک اقطاع الارض میں نورِ اسلام پھیلا اور ظلمت کفر دور ہوئی۔ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ

غرض شیعہ بیچارے اثباتِ مدعا، خلافت بلا فصل امیر کے لیے ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر ساحل مقصود پر پہنچنا مشکل ہے:

---

❶ یہ ایک الزامی جواب ہے، فنِ مناظرہ سے شُد بُد رکھنے والے اس انداز سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔ لہٰذا محض اس اقتباس کو پڑھ کر مصنف رحمہ اللہ کے متعلق بُغضِ علی رضی اللہ عنہ کا کوئی شبہ اپنے دل میں پیدا نہ ہونے دیں۔ (عبدالجبار سلفی)

ترسم کہ بکعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ میروی بہ ترکستان است

غرض قرآن و حدیث میں کوئی دلیل خلافت بلافصل علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر نہیں اور شیعہ اپنے دعویٰ پر کوئی ثبوت نہیں رکھتے۔ نصِ قرآن اور حدیث اس کے خلاف ہے اور واقعات بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ خلافت خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کا حق تھی۔ حسب منشاء ایزدی مجلسِ شوریٰ مہاجرین و انصار کے اجماع سے عمل میں آئی۔ اس لیے تنقیح نمبر۲ بھی بحق اہل سنت خلاف شیعہ ثابت ہے۔ یہ دو تنقیحات اہم تھیں اس لیے ان کی بحث طویل ہوگئی ہے۔ اب باقی دو امروں پر مختصر بحث کی جاتی ہے۔

تنقیح سوم

کیا حضرت علی خود طالب خلافت تھے؟

اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ وفاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت حاصل کرنے کے شائق تھے اور اس کے لیے جدوجہد کی اور حسب زعم شیعہ اس کوشش میں مہاجرین و انصار کے گھروں میں حسنین رضی اللہ عنہم کو ساتھ لیے در بدر پھرتے رہے یا یہ صرف جناب امیر پر اتہام و بہتان ہے۔ ہم جناب ممدوح کے چند اقوال نہج البلاغۃ سے پیش کرتے ہیں۔ اوّل وہ خطبہ جو جناب امیر رضی اللہ عنہ نے عباس رضی اللہ عنہ اور ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے خطاب میں فرمایا۔ جب انہوں نے آپ سے بیعت کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔

① نہج البلاغۃ ص ۴۷ و ص ۲۷ مطبوعہ مصر میں ہے:

یایھا الناس شُقّوا امواج الفتن بِسُفُنِ النَّجَاۃِ واعرضوا عَنْ طَرِیْق المنافرۃ وضعوا عن تیجان المفاخرۃ اَفْلَحَ مَنْ نَھَضَ بِجَنَاحٍ اَوِاسْتَسْلَمَ فَارَاحَ ھٰذَا مَاءٌ اٰجِنٌ وَلُقْمَۃٌ یغص بھا اٰکلھا ومجتنی الثمرۃ بغیر وقت ایناعھا بغیر ارضہٖ۔

"اے لوگو! فتنہ کی موجوں کو نجات کی کشتیوں میں بیٹھ کر طے کرو اور مسلمانوں

میں منافرۃ (مخالفت) پیدا کرنے کا طریق چھوڑ دو، اور فخر وغرور کے تاج اُتار دو، کامیاب وہ ہے کہ وہ قوتِ بازو پر کھڑا ہو یا اطاعت کر کے آسائش حاصل کرے، یہ تلخ پانی ہے اور ایسا لقمہ کہ کھانے والے کا گلا پکڑتا ہے جو شخص میوہ کو تیار ہونے سے پہلے توڑتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا دوسرے شخص کی زمین میں کھیتی کرے۔

اس خطبہ میں جناب امیرؓ اپنے دعویٔ خلافت کو قبل از وقت تصور کرتے ہیں۔"

② نہج البلاغت ص ۲۱۶ میں ہے:

وَاَنَا لَكُمْ وَزِيْرًا خَيْرٌ لَّكُمْ مِنِّيْ اَمِيْرًا

"میرا وزیر رہنا تمہارے لیے میرے امیر ہونے سے بہتر ہے۔"

اس کلام سے صاف ظاہر ہے کہ آپ خلافت وامارت کے ہرگز خواہاں نہ تھے اور آپ نے صاف فرما دیا کہ خلفائے ثلاثہ کی وزارت کو میں اپنی امارت وخلافت پر ترجیح دیتا ہوں۔

③ نہج البلاغۃ ص ۵۱۹ و ۳۴۷ مطبوعہ مصر میں ہے:

وَاللّٰهِ مَا كَانَتْ لِيْ فِي الْخَلَافَةِ رَغْبَةٌ وَلَا فِي الْوَلَايَةِ اِرْبَةٌ وَلٰكِنَّكُمْ دَعَوْتُمُوْنِيْ اِلَيْهَا وَحَمَلْتُمُوْنِيْ عَلَيْهَا .

ترجمہ: "خدا کی قسم مجھے خلافت کی خواہش نہ تھی، البتہ تم نے مجھے خلافت کی طرف بلایا اور اس پر مجھے برانگیختہ کیا۔"

اس کلام سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں بھی خلافت اپنی خواہش سے قبول نہیں کی، بلکہ آپ کو مجبوراً دوسروں کے اصرار سے منصبِ خلافت اختیار کرنا پڑا۔

اگرچہ اس بارہ میں اور بھی جناب امیر رضی اللہ عنہ کے اقوال موجود ہیں، مگر چونکہ خطباتِ مسطورہ بالا سے ہمارا دعویٰ پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ اس لیے بخوفِ طوالت باقی اقوال کو ترک کیا جاتا ہے۔ پھر جب اس قدر تحقیق سے اقوالِ صریحہ سے ثابت ہو گیا ہے کہ آپ خلافت بلافصل تو کیا بلکہ اپنے وقت کی خلافت کے بھی چنداں خواہاں نہ تھے بلکہ

قوم نے آپ کو اس کے لیے انتخاب کر کے ان کو تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے لیے مجبور کر دیا تھا اور آپ انکار نہ کر سکے تھے تو یہ امر کہ آپ کو خلافت بلافصل حاصل کرنے کا اس قدر اشتیاق تھا کہ اس کے چھن جانے پر عوام کی طرح اپنی بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر مہاجرین و انصار کے در بدر پھرتے رہے بالکل روافض کی گھڑت ہے اور تنقیح سوم بھی ہمارے حق میں خلاف شیعہ ثابت ہے۔

تنقیح چہارم

رہا یہ امر کہ آنجناب نے خلفاء ثلاثہ کی بیعت کی یا نہ؟ سو یہ امر مُسَلَّمۂ فریقین ہے کہ آپ نے اپنے وقت میں ہر سہ خلفاء کی بیعت کر لی۔ ہاں اہل سنت کا یہ اعتقاد ہے کہ آپ نے ان کو خلفائے حق سمجھ کر بطیّب خاطر بیعت قبول فرمالی۔ اور شیعہ کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بیعت بطیب خاطر نہیں بلکہ بالجبر کی۔ چنانچہ شیعہ کی تمام کتابوں میں یہ مضمون بالصراحت درج ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت سے آپ پہلو تہی کرتے تھے لیکن ان کو گردن میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر دربارِ صدیق میں لایا گیا۔ اور اِس لیے جبراً وقہراً آپ کو بیعت کرنی پڑی سو کوئی مسلمان جس کے دل میں جناب امیر کرم اللہ وجہہ کی نسبت ذرہ بھی عقیدت ہے ہرگز باور نہیں کر سکتا کہ جناب شجاعت مآب پر کوئی چیرہ دستی کر کے ان سے بزور بیعت منوا سکتا تھا۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ پر زبردستی کی گئی۔ آپ کو طوق بگردن گھسیٹ کر لایا گیا۔ اور آپ نے بالکل ہاتھ پاؤں نہ ہلائے۔ کیونکہ آپ کو صبر کرنے کا حکم تھا لیکن کوئی عقلمند شیعہ کے اس رکیک عذر کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا۔ اس کو صبر نہیں کہتے کہ ایک شخص حق پر ہو اور اس کا حق زبردستی چھین لیا جائے اور ناحق والے اس سے زبردستی اپنا حق منوائیں۔ اس کو یہاں تک بے عزت و ذلیل کیا جائے کہ گلے میں رسی ڈال کر بازار میں گھسیٹا جائے۔ اس کی عصمت مآب بیوی خاتونِ جنت کو کوڑوں سے پیٹا جائے۔ بطنِ مبارک پر لات مار کر اسقاطِ حمل کیا جائے۔ اور وہ شخص صبر کرتا رہے۔ ایسے شخص کو حلیم اور بردبار نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ ایسے مرد کو پرلے درجے کا بزدل اور بے غیرت کہا جاتا ہے۔

حاشا وکلا کوئی مسلمان ایسے دور از عقل ڈھکوسلوں کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ بلکہ ماننا پڑتا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے خلافت خلفاء ثلاثہ کو صحیح تصور فرما کر بخوشی خود اُن کی بیعت کی اور اُن کے عہدِ خلافت میں اپنے مفید مشوروں سے خلفاء اسلام کو مستفید کرتے رہے اور ان سے مل کر کام کرتے رہے، ان کے پیچھے نمازیں پڑھائیں، غنائم سے حصہ بخرہ لیتے رہے۔

بیعت کے متعلق شیعہ کے دو مختلف قول

شیعہ کا ایک قول تو یہ ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کو بذلت و رسوائی باندھ کر کھینچ گھسیٹ کر لے گئے اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا گیا اور اس طرح رسم بیعت بزور ادا ہوئی جیسا کہ جلاء العیون اُردو جلد ا ص ۱۵۴ میں رسن بگردن گھسیٹ کر لے جانے کے واقعہ کو لکھنے کے بعد یوں لکھا ہے:

پس خالد بن ولید دوڑا اور تلوار غلاف سے کھینچ کر کہا بخدا سوگند اگر بیعت نہ کرو گے تو میں تم کو قتل کروں گا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے گریبان اس شقی کا پکڑ کر حرکت دی اور دور پھینک دیا کہ اس کے ہاتھ سے تلوار بھی گر پڑی۔ ہر چند سعی کی مگر جناب امیر رضی اللہ عنہ نے بیعت کو ہاتھ دراز نہ فرمایا۔ پس حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے دستِ نجس دراز کر کے حضرت کے ہاتھ تک پہنچایا۔

غور طلب اور عجیب بات یہ ہے کہ شیعہ حضرات جناب امیر رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے بھی کرشمے دکھاتے جاتے ہیں کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا گریبان پکڑ کر آپ نے ایسی حرکت دی کہ تلوار گر پڑی۔ لیکن آخر کار جناب موصوف کو ایسا مغلوب بنایا جاتا ہے کہ زور سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا گیا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔

بہرحال اس روایت میں واقعہ بیعت کو جناب امیر رضی اللہ عنہ کی بے بسی اور مجبوری کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے۔

لیکن شیعہ کا دوسرا قول یہ ہے کہ آپ نے ایک مصلحت سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کی بیعت بخوشی قبول کرلی ❶ ۔ چنانچہ فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ص ۱۳۹ میں یوں درج ہے:

عَنْ زَرَارَةَ عَنْ ابی جعفر عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ النَّاسَ لَمَّا صَنَعُوْا اِذْ بَايَعُوْ اَبَابَكْرٍ لَمْ يَمْنَعْ اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنْ اَنْ يَدْعُوْا اِلٰى نَفْسِهٖ اِلَّا نَظَرًا لِلنَّاسِ وَتَخَوُّفًا عَلَيْهِمْ اَنْ يَرْتَدُّوا عَنِ الاسلام فَيَعْبُدُا لَاَوْثَانَ وَلَا يَشْهَدُوْا اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَكَان عندهٗ اَنْ يُّقِرَّهُمْ عَلٰى مَا صَنَعُوْا من اَنْ يَرْتَدُّوْا عَنْ جَمِيْعِ الْاِسْلَامِ وَاِنَّمَا هَلَكَ الَّذِيْنَ رَكِبُوْا فَاَمَّا مَنْ لَمْ يَصْنَعْ ذٰلِكَ وَدَخَلَ فِيْمَا دَخَلَ فِيْهِ النَّاسُ عَلٰى غَيْرِ عِلْمٍ وَلَا عَدَاوَةٍ لِاَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاِنَّ ذٰلِكَ لَا يُكْفِرُهٗ وَلَا يُخْرِجُهٗ مِنَ الْاِسْلَامِ فَكَذٰلِكَ كَتَمَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَمْرَهٗ وَبَايَعَ مُكْرَهًا حَيْثُ لَمْ يَجِدْ اَعْوَانًا.

''زرارہ نے امام جعفر علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپ نے فرمایا: لوگوں نے جب یہ بات کی کہ بیعت ابوبکر کی کرلی تو امیر رضی اللہ عنہ کے لیے اور کوئی اَمر اس سے مانع نہ تھا کہ اپنی بیعت کی طرف لوگوں کو بلاتے، سوائے اس کے کہ آپ کو خوف ہوگیا تھا کہ اگر بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہٹا کر اپنی بیعت کی طرف بلائیں تو لوگ اسلام ہی سے پھر جائیں اور رسالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے منکر ہو جائیں، اور آپ اس بات کو زیادہ پسند کرتے تھے کہ ان کو اس (بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ) پر ٹھہرا رہنے دیں، اس سے کہ وہ سرے سے اسلام ہی چھوڑ

---

❶ شرح نہج البلاغت مصنفہ سلطان محمود طبری جلد ۲ میں ہے (روی انه كانت وجوه الناس الی علی علیه السلام فلما ماتت فاطمه انصرفت وجوه الناس عنه و خرج من بيته فبايع ابابكر (ترجمہ) روایت ہے کہ پہلے لوگوں کی توجہ امیر کی طرف تھی جب جناب سیدہ فوت ہوئیں تو لوگوں کی توجہ کم ہوگئی، تو آپ اپنے گھر سے نکلے اور بیعت ابوبکر کرلی۔''

بیٹھیں اور بہرحال وہ لوگ ہلاک ہوگئے۔ جو بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر متفق ہوگئے۔ ہاں جو لوگ اس منصوبہ میں شامل نہ تھے اور لوگوں کی دیکھا دیکھی بغیر علم و عداوت امیر المؤمنین اس میں داخل ہوگئے، وہ کافر نہیں ہوئے نہ اسلام سے خارج ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے استحقاق کو چھپا رکھا اور مجبور ہوکر بیعت کرلی جبکہ اپنے مددگار نہ دیکھے۔"

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کلہم بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر متفق ہوگئے ہیں۔ اور آپ کا ساتھ بالکل چھوڑ دیا گیا ہے اور حالت ایسی نازک ہوگئی کہ اگر بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منحرف ہوکر آپ اپنی بیعت منوانا چاہیں تو لوگ اسلام ہی کو خیر باد کہہ دیں تو آپ نے اپنے استحقاق خلافت کو اپنے سینہ ہی میں مخفی رہنے دیا۔ لوگوں کو ہرگز اپنی خلافت کا استحقاق نہیں جتایا اور مصلحتاً خود بھی بیعت کرلی۔ نہ کسی نے آپ کو مار پیٹ کی، نہ کوئی ناگوار قضیہ پیش آیا۔ آپ نے عین مآل اندیشی سے وقت کی نزاکت کو محسوس کرکے اپنی بیعت کے لیے کسی فردِ بشر کو نہیں کہا بلکہ بطیب خاطر خود بیعت کرلی۔ ایسے متعارض اقوال کے ہوتے ہوئے شیعہ اپنے دعویٰ میں کامیاب نہیں رہتے اور بلاشبہ تنقیح چہارم بھی بحق اہل سنت والجماعت خلاف اہلِ تشیع ثابت ہوجاتی ہے۔

فیصلہ

جب ہر چہار امور تنقیح بحق اہل سنت والجماعت خلاف شیعہ براہین قاہرہ قرآن و حدیث و احادیث ائمہ اہل بیت و اقوال جناب امیر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہوگئے ہیں تو دعویٰ شیعہ باطل قرار دیا جاکر ڈگری بحق اہل سنت خلاف شیعہ صادر کی جاتی ہے کہ امامت و خلافت ایک ہی چیز ہے۔ اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل پر کوئی نص قرآن و حدیث میں ثابت نہیں ہے اور انتخاب خلافت شوریٰ مہاجرین و انصار اور اتفاق اہل حل و عقد سے عین منشاء ایزدی سے درست طور پر ہوتا رہا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ ہرگز طالب خلافت نہیں تھے بلکہ وہ وزارت کو خلافت پر ترجیح دیتے تھے اور انہوں نے برضا و رغبت ہر سہ خلفاء کی بیعت کی اور یہ خلافت بالکل حق تھی۔ شیعہ کا یہ سب شور و شغب ان کی لاعلمی اور

جہالت اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہے اور درحقیقت دوستی کے لباس میں یہ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور جملہ اہل بیت کے سخت ترین دشمن ہیں۔ خدا ان کو ہدایت کرے۔ اب خلافت کی بحث ختم ہو چکی۔ اور دلائل سے ہم نے اپنے مدعا کو ثابت کر دیا جس کا جواب شیعہ قیامت تک نہیں دے سکتے۔ اب ہم ان مطاعن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جو شیعہ صاحبان آنحضرت کے اصحاب پاک اور ازواجِ مطہرات کے خلاف کیا کرتے ہیں۔ ہم ان تمام مطاعن کا جواب شافی الزامی اور تحقیق طور پر دیں گے اور استدلال عقلی و نقلی سے شیعہ کے ان ہذیانات کا قلع قمع کر دیں گے۔ واللہ الموفق۔

مطاعن شیعہ

ہر چند شیعہ کے مطاعن کے شافی جواب کتبِ متقدمین اہل سنت والجماعت میں دیئے جا چکے ہیں۔ لیکن شیعہ اس سے اغماض کر کے پھر نئے نئے رنگ میں انہی اعتراضات کو دوہرایا کرتے ہیں۔ اس لیے یہاں ان کے مطاعن کو ایک ایک کر کے پہلے لکھ کر ان کے دندان شکن جواب لکھ دیئے جاتے ہیں تاکہ اہل سنت مناظرین کو ان کے خرافات کی جواب دہی میں سہولت ہو۔

پہلا طعن

پہلا طعن روافض کا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نسبت یہ ہے کہ آپ نے جیش اسامہ سے تخلف کیا۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس لشکر کو خود تیار کر کے اسامہ رضی اللہ عنہ کی ماتحتی میں روانہ کیا اور سب کو نام بنام متعین کر دیا اور بڑی تاکید و مبالغہ سے فرمایا کہ جھزوا جیش اسامة لعن❶ اللّٰہ من تخلف عنھا (اسامہ کے لشکر کو تیار کرو، جو شخص اس سے تخلف کرے گا مورد لعنت ہوگا۔)

---

❶ لعن اللّٰہ الخ اہل سنت کی کسی کتاب میں مذکور نہیں ہے۔ یہ روافض کا الحاق ہے۔ صرف محمد بن عبدالکریم شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں یہ جملہ لکھا ہے۔ شہرستانی حسب تحریر کتب جرح و تعدیل ثقہ نہیں۔ بلکہ وہ شیعہ کی طرف مائل تھا۔ ایسے شخص کی تحریز کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ ۱۲۔ مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ۔ ۱۲

جواب:

اس طعن کا جواب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تجہیز جیش اسامہ رضی اللہ عنہ کا حکم فرمایا اس کی تعمیل صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بوجہ احسن کی۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

۲۶ رصفر کو پیر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ رومیوں کی سرکوبی کے لیے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے انتقام کی مہم روانہ کی جائے۔ آپ نے منگل کے روز اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو اس لشکر کا امیر نامزد فرمایا۔ بدھ کو آپ بیمار ہو گئے۔ اس سے دوسرے روز (خمیس) کو باوجود بیماری کے آپ نے بدست خود نشان (علم) کی درستی فرمائی اور اسامہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا:

اُغْزُ بِسْمِ اللّٰهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَاتِلْ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ.

''خدا کا نام لے کر خدا کی راہ میں جہاد کرو اور کافر باللہ سے جہاد شروع کردو۔''

اسامہ رضی اللہ عنہ حسب ارشاد نبوی علم ہاتھ میں لے کر باہر نکلے اور نشان بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ اسلمی کے حوالہ کر دیا اور مقام جرف میں پڑاؤ کیا جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلے پر ہے تاکہ تمام لشکر وہاں جمع ہو جائے۔ اصحاب کبار مہاجرین و انصار صدیق رضی اللہ عنہ، فاروق رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اکابر اصحاب نے بھی ادھر تیاری کر کے اپنے خیمے مقام مذکور میں بھیج دیے۔ اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں تیزی ہوگئی اور عشاقِ رسول بے قرار ہو گئے۔ حضور علیہ السلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ امامت پر مامور فرمایا۔ (کتب طرفین میں اس کا ذکر موجود [1] ہے) ۱۰ ربیع الاوّل حضور علیہ السلام کو

---

[1] کتب اہل سنت والجماعت میں تو اس کی تفصیل موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے ایام میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ لیکن شیعہ حضرات اس خیال سے کہ اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور استحقاق خلافت ثابت ہوتا ہے۔ صاف الفاظ میں اس بات کا اقرار نہیں کر سکتے۔ لیکن چونکہ اصلیت چھپی نہیں رہتی۔ اس لیے بعض منصف مزاج مصنفین کو اس کا (باقی اگلے صفحہ پر)

مرض سے کسی قدر افاقہ ہوا اور سب مسلمانوں نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو حضور ﷺ نے بغل گیر فرما کر دعا فرمائی اسامہ رضی اللہ عنہ کوچ کے لیے تیار تھے کہ ام ایمن مادرِ اسامہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس پہنچ کر کہنے لگیں کہ حضورؐ کی حالت نازک ہوگئی ہے۔ اسامہ رضی اللہ عنہ اور دیگر لشکریان یہ خبر وحشت اثر سن کر ششدرہ گئے اور کمریں کھول دیں اور نشان درِ دولت نبوی ﷺ پر نصب کر دیا۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب تجہیز و تدفین سے فراغت ہوئی اور منصب خلافت پر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ جاگزیں ہوئے تو اسامہ رضی اللہ عنہ نے پھر مقام جرف میں جھنڈا گاڑ دیا اور فوج جمع ہونے لگی۔ اسی اثناء میں مدینہ میں خبر پہنچی کہ بعض قبائل مرتد ہوگئے ہیں اور مدینہ منورہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں بعض صحابہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کی کہ اس موقعہ پر لشکر اسامہ کی روانگی مہم دوم پر ملتوی کر دی جائے تاکہ مدینہ منورہ معرضِ خطر میں نہ رہے لیکن صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نہ مانا اور کہا کہ جس لشکر کو آقائے نامدار ﷺ تیار فرما چکے ہیں میں اُس کو کبھی روک نہیں سکتا اور مہم کو ضرور روانہ کروں گا۔ اگرچہ منافقین مدینہ و مضافات میں مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ القصہ لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کو آپ نے مکمل ساز و سامان سے لیس کر کے روانہ کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ

(گزشتہ سے پیوستہ) اعتراف کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ ذاکر حسین شیعی امامی اثنا عشری لکھتا ہے۔ ایام مرض میں جب وقت نماز آتا۔ بلال رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو اطلاع دے دیتے اور حضرت باہر آکر نماز پڑھاتے مگر اکثر مورخین نے لکھا ہے کہ آخری سترہ (۱۷) نمازوں میں حاضر نہ ہوسکے۔ اس موقعہ پر طبری نے لکھا ہے کہ رسول نے فرمایا کہ علی کو بلا بھیجو پس علی رضی اللہ عنہ کو بلانے گئے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بلاؤں تو کیا حرج ہے۔ اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ اگر عمر کو بلا لوں تو کیا حرج ہے۔ پس یہ سب آنحضرت کے پاس آکر جمع ہوگئے۔ پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ اب تم چلے جاؤ جب مجھے ضرورت ہوگی تو بلا لوں گا۔ پس یہ لوگ چلے گئے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نماز کا وقت آگیا، جواب ملا۔ البتہ فرمایا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حکم دے دو کہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں۔ (تاریخ اسلام حصہ ۲ مؤلفہ ذاکر حسین ص ۵۱۸ مطبوعہ مقبول پریس دہلی۔ ۱۳۳۱ھ)

کو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر ہمراہ خود لیا تا کہ ان کی تدبیرِ کار سے فائدہ اُٹھا کر بغاوت کو فرو کر سکیں۔ اسامہ رضی اللہ عنہ منزلِ مقصود پر پہنچے۔ جدال و قتال کر کے حدودِ شام کو مفتوح کیا اور مدینہ میں با فتح و ظفر واپس آئے۔

سو یہ اعتراض صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پر کرنا کہ آپ نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کی تجہیز میں کوتاہی کی، درست نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ آپ نے اس لشکر ظفر پیکر کو پورے ساز و سامان سے تیار کر کے روانہ کیا اور جَھِّزُوْا کی تعمیل کا حق ادا کیا اور اگر روافض کا یہ اعتراض ہے کہ آپ نے لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ سے تخلف کیا (خود ساتھ نہیں گئے) تو ایسا اعتراض روافض کا ان کی جہالت اور لاعلمی کی دلیل ہے۔ جب خلیفہ یا بادشاہ کسی مہم کو کسی افسر کے ماتحت کر کے کسی جگہ روانہ کرتا ہے تو حقیقت میں قایدِ فوج وہی سمجھا جاتا ہے۔ لڑتی فوج ہے اور نام بادشاہ کا ہوتا ہے کیونکہ فوج بدوں سامانِ خوراک و اسلحہ وغیرہ لڑ نہیں سکتی اور یہ سب کچھ بادشاہ کے ذمہ ہوتا ہے۔ غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے باوجود خطرناک حالت کے لشکرِ اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھیج کر زید رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا خوب انتقام لیا اور اسامہ رضی اللہ عنہ مہم سر کر کے پوری کامیابی سے مراجعت فرما ہوئے۔ رسولِ پاک کے منشاء و حکم کو پورا کر دیا گیا۔ علاقہ ازیں یہ الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بھی وارد ہو سکتا ہے کہ آپ بھی لشکر اسامہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانے پر مامور تھے۔ آپ کیوں نہ گئے؟ اگر ایسی نازک حالت میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزع کی حالت میں ہوں۔ عاشقانِ ذات والا آپ کو چھوڑ کر لڑائی پر چلے جاتے تو مخالفین نابکار کا ہمیشہ کے لیے یہ اعتراض ہوتا کہ ملک گیری کی ہوس میں آقائے نامدار کو مرض الموت میں تنہا چھوڑ کر یارانِ خاص باہر سفر میں چل دیئے اور جب دوسرا پہلو اختیار کیا گیا تو اعتراض اُٹھایا جاتا ہے کہ تعمیلِ حکم نہیں ہوئی:

چشمِ بداندیش کہ برکندہ باز
عیب نماید ہنرش در نظر

یہ بھی واضح رہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خدمتِ امامت پر مامور کر دیا تھا تو تعمیلِ حکم اسی صورت میں تھی کہ اس ڈیوٹی میں کوتاہی نہ ہو۔ پھر جب بعد

وفاتِ رسول ﷺ بارِ خلافت آپ کے سر پر ڈالا گیا تو پھر تعمیلِ ارشاد اسی طرح ہو سکتی تھی کہ خود امور خلافت کو سرانجام کریں۔ آزمودہ کار فوج کو بما تحتی اسامہ رضی اللہ عنہ پوری تیاری سے روانہ کر کے اس مہم کو سر کریں۔ چنانچہ یہ دونوں کام خدا کے فضل سے پورے ہوئے اور فتح وظفر کا سہرا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سر بندھا۔ حاسد نابکار کڑھا کریں:

بمیر تا برہی اے حسود کیں رنجیست
کہ از مشقتِ اوجز بمرگ نتواں رُست

دوسرا طعن

حضور ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سورۂ برات کے احکام کی تبلیغ کے لیے مکہ معظمہ میں روانہ کیا تھا۔ بعد میں جبرائیل نازل ہوئے اور پیغام دیا کہ اس کام کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو روانہ کرو۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جا کر فرض تبلیغ احکام سورۂ برأت انجام دیا تو جب آپ صرف ایک سورۃ کی تبلیغ کی قابلیت نہ رکھتے تھے تو وہ خلیفہ کس طرح ہو سکتے تھے۔ جس کے ذمہ تبلیغ جمیع احکام شریعت کا کام ہوتا ہے۔

جواب:

روایات اہل سنت اس بارہ میں مختلف ہیں۔ اکثر روایات میں یوں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام نے پہلے ہی سے امیر حج مقرر فرما کر بھیجا تھا۔ بعد ازاں سورۂ برات کا نزول ہوا تو آپ نے اس کی تبلیغ کے لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا۔ اس صورت میں معترض کا اعتراض سرے سے ہی غلط ٹھہرتا ہے کہ جس کام کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ مامور ہوئے تھے یعنی مناسک حج کی تعلیم کے لیے وہ کام اخیر تک انہوں نے ہی انجام دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جس ڈیوٹی پر بعد میں روانہ کیا گیا۔ آپ نے ادا کی۔ اس میں اعتراض ہی کیا ہو سکتا ہے؟ دوسرا قول [1] یہ ہے کہ جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ امیر حج مقرر کر کے روانہ کئے گئے تو یہ کام بھی آپ کے سپرد کیا گیا کہ سورہ برأت کے احکام کی تبلیغ

---

[1] بیضاوی، مدارک، زاہدی، تفسیر نظام نیشاپوری، جذبات القلوب، شرح مشکوٰۃ میں یہی روائت اختیار کی گئی ہے۔

کردی جائے۔ لیکن بعد میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دوسرے کام کی انجام دہی کے لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بٹانے کے لیے روانہ کیا گیا جو انہوں نے بماتحتی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ انجام دیا۔ عادتِ عرب یہ تھی کہ جب کوئی معاہدہ کرنا یا اس کو توڑنا ہوتا اور صلح یا جنگ کا معاملہ درپیش ہوتا۔ وہ ایسے شخص کے ہاتھ سے انجام پذیر ہوسکتا تھا جو بادشاہ کی قوم میں سے اس کا فرزند یا داماد ہو۔ دوسرا کوئی شخص خواہ کتنی بڑی شخصیت رکھتا ہو اس کام کے لیے منتخب نہیں ہوسکتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ برأت میں اس امر کا اعلان مقصود تھا کہ سابقہ معاہدات ختم ہو چکے اب مشرکین کو مسجد نبوی اور حرم محترم میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے، اس لیے یہ فرض بغیر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جو آپ کے عم زاد بھائی اور داماد تھے، دوسرے سے ہوتا تو کفار کا حسب دستور اعتراض ہوتا کہ اگر ایسا اعلان مقصود تھا تو کسی شاہی خاندان کے خاص آدمی کے ذریعہ اس کا اعلان کیوں نہیں کیا گیا۔ کفار کے اس عذر کے دفع کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس ڈیوٹی کی انجام دہی کے لیے بھیجا گیا۔ اس میں قابلیت یا عدم قابلیت کا کوئی سوال نہیں ہے۔ اگر حضور علیہ السلام جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ میں قابلیت نہ پاتے تو ابتدا میں آپ ان کا اس کام کے لیے کیوں انتخاب فرماتے۔ بیشک ان سے بھی بڑے بڑے ذمہ داری کے کاموں کے لیے آپ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی کا انتخاب پسند فرمایا کرتے تھے اور یہاں بھی جو کام جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد کیا گیا وہ بہت بڑا اہم اور ذمہ داری کا کام تھا۔ کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لاکھوں نفوس کے سردار قرار دیئے جا کر احکام حج کی تبلیغ اور انتظام کے لیے بھیجے گئے تھے اور جس قدر واقعات وحوادث وہاں رونما ہونے والے تھے ان سب کا تصفیہ وفصل خصومات کا کام صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سپرد تھا۔ جس قدر شرعی مسائل پیش آنے والے تھے سب کا فتویٰ آپ نے صادر کرنا تھا۔ ایسے کام کے لیے ایسی شخصیت کی ضرورت تھی جو بڑا مجتہد، بڑا منتظم اور بڑا ہی مدبر اور سلیم العقل ہو۔ بخلاف اس کے سورۂ برات کی چند آیات بآواز بلند پڑھ کر سنا دینا ایک معمولی کام تھا جو ہر ایک حافظِ قرآن جہیر الصوت اس کو پورا کرسکتا تھا، اس لیے قیاس نہیں ہوسکتا کہ امارت حج کا عظیم الشان کام انجام دینے کی قابلیت جس شخص میں تھی، وہ ایک سورۃ قرآن کے جا بجا سنا

دینے کے قابل نہیں۔ غرض اس سے نہ تو حضرت صدیق پر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے نہ اس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو آپ پر کوئی فضیلت ثابت ہو سکتی ہے۔

کتب حدیث سیر سے ثابت ہے کہ اس موقعہ پر جناب امیر رضی اللہ عنہ ہر ایک امر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء کرتے تھے۔ نماز ان کے پیچھے ادا کرتے تھے اور مناسک حج میں بھی ان کی متابعت فرماتے تھے۔

کتب حدیث میں یہ بھی تصریح ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ بسواری ناقہ قطع مسافت کر کے بعجلت تمام حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس جا پہنچے تو آپ نے پوچھا: أَمِيرًا جِئْتَ أَمْ مَأْمُورًا؟ (کیا آپ امیر ہو کر آئے ہیں یا مامور ہو کر؟) آپ نے جواب میں فرمایا: جِئْتُ مَأْمُورًا (میں آپ کے ماتحت مامور ہو کر آیا ہوں۔)

خلاصہ یہ کہ امیر الحج کے ذمہ جو چند لاکھ نفوس کے سردار تھے اتنا بڑا کام تھا کہ ان سے اصالتاً سورہ برأت کا جا بجا ہر خیمہ اور ڈیرہ میں جا کر سنانا متعذر تھا۔ اس لیے اس کام کے لیے علیحدہ شخص مقرر ہونا ضروری تھا۔ چنانچہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے یہ کام بوجہ احسن پورا کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا اور یوں حضور علیہ السلام کی نیابت کا پورا پورا حق ادا کیا۔ پھر کتنی بڑی بے انصافی ہے کہ ان ہر دو اصحاب میں سے کسی ایک کی بے قدری کی جائے۔

تیسرا طعن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شیخین کو ایک دفعہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اور ایک دفعہ اسامہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت فرما کر اُن کے تابع حکم گردانا۔ اگر وہ خلافت و امامت کے قابل ہوتے تو ایسے معمولی اشخاص کے تابع حکم نہ گردانے جاتے۔

جواب:

اس طعن کا جواب دو طرح پر ہے ایک یہ کہ یہ اعتراض تب ہو سکتا ہے کہ شیعہ صاحبان عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما یا اسامہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہوں۔ حالانکہ اس بات کے وہ بھی قائل نہیں ہیں۔ پھر اعتراض کیسا؟

دوم: یہ کہ کسی خاص امر پر کسی بڑے آدمی کو کسی چھوٹے کے ماتحت رہ کر کام کرنے پر مامور کرنا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ سلطان یا بادشاہ کی نظر میں وہ بڑا آدمی حقیر، اور چھوٹا اس سے زیادہ عزت رکھتا ہے یہ قاعدہ کی بات ہے کہ بادشاہ کو جب کبھی کسی آدمی کو بڑے رتبہ پر کرنا منظور ہوتا ہے پہلے اس کو کام سکھانے کے لیے کسی چھوٹے اہلکار کے ماتحت کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً ایسے ذی عزت خاندانی اشخاص کو سول میں پہلے پٹواری کے ماتحت کام سیکھنا پڑتا ہے۔ ایسا ہی جو شخص صیغہ فوج میں ڈائرکٹ کمیشن حاصل کر کے جمعدار یا صوبیدار یا لیفٹیننٹ گھر سے ہی بھرتی کیا جاتا ہے، اس کو کسی معمولی حوالدار کے ماتحت قواعد پریڈ سکھائی جاتی ہے لیکن یہ ہرگز خیال نہیں ہوسکتا کہ بادشاہ کی نگاہ میں پٹواری یا حوالدار کو ای، آئی، سی یا فوجی سردار پر فوقیت یا فضیلت حاصل ہے بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی نگاہ میں جب شیخین نے ایک وقت امامت وخلافت حاصل کرنی تھی اس لیے ان کو ماتحتی کی ڈیوٹی پر لگایا گیا تاکہ کام کی مشق اور ریاضت وتجربہ حاصل ہو اور تابع رہ کر ان کو اپنے زمانہ اقتدار ومتبوعیت میں ماتحتوں اور تابعین فرمان کی بھی قدر و منزلت ہو۔

سوم: اسامہ رضی اللہ عنہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی امارت ایک جزوی مصلحت کی وجہ سے تھی وہ یہ کہ روم وشام نے اسامہ رضی اللہ عنہ کے باپ زید رضی اللہ عنہ کو جنگ موتہ میں بے دردی سے قتل کر دیا تھا۔ اس کا انتقام اسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ مقتول کا فرزند (اسامہ رضی اللہ عنہ) خود اپنے باپ کا بدلہ لے کر دل ٹھنڈا کرے۔ اسی طرح عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ منصوبہ اور تدبیر میں طاق تھے اور اس وقت ایسے لوگوں سے سابقہ پڑا تھا جو بڑے مکار اور حیلہ جو تھے اس لیے اس کے مقابلہ کے لیے ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو اس فن (تدبیر امور) میں مہارت رکھتا ہو۔

چہارم: اگر اس خاص امارت سے فضیلت ثابت ہوسکتی ہے تو پھر جناب امیر رضی اللہ عنہ پر بھی ان کی فضیلت تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ جبکہ حضور علیہ السلام نے ان سے افضل علی رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر اسامہ رضی اللہ عنہ وعمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر بھیجا۔ غرض یہ طعن محض جہالت کی

وجہ سے کیا گیا ہے جس کی کوئی وقعت نہیں ہے نہ اس سے شیخین کی تنقیص پر دلیل ہو سکتی ہے نہ افضلیت امیر ثابت ہوتی ہے۔

چوتھا طعن

شیعہ کہتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ہے:

اِنَّ لِیْ شَیْطَانًا یَعْتَرِیْنِیْ فَاِنِ اسْتَقَمْتُ فَاَعِیْنُوْنِیْ وَاِنْ زِغْتُ فَقَوِّمُوْنِیْ.

''میرے لیے بھی شیطان ہے جو وساوس ڈالتا ہے، پس اگر میں راہِ راست پر چل رہا ہوں، تو تم میری مدد کرو، اور اگر کجی دیکھو تو مجھے سیدھا کر دو۔''

پھر ایسا شخص قابلِ امامت وخلافت کس طرح ہوسکتا ہے جو شیطانی وساوس سے بچ نہیں سکتا۔

جواب:

اوّل تو اہل سنت کی کتاب میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ درج نہیں ہے۔ اگر بالفرض یہ درست ہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہم سوائے انبیاء کے کسی کو معصوم نہیں سمجھتے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ ہر ایک شخص کے ساتھ ایک فرشتہ اور ایک جن پیدا ہوتا ہے۔ فرشتہ نیکی کی تلقین کرتا ہے اور جن (شیطان) بدی کی طرف رغبت دلاتا ہے۔ پھر اگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کمال کسرِ نفسی سے ایسا فرما دیا ہو تو یہ آپ کی نیک طینتی اور بے نفسی کا ثبوت ہے۔

انبیاء باوجود عصمت کے ایسے کلمے فرما دیا کرتے ہیں۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا: رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا (اے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تو ہماری خطائیں معاف کر دے)۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ بِالسُّوْءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ (میں اپنے کو خطا سے مبرا نہیں سمجھتا۔ نفس بدی کی رغبت دلاتا ہے، ہاں جس پر خدا رحم کر دے۔) حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے دیوان میں فرماتے رہے:

ذُنُوبِی بَلائِی فَمَا حِیلَتِی
اِذَا کُنْتُ فِی الْحَشْرِ حَمًّا لَھَا

"میرے گناہ میری مصیبت ہیں، میرا کیا چارہ ہوگا جب قیامت کے روز گناہوں کا بوجھ میری گردن پر ہوگا۔" [دیوان علیؓ]

حضرت زین العابدین فرماتے ہیں:

قَدْ مَلَکَ الشَّیْطَانُ عِنَانِیْ فِیْ سُوْءِ الظَّنِّ وَضُعْفِ الْیَقِیْنِ وَاِنِّیْ اَشْکُوْ سُوْءَ الْمَجَاوَرَۃِ بِهٖ اِلَیَّ بِطَاعَةِ نَفْسِیْ.

(صحیفۂ سجادیہ)

ترجمہ: "شیطان نے بدگمانی اور یقین کی کمزوری میں میری باگ پکڑ رکھی ہے اور میں اس کے پڑوس اور اپنے نفس کے اس کے مطیع ہونے کی شکایت کرتا ہوں۔"

اگر انبیاء کے اقوالِ بالا اور ائمہ معصومین کے ان مقولوں سے نبوت و امامت میں فرق نہیں آتا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بطور کسر نفسی یوں کہہ دیا تو کیا مضائقہ؟

پانچواں طعن (جنازۂ رسول ﷺ)

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کا جنازہ نہیں پڑھا۔ اس طعن کو بڑا کھینچ تان کر بیان کیا جاتا ہے تاکہ لوگ گمراہ ہوں کہ جن لوگوں نے اپنے رسول پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھی وہ خلیفہ کیسے ہو سکتے ہیں؟

جواب:

جھوٹ محض جھوٹ۔ اگر آجکل کے شیعہ اپنی کتابوں کا بھی مطالعہ کریں تو ایسے جھوٹ کہنے سے شرم آئے۔ مگر اللہ رے جہالت، اپنی کتابوں سے انہیں واقفیت نہیں ہے۔

① شیعہ کی نہایت معتبر کتاب اصول کافی کے ص ۲۸۶ میں لکھا ہے:

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ لَمَّا قُبِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّتْ عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ وَالْمُهَاجِرُونَ وَالانْصَارُ فَوْجًا فَوْجًا.

''امام باقر نے فرمایا جب نبی علیہ السلام فوت ہوئے آپ پر فرشتوں اور تمام مہاجرین اور انصار نے فوج درفوج نماز پڑھی۔''

یہ مانی ہوئی بات ہے کہ الف لام جب صیغہ جمع پر واقع ہو تو استغراق کا معنیٰ دیتا ہے اس لیے بقول حضرت امام جب جمیع مہاجرین وانصار کا نمازِ جنازۂ رسول پڑھنا ثابت ہے تو پھر شیعہ کی بکواس کہ شیخین نے آپ کا جنازہ نہیں پڑھا کیا وقعت رکھتی ہے۔ تم سچے ہو یا حضرت امام سچے؟

۲ شیعہ کی ایک دوسری مستند کتاب اخبار ماتم مطبوعہ مطبع حسینی رامپور کی مجلس اوّل ص ۶۵ میں ہے:

عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ النَّاسُ كَيْفَ الصَّلٰوةُ عَلَيْهِ فَقَالَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِمَامُنَا حَيًّا وَمَيِّتًا فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ عَشَرَةٌ فَصَلُّوْا عَلَيْهِ يَوْمَ لِاثْنَيْنِ وَلَيْلَةَ الثُّلٰثَآءِ حَتَّى الصُّبْحِ وَيَوْمَ الثُّلٰثَاءِ حَتّٰى صَلّٰى عَلَيْهِ صَغِيْرُهُمْ وَكَبِيْرُهُمْ وَذَكَرُهُمْ وَاُنْثَاهُمْ وَنَوَاحِيَ الْمَدِيْنَةِ بِغَيْرِ اِمَامٍ.

''حضرت امام باقر نے فرمایا: لوگوں نے دریافت کیا کہ حضور علیہ السلام پر کس طرح نماز پڑھیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: آپ ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں۔ دس دس نے داخل ہو کر آپ پر نماز پڑھی۔ پیر کے دن اور منگل کی رات صبح تک نماز ہوتی رہی۔ اور منگل کے دن حتیٰ کہ تمام چھوٹے بڑے مرد عورت نے مدینہ اور اردگرد کے لوگوں نے بغیر امام کے نماز پڑھی۔''

اب شیعہ خود ہی انصاف کریں کہ جب تمہاری کتابوں میں تصریح ہے کہ تمام مہاجرین وانصار چھوٹے بڑے مرد، عورت، مدینہ و مضافات کے لوگ نمازِ جنازہ رسول

میں شامل تھے تو کیا مہاجرین و انصار اور صغیر و کبیر اور ذکر و اُنثیٰ کے عموم سے شیخین خارج ہو سکتے ہیں۔ اگر شیخین نے نماز نہیں پڑھی تھی تو امام نے اُن کو مستثنیٰ کیوں نہ کر دیا؟

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شاملِ جنازہ ہونا

اگرچہ مذکورہ بالا دلائل نہایت صاف ہیں اور ان سے بالوضاحت ثابت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ جو سرخیل مہاجرین و انصار تھے نمازِ جنازۂ رسول میں شامل تھے۔ لیکن ضدی شیعوں کی شاید اس سے تسلی نہ ہو اس لیے اب ہم وہ روایات لکھے دیتے ہیں جن سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا شامل جنازہ ہونا بالصراحت ثابت ہے۔

اصولِ کافی ص ۱۸۵ میں ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اَتَی الْعَبَّاسُ اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ فَقَالَ یَا عَلِیُّ اِنَّ النَّاسَ اجْتَمَعُوْا اَنْ یَّدفَنُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فِی بَقِیْعِ الْمُصَلّٰی وَاَنْ یَّؤُمَّهُمْ مِنْهُمْ رَجُلٌ فَخَرَجَ امیر الْمُؤْمِنِیْنَ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ یا اَیُّهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِمَامٌ حَیًّا وَمَیِّتًا وَقَالَ اِنِّیْ اُدفَنُ فِی البقعةِ الَّتِیْ اُقْبَضُ فِیْهَا ثُمَّ قَامَ عَلَی الْبَابِ فَصَلّٰی عَلَیْهِ ثُمَّ اَمَرَ النَّاسَ عَشَرَةً عَشَرَةً یُصَلُّوْنَ ثُمَّ یَخرُجُوْنَ:

"امام جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ رسول پاک کو جنت البقیع میں دفن کریں اور یہ کہ ان لوگوں سے ایک شخص (ابوبکر رضی اللہ عنہ) امام ہو، پس امیر رضی اللہ عنہ لوگوں کے پاس آئے اور کہا کہ رسول پاک ہماری زندگی میں اور بعد وفات بھی امام ہیں اور آپ نے فرمایا ہے کہ میں اسی جگہ دفن کیا جاؤں جہاں میرا انتقال ہو، امیر رضی اللہ عنہ دروازہ پر کھڑے ہو گئے اور خود نماز پڑھی، پھر لوگوں کو حکم دیا، دس دس آدمی نماز پڑھتے اور پھر چلے جاتے تھے۔"

اس روایت سے ثابت ہے کہ بوقت جنازہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

موجود تھے اور لوگوں کا اس امر پر اتفاق تھا کہ آپ کو امام بنایا جائے لیکن جناب امیر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر کہ امام کی ضرورت نہیں دس دس اشخاص نے بلا امامت نماز پڑھی۔ پھر کس طرح کہہ سکتے ہو کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز نہیں پڑھی۔ ممکن ہے اس سے ایک متعصب شیعی کی تسلی نہ ہو، کیونکہ اس روایت میں بالاشارہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے امام بنائے جانے کی خواہش کا ذکر ہے، آپ کا نام بالتصریح موجود نہیں ہے۔ لو اب ہم آپ کو وہ روایت دکھائیں جس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا نام بھی درج ہے۔

جلاء العیون اُردو مطبوعہ جعفری لکھنو جلد ا ص ۸۰ میں ہے۔ جنابِ صادق سے روایت ہے کہ عباس رضی اللہ عنہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آئے اور کہا لوگوں نے اتفاق کیا ہے کہ حضرت کو بقیع میں دفن کریں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے ہو کر نماز پڑھائے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کہا بدرستیکہ رسول خدا پیشوا و امام ہمارے حیات و ممات ہیں اور حضرت نے خود فرمایا تھا کہ میں دفن ہوں گا جہاں میری روح قبض کی جائے۔

اب تو شیعہ حضرات کی تسلی ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حسب روایت امام صادق صرف نماز جنازہ میں شامل ہی نہ تھے بلکہ تمام مسلمانوں نے اتفاق کر لیا تھا کہ آپ ہی امام ہوں۔ (کیونکہ حضور علیہ السلام اپنی زندگی میں آپ کو امامت نماز پر مامور فرما چکے تھے۔) پھر کس قدر بے شرمی ہے کہ ائمہ اہل بیت کو جھٹلا کر شیعہ صاحبان تمام لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ یہ اچھے خلیفے تھے کہ رسول کا جنازہ ہی نہ پڑھا۔

پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پیارے دوست کی آخری باتیں

روافض فضائل ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہاں تک چھپائیں گے؟ ان کی کتابیں بھی آپ کے فضائل کی شاہد ہیں۔ کتاب جلاء العیون اردو جلد اوّل ص ۷۷ میں تصریح ہے کہ پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے آخری ہم کلامی کا جس شخص کو شرف حاصل ہوا وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے تمام راز کی باتیں اپنے ہمراز یارِ غار ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی بتلائیں۔ زہے نصیب ابوبکر رضی اللہ عنہ، زہے قسمت ابوبکر رضی اللہ عنہ۔ کتاب مذکور ص ۷۷ میں یوں درج ہے:

ثعلبی نے روایت کی ہے کہ جس وقت مرض حضرت رسول ﷺ پر سنگین ہوا۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے اور کہا: یا حضرت آپ کس وقت انتقال کریں گے۔ حضرت نے فرمایا میری اجل حاضر ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ آپ ﷺ کی بازگشت کہاں ہے۔ حضرت نے فرمایا جانب سدرۃ المنتہیٰ وجنت الماویٰ ورفیق اعلیٰ وعیش گوارا وجرعہائے شراب قرب حق تعالیٰ میری بازگشت ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا! آپ ﷺ کو غسل کون دے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا جو میرے اہلبیت سے مجھ سے بہت قریب ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کس چیز میں آپ کو کفن کریں گے حضرت نے فرمایا: انہی کپڑوں میں جو میں پہنے ہوں یا جامہائے یمنی ومصری میں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا۔ کس طرح آپ پر نماز پڑھیں گے۔ اس وقت جوش وخروش غلغلہ آواز مردم بلند ہوا اور در و دیوار کانپنے لگے۔ حضرت نے فرمایا صبر کرو، خدا تم لوگوں سے عفو کرے۔"

اس روایت سے ثابت ہوا کہ رسول پاک آخری دم تک جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنا صادق الوداد اور محرم راز دوست سمجھتے تھے کہ تمام راز و نیاز کی باتیں اسی خاص دوست سے فرمائیں۔

شیعہ غور کریں کہ آخری وقت میں رسول پاک ایک منافق کو بھی شرف ہم کلامی بخش سکتے تھے؟ کہ نہ علی رضی اللہ عنہ کو نہ دیگر اہلبیت کو اس امر کے لیے منتخب فرمایا بلکہ اپنے قدیم دوست پرانے تابعدار یارِ غار رضی اللہ عنہ کو ہی یہ شرف عطا ہوا۔ سچ ہے:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

اور جب ابوبکر رضی اللہ عنہ آخری دم تک پروانہ وار شمع جمال احمدی پر اپنی جان نثار کیے ہوئے تھے، پھر کیونکر ممکن تھا کہ نمازِ جنازہ رسول ﷺ سے غیر حاضر ہوں۔ اب اس باطل طعن کا کماینبغی قلع قمع ہو چکا۔ اب ہم شیعہ کے ایک اور مشہور طعن کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو تمام مطاعن کی بنیاد ہے۔

چھٹا طعن (قضیۂ فدک)

شیعہ کا یہ طعن ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فدک بنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم (فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے چھین لیا۔ ان کو ناراض کیا اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتونِ جنت کی ناراضگی کو اپنی ناراضگی سے تعبیر کیا۔ پھر ایسا شخص خلیفہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

جواب:

چونکہ شیعہ صاحبان اس طعن کو بڑی شد و مد سے پیش کیا کرتے ہیں اور مطاعنین کے خیال میں بھی یہ ایک بڑا قلعہ ہے جس پر ان کے باقی مطاعن کی دار و مدار ہے۔ اس لیے ہم اس کے متعلق شرح و بسط سے کلام کر کے اس ہوائی قلعہ کے پرخچے اُڑائیں گے تاکہ اہل بصیرت اس نتیجہ پر پہنچ سکیں کہ طاعنین کہاں تک راہِ حق سے بھٹکے ہوئے پادر ہوا باتیں کر رہے ہیں۔

اس لیے ہم پہلے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ فدک ہے کیا چیز وہ کس طرح اسلام کے قبضہ میں آیا، اور قرآن کا فیصلہ اس کے متعلق کیا ہے، اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت علیہم الرضوان کا اس کے متعلق طرزِ عمل کیا رہا ہے؟

فدک کی تعریف

سو فدک جیسا کہ قاموس میں ہے ایک چھوٹے سے قریہ کا نام ہے جو خیبر کے نواح میں ہے اور جو یہود کے قبضہ میں تھا۔ جب آنحضرت فتح خیبر سے واپس ہوئے تو محیصہ بن مسعود انصاری کو اہل فدک کے پاس آپ نے تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا۔ اس بستی کا سردار یوشع بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صلح کا پیغام بھیجا اور صلح کے عوض فدک کی آدھی زمین دینی منظور کی۔ اس وقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔ چونکہ یہ جائیداد قبضہ اسلام میں بدوں لڑائی بطور صلح آئی تھی۔ اس لیے اسے فَے کہتے ہیں اور فَے کے متعلق جو حکم قرآن میں ہے وہی قابل عمل ہوگا۔ فی الحقیقت

فدک کی کل کائنات چند کھجوریں ہیں جن کے متعلق اس قدر دوہائی مچائی جاتی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خاتونِ جنت کی جائداد چھین لی۔ خاتونِ جنت نے مقدمہ بازی کی۔ معتبر شہادت گزاری جو مسترد کی گئی اور دعویٰ خارج کیا گیا لیکن شیعہ کے نزدیک فدک ایک ملک کا نام ہے جو ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کی مالیت کا ہے یعنی اس کی آمدنی اتنی ہے۔

فدک کی حقیقت شیعی نقطہ خیال سے

شیعہ کی معتبر کتاب اصول کافی ص ۳۵۵ میں ایک طولانی حدیث لکھی ہے جس میں حضرت ابوالحسن موسیٰ نے خلیفہ مہدی سے فدک کی واپسی کے متعلق مکالمہ کیا ہے۔ اس میں لکھا ہے:

فَقَالَ لَهُ الْمَهْدِيُّ يَا اَبَا الْحَسَنِ حُدَّهَا لِيْ فَقَالَ حَدٌّ مِنْ هَا جَبَلُ اُحُدٍ وَحَدٌّ مِنْ هَا عَرِيْشُ مصر وَحَدٌّ مِنْ سَيْفُ الْبَحْرِ وَحَدٌّ مِنْ هَا دُوْمَةُ الْجُنْدَلِ فَقَالَ لَهُ كُلُّ هٰذَا قَالَ نَعَمْ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ هٰذَا كُلُّهُ فَقَالَ كَثِيْرٌ وَّاَنْظُرُ فِيْهِ.

''مہدی نے کہا اے ابوالحسن فدک کی حد بتایئے۔ امام نے کہا ایک کنارہ اس کا کوہِ اُحد ہے [1] اور دوسرا عریش مصر، ایک گوشہ سمندر اور دوسرا دومۃ الجندل، مہدی نے کہا، کیا یہ سب فدک ہے، امام نے کہا! ہاں، خلیفہ نے کہا یہ تو ایک ملک ہے اور میں اس بارہ میں غور کروں گا۔''

---

[1] فدک کے حدود جو شیعوں کے امام معصوم موسیٰ کاظم نے خلیفہ مہدی سے بیان کیں۔ حسب تشریح کتب شیعہ یوں ہیں۔ ایک حد کوہِ احد ہے جو مدینہ منورہ سے قریبا تین میل مشرق کی جانب ہے۔ دوسری حد عریش مصر ہے۔ جو شام سے مصر کے راستہ میں بحیرہ روم کے کنارہ عین سرحد مصر پر ہے۔ (معجم البلدان الیاقوت) تیسری حد کنارۂ بحر جس کا اطلاق اکثر بحر عمان کے کنارہ پر ہوتا ہے (صافی شرح کافی) چوتھی حد دومۃ الجندل ہے جو دمشق سے جنوب کو پانچ دن کی مسافت پر ہے اور مدینہ منورہ سے ۱۵۔۱۶ دن کی راہ ہے۔

شیعہ کی اس حد شماری سے جو امام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ فدک آدھی دنیا کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شیعہ کہا کرتے ہیں کہ فدک لاکھوں کی جائیداد تھی جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دبالی۔

اب قابل غور یہ بات ہے کہ کیا رسول پاک ﷺ دنیا طلبی کے لیے مبعوث ہوئے تھے کہ نبوت کے لیے اقتدار سے جن ممالک پر قبضہ ہوا، وہ سب دختر نیک اختر کے حوالہ کر دیا۔ مخالفین اسلام اس بارہ میں کیا کہیں گے کہ تمہارے رسول نے دعویٰ رسالت اسی لیے کیا تھا کہ ملک ملک اینٹھ کر بہو بیٹیوں کے حوالے کرتے جائیں۔ غور کرو اور پھر غور کرو۔

ہمارے رسول پاک ﷺ اور آپ کے اہل بیت کی تو یہ حالت تھی کہ باوجود شہنشاہ اعظم ہونے کے تین تین روز فاقے سے گزرتے تھے اور گیہوں کی روٹی کھانے کو نہ ہوتی تھی۔ پھر جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ چند درہم کے عوض ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔ لاریب آپ کی صداقت کی یہی بڑی دلیل ہے۔ آپ نے دولت دنیا کو ایک پر پشہ کی وقعت نہ دے رکھی تھی۔ اور آپ کے اہل بیت بھی اسی کے خوگر تھے کہ فاقے میں رہ کر یادِ خدا میں شب و روز مصروف رہتے تھے۔ پیغمبر اسلام کے ذمے یہ ایک بہت بڑا افتراء ہے کہ آپ نے ایک بڑا ملک جو بغیر فوج کشی ہاتھ لگا۔ فقراء و مساکین امت کو محروم کر کے سارے کا سارا اپنی بیٹی کو دے دیا اور اسی طرح لختِ جگر رسول فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر یہ بہت بڑا بہتان ہے کہ آپ دنیائے حقیر کی اس قدر دلدادہ تھیں کہ متاع الدنیا کے لیے کچہریوں میں مقدمات لڑتی پھریں۔ استغفر اللہ

فدک کے متعلق فیصلۂ قرآن

یہ امر مسلمہ فریقین ہے کہ فدک مالِ فَے تھا جو بغیر جنگ و جدال ہاتھ آیا تھا اُس کے متعلق ہمیں قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا چاہیے کہ مالِ فے کے متعلق قرآنی فیصلہ کیا ہے۔ قرآن میں پارہ ۲۸ سورۂ حشر میں ہے۔

مَـا اَفَاءَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى فَلِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ وَلِذِى

الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَایَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنکم وَمَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَاتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ . لِلْفُقَرَآءِ الْمُھَاجِرِیْنَ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِھِمْ وَاَمْوَالِھِمْ. وَالَّذِیْنَ جَاؤُا مِنْ بَعْدِھِمْ.

”جو زمین اور جائیداد بطور فَے اہل دیہات سے رسول کو ملی وہ خدا و رسول اور قرابت دارانِ رسول اور یتیموں، مسکینوں اور مسافروں اور فقراء مہاجرین اور ان سب مسلمانوں کے لیے (وقف) ہے جو آئندہ دنیا میں آئیں گے۔“

اس آیت میں صریح فیصلہ موجود ہے کہ مالِ فَے (جو بدوں لڑائی ہاتھ آئے) جب وہ غیر منقولہ ہو تو کسی کی خاص ملکیت نہیں ہے بلکہ اس کے حق دار رسول اور قرابت دارانِ رسول کے علاوہ تمام مسلمان جو یتیم، مسکین یا مسافر ہوں اور وہ مہاجرین محتاج جو اپنے گھروں سے جلا وطن کیے گئے اور جو آئندہ پیدا ہوں گے، یکساں ہیں۔ پھر شیعہ کا یہ خیال برخلاف فیصلہ قرآن کہ فدک (مالِ فَے) رسولِ پاک ﷺ نے صرف فاطمۃ الزہراؓ کی ملکیت میں دے دیا تھا، نہ صرف قرآن کو ہی جھٹلانا ہے بلکہ حضور علیہ السلام کے ذمے اتہام لگانا ہے کہ آپ نے حکمِ خداوندی پس پشت ڈال کر یہ مال وقف جو غریب مسلمانوں کا حق تھا۔ اکیلا خاتونِ جنت کے قبضہ میں دے دیا۔ کیا فیصلہ قرآن سے بڑھ کر کوئی اور فیصلہ ناطق ہو سکتا ہے۔ شیعہ جواب دیں۔ یا تو یہ ثابت کریں کہ فدک مالِ فَے نہ تھا۔ اور اگر یہ تسلیم ہے تو اس کے مصارف یہ لوگ کیوں نہیں جن کا ذکر آیۃ مذکورہ میں بصراحت ہے۔

کیا فدک رسول پاک ﷺ کی ذاتی جائیداد نہ تھی؟

فدک کا فاطمۃ الزہراؓ کی ملکیت قرار دینے کے متعلق شیعہ کو سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ فدک آپ کو بطور ہبہ ملا تھا اور کبھی یہ کہ وراثتاً ترکہ میں آیا

لیکن یہ دونوں باتیں تب ثابت ہو سکتی ہیں کہ فدک رسول ﷺ کی ذاتی ملکیت ہوتی۔ لیکن اس بات کا ثابت کرنا بالکل مشکل ہے۔ اوّل تو یہ کہ آیت بالا اس کے مخالف ہے۔ دوم یہ مانی ہوئی بات ہے کہ ذاتی جائیداد وہ ہوتی ہے جو کسی شخص کو وراثتاً ملے یا اس نے ذاتی کمائی سے اسے خریدا ہو۔ یہاں دونوں باتیں مفقود ہیں۔ نہ حضور علیہ السلام کو آباؤ اجداد سے فدک ترکہ میں ملا اور نہ حضور ﷺ نے اس کو اپنی کسی ذاتی آمدنی سے پیدا کیا۔ یہ مُسلّم امر ہے کہ بادشاہ یا امام یا نبی کو جو جائیداد حکومت یا امامت یا نبوت کے اثر سے حاصل ہوئی ہو۔ وہ بادشاہ یا امام یا نبی کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ بادشاہ حکومت کے اقتدار سے جو ملک یا زمین یا سرحد فتح کرتا ہے وہ اس کی گورنمنٹ کی ملکیت ہوتی ہے نہ بادشاہ کی ذاتی جائیداد اور ایسی ہی جو اراضیات امام یا نبی کے قبضہ میں آئی ہیں وہ اس کے وارثوں کو وارثت میں نہیں ملا کرتیں بلکہ اس کے خلیفہ یا جانشین کو ملا کرتی ہیں۔

علامہ شبلی رحمہ اللہ نے اس کے متعلق حسب ذیل ریمارک کیا ہے جو ہر ایک ذی بصیرت کی سمجھ میں آسکتا ہے۔

”یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی اور اب جبکہ سیاست مدن کے اصول زیادہ صاف اور عام فہم ہو گئے ہیں، یہ مسئلہ اس قابل ہی نہیں رہا کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے کیونکہ نبی یا امام یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائیداد ہوتی ہے اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک مملوکہ خاص جس کے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت یا پادشاہت کے منصب کو کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام زرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے۔ یا بادشاہ عالمگیر قرآن لکھ کر بسر کرتا تھا۔ یہ آمدنی اُن کی ذاتی آمدنی تھی اور اس پر ان کو ہر طرح اختیار تھا۔ دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داؤد علیہ السلام کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضہ میں آئے۔ اس دوسری قسم میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ جو شخص پیغمبری یا امامت یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اس کا مالک یا متولی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ آج کل کے مذاق کے موافق ایک بدیہی بات ہے۔ مثلاً سلطان عبدالحمید خان کے بعد ان کے ممالک

مقبوضہ یا ان کی جاگیر خاصہ ان کے بیٹے، بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہ ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اس پر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثنا عشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اس میں وراثت کا قاعدہ جاری نہیں کرتے۔ مثلاً حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ ان کی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسنین رضی اللہ عنہم و عباس رضی اللہ عنہ و محمد حنفیہ و زینب رضی اللہ عنہا وغیرہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے وارث تھے اس کا کچھ حصہ مہام کے پڑتہ سے ملتا۔ بلکہ صرف امام حسن رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا۔ کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت کے جانشین تھے۔ (الفاروق جلد۲ ص ۱۷۱)

پس جب فدک حضور علیہ السلام کے ذاتی املاک ہی سے نہ تھا تو اس کا ہبہ بحق خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کو دینا یا آپ کی وفات پر وراثتاً آپ کو ملنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟

ایک عجیب قصہ

ہبۂ فدک کے متعلق شیعہ حضرات نے ایک عجیب قصہ تراش رکھا ہے۔ جس کا ذکر اصول کافی (ص ۲۵۵) میں ہے:

اِنَّ اللّٰہَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی لَمَّا فَتَحَ عَلٰی نَبِیِّہٖ ﷺ فَدَکَ وَمَا وَالَاھَا لَمْ یُوْجِفْ عَلَیْہِ بِخَیْلٍ وَّلَا رِکَابٍ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی نَبِیِّہٖ ﷺ وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی حَقَّہٗ وَلَمْ یَدْرِ رَسُوْلُ اللّٰہِ مَنْ ھُمْ فَرَاجَعَ فِیْ ذٰلِکَ جِبْرَائِیْلَ. وَرَاجَعَ جِبْرَائِیْلُ رَبَّہٗ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ اِنْ اِدْفَعْ فَدَکَ اِلٰی فَاطِمَۃَ فَدَعَاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ فَقَالَ لَھَا یَا فَاطِمَۃُ اِنَّ اللّٰہَ اَمَرَنِیْ اَنْ اَدْفَعَ اِلَیْکِ فَدَکَ فَقَالَتْ قَدْ قَبِلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنَ اللّٰہِ وَمِنْکَ.

''امام ابوالحسن رضی اللہ عنہ نے کہا! خدا نے رسول پاک ﷺ کے ہاتھ پر فدک وغیرہ فتح کیے جن کے متعلق فوج کشی نہ کی گئی تھی، تو خدا نے آیت وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی

حــقــہ (دے رشتہ دار کو اس کا حق) نازل کی تو رسول کو معلوم نہ ہو سکا کہ ذاالقربیٰ سے کیا مراد ہے۔ آپ نے اس کے متعلق جبرائیل سے استفسار کیا اور جبرائیل نے رب العزت سے استصواب کیا تو خدا نے وحی بھیجی۔ (مراد یہ ہے) کہ فدک فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے دیجیے۔ تب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا کر کہا: فاطمہ رضی اللہ عنہا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ فدک تجھے دے دوں، فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے خدا اور رسول سے یہ عطیہ قبول کیا۔''

قصہ تراشنے والوں نے اپنے مطلب کی بات تو وضع کر لی۔ لیکن یہ نہیں سوچا کہ اس سے رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آتا ہے کہ آپ باوجود علوم اولین و آخرین کے عالم ہونے اور حسب زعم شیعہ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ [1] سے آگاہ ہونے کے ذاالقربیٰ کے معنیٰ بھی نہ سمجھ سکے۔ پھر اللہ تعالیٰ پر یہ الزام آتا ہے کہ اس نے باوجود اس قولِ پاک کے وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّکْرِ (ہم نے قرآن کو ذکر کے لیے بہت آسان کر دیا ہے) یہ حکم ایسے معمہ کے طور پر فرمایا کہ نہ اس کا معنیٰ صاحب الوحی سمجھ سکے، نہ حامل وحی ہی کی سمجھ میں آیا کہ اس کے متعلق بلا وجہ نبی علیہ السلام کو اس قدر تردد کرنا پڑا کہ جبرئیل علیہ السلام سے دریافت کیا گیا۔ پھر جبرائیل بارگاہِ رب العزت میں دوڑے گئے اور وہاں سے آیت کا معنیٰ پوچھ کر پھر رسول کو سمجھایا۔ کتنا آسان تھا کہ پہلے ہی سے یوں فرمادیا جاتا وَاٰتِ فَـاطِـمَۃَ فَـدَکَ (فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے دیجیے) شیعہ صاحبان ایسی بودی باتیں کہہ کر ناحق جگ ہنسائی کرتے ہیں۔ کیا ان کو معلوم نہیں کہ یہ آیت [2] مکی ہے اور مکہ میں فدک کہاں تھا۔ وہ تو

---

[1] مصنفؒ نے کتاب کے دوسرے مواقع میں غیر اللہ کے لیے علم ما کان وما یکون کے عقیدہ کا ابطال فرمادیا ہے چنانچہ صاف لکھا ہے۔ یہ مسئلہ بھی مسلم ہے کہ علم ما کان وما یکون خاصہ ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔

[2] آلایت ذالقربیٰ حقہٗ، سورہ روم اور بنی اسرائیل میں ہے۔ بالاتفاق دونوں سورتیں مکی ہیں۔ ۱۲ (مظہر حسین غفرلہٗ)۔

ہجرت مدینہ کے بعد قبضہ اسلام میں آیا پھر جب تک ایک چیز ابھی تک ہاتھ ہی نہیں آئی تو اس کی بخششیں کیسی یاللعجب؟

دعوے ہبۂ فدک

شیعہ کہتے ہیں کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے فدک کے اپنے حق میں ہبہ ہونے کا مقدمہ دربارِ صدیق رضی اللہ عنہ میں دائر کیا اور دو نہایت ثقہ اور معتبر گواہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ و ام ایمن) بھی پیش کیے۔ لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نے شہادت رد کر دی اور دعویٰ خارج کر دیا گیا۔ سو اوّل تو اس واقعہ کا ثبوت اہل سنت کی کسی معتبر کتاب سے نہیں ملتا۔ دوم اگر صحیح بھی ہو تو اس سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عامل بالشرع اور بے رو رعایت منصف حاکم ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ کیونکہ بحکم قرآن وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ (دو مرد گواہ رکھو وہ نہ مل سکیں، تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں)۔

چونکہ صورت بالا میں نصاب شہادت موجود نہ تھا، نہ دو مرد نہ ایک مرد اور دو عورتیں ہی گواہ تھیں، اس لیے اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس شہادت پر فیصلہ بحق خاتونِ جنت کرتے تو لوگ کہتے ہیں کہ دخترِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر غلط فیصلہ دے رہا ہے خلافت راشدہ کے زمانہ میں اس قدر آزادی تھی کہ سرِ اجلاس ایک معمولی عورت بھی خلیفہ وقت کو ٹوک سکتی تھی کہ یوں نہیں ہونا چاہیے اور خلیفہ وقت خندہ پیشانی سے معترض کے اعتراض کو سن کر اگر واجبی ہوتا تو سرِ تسلیم خم کر دیتے۔

عدالت و انصاف کا بڑا لازمہ عام مساوات کا لحاظ ہے۔ ایوان عدالت میں شاہ و گدا، امیر و غریب شریف و رذیل سب ہم رتبہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور کسی بڑے کی پاسداری سے اصولِ شریعت نہیں بدل سکتے۔ چونکہ وَاسْتَشْهِدُوْا کا حکم عام ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں ہو سکتا، اس لیے اول تو یہ ناممکن ہے کہ احکامِ شرع کی مہارت کے باوجود جناب امیر اپنی زوجہ محترمہ کی طرف سے نامکمل شہادت لے کر ایوانِ عدالت میں حاضر ہوں۔ اگر ایسا ہو گیا ہو تو خلیفہ رسول کا اہم فرض تھا کہ بہ حکم خدائے جلیل اس نامکمل شہادت کی بنا پر خاتونِ

جنت کے حق میں ڈگری نہ دیں۔ ایسے فیصلہ سے جناب امیر اور خاتونِ جنت کو بجائے اس کے کہ ناراض ہوں حاکم شرع خلیفہ کی داد دینی چاہیئے تھی کہ الٰہی فرمان کے مقابلہ میں پاسداری کو ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مثال کے طور پر ہم ایک واقع کی طرف ناظرین کو توجہ دلاتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فصل خصومات کے لیے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قاضی مقرر کیا تھا۔ ایک دفعہ فاروقِ اعظم کسی تنازعہ کے لیے جو آپ کا ابی بن کعب سے تھا اور ابی نے دعویٰ زید رضی اللہ عنہ کی عدالت میں دائر کر رکھا تھا۔ بطور مدعا علیہ حاضر ہوئے۔ زید رضی اللہ عنہ نے خلیفہ وقت کی تعظیم کی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ تمہارا پہلا ظلم ہے یہ فرما کر اُبی رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ گئے۔ اور مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ اُبی کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا۔ اس نے قاعدے کے مطابق حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قسم لینی چاہی۔ زید رضی اللہ عنہ نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے رتبہ کا پاس کر کے درخواست کی کہ امیر المومنین کو قسم سے معاف رکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف داری سے سخت رنجیدہ ہوئے۔ زید رضی اللہ عنہ کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے۔ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضاء کے قابل نہیں سمجھے جا سکتے۔ (الفاروق جلد ۲، ص ۴۵)

ایسا ہی شیعہ کی معتبر کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں اپنی زرہ ایک یہودی کے پاس دیکھی اور اپنا دعویٰ قاضی شریح کی عدالت میں دائر کیا۔ قاضی نے حضرت امیر المومنین سے شہادت طلب کی۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے امام حسن رضی اللہ عنہ اور اپنے غلام قنبر کو شہادت میں پیش کیا قاضی نے گواہی نامنظور کی۔ کیونکہ ایک حضرتِ امیر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے تھے اور دوسرا غلام۔ ایسا ہی من لا یحضرہ الفقیہ کتابِ قضاء میں مرقوم ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ قاضی مدینہ (شریح) کے اس فیصلہ سے ناراض نہ ہوئے۔ نہ اس کو قضا سے معزول کیا۔ بلکہ اس کے انصاف کی داد دی اور اس کے حق میں دعائے خیر کی۔

الغرض دعویٰ ہبہ فدک کا قطعاً کوئی ثبوت نہیں ہے نہ حضور علیہ السلام باقی اقربا کو محروم کر کے صرف اکیلے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو یہ جائیداد دے سکتے تھے اور دیتے کس طرح؟ جب

جائیداد آپ کی ملکیت نہ تھی۔

دعویٰ وراثت

جب ہبہ کی طرف سے فیل ہوتے ہیں تو شیعہ حضرات وراثت کا سوال پیش کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں۔ حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس دعوے کیا کہ فدک وراثت میں مجھے ملنا چاہئے۔ سو یہ سوال پہلے سے بھی زیادہ کمزور ہے۔

① اس لیے کہ وراثت بھی ان ہی اشیاء میں ہوتی ہے جو مورث کی ملکیت ہوں، جب فدک حسب مسئلہ قرآن مالِ فی (وقف) تھا اور عامہ مسلمین کا حق تھا تو وراثت کیسی؟

② اس لیے کہ دیگر ورثاء کو محروم کر کے اکیلے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک بطورِ وراثت لینے کا کیا حق تھا۔ حضرت کی ۹ بیویاں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ (چچا) بھی موجود تھے۔ پھر ان کو کس طرح محروم الارث کر کے یہ مال اکیلے خاتونِ جنت کو مل سکتا تھا۔ علاوہ ازیں اگر فدک میں مسئلہ فدک [illegible]راثت جاری ہو سکتا تھا اور انبیاء کے ترکہ میں توریث جائز ہوتی۔ تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ [illegible] تو اس [illegible]تقسیم میں کچھ عذر نہ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ اس سے آپ کی دختر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بہرہ یاب ہوتیں اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہمیشہ مؤید ر[illegible] حق تلفی کس طرح روا رکھی جاتی؟

③ اس لیے [illegible] حضرت کی صحیح حدیث موجود ہے:

نَحْنُ مَعَا[illegible] [illegible]یَآءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرِثُ مَا تَرَکْنَاہُ صَدَقَۃٌ.

”ہم گروہ انبیاء نہ کسی مال دنیوی کے وارث ہوتے ہیں نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے ہمارا متروکہ صدقہ ہوتا ہے۔“

سوالِ شیعہ

آیت یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ عام ہے۔ پھر رسول اللہ ﷺ اس سے کس طرح مستثنیٰ ہو سکتے ہیں حالانکہ کوئی استثنیٰ نہیں اور حدیث صحیح بھی ہو تو آیت کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔

جواب:

کئی آیات میں جو بظاہر عام ہوتی ہیں۔لیکن رسول اس حکم سے مستثنیٰ ہوتے ہیں جیسے آیت فَانْكِحُوْا مَاطَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ عام ہے۔جس کا مفہوم یہ ہے کہ چار بیویاں کرنا جائز ہیں۔اس سے زائد نہیں۔ رسول پاک ﷺ اس سے مستثنیٰ ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے نکاح میں نو بیویاں تھیں۔ پھر جیسے آیتِ نکاح میں باوجود کسی استثناء کے نہ ہونے کے رسول مستثنیٰ ہیں اسی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ سے بھی آپ مستثنیٰ ہیں اور حدیث ناسخ آیت نہیں ہے بلکہ حدیث مذکور سے تخصیص مطلوب ہے اور حدیث مخصص آیت ہوسکتی ہے۔

سوال شیعہ

حدیث لَا نُوْرِثُ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خود ہی وضع کرلی ہے۔آیت کی موجودگی میں ایسی حدیث کا کیا اعتبار ہوسکتا ہے؟

جواب:

شیعہ کی لاعلمی یا ہٹ دھرمی پر افسوس ہے۔یہی حدیث شیعہ کی اپنی معتبر کتابوں میں بروایت ائمہ اہل بیت موجود ہے۔ پھر اس حدیث کو موضوع کہنا ائمہ اہل بیت کو وضاع حدیث قرار دینا ہے۔ چنانچہ کتاب اصول کافی ص ۱۷ میں ہے:

عَنْ اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ وَذٰلِكَ اَنَّ الْاَنْبِيَآءَ لَمْ يُوْرِثُوْا دِرْهَمًا وَّلَا دِيْنَارًا اِنَّمَا اَوْرَثُوْا اَحَادِيْثَ ❶ مِنْ اَحَادِيْثِهِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَيْءٍ فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَّافِرٍ.

’’ابی عبداللہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: علماء انبیاء کے وارث ہوتے

---

❶ دوسری حدیث مندرجہ ص ۵۸ وَرَثُوا الْعِلْمَ ہے ۱۲۔

ہیں اور یہ اس لیے کہ انبیاء ورثہ میں درہم و دینار نہیں چھوڑتے بلکہ اپنی احادیث چھوڑ جاتے ہیں، پس جس شخص نے یہ میراث (احادیث الانبیاء) پائی اس کو بہرۂ وافر ملا۔"

اس حدیث میں مدلل طور پر بیان کیا گیا ہے کہ انبیاء مالِ دنیا کی میراث ہرگز نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی میراث علم و حکمت ہوتی ہے۔ جس کو یہ میراث ملی وہی کامیاب ہوا۔ اب تو شیعہ کی یہ کہنے کی مجال نہیں ہو سکتی کہ حدیث نَحْنُ مَعَاشِرَ الْاَنْبِيَآءِ غلط اور موضوع ہے۔ یہ حجت اس وقت چل سکتی تھی۔ جب شیعہ کی کتابیں اہل سنت کے پاس موجود نہ ہوتی تھیں۔ اب تو خدا کے فضل سے شیعہ کی کتابیں علماء اہل سنت کے پاس موجود ہیں اس لیے اب شیعہ کو سوچ سمجھ کر بات کرنی چاہیے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

سوال شیعہ

دوسری آیات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ انبیاء مالِ دنیا ترکہ میں چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی اولاد وارث ہو سکتی ہے۔ پھر حضرت فاطمہ ؓ بنت رسول ﷺ کو کیوں ورثہ نہ ملے۔ آیات یہ ہیں:

① وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ.

"سلیمان علیہ السلام داؤد کے وارث ہوئے۔"

② رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا يَّرِثُنِيْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ.

"اے خدا مجھے اپنی بارگاہ سے ولی عطا کر جو میرا اور آلِ یعقوب کا وارث ہو۔"

جواب:

شیعہ صاحبان کی سمجھ پر افسوس ہے، جن آیات کو وہ اپنی دلیل سمجھتے ہیں حقیقت میں ان سے ان کے دعویٰ کی تردید ہوتی ہے۔ دونوں آیات میں میراث نبوت وحکمت مراد ہے اور یہی ورثاء انبیاء نے میراث حاصل کی۔ پہلی آیت میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا وارثِ داؤد علیہ السلام ہونا بھی اسی معنی سے ہے کہ داؤد کی میراثِ نبوت آپ ہی نے سنبھالی۔ ورنہ اگر دُنیوی مال کی وراثت ہو تو آیت کا معنی ٹھیک نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت داؤد کے نہ صرف حضرت سلیمان علیہ السلام واحد فرزند تھے بلکہ آپ کے اٹھارہ فرزند اور بھی موجود تھے۔ آیت میں مالی وراثت مراد ہوتی تو چونکہ باپ کے مال کے سارے بیٹے وارث ہوتے ہیں۔ اس لیے سب کے سب وارث ہوتے نہ کہ اکیلے حضرت سلیمان علیہ السلام وارث ہوسکتے تھے۔ اِلا چونکہ میراث نبوت حضرت سلیمان علیہ السلام ہی کو ملی۔ اس لیے آیت ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ میں اس امر کا فیصلہ کیا گیا کہ نبیوں کی میراث مال نہیں ہوتی۔ ورنہ سلیمان کے اکیلے وارث ہونے کا مضمون صحیح نہ ہوتا۔ انبیاء کی میراث علم و نبوت ہوتی ہے۔ اس لیے بمنطوق اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ ان کے حقیقی وارث وہی ہوتے ہیں۔ جو منصب نبوت وحکمت سنبھالتے ہیں۔ دوسری آیات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے ﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَيْمَانَ عِلْمًا﴾ ''ہم نے داؤد اور سلیمان کو علم عطا فرمایا۔'' ﴿وَقَالَ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ﴾ ''سلیمان علیہ السلام نے کہا لوگو ہمیں جانوروں کی بولی کا بھی علم عطا ہوا ہے'' فی الحقیقت مال دنیا کا عطا ہونا ایک نبی کی فضیلت کا باعث ہرگز نہیں ہوسکتا، ہزاروں کفار نمرود، فرعون جیسے مال دنیا کے مالک گزر چکے ہیں۔ انبیاء کی دولت علم وحکمت ونبوت ہوتی ہے اور نبی کا صحیح وارث وہی کہلاتا ہے جس کو یہ دولت نصیب ہو۔

مال دنیا خاکساراں رادہند
عاقبت پرہیز گاراں رادہند

ایک اور حدیث سے بھی یہ عقدہ حل ہوتا ہے کہ وراثت سلیمان علیہ السلام کی مالی نہ

تھی۔ وہ حدیث یہ ہے: اِنَّ سُلَیْمَانَ وَرِثَ دَاوٗدَ وَاَنَّ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَرِثَ سُلَیْمَانَ اصول کافی۔ (سلیمان علیہ السلام داؤد کے وارث ہوئے اور حضرت محمد ﷺ سلیمان علیہ السلام کے وارث ہوئے) اس حدیث نے تو فیصلہ ہی کر دیا کہ سلیمان علیہ السلام کی وراثت مالی نہ تھی ورنہ ان میں اور ہمارے رسول پاک ﷺ میں کئی پشتیں گزر گئیں اور سلیمان علیہ السلام کا وارث حضرت رسولِ پاک ﷺ قرار دیئے گئے۔ کون نادان کہہ سکتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا کوئی (دفینہ) باقی رہ گیا تھا جو ہمارے رسول کے قبضہ میں آیا۔ چونکہ حضور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کامل و مکمل نبی ہوئے اس لیے گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ترکہ (نبوت) کے صحیح معنوں میں آپ ہی وارث سمجھے جاتے ہیں۔

دوسری آیت:

﴿ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ﴾

"اے خدا! مجھے ایسا ولی عہد عطا فرما جو میرے بعد میری اور آل یعقوب کی میراث سنبھالے۔"

اس آیت سے تو شیعہ کے خیال کی سخت تردید ہوتی ہے کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے جو فرزندِ صالح کی تمنا کی تھی، وہ اس لیے نہ تھی کہ آپ بہت سی دولت و مال کے مالک تھے اور آپ کو کھٹکا تھا کہ اس کو دوسرے وارث نہ سنبھال لیں، کوئی بیٹا پیدا ہو جائے تو اس کے نصیب ہو۔ کیونکہ انبیاء کو مال و دولت دنیا سے کام ہی کیا۔ اگر ہو بھی اور وارثوں کو ملنا پسند نہ ہو تو ایک آن میں سارا مال راہِ خدا میں صرف کیا جا سکتا ہے۔ ادھر آثارِ موت دکھلائی دیتے، ادھر مال راہِ خدا میں خرچ کر دیا جاتا اور انبیاء کے دل بخل و حسد سے بالکل پاک ہوتے ہیں۔ دنیاداروں کی طرح ان کو اپنے جدیوں سے یہ ضد کیونکر ہو کہ ان کے مرنے کے بعد ان کو کوئی چیز نہ ملے۔ فی الحقیقت آپ کی دعا یہی تھی کہ قوم میں آپ کو کوئی ایسا نظر نہ آتا تھا جو ان کے بعد نبوت یا خلافت پا کر اصلاحِ خلق کر سکے۔ آپ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ مجھے ایسا ولی عہد عطا ہو جو میراثِ نبوت کا مالک ہو سکے اور اصلاحِ خلق اللہ کر سکے۔

اگر میراث سے مراد علمی نہیں بلکہ مالی ہو اور یَرِثُنِیْ کا مضمون صحیح بھی ہو تو یَرِثُ

مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ کا مفہوم درست نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ حضرت یعقوب اور حضرت زکریا علیہما السلام کے درمیان دو ہزار سال کا فاصلہ ہے تو کیا اب تک آلِ یعقوب کا مال غیر منقسم پڑا تھا کہ وہ سب مال حضرت یحییٰ بن زکریا کو ملنا تھا۔ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ یہاں وراثت علمی مراد ہے یعنی ایسی اولاد عطا ہو۔ جو اس ورثہ نبوت کا منصب سنبھال سکے جو آلِ یعقوب کا ورثہ تھا۔ یا میرے مرنے کے بعد میرا منصب خالی ہوگا۔ غرض دونوں آیات میں وراثت مالی مراد ہونا کسی صورت سے درست نہیں ہوسکتا۔ بلکہ علمی وراثت مراد ہے۔ اور یہ آیت شیعہ کی تائید نہیں بلکہ ان کے دعویٰ کی سخت تردید کرتی ہیں۔

تحقیق بالا سے ثابت ہوگیا کہ فدک مملوکہ خاص آنحضرت کا نہ تھا، نہ آپ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بطور ہبہ دیا نہ بطور وراثت آپ کو مل سکتا تھا۔ یہ مال فئے تھا۔ مساکین و یتامیٰ وغرباء وفقراء کا حق تھا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس میں وہی عمل کیا جو جناب رسالت مآب نے کیا تھا۔ باقی صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی ایسا ہی کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل

یہ امر شیعہ کے دعویٰ کے بطلان کی صریح دلیل ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بھی فدک ورثاء فاطمہ رضی اللہ عنہا میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ بدستور سابق عامۃ المسلمین کے لیے وقف رہا۔ اس بات کو شیعہ تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں کوئی دست اندازی نہیں کی بلکہ بدستور رہنے دیا۔ اس کے متعلق ہم فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ ۲۹۔۳۰ سے ایک خطبہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کا درج کر دیتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جنابِ امیر نے اپنے وقت میں فدک ہی ورثاء فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہ دیا بلکہ اور بھی بہت سی باتیں جو کرنی چاہیے تھیں نہ کیں بلکہ حلت متعہ کا فتویٰ بھی نہ دے سکے۔ پانچ تکبیر جنازہ نہ پڑھا سکے نہ نمازِ تراویح کو ہی موقوف کرا سکے:

ثُمَّ اَقْبَلَ بِوَجْهِهٖ وحَوْلَهٗ نَاسٌ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَخَاصَّتِهٖ وَشِيعَتِهٖ فَقَالَ قَدْ عَمِلَتِ الْوُلَاةُ قَبْلِيْ اَعْمَالاً خَالَفُوْا فِيْهَا متعَمِدِيْنَ

لِخَلَافِهِ نَاقِضِيْنَ بِعَهْدِهِ مُغَيِّرِيْنَ لِسُنَّتِهِ وَلَوْ حَمَلْتُ النَّاسَ عَلٰى تَرْكِهَا وَحَوَّلْتُهَا اِلٰى مَوَاضِعِهَا وَاِلٰى مَا كَانَتْ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَتَفَرَّقَ عَنِّيْ جُنْدِىْ حَتّٰى اَبْقٰى وَحْدِىْ اَوْ قَلِيْلٌ مِنْ شِيْعَتِىْ الَّذِيْنَ عَرَفُوْا فَضْلِىْ وَفَرْضَ اِمَامَتِىْ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّذِكْرُهُ وَسُنَّةِ نَبِيِّهِ اَرَاَيْتُمْ لَوْ اَمَرْتُ بِمَقَامِ ابراهيم عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَدَدْتُهُ اِلَى الْمَوْضِعِ الَّذِىْ وَضَعَهُ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَرَدَدْتُ فَدَكَ اِلٰى وَرَثَةِ فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ وَرَدَدْتُ صَاعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ كَمَا كَانَ اِلٰى اَنْ قَالَ وَاَمَرْتُ باحلال المتعتين وامرتُ بالتكبير عَلَى الجنازة خَمْسَةَ تكبيراتٍ اِلٰى اَنْ قَالَ اِذًا تَفَرَّقُوْا عَنِّىْ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَمَرْتُ النَّاسَ اَلَّا يَجْتَمِعُوْا فِىْ شَهْرِ رَمَضَانَ اِلَّا فِىْ فَرِيْضَةٍ وَاَعْلَمْتُهُمْ اَنَّ اِجْتِمَاعَهُمْ فِى النَّوَافِلِ بِدْعَةٌ فَنَادٰى بعض اِلٰى اَهْلِ عسكرى مِمَّنْ يُقَاتِلُ مَعِى يَا اَهْلَ الْاِسْلَامِ يغير سنة عمر ويتها نافى شهر رَمَضَانَ تَطَوُّعًا.

"جناب امیر رضی اللہ عنہ لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے جبکہ آپ کے گرد آپ کے اہل بیت اور شیعہ بیٹھے ہوئے تھے۔ پہلے خلیفوں نے مجھ سے پہلے ایسے کام کیے ہیں جن میں رسول خدا کی مخالفت کی گئی ہے اور دانستہ خلاف کیا ہے۔ عہد توڑا گیا۔ رسول کی سنت تبدیل کی گئی ہے اور اگر میں لوگوں کو وہ کام چھوڑنے کے لیے کہہ کر اصلی حالت پر لانا چاہوں جیسا کہ رسول کے وقت میں تھا تو میرا لشکر مجھ سے علیحدہ ہو جائے اور میں صرف اکیلا رہ جاؤں یا چند شیعہ رہ جائیں۔ جو میری فضیلت اور میری خلافت و امامت کی فرضیت قرآن اور حدیث رسول ﷺ سے جانتے ہیں۔ اگر میں کہوں مقام ابراہیم علیہ السلام اس طرح کر دیا جائے جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے وقت میں تھا اور باغ فدک کو ورثا فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس دلا دوں اور صاع کو ایسا ہی کر دوں

جیسا کہ رسول کے وقت تھا اور لوگوں کا متعہ کا حق دے دوں اور پانچ تکبیر جنازہ پڑھنے کا حکم دوں تو لوگ مجھ سے الگ ہو جائیں۔ بخدا میں نے لوگوں کو کہا کہ ماہِ رمضان میں بغیر نماز فرض کے جمع نہ ہوں۔ (نماز تراویح نہ پڑھیں) اور میں نے انہیں بتایا کہ نوافل (تراویح) کے لیے مجتمع ہونا بدعت ہے تو میرے سپاہیوں نے جو میرے ساتھ مل کر لڑائی کر رہے ہیں منادی کر دی۔ کہا اے مسلمانو! حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سنت کو بدلنا چاہتا ہے اور ہمیں ماہِ رمضان میں نمازِ نفل تراویح پڑھنے سے منع کرتا ہے۔"

اس خطبہ سے ثابت ہوا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ جماعت کے افتراق کے خوف سے نہ تو فدک ورثاءِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو واپس دلا سکے، نہ متعہ جیسے کارِ ثواب کی ترویج کر سکے۔ نہ پانچ تکبیر جنازہ لوگوں کو پڑھا سکے، نہ بدعت کو ہی موقوف کر سکے تو اب سوال یہ ہے کہ امیر رضی اللہ عنہ کی خلافت و امامت کس کام کی تھی۔ وہی بدعات جو پہلے خلفاء نے جاری کر رکھی تھیں، ہوتی رہیں۔ احکام جور و جفا جو نافذ کر گئے بدستور جاری رہے۔ یہاں تک بے بس تھے کہ باغ فدک وغیرہ بھی حسنین رضی اللہ عنہما کو نہ دلا سکے۔ متعہ جیسے فضیلت کے کام کی گرم بازاری بھی نہ ہو سکی۔ نمازِ تراویح بھی بدستور لوگ پڑھتے رہے۔ پھر آپ کی خلافت سے آپ کے شیعہ کو فائدہ ہی کیا پہنچا؟ یہ بھی تعجب ہے کہ خلفاء ثلاثہ کی زندگی میں تو دُرّۂ عمر رضی اللہ عنہ یا تیغ صدیقی رضی اللہ عنہ کا لوگوں کو خوف تھا۔ بعد وفات ان کے لوگوں کو کیا کھٹکا تھا کہ ان کے ہی نقش قدم پر چلتے رہے۔ کیا جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خطبات بلیغہ کا بھی ان کے دلوں پر کچھ اثر نہ ہو سکا۔ نہ ذوالفقار حیدری کی ہیبت ان کے دلوں پر طاری ہو سکی۔ کیا صداقت تھی جو دلوں کو فتح کر چکی تھی اور وہ نقش کالحجر کسی تدبیر سے بھی قلوبِ مومنین سے نہ مٹ سکتا تھا۔

خلاصہ یہ کہ حدیث بالا سے ثابت ہو گیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں باغِ فدک کے متعلق فیصلۂ خلفاء بحال رکھا۔ اس میں کچھ دست اندازی نہ کی گئی۔ نہ ورثاء فاطمہ رضی اللہ عنہا اس سے بہرہ یاب ہوئے اور ظاہر ہے کہ یہ سب حیلے بہانے ہیں کہ لوگوں کے افتراق کا خوف تھا یا مصلحتِ وقت کا اقتضاء تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ فدک کے متعلق

جناب امیر رضی اللہ عنہ کو خوب معلوم تھا کہ فیصلہٗ خلفاء مطابق قرآن اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھا، اسی وجہ سے اس میں تغیر وتبدل مشکل تھا تو جب جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے طرزِ عمل سے فیصلہ صدیق رضی اللہ عنہ کی تصدیق کردی تو اب شیعہ کا کیا حق ہے کہ ناحق شور مچاتے ہیں۔

اس کے جواب میں شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے وقت میں فدک اس لیے واپس نہیں دلایا کہ مغصوبہ چیز کا واپس لینا شانِ امامت کے خلاف تھا۔

جواب الجواب: ہم کہتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔ اگر مغصوبہ چیز کا لینا درست نہ تھا تو خلافت مغصوبہ کیوں واپس لی گئی۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فائدے کی چیز (خلافت) تو لے لی لیکن ورثاء فاطمۃ رضی اللہ عنہا کی حق تلفی روا رکھی گئی۔ لیکن شیعہ کے خلاف یہ ناطق حجت اور قطعی دلیل ہے کہ فدک خاتونِ جنت کا ہرگز حق نہ تھا ورنہ جناب امیرؓ اپنے زمانہ اقتدار میں حق بحقدار رسید کا معاملہ کر کے حسنین رضی اللہ عنہم و دیگر ورثاءِ خاتون جنت کو ضرور ضرور دے دیتے۔ جب آپؓ نے اور نہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے فدک واپس لیا تو ظاہر ہے کہ فیصلہ خلفاء ماسبق کو ناطق سمجھ کر اس کی مخالفت نہ کی۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے شہادت تیری۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے اس طرزِ عملؓ نے شیعہ کی چون وچرا کا راستہ بالکل بند کر دیا ہے۔ انہیں اب طوعاً وکرہاً یہ کہہ لینا چاہیے کہ

سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

غضب فاطمہ رضی اللہ عنہا

شیعہ کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاں فدک کے متعلق دعویٰ کیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ دیا تو فاطمہ رضی اللہ عنہا غضب ناک ہوئیں اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بات چیت نہ کی حتیٰ کہ فوت ہو گئیں۔ غضب فاطمہؓ غضب خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اس لیے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جن پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غضب ہوا قابلِ خلافت نہ تھے۔

جواب:

اول: صحیح بخاری کی جو حدیث بیان کی جاتی ہے، وہ کوئی حدیث مرفوع

نہیں ہے۔ صرف عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے۔ اور یہ قصہ روایتاً نا قابلِ تسلیم ہے۔ اوّل اس لیے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے جن کا لقب ہی بتول (تارک الدنیا) تھا یہ توقع نہیں کہ وہ چند کھجوروں کے لیے مقدمہ بازی شروع کر کے کچہری میں نامحرموں کے پاس جا کر اصالتاً حاضر ہو کر مخاصمہ کریں اور باغ نہ ملنے پر یہاں تک غضب ناک ہو جائیں کہ خلیفہ وقت سے بول چال بند کر دیں۔ ایسا ہی حضرت عائشہؓ جو راوی اس قصہ کی ہیں ان کو عدالت میں جانے اور مقدمے سننے کی کب اجازت تھی کہ انہوں نے یہ واقعہ دیکھ کر روایت کی ہو۔

دوم: بخاری اور مسلم کی حدیث میں لفظ وَجَدَتْ ہے جس کے معنی نَدِمَتْ (پشیمان ہوئیں) کے ہیں۔ یعنی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے آپ نے معقول جواب سن لیا تو اپنے دعویٰ کرنے پر آپ کو ندامت ہوئی۔ اور پھر اپنے مرنے تک اس کے متعلق کبھی گفتگو نہ کی۔ جن روایتوں میں غضب کا لفظ ہے اس کا معنیٰ بھی یہ ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے نفس پر خفا ہوئیں۔

سوم: اگر بفرض محال تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اس بات پر خفا ہوگئیں تو یہ اقتضاء بشریت ہے جس حدیث میں وعید ہے اس میں لفظ مَنْ اَغْضَبَهَا یعنی جس نے دانستہ آپ کو غضب ناک کیا یہاں اغضاب نہیں ہے۔ کیونکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ معاملہ آپ کو غضب ناک کرنے کو نہیں کیا بلکہ تعمیل ارشادِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و حکم قرآن ایسا کیا۔ اس لیے آپ کا یہ فعل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ناراض کرنے کے لیے نہیں بلکہ نیک نیتی سے بہ تعمیل حکم خدا و رسول تھا۔ تقاضائے بشریت ہے کہ بعض اوقات خواص اہل اللہ کو بھی کسی غلط فہمی کی بنا پر رنجیدگی لاحق ہو جاتی ہے اور اس سے کوئی برا نتیجہ اخذ کرنا نادانی ہے۔ حضرت موسیٰؑ ایک اولوالعزم رسول تھے۔ جب کوہِ طور سے چلہ پورا کر کے واپس آئے تو قوم کو گوسالہ پرستی میں مبتلا پایا۔ ایسے غضب ناک ہوئے کہ اَلْوَاحِ مقدسہ کو زمین پر دے مارا اور اپنے بھائی ہارون (نبی) کو سر اور داڑھی سے پکڑ کر کھینچا۔ جس پر ہارون علیہ السلام نے اپنی بے قصوری کا عذر پیش کر کے بھائی سے کہا کہ مجھے بے عزت کر کے دشمنوں کو ہنسی

کا موقعہ نہ دیں۔ (یہ قصہ قرآن پاک میں بالصراحۃ موجود ہے۔ بخوف طوالت آیات نہیں لکھی گئیں) جب ایک رسول کا اپنے بھائی نبی پر اس طرح غضب ناک ہو کر دست بگریبان ہونا طرفین میں سے کسی کے خطار کار ہونے کا باعث نہیں ہوسکتا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر غصہ کریں تو آپ کا یا جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا اس سے مجرم ہونا کس طرح ثابت ہوسکتا ہے؟

چہارم: شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بارہا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جناب خاتون جنت حضرت علی رضی اللہ عنہ پر غضب ناک ہو کر ان کے گھر سے نکل کر اپنے والدِ ماجد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر چلی گئیں۔ اور حضرت رسول خدا بھی اس واقعہ سے سخت رنجیدہ خاطر ہوئے اور اسی حالت میں آپ نے فرمایا: فَاطِمَةُ بِضْعَةٌ مِنِّیْ مَنْ اَغْضَبَهَا فَقَدْ اَغْضَبَنِیْ (فاطمہ رضی اللہ عنہا میری جگر گوشہ ہے، جس نے اُسے غصہ دلایا اس نے مجھے غضب ناک کیا۔) تو جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غضب ناک ہونے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں آتا اور نہ وہ وعید کے ماتحت آسکتے ہیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ ہم جلاء العیون مؤلفہ باقر مجلسی سے ذیل میں ایسے ایک دو واقعات درج کرتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ناراض ہونا

جلاء العیون اُردو ص ۱۳۷ میں ہے۔ کتاب علل الشرائع و بشارت المصطفیٰ اور مناقب خوارزمی بسند ہائے معتبر ابوذر رضی اللہ عنہ و ابن عباس سے روایت ہے کہ جب جعفر طیار حبشہ میں تھے۔ ان کے لیے کسی نے ایک کنیز ہدیہ بھیجی کہ اس کی قیمت چار ہزار درہم تھی اور جب جعفر طیار مدینہ میں آئے اس کنیز کو بطور ہدیہ اپنے بھائی علی بن ابی طالب کے پاس بھیجا اور وہ کنیز جناب امیر رضی اللہ عنہ کی خدمت کرتی تھی۔ ایک دن جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر میں آئیں تو دیکھا کہ سر جناب امیر رضی اللہ عنہ کا اس کنیزہ کے دامن میں ہے۔ جب وہ حالت ملاحظہ فرمائی متغیر ہوئیں اور پوچھا آیا اس کنیز سے تم نے کوئی تعلق کیا ہے؟ جناب امیر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا بخدا سوگند میں نے اس کے ساتھ کوئی امر نہیں کیا۔ اب جو کچھ تمہیں منظور ہو بیان کرو کہ میں بجا لاؤں۔ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے کہا مجھے میرے پدرِ بزرگوار کے گھر جانے کی اجازت دو۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے اجازت دی۔ پس جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے سر پر چادر اوڑھی اور اس پر برقعہ ڈال کر متوجہ خانہ پدر بزرگوار ہوئیں اور قبل اس کے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے باپ کی خدمت میں پہنچیں۔ جبرائیل علیہ السلام از جانب خداوندِ جلیل حاضر ہوئے اور کہا حق تعالیٰ آپ کو سلام فرماتا ہے۔ اور ارشاد کرتا ہے کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا تمہارے علیؓ بن ابی طالب کی شکایت کرنے آئی ہیں۔ تم حق علی رضی اللہ عنہ میں کوئی چیز فاطمہ رضی اللہ عنہا سے قبول نہ کرنا۔ جب جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا داخل دولت سرائے پدر بزرگوار ہوئیں۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ کے پاس پھر جاؤ اور کہو میں تم سے راضی ہوں۔ پس جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور تین مرتبہ کہا کہ میں تم سے راضی ہوں۔"

اس روایت سے معلوم ہوا کہ جناب سیدہ ایسی زود رنج تھیں کہ کنیز کو جناب کے پاس دیکھ کر خفا ہو گئیں، جناب امیر رضی اللہ عنہ کی قسم پر بھی اعتبار نہ کیا اور ناراض ہو کر میکے چلی گئیں۔ حتیٰ کہ جبرائیل کو جناب امیر رضی اللہ عنہ کی صفائی کرنے کی ضرورت پڑی اور جناب رسول کے فرمانے پر واپس بخانہ ہوئیں۔

دوسرا واقعہ ناراضگیٔ فاطمہ رضی اللہ عنہا

جلاء العیون اُردو ص ۶۲۔۶۳ میں ہے۔ امام صادق سے روایت ہے کہ ایک شقی جناب سیدہؓ کے پاس آیا اور کہا کہ علیؓ بن ابی طالب نے دختر ابوجہل کی خواستگاری کی ہے۔ جناب سیدہؓ نے اس شقی سے کہا کہ تو قسم کھا۔ اس نے تین دفعہ قسمیں کھائیں کہ میں جو کچھ کہتا ہوں سچ ہے۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بہت غیرت آئی۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ نے عورتوں کے ضمیر میں غیرت قرار دی ہے۔ جس طرح کہ مردوں پر جہاد واجب کیا ہے اور اس عورت کے واسطے جو باوجود غیرت صبر کرے، ایک ثواب مقرر کیا ہے۔ مثل اس شخص کے جو مسلمانوں کی سرحد پر خدا کے واسطے نگہبانی کرے۔ پس جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سخت

صدمہ ہوا اور متفکر رہیں۔ یہاں تک کہ رات ہوئی۔ جب رات ہوئی تو امام حسین رضی اللہ عنہ کو کندھے پر بٹھایا اور بایاں ہاتھ ام کلثوم کا اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کے ساتھ گھر تشریف لے گئیں جب جناب امیر رضی اللہ عنہ گھر میں آئے اور جناب سیدہ کو وہاں نہ دیکھا۔ بہت غم ہوا اور سخت دشوار ہوا مگر تشریف لے جانے کا سبب نہ معلوم ہوا بزرگوار کے گھر سے بلائیں۔ پس گھر سے باہر نکل آئے اور مسجد میں جا کر بہت نمازیں ادا کیں۔ اور تودۂ خاک جمع کر کے اس پر تکیہ فرمایا۔ جب جنابِ رسول خدا نے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو محزون پایا۔ غسل کیا اور لباس پہن کر مسجد میں تشریف لائے اور نمازیں پڑھنی شروع کیں۔ مشغول رکوع و سجود تھے۔ بعد دو رکعت کے دعا مانگتے تھے کہ خداوندا فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حزن کو دور کر، اس لیے کہ جب گھر سے باہر آئے تھے جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ آئے تھے کہ آپ کروٹیں لیتیں اور نالہ ہائے بلند کھینچتی تھیں۔ جب حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نیند نہیں آتی اور بے قرار ہے۔ فرمایا: اے دختر گرامی اے فاطمہ رضی اللہ عنہا اُٹھو۔ جب فاطمہ رضی اللہ عنہا اُٹھیں اور جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسن علیہ السلام کو اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے امام حسین کو اُٹھایا اور ام کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے جانب مسجد تشریف لائے یہاں تک کہ نزدیک جناب امیر رضی اللہ عنہ پہنچے۔ اس وقت جناب امیر رضی اللہ عنہ آرام فرما رہے تھے۔ پس حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے اپنا پاؤں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر رکھ کر اور بلا کر فرمایا۔ اے ابوتراب اٹھو۔ بہت گھر والوں کو تم نے اپنی جگہ سے جدا کیا ہے۔ جاؤ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ۔ پس جناب امیر گئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کو بلا لائے۔ جب نزدیک رسول خدا حاضر ہوئے۔ حضرت نے ارشاد کیا یا علی رضی اللہ عنہ مگر تم نہیں جانتے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا میری پارۂ تن ہے اور میں فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ہوں۔ جس نے اُسے آزار دیا اس نے مجھے آزار دیا اور جس نے اسے میری وفات کے بعد آزار دیا مثل اس کے ہے کہ میری حیات میں آزار دیا اور جس نے اسے میری حیات میں آزار دیا، ایسا ہے جیسا کہ میری وفات کے بعد آزار دیا۔ تم کو کیا باعث ہوا کہ ایسا کام کیا؟ امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا بحق اس خدا کے جس نے آپ کو براستی بھیجا ہے، قسم کھاتا ہوں کہ جو کچھ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے کہا ہے فی الواقعہ صحیح

نہیں ہے اور میرے دل میں بھی وہ امور نہیں گزرے۔ جناب رسول ﷺ نے کہا تم بھی سچ کہتے ہو۔ اور وہ بھی سچ کہتی ہے۔ پس جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا شاد و خوشحال ہوئیں۔"

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کسی کے حلفیہ کہہ دینے سے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ دخترِ ابوجہل سے نکاح کرنا چاہتے ہیں، غضب ناک ہوگئیں اور یہاں تک بے صبری فرمائی کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ سے اس امر کا تفحص بھی نہ کیا اور بدوں اجازت بعدم موجودگی جناب امیر رضی اللہ عنہ بال بچوں سمیت میکے چلی گئیں۔ اور آپ کو اس قدر صدمہ ہوا کہ رات کو نیند نہ پڑتی۔ کروٹیں بدلتیں، بے قراری اور بے چینی طاری تھی۔ جناب رسول ﷺ خدا سخت بے آرام ہوئے اور فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بال بچوں سمیت مسجد میں جناب امیر کے پاس تشریف لے گئے اور اپنے یارانِ غم خوار صدیق رضی اللہ عنہ و فاروق رضی اللہ عنہ کو بلا کر جناب امیر کو ڈانٹا اور کلماتِ وعید فرمائے۔ اگر اس واقعہ سے جناب امیر رضی اللہ عنہ پر کوئی طعن نہیں آیا اور نہ ناراضگی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کوئی خراب نتیجہ نکلتا ہے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی خفگی کے متعلق جو فرضی طور پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت بیان کی جاتی ہے کیوں اس قدر شور و غل بپا کیا جاتا ہے؟

جنابِ سیدہؓ کی نازک مزاجی

چونکہ جناب سیدہ بوجہ صاحبزادگی نازک مزاج تھیں اس لیے معمولی باتوں سے رنجیدہ خاطر ہو جانا کچھ بڑی بات نہ تھی۔ شیعہ حضرات نے تو جنابِ سیدہ کے متعلق جو ناجائز روایات لکھی ہیں، اس سے آپ کی تنگ حوصلگی، غیر مآل اندیشی اور خفیف الحرکتی کا ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ہم اہل سنت والجماعت شیعہ کی ایسی روایات کو محض خرافات سمجھتے ہیں۔

روایات شیعہ

شیعہ صاحبان جو نقشہ اخلاق و عادات جناب سیدہ کا پیش کرتے ہیں اس کے لکھنے سے بھی شرم آتی ہے مگر بوجہ اس کے کہ نقل کفر کفر نباشد۔ ناظرین کی توجہ کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

جلاء العیون اُردو جلد ا ص ۱۳۰ میں ہے۔ پس جب ارادہ تزویج فاطمہ رضی اللہ عنہا ہمراہ

علی رضی اللہ عنہ ہوا، جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے پنہاں حضرت نے بیان کیا۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا، میرا آپ کو اختیار ہے۔ لیکن زنانِ قریش کہتی ہیں کہ علی بزرگ شکم اور بلند دست ہے اور بند ہائے استخوان گندہ ہیں۔ آگے سر کے بال نہیں ہیں۔ آنکھیں بڑی ہیں اور ہمیشہ خندہ دہاں اور مفلس ہیں۔''

کیا ایک شریف شرم مجسم خاتون سے یہ توقع ہوسکتی ہے کہ بحالت کنوارگی اپنے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایسی کلام کریں کہ ابا جان مجھے عذر تو نہیں لیکن آپ کے داماد کی نسبت زنانِ قریش کہتی ہیں، کہ وہ بڑے پیٹو ہیں۔ ہڈیوں کے جوڑ ناموزوں ہیں اور سر سے گنجے ہیں۔ یہ تو ایک گنوار لڑکی سے بھی اُمید نہیں ہوسکتی۔

اسی کتاب کے ص ۱۳۶ میں ہے۔ کتاب کشف الغمہ میں امام محمد باقر سے روایت ہے کہ ایک دن جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول خدا سے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی کہ جو کچھ وہ پیدا کرتے ہیں فقراء و مساکین کو تقسیم کر دیتے ہیں۔'' اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ سیدہ ایسی طماع و حریص تھیں کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کا خدا کی راہ میں صدقہ و خیرات کرنا بھی اُن کو ناپسند تھا۔

جب شیعہ جناب سیدہؓ کے متعلق ایسی نا ملائم حرکات کی نسبت کرتے سے دریغ نہیں کرتے جو ایک معمولی دنیادار کی بہو بیٹیوں کے لیے بھی باعثِ ننگ و شرم ہے تو یہ لوگ بات کا بتنگڑ بنا کر فدک کی چند کھجوروں کے لیے جناب سیدہ کو کچہریوں میں پھرانے، کبھی حضرت عمر سے دست گریباں ہونے کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر خشمناک ہونے کی روایات کیوں نہ وضع کریں۔

شیعہ کی کتابوں میں یہ روایت موجود ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فدک حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے کر سند بھی تحریر کر دی تھی جیسا کہ جلاء العیون اُردو ص ۱۵۱ میں ہے۔

بروایت دیگر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نامہ لکھا اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے راستہ میں دستِ مبارک جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا سے نامہ لے کر نامہ پر تھوکا اور نامہ پھاڑ دیا۔ اسی طرح اصولِ کافی ص ۳۵۵ میں بھی روایت ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے حق میں فدک کا فیصلہ لکھ دیا۔ علاوہ ازیں شیعوں کے شیخ ابن مطہر حلی نے بھی اپنی کتاب

میں اس کا اعتراف کیا ہے جس کی عبارت یہ ہے:

لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَةُ اَبَابَكْرٍ فِيْ فَدَكَ كَتَبَ لَهَا كِتَابٌ وَرَدَّهَا عَلَيْهَا. [مَنْهَجَ الْكَرَامَة]

''جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو فدک کے مقدمہ میں وعظ نصیحت کی تو انہوں نے فدک کو ان کے نام لکھ کر فدک کو ان کے حوالے کر دیا۔''

جب تم تسلیم کرتے ہو کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک دے کر نامہ بھی لکھ دیا تو پھر بھی تم جناب صدیق رضی اللہ عنہ کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ عجب احسان فراموش ہو۔ خدا تمہیں ہدایت کرے۔

جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی رضا مندی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے شیعہ کی معتبر کتاب ''حجاج السالکین'' میں لکھا ہے۔ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب سیدہ کو راضی کر لیا اور آپ نے فیصلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تسلیم کر لیا۔ پھر جب صاحب حق راضی ہو گئے تو اب ناحق والے کیوں شور مچا رہے ہیں۔ روایت یوں ہے:

اِنَّ اَبَابَكْرٍ لَمَّا رأى اَنَّ فَاطِمَةَ اِنْقَبَضَتْ عَنْهُ وَهَجرتْهُ وَلَمْ تَتَكَلَّمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِيْ اَمْرِ فَدَكَ كَبُرَ ذٰلِكَ عِنْدَهٗ فَارَادَ اِسْتَرْضَاءَهَا فَاتَاهَا فَقَالَ لَهَا صَدَقْتِ يَا ابنَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ فِيْمَا ادَّعَيْتِ وَلٰكِنِّيْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ يَقْسِمُهَا فَيُعْطِيْ الْفُقَرَاءَ وَالْمَسَاكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ بَعْدَ اَنْ يُعْطِيَ مِنْهَا قُوْتَكُمْ وَالصَّانِعِيْنَ فَقَالَتِ افْعَلْ فِيْهَا كَمَا كَانَ اَبِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَفْعَلُ فِيْهَا قَالَ اشهد اللّٰه عَلٰى اَنْ اَفْعَلَ فِيْهَا مَا كَانَ يَفْعَلُ اَبُوْكِ فَقَالَتْ واللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَاَفْعَلَنَّ فَقَالَتْ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ مَرْضِيَتُ بِذٰلِكَ وَاَخَذَتِ الْعَهْدَ عَلَيْهِ وَكَانَ اَبُوْبُكْرٍ يُعْطِيْهِمْ مِنْهَا قُوْتَهُمْ فَيُعْطِي الْفُقَرَاءَ وَالْمَسٰكِيْنَ.

''ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا ان سے کشیدہ خاطر ہو گئی

ہیں اور بات کرنا چھوڑ دیا ہے تو یہ ان پر شاق ہوا اور جناب سیدہ کو رضا مند کرنے کی غرض سے ان کے پاس گئے اور کہا آپ نے بے شک سچ کہا ہے۔ اے بنت رسول ﷺ لیکن میں نے رسول خدا کو دیکھا ہے کہ آپ فدک کی پیداوار کو تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ محتاجوں، مسکینوں اور مسافروں کو دے دیا کرتے تھے۔ جب پہلے تم اہل بیت کو خرچ دیتے تھے اور کام کرنے والوں کو بھی اس سے دیتے تھے۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم بھی ایسا ہی کرو۔ جیسا میرے والد ماجد رسول خدا ﷺ کیا کرتے تھے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ میں خدا کو گواہ کرتا ہوں کہ ایسا ہی کروں گا جیسے رسول خدا ﷺ کیا کرتے تھے۔ جناب سیدہؓ نے فرمایا: بخدا تم ایسا کرو گے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا بخدا ایسا ہی کروں گا۔ جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا۔ خدایا اس پر گواہ رہنا۔ پھر جناب سیدہ رضی اللہ عنہا اس بات پر رضا مند ہو گئیں اور عہد لے لیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ پہلے ان کو خرچ دیا کرتے تھے اور بعد میں غرباء و مساکین کو دیتے تھے۔''

جنازۂ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا

شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا جنازہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہیں پڑھا، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ رضا مندی نہ ہوئی تھی۔ یہ لوگ اس کے متعلق بخاری کی ایک حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی اطلاع نہ دی تھی۔ میں کہتا ہوں یہ محض غلط ہے۔ جب کتب طرفین سے رضا مندی کا ہو جانا ثابت ہے تو جنازہ نہ پڑھنے کی کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔ بخاری کی حدیث سے شیعہ کا استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطلاع نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خاتون جنت کی وفات کی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع نہ ہوئی ہو۔ جب کسی کے گھر میت ہو جاتی ہے تو گھر والوں کا یہ فرض نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس کی اطلاع دیتے رہیں بلکہ ایسے واقعہ سے شہر کا ہر باشندہ واقف ہو جاتا ہے۔ یہ کب ممکن ہے کہ بنتِ رسول ﷺ والدہ حسنین رضی اللہ عنہم کی وفات ہو اور خلیفۃ المسلمین اس سے بے خبر رہیں بالخصوص جیسا کہ کتب

میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زوجہ تھیں۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ بیوی میت کو غسل دے رہی ہو اور شوہر کو وفات ہی کی خبر نہ ہو۔ یہ سب باتیں یار لوگوں کی افتراء ہیں۔

یہ تو درست ہے کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کا جنازہ رات کو اُٹھایا جائے تا کہ ستر میں فرق نہ آئے اور اسی وصیت کی بنا پر جنازہ رات کو اُٹھایا گیا اور آپ کو جنت البقیع میں سپرد خاک کیا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہی جنازہ پڑھایا جیسا کہ طبقات ابن سعد جزء ہشتم ص ۱۹ میں ہے:

اَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْن عمر حَدَّثَنَا قَيْسُ بْنُ رُبيع عَنْ مُجَالِدٍ عَنِ الشُّعْبِيُّ قَالَ صَلَّى عَلَيْهَا اَبُوْبَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْهَا.
اَخْبرنا شَبَابَةُ بْنُ سَوَارٍ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْاَعْلٰى ابْنُ اَبِيْ الْمَسَاوِرِ عَنْ حمادٍ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ صَلّٰى اَبُوْبَكْرِ نِ الصِّدِّيْقُ عَلٰى فَاطِمَةَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَكَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا.

''یعنی فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت رسول ﷺ کی نماز جنازہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پڑھائی اور چار تکبیریں کہیں۔''

اب ہم فدک کے متعلق مکمل بحث کر چکے۔ ہر ایک ذی بصیرت شخص سمجھ سکتا ہے کہ رسول کا قبضہ فدک پر متولیانہ تھا۔ آپ صرف امین تھے اور بطورِ خازن فدک کی آمدنی جمع کر کے اپنے اہل بیت کو سالانہ قوت دے کر باقی غرباء و مساکین امت پر خرچ کر دیا کرتے تھے۔ دائرۃ الاصلاح لاہور نے ایک مختصر رسالہ اس مبحث میں لکھا ہے(۱)۔ ذیل میں چند کلمات اس رسالہ سے درج کر کے اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ وَهُوَ هٰذَا

---

(۱) باغ فدک کے متعلق حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند قدس سرہٗ نے ایک مستقل کتاب ھدیۃ الشیعہ تصنیف فرمائی ہے جس میں حضرت قاسم العلوم کے قلم معجز رقم سے عجیب وغریب معارف وحقائق ظاہر ہوئے۔ اہل علم وبصیرت حضرات کے لیے بہت مفید ہے۔ (احقر مظہر حسین غفرلہ)

معقولی بحث

اب ہم نقلی بحث کو چھوڑ کر اس معاملہ میں عقلی بحث کرتے ہیں کہ کیا رسول خدا نے فدک سچ مچ حضرت زہرا رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا تھا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ اتنی بڑی جاگیر جس کی آمدنی (بقول شیعہ) ایک لاکھ چالیس ہزار روپیہ سالانہ بیان کی جاتی ہے پیغمبر خدا نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سپرد کر دی ہو اور مسلمانوں کی ضروریات کا کچھ بھی لحاظ نہ کیا۔ یہ اسوۂ حسنہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے توقع کی جا سکتی ہے کہ مسلمان تو روٹی کے محتاج رہیں گھروں سے مستغنی ہو کر اصحاب رضی اللہ عنہم صفہ کا لقب پائیں۔ کفار کے حملوں سے ایک لحظہ بھی چین نہ پڑے بلکہ خود رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہو کہ صبح کے طعام کے بعد نانِ شبینہ کے لیے توکل پر سہارا ہو۔ امہات المومنین مسکینی میں بسر کر رہی ہوں، نومسلم فاقوں سے پیٹ کی تواضع کریں اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جو کسی مسلمان کی ذرہ بھر تکلیف سے بھی بے چین ہو جاتے تھے۔ یہ سب کچھ ٹھنڈے دل سے برداشت کرتے رہیں اور اتنی بڑی جاگیر سے نہ تو خود اور نہ کسی اور مسلمان کو متمتع ہونے دیں۔ بلکہ اسے اپنی اولاد کے عیش و آرام کے لیے مخصوص کر دیں۔ کیا اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق کے لیے جو فقیروں کا ملجاء غربا کا سہارا، غلاموں کا مولیٰ، یتیموں کا والی اور اخلاق حمیدہ کا مجسم تھا۔ یہ تمام باتیں محالات و غیر ممکنات سے نہ تھیں۔ کیا وہ اپنی امت سے اس قدر مستغنی المزاج ہو گیا تھا کہ ان کے دکھ سکھ سے اسے کوئی تعلق ہی نہ تھا بلکہ جو کچھ کرتا تھا۔ وہ محض نفع ذاتی اور اپنی اولاد کے لیے کرتا تھا۔ کیا احسان کا یہی بدلا تھا کہ وہ مہاجرین جنہوں نے فی سبیل اللہ اپنے گھروں اور مالوں کو راہِ خدا میں قربان کیا۔ ہجرت کے مصائب برداشت کئے اور خوشی سے فقر و فاقہ قبول کر کے اسلام کے لیے شمشیر بکف رہے۔ نان جویں کو بھی ترسیں اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابر کرم اپنی صاحبزادی کے سوا کسی پر نہ برسے۔ کیا اس سالار اعظم رضی اللہ عنہ نے جس کے خیال میں انتہائی درجہ کی وسعت اور اولوالعزمی تھی۔ اور جو گروہِ مسلمین کی خیر خواہی اور ہمدردی کا دعویدار تھا، یہ امید کی جا سکتی ہے کہ ان تمام اغراض و مقاصد سے جو اس کے پیش نظر ہوں

اغماض کو کام میں لا کر اور امر الٰہی سے تجاوز کر کے تمام حقوق بلاوجہ تلف کر دے۔ کیا ممکن ہوسکتا ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان اس قدر سادہ لوح تھے کہ باوجود اس صریح بے انصافی کے جوان کے حق میں روا رکھی گئی ہو، ذرہ بھی متاثر نہ ہوتے ہوں۔ کیا دشمنانِ اسلام ان حالات کی موجودگی میں ببانگِ دہل اس امر کا اعلان نہ کریں گے کہ وہ نبی جس کا مذہب خود غرضی اور نفس پروری کا دفعیہ اور ایثار و اخلاق مکارم کی تکمیل کا ذریعہ بنا نعوذ باللہ میدانِ عمل میں اس کے خلاف کرے، کیا ہم حضرت امیر رضی اللہ عنہ یا خاتونِ جنت رضی اللہ عنہا کے اخلاق و اسوۂ حسنہ سے یہ امید کر سکتے ہیں کہ ان کے باپ کی پیاری امت تو اس رنج و صعوبت میں گرفتار ہو اور وہ اتنی بڑی صاحب جا گیر ہو کر ذرہ بھر بھی امداد نہ کریں؟

ساتواں طعن

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: لَسْتُ بِخَيْرِكُمْ وَعَلِيٌّ فِيكُمْ اَقِيلُوْنِيْ اَقِيلُوْنِيْ (میں تمہارے لیے بہتر نہیں ہوں جبکہ علی رضی اللہ عنہ تم میں موجود ہیں۔ مجھے واپس کرو، واپس کرو) اس سے فضیلت حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر ثابت ہوتی ہے اور افضل کی موجودگی میں مفضول خلیفہ نہیں ہوسکتا۔

جواب:

اولاً یہ کہ یہ صرف شیعہ کی گھڑت ہے۔ اہل سنت کی کسی مستند کتاب میں اس کا وجود نہیں ہے اگر اہل سنت کی کسی کتاب میں یہ قول ابوبکر رضی اللہ عنہ کا درج ہوتا تو ہم پر جواب دہی فرض ہوتی وَاِذْ لَيْسَ فَلَيْسَ۔

ثانیاً صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس قسم کے اقوال ان کی کمال بے نفسی اور زہد و اتقاء کی وجہ سے ہوتے تھے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میرا وزیر ہونا میرے امیر ہونے سے تمہارے حق میں بہتر ہے۔ وہ اپنے نفس پر دوسروں کو ترجیح دیا کرتے تھے۔ اَنَا وَلَا غَيْرِيْ کا دم بھرنا دنیا داران مغرور النفس کا خاصہ ہوتا ہے۔ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے دل میں طمع خلافت و حکومت ہرگز نہ تھی۔ یہ بار گراں اہل حل و عقد نے بالاجماع

ان کی گردن پر رکھ دیا اور انہوں نے باحسنِ وجوہ اس کو انجام دیا۔ غرض اس قول سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت تھی یا آپ خلافت کے نا اہل تھے۔ ایسے متواضعانہ کلمات کہنے والے کی عظمت شان پر دلالت کرتے ہیں:

تواضع کند ہوشمندے گزیں
نہد شاخ پُر میوہ سر بر زمین

تکبر و غرور شیطانی اوصاف ہیں۔ بزرگانِ خدا باوجود کمال و جلال خود کو سب سے کمتر سمجھتے ہیں۔ تکبر و نخوت نے ہی شیطان کا بیڑہ غرق کیا اور تواضع اور منکسر المزاجی ہی سے آدم مقبولِ بارگاہِ ایزدی ہوئے:

رانده شد ابلیس از مستکبری
گشت مقبل آدم از مستغفری

آٹھواں طعن

ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے نفاق کا خود اقرار کیا ہے اور ایسا شخص قابلِ خلافت نہیں ہوسکتا۔

جواب:

متقدمین شیعہ کسی قدر شرم وحیا سے بھی کام لیتے تھے۔ لیکن آج کل کے شیعہ:

بے حیا باش ہرچہ خواہی گو!

کے مصداق ہوکر ایسی بے تکی ''عربی نہ فارسی نہ ترکی۔ نہ تال کی نہ سُر کی'' ہانک دیا کرتے ہیں اس لیے ہم اصل حقیقت کو بے نقاب کرنا ضروری سمجھتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو کہ معترض اس طعن میں کہاں تک حق بجانب ہے۔ ترمذی میں ایک حدیث یوں لکھی ہے:

عَنْ حَنْظَلَةَ الْاَسَدِی وَمَا كَانَ مِنْ كُتَّابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ اَنَّهٗ مَرَّ بِاَبِیْ بَكْرٍ وَهُوَ يَبْكِیْ فَقَالَ مَالَكَ يَا حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقَ

حَنظَلَةُ يَا اَبَابَكْرٍ فكون عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ يُذَكِّرنا بالنَّارِ وَالجنة كانّا رأى عَينٍ فَاِذَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ والضيعَةَ وَنَسِينَا كَثِيرًا قَالَ فَوَاللّٰهِ اَنَا كَذَالِكَ فَانْطَلَقْنَا فَلَمَّا رَاٰهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ قَالَ مَالَكَ حَنْظَلَةُ قَالَ نَافَقَ حَنظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَكُوْنُ عِندكَ تذكرنا بِالنَّارِ وَالَجنة كَانَّا رَاْىَ عَيْنٍ فَاِنَا رَجَعْنَا عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ والضَّيْعَةَ وَنَسِيْنَا كَثِيراً قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَى الْحَالِ الَّتِىْ تَقُوْمُوْنَ بِهَا مِن عِنْدِى لَصَافَحتُكُمُ المئكة فِي مَجَالِسِكُمْ وَعَلٰى فُرُشِكُمْ وَفِي طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ يَا حَنْظَلَةُ سَاعَةٌ وَّسَاعَةٌ (جامع ترمذی ص ۴۱۳)

”حنظلہ اسدی سے مروی ہے جو حضور علیہ السلام کے کاتبوں میں سے تھا کہ وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرا جبکہ وہ رو رہا تھا۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تجھے کیا ہوا۔کہا حنظلہ منافق ہوگیا ہے۔اے ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم رسول خدا کے پاس ہوتے ہیں جب کہ آپ ہمیں دوزخ و بہشت کی یاد دلاتے ہیں۔گویا ہم دوزخ و جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔پھر جب گھروں میں آتے ہیں عورتوں اور کام کاج کے شغل میں ہو جاتے ہیں اور بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا! بخدا میرا بھی یہی حال ہے۔چل رسول اللہ ﷺ کے پاس چلیں۔ہم دونوں رسول ﷺ کے پاس گئے۔آپ نے دریافت کیا۔حنظلہ کیا بات ہے۔میں نے کہا حضور ﷺ! حنظلہ منافق ہوگیا ہے۔ ہم آپ کے پاس ہوتے ہیں۔آپ ہمیں دوزخ و بہشت کی یاد دلاتے ہیں۔گویا ہم آنکھوں سے مشاہدہ کر لیتے ہیں۔پھر جب ہم گھر جاتے ہیں۔ بال بچوں اور کام کاج میں مصروف ہو کر بہت کچھ بھول جاتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا: اگر تم اسی حال پر رہو جو میرے پاس تمہاری حالت ہو

جاتی ہے تو فرشتے تم سے تمہاری مجلسوں میں آکر بلکہ تمہارے بستروں پر اور راستوں میں مصافحہ کریں۔ لیکن اے حنظلہ ساعت بساعت حالات بدلتے رہتے ہیں۔"

نادان معترض نے اس حدیث سے ٹھوکر کھا کر یہ طعن پیدا کیا ہے حالانکہ اس قسم کی احادیث ان کی مستند کتابوں میں بھی پائی جاتی ہیں جیسا کہ آگے بھی بیان ہوگا۔

اب اہل انصاف غور کریں کہ اس واقعہ سے حنظلہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نفاق کا ثبوت ملتا ہے یا ان کا کمال ایمان اور خوف وخشیت الٰہی ثابت ہوتی ہے کہ باوجود ان انوار و برکات کے لوٹنے کے جو حضور علیہ السلام کی پاک صحبت سے انہیں میسر تھے۔ خوف خدا کی یہ حالت تھی کہ صرف اس بات پر وہ کانپ رہے تھے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے اُٹھ کر اپنے گھروں میں آتے ہیں تو دنیا کے کام دھندوں میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ ڈر ہے کہ اس کا مواخذہ نہ ہو۔

اب شیعہ سوچیں کہ کیا تمہارے بڑے بڑے لمبے القاب و خطاب والے مجتہد بھی یہی خشیت الٰہی دل میں رکھتے ہیں، حاشا وکلا زردے پلاؤ کھا کر رات ہے تو غفلت میں پڑے رہتے ہیں۔ دن ہے تو مریدوں میں بیٹھے حقہ ٹرخاتے رہتے ہیں:

نہ آداب قرآن نہ آداب صلاح
دھواں یکطرف یکطرف ہیں ریاح

بھائی ہم تو دعا کرتے ہیں کہ ایسا نفاق ہم کو بھی نصیب ہو:

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کاش جاہل معترض کو اپنی کتابوں پر عبور ہوتا تو ایسا بیہودہ اعتراض کرنے کی جرأت نہ کرتا۔ اسی مضمون کی حدیثیں اصول کافی میں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ ص ۵۷۳ میں ہے:

دَخَلَ عَلٰی اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامُ حَمْرَانَ بْنَ اَعْیَنٍ فَلَمَّا هَمَّ حَمْرَانُ بِالْقِیَامِ قَالَ لِاَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اَخْبِرْنِیْ اَطَالَ

اللّٰہُ بَقَاءَ کَ لَنَا وَمَتَّعَنَابِکَ اِنَّا نَاتِیْکَ فَمَا نَخْرُجُ مِنْ عِنْدِکَ حَتّٰی تَرِقَّ قُلُوْبُنَا وَتَسْلُوْا اَنْفُسَنَا عَنِ الدُّنْیَا وَیَھُوْنَ عَلَیْنَا مَا فِیْ اَیْدِی النَّاسِ مِنْ ھٰذِہٖ الْاَمْوَالِ ثُمَّ نَخْرُجُ مِنْ عِنْدِکَ فَاِذَا صِرْنَا مَعَ النَّاسِ وَالتُّجَّارِ اَحببنا الدنیا قَالَ فَقَالَ اَبُوْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّمَا ھِیَ الْقُلُوْبُ مَرَّۃً تَصْعَبُ وَمَرَّۃً تَسْھَلُ ثُمَّ قَالَ ابو جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَمَّا اَنَّ اَصْحَابَ مُحَمَّدٍ ﷺ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ نَخَافُ عَلَیْنَا النِّفَاقَ قَالَ فَقَالَ وَلِمَ تَخَافُوْنَ ذٰلِکَ قَالُوْا اِذَا کُنَّا عِنْدَکَ وَذَکَّرْتَنَا وَرَغَّبْتَنَا رَغِبْنَا وَنَسِیْنَا الدُّنْیَا وَزَھِدْنَا حَتّٰی کَاَنَّا نُعَایِنُ الْاٰخِرَۃَ وَالْجَنَّۃَ وَالنَّارَ وَنَحْنُ عِنْدَکَ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِکَ وَدَخَلْنَا ھٰذِہِ الْبُیُوْتَ شَمَمْنَا الاَوْلَادَ رَاَیْنَا الْعِیَالَ وَالْاَھْلَ نَکَادُ اَنْ نُحَوَّلَ عَنِ الْحَالَۃِ الَّتِیْ کُنَّا عَلَیْھَا عِنْدَکَ حَتّٰی کَاَنَّا لَمْ تَکُنْ عَلٰی شَیْءٍ اَفَتَخَافُ عَلَیْنَا اَنْ یَکُوْنَ ذٰلِکَ نِفَاقًا فَقَالَ لَھُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَلَّا اِنَّ ھٰذِہٖ خُطُوَاتُ الشَّیْطٰنِ فَیُرَغِّبُکُمْ فِی الدُّنْیَا وَاللّٰہِ وَلَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلَی الْحَالَۃِ وَصَفْتُمْ اَنْفُسَکُمْ بِھَا لَصَافَحَتْکُمُ الْمَلٰئِکَۃُ وَمَشَیْتُمْ عَلَی الْمَاءِ.

''حمران بن اعین امام محمد باقر کے گھر گیا جب اٹھنے لگا تو کہا کہ اے امام خدا آپ کی عمر دراز کرے اور ہمیں آپ کی ذات سے نفع بخشے۔ ہم آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کی خدمت سے اُٹھتے وقت ہمارے دل بڑے نرم ہوئے ہوتے ہیں اور دلوں کو دنیا سے قطع تعلق ہو جاتا ہے اور مال ومتاع دنیا کو ہم حقیر سمجھتے ہیں جب آپ کے پاس سے نکل کر لوگوں اور بیو پاریوں سے ملتے ہیں پھر ہمیں مال دنیا سے محبت ہو جاتی ہے۔ امام باقر نے فرمایا دل کبھی سخت ہو جاتے ہیں اور کبھی نرم، پھر کہا اصحاب رسول کہتے تھے یا رسول اللہ

ہمیں اپنے منافق ہو جانے کا اندیشہ ہے آپ نے فرمایا، کیوں اصحاب نے کہا جب آپ کی خدمت میں ہوتے ہیں اور آپ ہمیں پند و نصیحت کرتے اور ترغیب و ترہیب کرتے ہیں، ہم ڈر جاتے ہیں اور دنیا بھول جاتے ہیں حتیٰ کہ اپنی آنکھوں سے آخرت اور بہشت اور دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں، پھر جب آپ سے اُٹھ کر نکلتے ہیں اور گھروں میں داخل ہوتے ہیں اور اولاد کو پیار کرتے ہیں اور اہل و عیال کو دیکھتے ہیں تو یہ حالت ہو جاتی ہے کہ گویا ہماری وہ حالتِ جو آپ کے حضور میں ہوتی ہے، تبدیل ہونے کو ہے کیا آپ ہم پر نفاق کا اندیشہ کرتے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، یہ شیطانی وسوسے ہیں جو تمہیں دنیا کی رغبت دیتے ہیں، بخدا اگر تم اس حالت پر نہ ہو جو تم نے ذکر کیا ہے تو آسمان کے فرشتے تم سے مصافحہ کریں اور تم پانی پر چلنے لگو۔"

دوسری حدیث کتاب مذکور کے صفحہ ۴۷۵ میں ہے:

عَنْ حَمْرَانَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ نَافَقْتُ فَقَالَ وَاللّٰهِ نَافَقْتَ وَلَوْ نَافَقْتَ مَا اَتَیْتَنِیْ فَعَلِّمْنِیْ مَا الَّذِیْ رَابَکَ اظُنُّ الْعَدُوَّ الْحَاضِرَ اَتٰکَ فَقَالَ لَکَ مَنْ خَلَقَکَ فَقُلْتُ اللّٰهُ خَلَقَنِیْ فَقَالَ مَنْ خَلَقَ اللّٰهَ فَقَالَ اِیْ وَالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ لَکَانَ کَذَا فَقَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ اَتَاکُمْ مِنْ قَبْلِ الْاَعْمَالِ فَلَمْ یَقُوْا عَلَیْکُمْ فَاَتَاکُمْ مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ لِکَیْ یَسْتَزِلَّکُمْ فَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ فَلْیَذْکُرْ اَحَدُکُمُ اللّٰهَ وَحْدَهٗ.

"حمران روایت کرتا ہے امام باقر سے، ایک شخص آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا، حضور ﷺ میں نے نفاق کیا ہے آپ نے فرمایا" خدا کی قسم تو نے نفاق نہیں کیا اور اگر تو نفاق کرتا تو میرے پاس نہ آتا پھر فرمایا بتا کس چیز نے تجھ کو شک میں ڈالا ہے؟ میں گمان کرتا ہوں کہ شیطان تیرے پاس آیا ہے اور تجھے کہا ہے کہ

کس نے تجھے پیدا کیا ہے۔ اور تو نے کہا، خدا نے پھر کہا خدا کو کس نے پیدا کیا ہے۔ وہ شخص کہنے لگا بخدا حضور یہی بات ہے آپ نے فرمایا شیطان نے اعمال کے بارہ میں تمہیں گمراہ کرنا چاہا تو اس بات پر قادر نہیں ہوسکا پھر اس نے یہ طریق اختیار کیا ہے تاکہ تمہیں لغزش دے جب ایسا ہو تو تم خدائے وحدہ کا ذکر کیا کرو تاکہ شیطان رفع ہوجائے۔''

ان دو احادیث نے جو شیعہ کی مستند کتاب اصول کافی سے بروایت ائمہ اہل بیت مذکور ہیں، حدیث حنظلہ رضی اللہ عنہ کی تشریح کر دی ہے، جن کا مضمون بعینہ وہی ہے بلکہ اس سے بھی کچھ زائد ہے کہ اصحاب رضی اللہ عنہم کمال خوف الٰہی سے ذرہ ذرہ باتوں سے کانپ جاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہو کر استفسار کیا کرتے تھے کہ ایسے وسوسوں سے ہماری ایمانی حالت میں کچھ خلل تو نہیں آجاتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی تشفی فرمایا کرتے تھے کہ خدا کی قسم تمہاری ایمانی حالت میں ان باتوں سے تغیر نہیں ہوتا۔ اور جن کے ایمان میں کچھ خلل ہو ان کو ہماری سرکار میں آنے اور استفسار کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ یہ معمولی شیطان کی حرکات ہیں جو ایک ڈاکو چور کی طرح تمہارے خزانہ ایمان کو غارت کرنا چاہتا ہے اعمال کی وجہ سے تو تم پر اس کا کوئی بس نہیں چل سکتا کہ تمہیں پھسلا سکے ناچار دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ لیکن ایسی خفیف حرکات سے اس کو کس طرح کامیابی ہوسکتی ہے۔ تم لوگ راسخ الایمان صالح الاعمال ہو اور یہی تمہارے کامل ایمان کی علامت ہے کہ شیطان کے ایسے حملوں کے وقت تم حصن حصین دربار رسالت کی پناہ لے لیتے ہو۔

امید ہے کہ معترض کی کسی قدر تشفی ہوگئی ہوگی۔ ہاں ہم یہ بھی لکھ دیں کہ خاصانِ خدا کا یہ خاصہ ہوتا ہے کہ باوجود عدم صدور ذنب کے وہ خود کو گنہگار کہتے ہیں۔ اصول کافی ص ۵۷۴ میں ایک حدیث ہے کہ وَاللّٰہِ اِمَّا ینجر مِنَ الذَّنْبِ اِلَّا مَنْ اَقَرَّبِہٖ (بخدا گناہ سے وہ شخص نجات پاتا ہے جو گناہ کا اقراری ہو) دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام جو پیغمبر معصوم تھے کہتے ہیں وَمَا اُبری نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء (میں اپنے نفس کو بری نہیں سمجھتا

کیونکہ نفس بدی کی رغبت دلاتا ہے) کیا معترض اس سے یہ استدلال کیا کرے گا کہ حضرت یوسف علیہ السلام معاذ اللہ گناہ سے مبرا نہ تھے بلکہ نفس کے تابع حکم تھے؟ ایسا خیال کرنا ایک نبی کی نسبت کفر ہے۔

ہاں یہ بتاؤ کہ نبی آخر الزمان ﷺ کو تو تم معصوم مانتے ہو لیکن اصول کافی ص ۶۰۶ میں ایک حدیث ہے۔

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ کُلَّ یَوْمٍ سَبْعِیْنَ مَرَّةً .

"امام جعفر صادق کا قول ہے کہ آنحضرت ﷺ دن میں ستر دفعہ اللہ عزوجل سے طلب مغفرت کرتے تھے۔"

کیا اس سے یہ قیاس ہو سکتا ہے کہ العیاذ باللہ آپ گنہگار تھے، اس لیے طلب مغفرت فرماتے تھے۔ پھر جناب امیر رضی اللہ عنہ جن کو شیعہ معصوم سمجھتے ہیں اپنی خطاؤں کا ذیل میں اقرار فرما کر طلب مغفرت کرتے ہیں:

ذُنُوْبِیْ بَلَائِیْ فَمَا حِیْلَتِیْ اِذَا ۔۔۔ اِذَا کُنْتُ فِی الحشر حَمَّالَهَا
اَتَیْتُکَ بَاکِیًا فَارْحَمْ بُکَائِیْ ۔۔۔ رَجَائِیْ مِنْکَ اَکْثَرُ خَطَائِیْ
یَظُنُّ النَّاسُ بِیْ خَیْرًا وَّاِنِّیْ ۔۔۔ اَشَرُّ النَّاس اِنْ لَّمْ یَّعْفُ عَنِّیْ

ترجمہ: "میرے گناہ میرے لیے مصیبت ہیں، اور میرا چارہ کیا ہوگا جب کہ قیامت میں ان کا بوجھ میرے سر پر ہوگا، الٰہی تیرے حضور میں روتا ہوا آیا ہوں، میری گریۂ زاری پر رحم کیجو، تیرے فضل کی امید میری خطا سے بڑھ کر ہے، لوگ مجھے اچھا سمجھتے ہیں اور سب سے برا ہوں اگر تو مجھے معاف نہ کرے۔"

اب بتاؤ ان اشعار سے ایک خارجی یہ استدلال کر سکتا ہے کہ اس کی اس منطق کی زد اُلٹی اس کے مذہب پر اور پیشوائے مذہب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر پڑتی ہے۔
ذرا ہوش کیجیے:

اے چشمِ اشکبار! ذرا دیکھ تو سہی
یہ گھر جو بہہ رہا ہے کہیں تیرا گھر نہ ہو

بات یہ ہے کہ محبوبان حضور کبریائی اپنی عبادات کو بھی بمقابلہ نعمت ہائے غیر متناہی جو وہب العطایا سے انہیں حاصل ہیں، گناہ سمجھ کر ہر وقت باعتراف قصور اس کی بارگاہ سے طلب مغفرت کیا کرتے ہیں جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے حیات القلوب ص ۵۴ میں اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ.

''نیک لوگوں کی نیکیاں مقربین کی بدیاں متصور ہوں گی۔''

اب اس طعن کا ہر طرح سے دفعیہ ہو چکا ہے یہ مطاعن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے متعلق تھے۔ اب وہ مطاعن لکھے جاتے ہیں جو شیعہ صاحبان اپنی جہالت سے فاروق اعظمؓ کی نسبت کیا کرتے ہیں۔

نواں طعن (حدیث قرطاس)

بخاری کی حدیث ہے:

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَوْمَ الْخَمِیْسِ مَا یَوْمُ الْخَمِیْسِ اشْتَدَّ بِهٖ وَبِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَجْعُهٗ فَقَالَ ائْتُوْنِیْ اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ اَبَدًا فَتَنَازَعُوْا وَلَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ نَبِیٍّ تَنَازُعٌ فَقَالُوْا مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْا فَذَهَبُوْا یُرِدُّوْنَ عِنْدَهٗ فَقَالَ دَعُوْنِیْ فَالَّذِیْ اَنَا فِیْهِ خَیْرٌ مِمَّا تَدْعُوْنِیْ اِلَیْهِ وَاَوْصَاهُمْ بِثَلٰثٍ قَالَ اَخْرِجُوْا الْمُشْرِكِیْنَ مِنْ جَزِیْرَةِ الْعَرَبِ اَجِیْزُوْا الْوَفْدَ بِنَحْوِ مَا كُنْتُ اُجِیْزُهُمْ وَسَكَتَ عَنِ الثَّالِثَةِ اَوْ قَالَ نَسِیْتُهَا.

''ابن عباس نے کہا، جمعرات کا دن اور وہ کیسا دن تھا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو درد کی شدت تھی پس فرمایا لاؤ میرے پاس تمہیں ایک تحریر لکھ دوں کہ تم کبھی اس کے بعد گمراہ نہ ہو سکو۔ حاضرین آپس میں جھگڑنے لگے اور کہنے لگے آپ کا کیا حال ہے کیا آپ ہجرت (دنیا سے) کرنے کو ہیں آپ سے دریافت کرو، ان لوگوں نے آپ سے سوالات شروع کیے، پھر آپ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو کیوں کہ

جس حالت میں مَیں ہوں اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے بلا رہے ہو پھر آپ نے تین وصیتیں کیں ① یہ کہ کفار مشرکین کو جزیرہ عرب سے نکال دو ② کہ وفدوں کو میری طرح عطیے دیتے رہنا ③ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سکوت فرمایا کہا اسے بھول گیا۔"

توضیح:

بخاری میں یہ حدیث باختلاف الفاظ متعدد جگہ مذکور ہے۔ کسی جگہ ہے: اِیْتُوْنِیْ بِالْکَتِفِ وَاللَّوحِ وَالدَّوَاتِ (میرے پاس شانہ اور دوات یا تختی اور دوات لاؤ) فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ غَلَبَهُ الْوَجْعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرانُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ (بعض نے کہا حضور ﷺ کو اس وقت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن موجود ہے اور ہمیں کتاب اللہ کافی ہے)۔ ایک جگہ ہے:

فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَدْ غَلَبَهُ الْوَجْعُ وعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ فَاخْتَصَمُوْا مِنْ هُمْ مَنْ يَقُوْلُ مَا قَالَ تَرِّبُوْا يَكْتُبُ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كِتَاباً لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهُ مِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ مَا قَالَ عُمَرُ فَلَمَّا اَكْثَرُا واللَّغْوَ وَالْاِخْتَلَافَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ قُوْمُوْا قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ اِنَّ الرَّزِيَّةَ مَاحَالَ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَبَيْنَ اَنْ يَّكْتُبَ لَهُمْ ذٰلِكَ الْكِتٰبَ مِنْ اِخْتَلَافِهِمْ وَبَغَطِهِمْ.

"عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، حضور ﷺ کو اس وقت تکلیف ہے اور تمہارے پاس قرآن ہے کتاب اللہ ہمیں کافی ہے، پس گھر والوں نے اختلاف شروع کر دیا، بعض کہتے تھے کہ حضور ﷺ کو کاغذ دو، ایسی تحریر لکھ دیں کہ اس کے بعد تم کہیں گمراہ نہ ہو جاؤ، بعض وہ بات کہتے تھے جو عمر رضی اللہ عنہ کہتے تھے، جب شور و غل پڑ گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا، چلے جاؤ عبداللہ کہتے ہیں، مصیبت بڑی مصیبت تھی جو حضور ﷺ اور لوگوں میں تحریر کے متعلق رکاوٹ پڑ گئی کیونکہ شور و غل زیادہ ہو گیا تھا۔"

خلاصۂ طعن شیعہ:

اس حدیث کے متعلق شیعہ صاحبان حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر حسب ذیل طعن کرتے ہیں:

① عمر رضی اللہ عنہ نے قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رد کیا، حالانکہ آپ کا قول بحکم آیت مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی سراسر وحی تھا اور ردِّ وحی کفر تھا۔

② عمر رضی اللہ عنہ نے قول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذیان سے تعبیر کیا، یہ کمال گستاخی اور بے ادبی ہے۔

③ عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں رفع صوت کیا، جو بحکم آیت لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَکُمْ ممنوع تھا۔

④ وصیت میں رکاوٹ ڈال کر حق اُمت تلف کیا، وصیت لکھی جاتی تو اُمت کی بھلائی ہوتی۔

الجواب:

اوّل: یہ حدیث جتنے طرق سے مروی ہے سب میں آخری راوی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ حالانکہ جس وقت کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اس وقت ان کی عمر تیرہ سال کی تھی کیونکہ آپ ہجرت سے تین سال پہلے یعنی ۶۱۹ء میں پیدا ہوئے اور ۶۸ھ مطابق ۶۸۸ء طائف میں فوت ہوگئے تھے اور تیرہ سال کے نابالغ بچے کی اکیلی شہادت کب قابل قبول ہوسکتی ہے جب کہ حضور کی مرض الموت کے وقت تمام اصحاب اور اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا ضروری ہے۔ ناممکن ہے کہ ایسے نازک وقت میں یہ سب لوگ موجود نہ ہوں۔ پھر جب ان اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے جن میں حضرت علی المرتضیٰ بھی شامل ہیں کوئی بھی اس واقعہ کی روایت نہیں کرتا تو ایک نابالغ بچے کی شہادت کس طرح قابل سماعت ہوسکتی ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ ایسے موقعہ پر بڑے بڑے حضوری اشخاص پاس ہوا کرتے ہیں اور چھوٹے بچوں کو وہاں جگہ ملنی مشکل ہوتی ہے پھر جب درائیت کے لحاظ سے یہ حدیث صرف عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہونے کے باعث جو اس وقت بالغ بھی نہ تھے۔ ناقابل اعتبار ہے تو اس پر شیعہ صاحبان کے اس قدر ہوائی قلعے تعمیر کرکے

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل الشان خلیفہ کے خلاف الزام قائم کرنا کیا وقعت رکھتا ہے۔

دوم: الزامات جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے عائد کیے جاتے ہیں، الفاظ حدیث میں ان کا کوئی وجود نہیں ہے۔ سب سے بڑا الزام جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے تھوپا جاتا ہے یہ ہے کہ انہوں نے قول آنحضرت کو ہذیان سے نسبت دی۔ لیکن حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ جس لفظ سے شیعہ صاحبان خوش فہمی سے ہذیان کا معنی لیتے ہیں، وہ اَهَجَرَ ہے۔ لیکن حدیث میں یہ نہیں ہے کہ یہ لفظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا حدیث فَقَالُوْا مَا شَانُهٗ اَهَجَرَ اِسْتَفْهِمُوْا لکھا ہے۔ یعنی حاضرین نے یہ لفظ کہا پھر اس جمع کے صیغے کا فاعل واحد (عمر رضی اللہ عنہ) کو قرار دینا شیعہ حضرات کی بے علمی کی دلیل ہے۔ ع

اے ترک من منازکہ ترکی تمام شد

نیز اَهَجَرَ کا معنی ہذیان کرنا شیعوں کی ڈبل جہالت کی دلیل ہے۔ معنی عبارت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے کیا آپ دنیا سے ہجرت فرمانے لگے ہیں۔ آپ سے دریافت تو کرو۔ اگر ہجرت کے معنے ہذیان کئے جائیں تو اِسْتَفْهِمُوْا کا معنی صحیح نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جس شخص کی نسبت یہ گمان ہو کہ اس کے حواس مختل ہو گئے ہیں اور ہذیان (بہکی باتیں) کہہ رہا ہے تو کوئی پاگل بھی یہ نہیں کہے گا کہ اس سے پوچھو تو سہی کہ تمہارے اس کلام کا مفہوم کیا ہے۔ کیا مجنون کو مجنون یقین کرنے کے بعد کبھی کوئی عقلمند کہہ سکتا ہے کہ بتلاؤ تو سہی تمہاری اس بڑ کا مطلب کیا ہے۔ غرض لفظ اِسْتَفْهِمُوْا اہل فہم کو سمجھانے کے لیے کافی ہے یہاں اَهَجَرِ کا معنی وہ نہیں جو شیعہ کرتے ہیں بلکہ اُس کا معنیٰ یہی ہے کہ کیا آپ کا یہ وقت دنیا سے ہجرت (رحلت) کا ہے کہ آپ ایسی شدت درد کی حالت میں لکھنے کی تکلیف برداشت فرمانا چاہتے ہیں کہ پھر یہ موقعہ نہیں مل سکتا۔ جب اس لفظ کا وہ معنی ہی نہیں ہے جو ہمارے شیعہ دوست سمجھ رہے ہیں تو پھر سارے ہوائی قلعے جو اسی لفظ کی بنیاد پر تعمیر کیے جاتے ہیں یکسر مسمار ہو جاتے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر ہجر کا معنی بفرض محال ہذیان بھی کیے جائیں تو چونکہ اَهَجَرَ میں ہمزہ استفہام موجود ہے اور یہ استفہام انکاری ہوگا تو پھر بھی شیعوں کا مدعا پورا نہیں ہوسکتا۔ مطلب قائل کا یہ ہے کہ جو کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ آپ ہذیان نہیں

کہہ رہے ہیں۔ اس لیے آپ سے دریافت کرنا چاہیے کہ اس تحریر سے بحکم وحی کسی ضروری مسئلہ کا بتلانا مقصود ہے یا بطور استحسان حضور ﷺ کچھ ارشاد فرمانا چاہتے ہیں جو زبانی بھی ہوسکتا ہے یا اس کے بعد بھی ہوسکتا ہے جب حضور ﷺ کو کچھ افاقہ ہو جائے۔

اور احادیث سے یہ ظاہر ہے کہ اس معاملہ میں حاضرین دو فریق میں منقسم ہو گئے تھے۔ بعض اصرار کرتے تھے کہ قلم دوات کاغذ حاضر کیا جائے۔ بعض قول عمر رضی اللہ عنہ سے اتفاق کر کے کہتے تھے کہ مسائل دین و دنیا کی تکمیل بذریعہ قرآن کریم ہو چکی ہے۔ کوئی امر باقی نہیں ہے اس لیے حضور کو ایسے وقت تکلیف میں ڈالنا عشاقِ ذات احمدی گوارا نہیں کر سکتے۔ پھر ان دو فریق میں ایک طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم بھی ضرور ہوں گے اور وہ الزامات جو بلا وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذمے لگاتے جاتے ہیں۔ ان کے ذمہ دار جناب امیر رضی اللہ عنہ اور جملہ بنو ہاشم بطریق اولیٰ ہوں گے۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور اُن کے طرف داروں نے کاغذ قلم دوات حاضر نہ کر کے فرمان نبوی کی تعمیل نہ کی تو جناب امیر علیہ الرضوان کا فرض تھا کہ فوراً اشیاء مطلوبہ حاضر کر کے تحریر لے لیتے۔

کیا وہ تحریر ضروری تھی؟

اب سوال یہ ہوتا ہے کہ جناب نے جس امر کے لیے کاغذ قلم دوات طلب فرمائے تھے، وہ کوئی ضروری امر تھا اور وحی حق کے ذریعہ اس کا حکم تھا یا ویسے مصلحتاً حضور ﷺ لکھنا چاہتے تھے اور پھر وہ صلاح ملتوی ہو گئی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ اس وقت جناب ﷺ خلافت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق وصیت لکھنا چاہتے تھے لیکن یہ بات شیعہ کے سخت برخلاف ہے، کیونکہ اس سے شیعہ کے باقی تمام استدلالات پر پانی پھر جاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ بروز خم غدیر حضور ﷺ نے خلافت علی رضی اللہ عنہ کا اعلان فرمایا نہ اور کوئی حدیث یا آیات اس وقت تک خلافت علی رضی اللہ عنہ پر نص تھی۔ تب ہی تو آپ کو یہ فکر دامنگیر ہوئی کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کی وصیت لکھ دی جائے۔ شیعہ نے اپنا یہ خیال ظاہر کر کے کہ حضور ﷺ خلافت کا فیصلہ کرنا چاہتے تھے، باقی استدلالات کی خود تردید کر دی، اور وصیت تحریر ہی نہیں ہوئی شیعہ حضرات کو ناکامی پر ناکامی کا سامنا ہوا:

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

علاوہ ازیں اگر تحریر ضروری اور بحکم وحی تھی اور محض چند اشخاص کے اختلاف رائے کے باعث حضور ﷺ اس ضروری حکم الٰہی کی تعمیل سے قاصر رہے تو آپ کے ذمے سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ آپ نے فرض تبلیغ رسالت میں کوتاہی کی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت کے ذمے الزام ہے کہ انہوں نے چند اجنبی اشخاص کی مخالفت کی وجہ سے رسول پاک ﷺ کی امداد نہ کی کہ وہ گھر کے لوگ ہو کر کاغذ، قلم، دوات حاضر نہ کر سکے اور اس بات کی شکایت حضور ﷺ کو بہ نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کے حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کے متعلقین پر زیادہ ہونی چاہیے:

مردم از دست غیر نالہ کنند
سعدی از دست خویشتن فریاد

اور اس بات کا قطعی ثبوت کہ وہ تحریر کوئی ضروری امر نہ تھا، یہ ہے کہ حضور ﷺ اس کے بعد چار روز تک زندہ رہے اور افاقہ بھی ہوتا رہا۔ لیکن پھر نہ کاغذ قلم دوات طلب فرمایا، نہ کوئی تحریر کی۔ دوسرا ثبوت اس کا حدیث میں موجود ہے کہ ان دو فریق سے حضور ﷺ نے اس فریق کی رائے سے اتفاق فرمایا جو حضور ﷺ کو یہ تکلیف دینا چاہتے تھے۔ دوسرے فریق کو آپ نے ڈانٹ دیا کہ مجھے بے وجہ تکلیف نہ دو: فَذَهَبُوا يُرَدِّدُونَ عِنْدَهُ فَقَالَ دَعُونِي فَالَّذِي أَنَا فِيهِ خَيْرٌ مِمَّا تَدْعُونَنِي إِلَيْهِ (حاضرین نے آپ سے بار بار سوال شروع کیے، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو، میں جس حال میں ہوں، اس سے بہتر ہے جس کی طرف تم مجھے مدعو کرتے ہو، یعنی تم مجھے تحریر کرنے کے لیے بار بار مجبور کرتے ہو، یہ مجھے پسند نہیں ہے) الفاظ حدیث شیعہ کے مدعا کے سخت برخلاف ہیں جن سے بصراحت مفہوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کچھ تحریر کرنا نہ چاہتے تھے تو شیعہ اس حدیث سے کس طرح دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ خلافت علی رضی اللہ عنہ کی ہی وصیت لکھنا مقصود تھی۔ ممکن ہے کہ خلافت صدیق رضی اللہ عنہ کا لکھنا منظور ہو اور چونکہ بنو ہاشم کو حضور ﷺ کا رجحان معلوم تھا۔ کہ امامتِ نماز پر بھی آخری وقت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی مامور کیا گیا اس لیے کاغذ قلم دوات پیش کرنے سے اہل بیت نے تامل کیا۔

حدیث میں اختلاف اور شور وغل کو اہل بیت کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ الفاظ ذیل ملاحظہ ہوں: فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ فَاخْتَصَمُوْا (اہل بیت نے اختلاف کیا اور جھگڑنے لگے) پھر تعجب ہے اور تو سب جگہ اہل بیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا، حسنین رضی اللہ عنہم مراد لیے جاتے ہیں۔ لیکن یہاں اہل بیت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ان کے طرف داران مراد لیے جا کر اختلاف اور جھگڑے کا ان ہی کو ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے یاللعجب! غرض الزامات مذکورہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کرنا شیعہ کی سخت بے انصافی ہے جبکہ حدیث میں تَنَازَعُوْا، اِخْتَصَمُوْا، قَالُوْا وغیرہ سب جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں اور اس تنازعہ و جھگڑا اور رفع الصوت زد رسول ﷺ حق تلفی اُمت میں جملہ حاضرین حجرہ جن میں علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور بنو ہاشم وغیرہ بھی تھے۔ سب یکساں شریک ہیں۔ اگر قصور ہے تو سب کا۔ نہیں تو کسی کا بھی نہیں۔

حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ:

ہاں یہ قصور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ انہوں نے عشق و محبت رسول ﷺ کی وجہ سے یہ رائے پیش کر دی کہ جب یہ مُسَلَّمْ امر ہے کہ دین کا کوئی ایسا امر باقی نہیں ہے کہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ نے بالصراحت فرمادیا ہے: اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (آج تمہارا دین کامل مکمل ہوگیا ہے) تو پھر حضور اقدس ﷺ کو ایسی نازک حالت شدت مرض میں تکلیف میں ڈالنا شیدایان ذات والا کو مناسب نہیں ہے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ کی رائے زریں سے نہ صرف اکثر حاضرین نے بلکہ حضور رسول پاک ﷺ نے بھی اتفاق فرمایا کہ تحریر کی صلاح ملتوی فرما دی۔ اور باوجودیکہ چار یوم تک حضور ﷺ زندہ رہے اور مرض سے افاقہ بھی ہوتا رہا۔ پھر بھی اس کا ارادہ نہیں فرمایا۔ کیا حَسْبُنَا كِتَابُ اللهِ کہنا کوئی جرم تھا؟ اگر یہ کوئی کبیرہ جرم ہے تو تمام مسلمان اس کے مرتکب ہیں۔ جو کتاب اللہ کو ایک کامل و مکمل کتاب ہدایت اور مسائل دین و دنیا کے لیے کافی وافی سمجھتے ہیں۔ افسوس دشمن کی نگاہ میں ہنر بھی بڑا عیب ہے:

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیبے است

ردِ قول رسول:

اگرچہ ردِ قول رسول ﷺ کی ذمہ داری زیادہ تر اہل بیت رسول ﷺ کے ذمے عائد ہوتی ہے۔ لیکن اگر بفرض محال اس کا مجرم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی قرار دیا جائے۔ تو چونکہ اقتضائے محبت وعشق اور نیک نیتی پر مبنی تھا اس لیے یہ داخل جرم نہیں ہوسکتا۔ اور اگر ہر حالت میں خواہ کسی نیت سے ہو۔ ردِ قول جرم ہے۔ تو اس جرم کے مرتکب جناب امیر رضی اللہ عنہ بھی متعدد دفعہ ہو چکے ہیں چنانچہ شیعہ کی مستند کتاب حیات القلوب جلد ۲ ص ۳۹۹، میں ہے کہ جب غزوۂ حدیبیہ میں صلح نامہ لکھنا تجویز ہوا۔ امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اس کے لکھنے کا حکم دیا گیا اور آپ نے محمد رسول اللہ ﷺ لکھا تو دوسری طرف سے اعتراض ہوا کہ اگر ہم آپ ﷺ کو رسول مانتے تو جھگڑا ہی کیا تھا۔ آپ محمد ﷺ بن عبداللہ لکھیں۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا:

> یا علی رضی اللہ عنہ! محو کن آنرا محمد بن عبداللہ بنویس۔ چنانچہ اُومی گوید۔ حضرت امیر رضی اللہ عنہ فرمود کہ من نام ترا از پیغمبری ہرگز محو نخواہم کرد۔ حضرت رسول بدست خود گرفتہ محو کرد۔"
>
> ترجمہ: "اے علی رضی اللہ عنہ! فقط محمد رسول اللہ ﷺ کو مٹا کر بجائے اس کے محمد بن عبداللہ لکھ دو، جیسا کہ مخالف کہتا ہے، جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کہا، کہ میں آپ کا نام پیغمبری سے محو نہ کروں گا، تو آپ ﷺ نے کاغذ لے کر اپنے ہاتھ سے اس کو مٹا دیا۔"

اب شیعہ حضرات انصاف سے بتائیں کہ کیا ردِ قول رسول ﷺ اور آپ ﷺ کا عدول حکم نہ تھا۔ اگر جناب امیر علیہ الرضوان اقتضائے عقیدت ومحبت سے اس کی تعمیل حکم سے انکار کرنے پر مجرم نہیں بن سکتے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کیوں اس پر الزام دیا جاتا ہے؟ حالانکہ وہاں تو جناب رسول ﷺ نے اپنے طرزِ عمل سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے سے اتفاق ظاہر فرمایا۔ اور یہاں جناب امیر رضی اللہ عنہ کے خلاف رائے آپ ﷺ نے کاغذ لے کر خود اس لفظ کو جس کو مٹانے سے جناب امیر رضی اللہ عنہ نے انکار کیا تھا۔ قلمزن کر دیا۔

دوسرا واقعہ شریف مرتضیٰ (علم الہدیٰ) اپنی کتاب دُرّ الغُرر میں یوں لکھتے ہیں:

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَنَفِيَّةٍ عَنْ اَبِيْهِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلِيٍّ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اَنَّہٗ قَالَ قَدْ اَکْثَرَ النَّاسُ عَلٰی مَارِیَۃَ الْقِبْطِیَّۃِ اُمِّ اِبْرَاھِیْمَ ابْنِ النَّبِیِّ ﷺ فِیْ ابْنِ عَمٍّ لَھَا قِبْطِیٍّ کَانَ یَزُوْرُھَا وَیَخْتَلِفُ اِلَیْھَا فَقَالَ لِیَ النَّبِیُّ ﷺ خُذْ ھٰذَا السَّیْفَ انْطَلِقْ فَاِنْ وَجَدْتَّہٗ عِنْدَھَا فَاقْتُلْہُ فَلَمَّا اَقْبَلْتُ نَحْوَہٗ عَلِمَ اَنِّیْ اُرِیْدُہٗ فَاَتٰی نَخْلَۃً فَرَمٰی عَلَیْھَا ثُمَّ رَمٰی بِنَفْسِہٖ عَلٰی قِفَاہُ وَشَغَرَ بِرِجْلَیْہِ فَاِذَا ھُوَ مَجْبُوْبٌ اَمْسَحُ لَیْسَ لَہٗ مَا لِلرِّجَالِ لَا قَلِیْلٌ وَلَا کَثِیْرٌ قَالَ فَغَمَدْتُّ السَّیْفَ وَرَجَعْتُ اِلَی النَّبِیِّ ﷺ فَاَخْبَرْتُہٗ فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ یَصْرِفُ عَنَّا الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ۔

ترجمہ: ''محمد بن حنفیہ اپنے پدر بزرگوار علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ لوگوں نے ماریہ قبطیہ ام ابراہیم بن نبی علیہ السلام پر نسبت ان کے چچازاد بھائی قبطی نے اعتراض کیا، جو اکثر ان کے پاس آتا جاتا تھا، حضور علیہ السلام نے مجھے حکم دیا کہ تلوار لو، وہ اگر تجھے اس کے پاس ملے اس کو قتل کر دو، جب میں اس قبطی کے پاس گیا، اور اس نے میرا ارادہ سمجھا تو ایک کھجور کے درخت پر چڑھ کر نیچے سر کے بل گر پڑا، اور پاؤں اُوپر کی طرف اُٹھا لیے، میں نے اسے دیکھا کہ وہ صاف مجبوب (مقطوع النسل) ہے، مردوں کی اس میں کچھ بھی علامت نہیں ہے۔ پس میں نے تلوار نیام میں کر دی اور واپس ہو کر حضور کے پاس گیا اور ماجرا بیان کیا، تو حضور ﷺ فرمانے لگے، خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہم اہل بیت کو رجس سے پاک کیا ہے۔''

اس حدیث سے پایا جاتا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے حکم رسول کی تعمیل نہ کی، اور قبطی کو تلوار سے نہ قتل کیا، بلکہ اس کی حالت کو دیکھ کر تلوار نیام میں کر لی۔ جب اس صورت میں جناب امیر رضی اللہ عنہ پر نافرمانی رسول ﷺ کا الزام عاید نہیں ہو سکتا، کیونکہ وہ مصلحت اس میں سمجھتے تھے کہ تعمیل حکم میں ایک بے گناہ کی مفت جان جاتی ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب مصلحت اس نازک حالت میں یہی سمجھی کہ حضور ﷺ کو بے وجہ تکلیف نہ دی جائے تو انہوں نے کیا قصور کیا؟

نوٹ: اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہی اہل بیت ہیں۔ چنانچہ ماریہ قبطیہ کے حق میں یہ لفظ استعمال فرمایا۔

تیسرا واقعہ: شیعہ کی معتبر کتاب ارشاد القلوب دیلمی نے اور محمد بن بابویہ نے ''امالی'' میں یہ روایت لکھتی ہے:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَعْطٰی فَاطِمَةَ سَبْعَةَ دَرَاهِمَ قَالَ اَعْطِیْهَا عَلِیًّا وَمُرِیْهِ اَنْ یَشْتَرِیَ لِاَهْلِ بَیْتِهٖ طَعَامًا فَقَدْ غَلَبَهُمُ الْجُوْعُ فَاَعْطَتْهَا عَلِیًّا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم اَمَرَكَ اَنْ تَبْتَاعَ لَنَا طَعَامًا فَاَخَذَهَا عَلِیٌّ وَخَرَجَ مِنْ بَیْتِهٖ لِیَبْتَاعَ طَعَامًا لِاَهْلِ بَیْتِهٖ فَسَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ مَنْ یُقْرِضُ الْمَلِیَّ الْوَفِیَّ فَاَعْطَاهُ الدَّرَاهِمَ۔

ترجمہ: ''رسول پاک نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو سات دراہم دیئے۔ اور فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ کو دو تاکہ اپنے اہل وعیال کے لیے غلہ خرید لائے کہ وہ گرسنہ شکم ہیں۔ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وہ درہم دے کر فرمائش رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع دی۔ آپ وہ درہم لے کر غلہ خریدنے گئے تو ایک شخص کو یہ آواز کرتے سنا کہ کوئی شخص ہے۔ جو غنی راست وعدہ کو قرض دے دے۔ آپ نے وہ درہم اس کے حوالہ کر دیئے۔''

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی کہ ان دراہم سے گھر کے آدمیوں کے لیے غلہ خرید کیا جائے۔ جو بھوک سے لاچار ہیں۔ تعمیل نہ کرتے ہوئے وہ درہم ایک سائل کو دے دیئے۔ کیا یہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہیں ہے؟ اور ردقول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جرم امیر رضی اللہ عنہ پر عائد نہیں ہوتا؟ اگر جناب امیر رضی اللہ عنہ کا یہ فعل ایثار نیک نیتی پر مبنی تھا۔ ان کو معلوم تھا کہ صاحب حق حضرت زہرا رضی اللہ عنہا اور حسنین رضی اللہ عنہم اس سے ناراض نہ ہوں گے۔ نہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ناخوش ہوں گے۔ تو انہوں نے تعمیل حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے مصلحت اسی میں سمجھی کہ سائل کی حاجت روائی کی جائے۔ تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ مصلحت سمجھ کر کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تعمیل حکم کی خوشی کی بجائے تکلیف اور دقت ہوگی۔ اور اس تکلیف کے ٹالنے پر جناب والا آخر کار خوش ہوں گے۔ ایسا کر دیا تو کون سی خطا کی؟ غرض شیعہ ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں۔ نخلِ امید بارآور نہیں ہوتا۔ جوان پاک نفوس اصحاب کرام رضی اللہ عنہم پر طعن ہیں۔ اس کے مورد خود بنتے ہیں۔

آخر ان کو کہنا پڑتا ہے:

نخلِ امید نہ اک بار بھی سر سبز ہوا
لاکھ ارمان کیے پھولنے پھلنے والے

خلاصۂ جواب:

اوّل تو حدیث صرف ایک نابالغ طفل سے مروی ہونے کی وجہ سے درایۃً حجت نہیں ہوسکتی۔

دوم: حدیث سے یہ مفہوم نہیں ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہذیان کی نسبت دی کیونکہ لفظ ہجر میں ہجر بمعنی ہذیان لینا سیاق وسباق عبارت کے مخالف ہے۔ بلکہ سیاق وسباق کا بھی اقتضاء ہے کہ یہاں دنیا سے ہجرت کرنا مراد ہے۔ اور اگر ہجر کا معنی ہذیان ہی لیا جائے۔ تو یہاں استفہام انکاری ہونے کی وجہ سے نفی ہذیان ہو رہی ہے۔ اور کسی حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں ہے جس سے سمجھا جائے کہ قائل اس لفظ کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ کہنا کوئی جرم نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام کا یہ فرمانا، فیصلہ خلافت لکھنے کے لیے نہ تھا۔ ایسا ہو تو شیعہ کا اِدّعا نص خلافتِ علی رضی اللہ عنہ کی تمام عمارت گر جاتی ہے۔ یہ درست نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کوئی دینی ضروری امر کے متعلق کچھ لکھنا چاہتے تھے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر الزام آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حکم الٰہی میں قصور کیا۔ حضور علیہ السلام کی رائے میں، رائے عمر رضی اللہ عنہ زیادہ پسند تھی۔ اسی وجہ سے دوسرے فریق کو ڈانٹ کر کہا کہ مجھے دِق نہ کرو۔ اور پھر چار یوم زندہ رہ کر کچھ تحریر نہیں فرمائی۔ اگر کاغذ قلم دوات حاضر نہ کرنا نافرمانی حکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہے۔ تو اس کے مجرم بہ نسبت حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دیگر اہل بیت زیادہ ہیں کہ اس وقت نہیں تو بعد میں ہی یہ چیزیں مہیا کر کے تحریر حاصل کر لیتے۔ اگر ہر بات میں قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری الفاظ پر عمل کرنا ضروری ہے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے متعدد دفعہ فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی۔ اس لیے اس بھاری جرم کے مرتکب ہونے کی وجہ سے آپ خلافت و امامت کے اہل نہیں رہتے۔ شیعہ حدیث قرطاس سے خلافتِ علی رضی اللہ عنہ پر دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ یہ

حدیث اُن کے تمام استدلالات کی تردید کر دیتی ہے۔ شیعہ بیچارے قدم قدم پر ٹھوکر کھاتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ایسی خرافات سے باز نہیں آتے۔ افسوس!

ہرگز نہ ہوئے مغزِ سخن سے آگاہ
لَا حَولَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہ!

دسواں طعن:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے معاذ اللہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین کی۔ اُن پر دروازہ گرا کر پسلیاں توڑ دیں ان کو کوڑوں سے پیٹا۔ شکم مبارک پر لات مار کر حمل گرا دیا۔ ان کا گھر جلا دیا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ کے گلے میں رسی ڈال کر اُن کو گھسیٹ لے گئے۔ اور بزور بیعت ابوبکر رضی اللہ عنہ کرائی۔

جواب:

یہ سب باتیں بیہودہ خرافات ہیں جن کو نقل و عقل دونوں تسلیم نہیں کرتے۔ اگرچہ بظاہر اس یاوہ گوئی سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تنقیص شان مطلوب ہے۔ لیکن درحقیقت یہ توہین اہل بیت رسالت کے لیے ایک سخت پاجیانہ حملہ ہے۔ کیا عقلِ سلیم اس بات کو تسلیم کر سکتی ہے کہ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا خاتونِ جنت، لختِ جگر رسول ﷺ کی طرف کوئی نظر اُٹھا کر بھی دیکھے؟ تو شیرِ میدان حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنی زوجۂ محترمہ جگر گوشۂ رسول ﷺ کی توہین دیکھ کر خاموش بیٹھے رہیں۔ کیا اس کو صبر کہہ سکتے ہیں؟ یا غایت درجہ کی بے غیرتی ہے۔ ایک بھنگی تک بھی جیتے جی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی عورت کی توہین کی جائے خدانخواستہ ایسا ہوتا تو قیامت برپا ہو جاتی۔ تمام بنو ہاشم دامادِ رسول ﷺ اور لختِ جگر رسول ﷺ کی حمایت کے لیے تلوار لے کر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ نہ خلافت رہتی نہ خلفاء۔ نمونۂ محشر برپا ہو جاتا۔ کیا ایسی حرکت کر کے پھر کوئی شخص اپنے ارادہ تمکن خلافت میں کامیاب رہ سکتا ہے؟ ابھی ابھی رسول ﷺ خدا جدا ہوئے ہیں۔ طبائع فراقِ رسول ﷺ سے پر جوش ہیں۔ کلیجے دہل رہے ہیں۔ پھر خاندانِ رسالت کی بے ادبی مسلمان برداشت کر سکتا تھا۔ اور جناب شیرِ خدا تو ایسی ذلت کب گوارا کر سکتے تھے کہ ان کے گلے میں رسی

ڈال کر گھسیٹا جائے اور جبراً بیعت لی جائے۔

شیعہ اس بارہ میں عجیب و غریب قصے تراش کر لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن اہل بصیرت ان کی باتوں کو پادر ہوا سمجھ کر ان کو دھتکار دیتے ہیں۔

جلاء العیون اردو ص ۸۷ میں درج ہے۔

بسند معتبر جناب صادق سے روایت کی ہے کہ جس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جناب امیر رضی اللہ عنہ سے خلافت غصب کی۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ کیا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خدا نے میری اطاعت کا تجھے حکم دیا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا نہیں۔ اگر مجھے حکم اطاعت دیتے تو میں اطاعت کرتا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ اگر اب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے اور تجھ کو میری اطاعت کا حکم دیں۔ میری اطاعت کرے گا؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا، ہاں۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرے ہمراہ مسجد قبا میں چل۔ جب مسجد قبا میں پہنچے ابوبکر نے دیکھا۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے نماز پڑھ رہے ہیں۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ابوبکر رضی اللہ عنہ کو انکار ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم اسے نہیں دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کہا۔ میں نے مکرر تجھے علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا حکم نہیں کیا۔ اس کے حکم کی اطاعت کر، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خائف و ترساں معاودت کی راہ میں عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے ابوبکر رضی اللہ عنہ تجھے کیا ہو گیا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ایسا فرمایا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ وہ گروہ ہلاک ہے۔ جو تجھ ایسے احمق کو اپنا سردار کرلے۔ مگر تو نہیں جانتا۔ یہ سب بنی ہاشم کا سحر ہے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ کو اس قدر قدرت تھی کہ جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد قبا میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے سامنے زندہ لا کھڑا کیا۔ پھر وہ اپنی قوتِ اعجاز سے ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ کے دلوں کو کیوں نہ مسخر کر لیتے؟

دوم: جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مدتِ حیات میں اپنے مال و اموال اور اہل و عیال حضور نبی علیہ السلام پر قربان کر کے خدا اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا مندی حاصل کرنے کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی تھی۔ تو کیا قیاس ہو سکتا ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ زورِ کرامت سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ دیکھ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ارشاد سن کر کہ اطاعتِ علی رضی اللہ عنہ تجھ پر فرض

ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور شخص کے کہنے پر قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کرتے؟ یہ سب کچھ یار لوگوں کی گھڑت ہے کہ خلفاء اسلام کو بدنام کر کے مخالفین مذہب کو اسلام اور ہادیٔ اسلام پر طعن و تشنیع کا موقعہ دیتے ہیں۔ اس ضد اور ہٹ دھرمی کا کیا علاج۔ خدا ہی ہدایت کرے:

ہٹ دھرم تہمت لگانا چھوڑ دے
راستی پر آ خدا کو مان کر

گیارہواں طعن:

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک حاملہ عورت کو بجرم زنا سنگساری کا حکم دیا تھا۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اِنْ کَانَ لَکَ عَلَیْھَا سَبِیْلٌ لَیْسَ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِھَا سَبِیْلٌ (اگر چہ تجھے اس کی ذات پر حکم دینے کا حق ہے لیکن اس کے بچہ وشکم کو سزا دینے کا اختیار نہیں ہے)۔ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس اطلاع پر سزا ملتوی کر دی اور کہا۔ لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَرُ (اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتا تو عمر ہلاک ہو گیا ہوتا) جب وہ دینی مسائل سے جاہل تھے۔ تو خلافت کا استحقاق کس طرح رکھتے تھے؟

جواب:

بات یہ ہے کہ عورت محصنہ پر جرم زنا ثابت ہو گیا تھا۔ جس کی سزا رجم ہے۔ اس کے حمل کا جناب امیر رضی اللہ عنہ کو کسی وجہ سے علم تھا۔ لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا۔ کیونکہ پیٹ کی بات (حمل) کا حال جب تک زیادہ مدت نہ گزر جائے۔ سوائے خدائے علیم کے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتا۔ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے بتا دیا کہ یہ حاملہ ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سزا ملتوی کر کے جناب امیر رضی اللہ عنہ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ ان الفاظ سے ادا کیا "کہ آج اگر علی رضی اللہ عنہ حمل کی مجھے اطلاع نہ دیتے اور سزا نافذ ہو جاتی تو بچہ پر اس کا اثر پڑتا۔ وہ مر جاتا۔ اور مجھے جب اس بات کا بعد میں علم ہوتا۔ مجھے اس قدر رنج ہوتا کہ گویا میری ہلاکت کا باعث ہوتا۔"

نادان معترض کو یہ معلوم نہیں ہے کہ اس سے جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی صاف باطنی و خشیت الٰہی اور بے نفسی کا ثبوت ملتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہرگز کچھ کدورت نہ تھی۔ وہ آپ کو نیک مشورہ دیتے۔ آپ قبول کر کے ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔ اگر فی مابین عداوت و دشمنی ہوتی تو ایسے واقعات پیش نہ آتے۔

بارہواں طعن:

ایک روز عمر رضی اللہ عنہ خطبہ میں لوگوں کو گرانی مہر نساء سے منع کر رہے تھے۔ اس اثناء میں ایک عورت کھڑی ہو کر کہنے لگی: ''اے عمر رضی اللہ عنہ! خدا فرماتا ہے: اِنْ اٰتَیْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَیْئًا (اگر گرانقدر خزانہ بھی عورتوں کو مہر میں دے دو۔ تو واپس نہ کرو) اس پر خلیفہ نے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اور کہا۔ کُلُّ النَّاسِ اَفْقَهُ مِنْ عُمَرَ حَتّٰی الْمُخَدَّرَات (سب لوگ عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ فقاہت رکھتے ہیں، حتیٰ کہ مستورات بھی) تو جب ایک عورت بھی علم و فقاہت میں آپ سے زیادہ تھی۔ تو آپ امامت و خلافت کے قابل نہ تھے۔

جواب:

بریں فہم و دانش بباید گریست

نادان معترض جس بات کو باعثِ طعن قرار دیتا ہے۔ اہل عقل و دانش اس کو کمال وصف سمجھتے ہیں کہ باوجود اس جلال و جبروت کے جو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا۔ اور قیصر و کسریٰ کے محل صرف آپ کا نام سن کر لرز رہے تھے۔ اُن کی بے نفسی اور انکساری کی یہ حالت ہے کہ ایک ادنیٰ عورت سرِ دربار ٹوک دیتی ہے اور قرآن کی آیت کو استدلال میں پیش کرتی ہے۔ تو خلیفہ وقت قرآن پاک کے ادب و لحاظ سے اس کے سامنے سر جھکا دیتے ہیں۔ اور عورت کی حوصلہ افزائی اور دیگر اشخاص کو استنباط معانی قرآن کی غرض سے کہتے ہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ کو ادّعا افقہ الناس ہونے کا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ایک عورت بھی یہ حق رکھتی ہے کہ قرآن میں تدبر کر کے استنباط مسائل کر سکے۔

اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی دنیا پرست مغرور انسان ہوتا۔ تو اس جاہ و جلال کے ہوتے کوئی شخص سرِ دربار اس کی قطع کلام کرتا تو جانبر ہونا مشکل تھا۔ یہی اصولِ مساوات ہے جس پر اسلام کو ناز ہے یہی وصف ہے۔ جو خاصانِ حق میں پائی جاتی ہے:

راندۂ شد ابلیس از مستکبری
گشت مقبل آدم از مستغفری

معترض جس کی آنکھ کو تعصب نے اندھا کر رکھا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس بے نظیر وصف کو داخل معائب سمجھتا ہے۔

حضرت عمر باوجود افقہ الناس ہونے کے خود کو سب سے فقاہت میں کمتر سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ باوجود افضل الناس ہونے کے خود کو اشر الناس کہتے ہیں:

يَظُنُّ النَّاسُ بِيْ خَيْرًا وَّاِنِّيْ
اَشَرُّ النَّاسِ اِنْ لَّمْ تَعْفُ عَنِّيْ

حقیقت میں عورت کا سوال بے محل تھا۔ اور اس کا استدلال صحیح نہ تھا۔ کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرما رہے تھے کہ سب سے زیادہ آیات قرآنی کے معانی سمجھنے والے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کے مہور بہت معمولی بندھوائے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اَعْظَمُ بَرَكَةً اَيْسَرُهُنَّ صَدَاقًا (بہت بڑی بابرکت عورت وہ ہے جس کا مہر کم باندھا جائے)۔ اور گرانی مہور کے نتائج ہمیشہ آخر کار خراب نکلتے ہیں۔ فتنہ دفساد، مقدمہ بازی تک نوبت پہنچتی ہے۔ اپنے قدر سے بڑھ کر جو شخص دکھاوے کے لیے حقِ مہر مقرر کر دے۔ جس کی ادائیگی کی اس کو قدرت نہیں ہے۔ آخر کار رسوا ہوتا ہے۔ اسلام نے ہر معاملہ میں کفایت شعاری اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے۔ آیت قرآن کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ مہر میں قنطار گرانقدر خزانہ ہی مقرر کیا جائے۔ بلکہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی شخص نادانی سے ایسا کر بیٹھے تو پھر دے کر اسے واپس لینے کا اختیار نہیں ہے۔ ہر چند عورت کا استدلال صحیح نہ تھا۔ نہ اس کا اعتراض بجا تھا۔ خلیفۂ وقت نے عورت کی فقاہت دیکھ کر کہ آیت قرآن سے استنباط کا ملکہ رکھتی ہے۔ محض اس کی دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے لیے اس کی داد دی۔ تاکہ آئندہ کے لیے بھی اس کو اور دیگر اشخاص کو قرآن پاک میں تدبر کا اشتیاق بڑھے اور لوگوں پر یہ بھی ظاہر ہو کہ جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک فرد بشر کو ادنیٰ ہو کہ اعلیٰ، رائے زنی کا اختیار دے رکھا ہے۔ سبحان اللہ جاہل معترض کمال نادانی سے ہنر کو عیب سمجھ رہا ہے:

چشم بداندیش کہ برکندہ باد
عیب نماید ہرش در نظر

جناب امیر رضی اللہ عنہ کی نسبت اسی طرح کا ایک قصہ مشہور ہے۔ چنانچہ ابن حرساء ابن عبداللہ نے محمد بن کعب سے یوں روایت کی ہے:

سَالَ رَجُلٌ عَلِیًّا فِیْ مسئلۃٍ فَقَالَ فِیھا فقال الرجل لیسَ ھٰکَذَا وَلٰکِن کَذَا وَکَذَا قال علی اَصبت وَفَوْقَ کُلِّ ذِی علمٍ عَلِیْم

''ایک شخص نے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا: آپ نے جواب دیا تو اس شخص نے کہا، اس کا جواب یہ نہیں بلکہ اس طرح ہے، آپ فرمانے لگے تو نے ٹھیک کہا اور ہر دانا کے اوپر کوئی دانا ہوا کرتا ہے۔''

یہ بھی واضح ہو کہ کسی بات میں اگر کوئی شخص کسی مُسلّم بزرگ سے زیادہ واقفیت پیدا کرے تو اس بزرگ کی شان میں اس سے کوئی کمی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ قرآن کریم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے مقابلہ میں جو نبی تھے۔ حضرت سلیمان کا فیصلہ درست نکلا حالانکہ حضرت سلیمان اس وقت نبی نہیں تھے۔ کیا اس سے حضرت داؤد علیہ السلام کی نبوت وخلافت میں کچھ نقص واقعہ ہو۔ کیا تھا؟ حاشا وکلا۔

تیرہواں طعن:

صحیح مسلم میں ہے:

فَقَالَ اَبُوْبَکْر قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لا نورث ما تَرَکْنَاہُ صدقہ افرَاَیْتُمَاہُ کَاذِبًا اٰثِمًا غَادِرًا خائِنًا وَّاللّٰہ نعلم انّہ لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تابعٌ لِلْحقِّ تونی اَبوبکر فکُنْتُ اَنَا وَلِیّ رَسُول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم وَوَلِیّ ابی بَکْرٍ افرَاَیْتُمَانِی کَاذبا اٰثمًا غَادِرًا خَائنًا واللّٰہ یَعْلَمُ اَنّی لَصَادِقٌ بَارٌّ رَاشِدٌ تَابِعٌ للحق۔

شیعہ کہتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، عباس رضی اللہ عنہ، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھتے تھے جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

کہا۔ جو ایسا ہو قابل خلافت کب ہو سکتا ہے؟

جواب:

یہ طعن متقدمین شیعہ کو نہیں سُوجھا کیونکہ ان میں کسی قدر مادۂ انصاف موجود تھا۔ اور شرم وغیرت سے بھی کام لیتے تھے لیکن متاخرین شیعہ ان سب باتوں سے پاک فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ پر عمل پیرا ہیں۔ اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تنبیہ کے طور پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ و حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہتے ہیں کہ جو فیصلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مطابق فرمان نبوی ﷺ کیا۔ یا میں نے اس فیصلہ کو بحال رکھا۔ کیا تم لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اور مجھ کو اس بارہ میں کاذب، آثم، غادر، خائن سمجھتے ہو۔ حالانکہ خدا جانتا ہے کہ میں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے دعویٰ میں سچے بار، راشد حق کے متبع تھے۔ یہ روزمرہ کا محاورہ ہے کہ جو شخص اپنے دعویٰ میں فی الواقعہ سچا ہوتا ہے۔ وہ اپنی بریت کے لیے ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ کیا تم مجھے کوئی چور، بدمعاش، ڈاکو سمجھتے ہو کہ میں نے تمہاری کچھ چیزیں دبا رکھی ہیں؟ مطلب یہ ہوتا ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ میں ایسا نہیں ہوں تو مجھ پر اس بات کا اشتباہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے تمہاری کوئی چیز لے لی ہو۔

دوم: حدیث میں لکھا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معیت میں آ کر یہ الفاظ کہے تھے:

اِقْضِ بَيْنِيْ وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ الْاٰثِمِ الْغَادِرِ الْخَائِنِ۔

"میرے اور اس (علی) جھوٹے آثم۔ غادر خائن کے مابین فیصلہ کرو۔"

حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی جوش میں آ کر یہ الفاظ استعمال فرمائے تھے کیا یہ شخص (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کاذب، آثم ہے کہ تم اس کے دعویٰ کو درست نہیں سمجھتے ہو۔ اس لیے وہی الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسبت دہرائے تاکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا جوش فرو ہو کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کاذب، آثم نہیں ہے تو ہم بھی تو ایسے نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے دعویٰ میں صادق، تابع رشد و ہدایت ہیں اور پھر تم ہمارے درست فیصلہ اور قضا کے خلاف جو مطابق فرمانِ رسول پاک ﷺ ہے۔ کیوں صدائے احتجاج بلند

کرتے ہو کیا معترض کہہ سکتا ہے کہ حضرت عباس عمِ رسول نے جو الفاظ کاذب، آثم۔ غادر، خائن اپنے برادر زادہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت استعمال کیے۔ فی الواقع وہ اُن کو ایسا ہی سمجھتے تھے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر یہاں کس طرح کہہ سکتے ہو کہ فی الواقع حضرت عباس رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ شیخین رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ کا مصداق سمجھتے تھے:

لا مذہبوں میں شرم کا کچھ بھی اثر نہیں
ہے اعتراض اوروں پہ اپنی خبر نہیں

چودھواں طعن:

میزان الاعتدال میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا:

يَا حُذَيفَةُ بِاللّٰهِ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ

''اے حذیفہ بخدا میں منافقوں سے ہوں۔''

تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ کس طرح ہو سکتے ہیں؟

جواب:

اوّل: میزان الاعتدال میں اس حدیث کو ضعیف وموضوع قرار دیا گیا ہے۔ اور اس کے راوی زید بن وہب کی نسبت لکھا گیا ہے۔ فی حدیثه خَلَلٌ كَثِيْرٌ (زید کی حدیث مرد یہ میں بہت خلل ہے)۔ اور اس روایت کو جھوٹ پر محمول کیا گیا ہے۔ شیعہ کی خیانت قابل داد ہے۔ سیاق وسباق کو نظر انداز کر کے وَلَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ کہتے ہیں۔ وانتم سکاریٰ سے آنکھ بند کر لیتے ہیں۔

دوم: اگر روایت صحیح بھی ہو تو جیسا کہ طعن نمبر ۸ میں مفصل بحث ہو چکی ہے۔ خوف خشیۃ الٰہی سے خاصان خدا اپنے آپ کو کمترین اخلاق سمجھتے ہیں جیسا کہ جناب امیر نے اپنے آپ کو اشہر الناس کہہ دیا۔ کما مر ذکرہٗ اس اعتراض کا مفصل جواب دیکھنا ہو تو طعن نمبر ۸ کے جواب کو پڑھنا چاہیے۔ جہاں شیعہ کی کتب حدیث سے اسی مضمون کی متعدد حدیثیں لکھی گئی ہیں کہ دوستداران رسول ﷺ جب دنیا کے کار و بار میں مصروف ہو کر دربار رسالت سے لحہ بھر میں غیر حاضر ہو جاتے تھے۔ تو اس کو نفاق سے تعبیر کرنے لگتے

اور آنحضرت ﷺ سے استفسار کرتے تھے۔ اور حضور ﷺ ان کی تشفی فرمایا کرتے تھے۔ تمہارے کمال ایمان کی یہ علامت ہے کہ تھوڑی تھوڑی باتوں سے تمہارے دلوں میں خوف الٰہی طاری ہو جاتا ہے اور تم میری بارگاہ میں دوڑے آتے ہو۔ ورنہ منافقوں کو دربار رسالت سے کیا کام۔ کاش! جاہل معترض کو اپنی کتابوں پر عبور ہوتا تو ایسے واہی تباہی اعتراض کرنے سے شرماتا۔ بندہ خدا! منافق تو اسے کہا جاتا ہے جو اپنے نفاق کو چھپاتا اور اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا ہے۔ یہ مومن کامل کا خاصہ ہے کہ باوجود کمال ایمان کے خود کو ناقص تصور کرتا ہے۔ کیا تمہیں آدم علیہ السلام کی دعا یاد نہیں ہے:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا

''اے اللہ ہم نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے۔''

کافی کلینی میں ''اعتراف الذنوب'' ایک مستقل باب باندھ کر احادیث لکھی گئی ہیں کہ مومن کی شان ہے کہ وہ معترف الذنوب ہو کر استغفار کرے۔ کاش کوڑھ مغز معترض جناب امیر رضی اللہ عنہ کی دعا مندرجہ ''نہج البلاغت'' ص۱۴۹ مطبوعہ طہران ص۸۲ پڑھ کر اس کے الفاظ ذیل پر غور کرتا:

اَللّٰهُمَّ اغفرلی مَا اَنتَ اَعْلَمُ به منی فان عدت فعد علی بالمغفرة اللهم اغفرلی ما رایت من نفسی ولم تجد له وفاء عندی اللهم اغفرلی ما تقربت الیك بلسانی ثم خالفه قلبی۔ اللهم اغفرلی رمزات الالحاظ وسقطات الالفاظ وشهوات الجنان وهفوات اللسان۔

''پروردگار! میرے گناہ کو بخش دے جسے تو مجھ سے بہتر جانتا ہے اگر میں گناہ کی طرف عود کروں تو اپنی بخشش سے میری طرف عود کر، خداوند تو اس وعدے کو بخش دے جو میں نے اپنے نفس سے کہا ہے اور تو نے میری طرف سے اس کی؟ نہیں پایا، پروردگار! میرے اس عمل کو بخش دے جس کی وجہ سے میں نے تیرا تقرب حاصل کیا اور پھر میرے قلب اور میری عقل نے اس کی مخالفت کی۔ خداوند میری آنکھوں کے اشاروں، میرے الفاظ کی لغزشوں دلی خواہشوں اور ہفوات زبان کو

بخش دے۔'' (نیرنگِ فصاحت، ص ۵)

کیا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اس دعا کے الفاظ دیکھ کر کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ فی الواقع آنجناب گنہگار تھے؟ اور بار بار گناہ کی طرف عود کر کے طالب مغفرت ہوتے تھے یا وعدہ کر کے اس کی وفا نہ کرتے تھے۔ ان کا دل ان کی زبان کے خلاف کرتا تھا۔ زبانی کچھ کہتے اور دل میں کچھ اور ہوتا۔ یا اُن کے اشارات بصر، الفاظ کی لغزشیں، خواہشات قلب، ہفوات لسان قابل مواخذہ تھے، اگر رحمت الٰہی شامل حال نہ ہو۔

نہیں نہیں۔ یہ سب کچھ اسی خوف خشیۃ کا نتیجہ ہے جو ایک کامل ایمان شخص کے رگ و ریشہ میں کوٹ کوٹ کر بھرا رہتا ہے کہ اپنی عبادتوں کو گناہ اپنے ایمان کو نفاق اپنی حرکات وسکنات کو لغزشیں۔ اپنے کلام اور اذکار کو ہفوات سے تعبیر کر کے طالب مغفرت ہوتا ہے اور ایک کور باطن شخص اس کے ظاہری الفاظ انکسار کو دیکھ کر اس کی پاک باطنی سے اغماض کرتا ہوا اس کو واقعی خطا کار سمجھتا ہے۔ مگر ایک سیاہ باطن رافضی ان عاشقانہ رموز کو کیا جانے؟

تو خودے نشنوی بانگ دہل را
رموزِ سرِ سلطان راچہ دانی

پندرہواں طعن:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غزوۂ حدیبیہ میں کہا۔ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب سے میں اسلام لایا۔ مجھے شان نبوت میں ایسا کبھی شک نہیں ہوا۔ جیسا آج ہوا ہے۔

جواب:

ہم نے تو کسی کتاب میں یہ نہیں دیکھا۔ مولانا عبدالشکور صاحب نے النجم میں اس کے متعلق پانچ سو روپیہ انعام دینے کا وعدہ کیا ہے۔ اگر کسی معتبر کتاب حدیث سے یہ قول دکھلا دیں۔ اس لیے جب تک معترض حوالہ نہ دکھائے جواب کی ضرورت نہیں ہے۔

اگر اقتضائے بشریت سے ایک مومن کامل کو کسی امر میں تردد پیدا ہو۔ اور وہ فی الفور رفع ہو جائے تو اس کا کوئی مواخذہ نہیں ہوتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے مؤحد کامل نے رب العزت سے احیاءِ اموات کا نشان اطمینان قلب کے لیے طلب کیا۔ کیا اُن کے کمال ایمان

میں اس سے کچھ نقص واقع ہوا؟

ہم شیعہ کی مستند کتاب حدیث فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ سے قسم ایک روایت پیش کیے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام ایک دفعہ خلیفہ منصور کی اردل میں جا رہے تھے۔ خلیفہ بڑے جاہ وجلال سے ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ اور آگے پیچھے اس پر سواروں کی ایک کاردتھی لیکن امام ایک گدھے پر سوار ہو کر خلیفہ سے باتیں کرتے جاتے تھے۔ آپ کے ایک خاص الخاص شیعہ نے استفسار کیا جبکہ آپ اپنے دولت خانہ پر تشریف لائے۔ الفاظ حدیث یوں ہیں:

فَلَمَّا رَجَعْتُ اِلٰى مَنْزِلِي اتَانِي بَعْضُ مواليا فقال جعلت فِدَاك واللّٰه لَقَدْ رَأَيْتُكَ في مَوْكب اَبي جَعْفَرَ وَاَنْتَ عَلٰى حِمَارٍ وهو على وقد اشرف عليك يكلمك كَاَنَّكَ تَحْتَهُ فَقُلت بَيْنِي وَبَيْنَ نَفْسِي هٰذا حجة اللّٰهِ على الخالق وصاحب هذا الامر الَّذِي يُقْتَدىٰ وَهٰذَ اٰخَرُ يَعْمَلُ بِالْجَوْرِ وَيَقتُلُ اَوْلَادَ الْاَنْبِيَاءَ ويسفك الدما في الارض بما لا يُحِبُّ اللّٰه وَهُوَ فِي مَرْكبِهٖ وَاَنْتَ عَلٰى حِمَارٍ فَدَخَلَنِي مِنْ ذٰلِكَ شكٌ حَتي خِفْتُ عَلٰى دِيْنِيْ ونفسي فَقَالَ لَوْ رَاَيتَ مَنْ كَانَ حَوْلِي وبين يَدَىَّ وَمِن خَلْفِي وَعَنْ شِمَالِيْ مِنَ الْمَلٰئِكَةِ لَا حتقرت مَا هُوَ فِيْهِ فَقَالَ الْاٰنَ سَكَن قلبي۔

"حضرت امام نے فرمایا: جب میں واپس گھر میں آیا تو میرا ایک خاص محب شیعہ مجھے ملا اور کہنے لگا میں آپ پر قربان، بخدا میں نے آپ کو منصور کی اردل میں دیکھا ہے۔ آپ گدھے پر تھے۔ وہ گھوڑے پر تھا۔ اور آپ کی طرف جھانک کر باتیں کر رہا تھا۔ گویا آپ اس کے ماتحت ہیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ (یہ امام) خدا کی طرف سے اس کی مخلوق پر حجت ہے۔ اور صاحب حکم ہے جس کے حکم کی ہم نے اتباع کر لی ہے۔ اور یہ دوسرا (منصور) ایک ظالم شخص ہے۔ جو اہل بیت رسول کو قتل کرتا ہے اور زمین میں خونریزی کرتا ہے جو خدا کو پسند نہیں ہے۔ پھر

تعجب ہے کہ وہ لاؤ لشکر کے ساتھ جا رہا ہے اور آپ گدھے پر سوار ہیں۔ اس وجہ سے میرے دل میں شک پیدا ہو گیا حتیٰ کہ مجھے اپنے ایمان کا خوف ہو گیا۔ امام فرماتے ہیں پھر میں نے اس سے کہا کاش! تو ان فرشتوں کو دیکھتا۔ جو میرے گرد و پیش جا رہے ہیں۔ تو تو منصور اور اس کی جاہ و جلال کو ہیچ سمجھتا۔ اس شیعہ محب امام نے کہا۔ اب میری تسلی ہو گئی ہے۔"

بتلایئے! امام صادق کے خاص الخاص محب شیعہ نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مجھے امامت کے متعلق ایسا شک واقعہ ہو گیا ہے کہ مجھے اپنے دین و ایمان کا بھی اندیشہ ہو گیا جب امام نے زورِ کرامت سے اس کو صف ملائکہ بھی دکھا دی۔ تو اُسے پورا اطمینان ہو گیا۔ کیا وہ شیعہ محب امام شک کی وجہ سے کافر ہو گیا تھا۔ یا امام نے اُسے فتویٰ کفر دے دیا تھا؟ نہیں وہ پہلے سے بھی ایمان میں مضبوط ہو گیا۔ سو اسی وجہ سے اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی کہہ دیا ہو اور پھر اعجاز نبوی سے ہدایت مزید اطمینان قلب کا باعث ہوا ہو۔ تو یہ تو نورٌ علیٰ نور ہے۔ ایسا شک ہر کسی کو نصیب ہو۔ شیعہ بیچارے ان نکات کو کیا سمجھیں؟ جب عقل ہی نہیں ہے:

ہزاروں نکتے یہاں بال سے بھی ہیں باریک
کہ جس کی عقل ہو موٹی وہ اس کو کیا جانے؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مطاعن کے جواب ہو چکے اب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جو مطاعن کیے جاتے ہیں ان کی فہرست شروع ہوتی ہے۔

سولھواں طعن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن جلوا دیئے۔ اس لیے توہین کلام اللہ کے جرم کے مرتکب ہوئے۔ ایسا شخص اہل خلافت نہیں ہو سکتا۔

جواب:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن جلوائے نہیں۔ بلکہ قرآن کو جمع کر کے حفاظت کلام اللہ کا ثواب حاصل کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس احسانِ عظیم کی دنیائے اسلام قیامت تک

گرویدۂ احسان ہے۔ اگر آپ اسلام کی یہ خدمت نہ کرتے۔ تو قرآن پاک میں بھی شیعہ لوگ ایسی ہی تحریف کر دیتے جیسے یہود و نصاریٰ نے تورات و انجیل کی تحریف کر دی ہے۔ آپ نے قرآن کو جمع کر دیا البتہ غیر قرآن جو از قسم تفسیر لوگوں نے قرآن میں شامل کر رکھا تھا۔ ان کو جلا دیا۔ اور سوائے اس صورت کے کلام اللہ کی حفاظت مشکل تھی۔ لیکن شیعہ معترض کو کچھ اپنے گھر کی بھی خبر ہے کہ بقول ان کے ائمہ اہل بیت نے قرآن سے کیا سلوک کیا؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تو قرآن کو جمع کرنے کے بعد ایسا گم کیا کہ اس کا کہیں پتہ ملنا بھی مشکل ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے اپنی اولاد کے سپرد کیا اور آخر امام مہدی کے ہاتھ آیا۔ لیکن وہ بقول شیعہ قرآن کو لے کر کہیں ایسے بھاگ گئے کہ تلاش کرنے سے بھی کہیں کھوج نہیں مل سکتا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تو وہ حصہ جلایا ہوگا، جو نہ تھا۔ لیکن حضرت امیر رضی اللہ عنہ اور ان کی ذریت نے قرآن کو کہیں غائب غلہ کر کے اس کا نشان ہی مٹا دیا۔ کیا اس سے بڑھ کر توہین کلام اللہ ہو سکتی ہے کہ وہ قرآن جو خلق خدا کی ہدایت کے لیے تھا۔ اور جس کے جمع و ترتیب کی ذمہ داری بقول شیعہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اٹھائی تھی۔ جمع کر کے نہایت بے دردی سے گم کر دیا گیا۔ جس کا کوئی ورق ڈھونڈے سے بھی نہیں مل سکتا۔ شیعہ بے چارے مجبوراً اسی غلط ملط سُنیوں کے قرآن سے کام لے رہے ہیں۔ اس کو نمازوں میں پڑھنا ہوتا ہے۔ اسی کی تعلیم اپنے اطفال کو دلانی پڑتی ہے۔ اسی کا ثواب اپنے مردوں کی روحوں کو بخشوایا جاتا ہے۔ شیعہ بجائے اس کے کہ ائمہ اہل بیت کو کوسیں کہ انہوں نے قرآن جمع کردۂ علی رضی اللہ عنہ تیرہ سو سال سے ان سے چھپا رکھا ہے۔ اُلٹا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون کرتے ہیں جس کی بدولت ان کو قرآن ملا۔ (غلط اور ناقص ہی سہی) اس سے بڑھ کر کفران نعمت کیا ہو سکتا ہے؟ شیعہ بے چاروں کی حالت قابلِ رحم ہے۔ نہ اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہ اس کو چھوڑ سکتے ہیں:

دو گونہ رنج و عذابست جانِ مجنوں را
بلائے صحبت لیلےٰ و فرقت لیلےٰ

توہین قرآن کا ایک واقعہ:

اصول کافی ص ۱۸۰ میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے قرآن کی آیت یوں پڑھی:

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون ائمة ازکی من ائمتکم۔

قرآن موجود میں یوں ہے:

اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ اَرْبٰى مِنْ اُمَّتِكُمْ قَالَ قُلتُ فِدَاكَ اَئِمَّة قَالَ اِیْ وَاللّٰهِ اَئِمَّةٌ قُلْتُ فَاِنَّا نَقْرءُ اَرْبٰى فَقَالَ مَا اَرْبٰى وَاَوْمٰى بِيَدِهٖ فَطَرَحَهٗ۔

”راوی کہتا ہے میں نے حضرت امام سے پوچھا کہ یہ أئـمّةٌ ہے؟ آپ نے کہا ہاں خدا کی قسم أئـمّةٌ ہے۔ پھر میں نے کہا ہم اَرْبٰی پڑھا کرتے ہیں۔ آپ نے کہا۔ اَرْبــــٰی کیا ہے۔ پھر آپ نے (جوش میں آ کر) ہاتھ سے اشارہ کیا اور قرآن کو زمین پر پھینک مارا۔“

اب دیکھیے اس سے بڑھ کر توہین قرآن کیا ہو سکتی ہے کہ صرف اتنی بات پر کہ قرآن میں بجائے آئمۃ کے اُمۃ اور ازکیٰ کی بجائے اربیٰ لکھا تھا۔ آپ نے غصہ میں آ کر قرآن کو زمین پر پٹخ دیا۔ کیا شیعہ حضرات اس کا کوئی جواب دیں گے کہ امام معصوم کا فعل صریح توہین کلام پاک نہیں ہے؟

سترہواں طعن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حکم بن ابی العاص کو مدینہ منورہ بلا لیا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اس کی شرارتوں کی وجہ سے مدینہ منورہ سے نکال دیا تھا۔ اور شیخینؓ نے بھی اس کو واپس آنے کی اجازت نہ دی تھی۔

جواب:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم کو اس لیے مدینہ سے نکال دیا تھا کہ اس کی منافقین اور کفار سے دوستی تھی اور احتمال فتنہ وفساد تھا۔ اور چونکہ حکم بنو امیہ سے تھا اور شیخین تیم اور عدی سے

تھے۔ اس لیے انہوں نے اس کو واپس آنے کی اجازت نہ دی تھی۔ کہ مبادا پرانی عداوت جو زمانہ جاہلیت سے ان قبائل میں چلی آتی تھی پھر عود کرے اور حکم کسی قسم کا شر و فساد کا باعث ہو۔ لیکن حکم چونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار ابن العم تھا۔ اور نیز مرض الموت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کر کے اس کا قصور معاف کرالیا ہوا تھا۔ جس کی اطلاع شیخین کو نہ تھی۔ اس لیے انہوں نے اپنے عہد خلافت میں اس کو واپس بلا لیا تھا۔ کیونکہ اس کے عفوِ قصور اور اجازت دخول مدینہ کا ان کو ذاتی علم تھا۔ اور حَکَم نے اس کے بعد کسی قسم کا کوئی فتنہ وفساد نہ کیا۔ اور ایک ضعیف العمر بڈھا فرتوت ہو چکا تھا۔ کسی قسم کے شور و شر کے قابل ہی نہیں رہا تھا۔ اس کے واپس بلانے میں کچھ حرج نہ تھا۔

اٹھارہواں طعن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مروان بن الحکم کو اپنا وزیر اور میر منشی بنا رکھا تھا۔ جو بڑا مفسد تھا۔ چنانچہ اسی کی شرارت آخر کار شہادت آنجناب کا باعث ہوئی۔ جب آپ نے محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بہ مشورہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حاکم بنا کر روانہ کیا تھا۔ پیچھے سے مروان نے جو میر منشی تھا۔ ایک دوسرا خط حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مہر لگا کر ایک سوار کے ہاتھ دے کر بھیج دیا کہ محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ مصر آئیں تو اُن کو قتل کر دیا جائے خط پکڑا گیا۔ اور محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہ واپس آئے اور فتنہ وفساد ہوا۔ اور شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وقوع میں آئی۔

جواب:

مروان بن حکم نے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم یا خلافت شیخین رحمہ اللہ میں کوئی فتنہ وفساد نہیں کیا تھا۔ جس سے معلوم ہوسکتا کہ وہ مفسد و شریر ہے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کوئی عالم الغیب نہ تھے کہ آئندہ کے حالات ان کو معلوم ہوتے۔ انہوں نے صلہ رحمی کے لحاظ سے اس کو ملازم رکھ لیا۔ آخر کار اس نے شرارت کی لیکن شیعہ صاحبان کے پاس اس کا کیا جواب ہے کہ مروان کے متعلق باوجود اس کی شرارت ظاہر ہو جانے کے جنگ جمل میں جب وہ گرفتار ہو گیا تھا۔ حسنین نے جناب امیر علیہ السلام کے پاس سفارش کی اور اسے چھوڑ دیا۔ جیسا کہ نہج البلاغۃ میں ہے:

أُخِذَ مَرْوَانُ ابْنُ الْحَكَمْ اَسِيْرًا يَوْمَ الْجَمَلِ فَاسْتَشْفَعَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ إِلٰى أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَكَلَّمَاهُ فَخَلّٰى سَبِيْلَهُ

''مروان جنگ جمل میں گرفتار ہو گیا اور اس نے حسنین سے سفارش چاہی، انہوں نے جناب امیر علیہ السلام کے پاس سفارش کی اور اسے چھوڑ دیا۔''

خود جناب امیر علیہ السلام نے اپنے عہدِ امارت میں زیاد جیسے ولد الزنا کو فارس کا امیر بنا رکھا تھا اور اس کی بہت کچھ عزت افزائی کی گئی تھی۔ لیکن اس بدنہاد نے آخر کار نمک حرامی کی اور محبان اہل بیت پر طرح طرح کے ظلم کیے۔ حالانکہ شیعہ کے نزدیک جناب امیر رضی اللہ عنہ کو علم ''مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنَ'' بھی حاصل تھا۔

نیز آپ نے عبد الرحمٰن بن ملجم کو اپنی بیعت سے مشرف فرمایا۔ اور اس پر طرح طرح کے احسان کیے۔ چنانچہ جلاء العیون اُردو ص ۱۱۹ میں ہے۔

اس وقت عبد الرحمٰن بن ملجم بھی آیا کہ حضرت سے بیعت کرے۔ حضرت نے اس کی بیعت قبول نہ فرمائی۔ یہاں تک کہ تین مرتبہ حضرت کی خدمت میں آیا۔ مرتبہ سوم میں حضرت نے اس سے بیعت لی۔ جب اس نے پیٹھ پھیری۔ حضرت نے پھر اسے بلوایا۔ اور قسمیں دیں کہ بیعت سے انحراف نہ کرنا اور عہد ہائے محکم اُس ملعون سے لیے''۔

اس ملعون نے جو بیعت جناب امیر رضی اللہ عنہ کر کے مریدان خاص میں جب اپنا نام لکھوا لیا تھا۔ جناب ممدوح کو آخر کار شہید کیا۔ تو جب امیر علیہ الرضوان نے بقول شیعہ عالم الغیب ہو کر ایسے ملعون کی بیعت قبول فرمائی اور اس پر طرح طرح کے احسان بھی کرتے رہے۔ جیسا کہ آپ نے اخیر میں اسے فرمایا: اے بدبخت! تو نے امر عظیم پر اقدام کیا۔ آیا میں تیرا بڑا امام تھا کہ مجھے ایسی سزا دی میں تجھ پر مہربان نہ تھا، آیا تجھے اوروں پر میں نے اختیار نہیں کیا، آیا تجھ سے میں نے احسان نہیں کیا، اور لوگوں سے زیادہ عطا نہیں کی، آیا لوگوں نے مجھ سے نہیں کہا کہ تجھے قتل کر دوں، اور میں نے تجھے آسیب نہ پہنچایا اور تیرے ساتھ زیادہ عطا و بخشش کی۔

کیا شیعہ کچھ جواب دے سکتے ہیں کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے جو بقول ان کے انجام کار سے واقف تھے کیوں اس بدنہاد پر اپنے احسانات کیے۔ اور مہربانی کرتے رہے اور

عطا و بخشش فرماتے رہے۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کیا طعن ہے۔ جو علم غیب بھی نہ رکھتے تھے کہ انہوں نے مروان کو کیوں ملازم خاص رکھا۔

اُنیسواں طعن:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی نعش تین دن بے گور و کفن پڑی رہی اور نماز جنازہ بھی نہ ہوئی۔

جواب:

اوّل تو یہ بات سراسر بہتان و افتراء ہے جب آپ کے بڑے بڑے مقتدر رشتہ دار حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ موجود تھے۔ جنہوں نے قصاص میں جنگ ہائے عظیم کیے اور نیز صدہا زرخرید جان نثار غلام بھی تھے۔ تو یہ کیونکر تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ آپ کی نعش تین روز بے گور و کفن پڑی رہی ہو۔ اگر فرض کرو کہ ایسا ہی ہوا، تو اس سے آپ کی شانِ اقدس میں کیا کمی آسکتی ہے کیا شہدائے کربلا کے ساتھ اشرار نے اس سے بڑھ کر سلوک نہیں کیا؟ بلکہ مرثیہ خوان لوگ بڑی آب و تاب سے مجلسوں میں جھوم جھوم کر واقعاتِ اہانت و ذلت اہل بیت (شہیدان کربلا) بیان کیا کرتے ہیں۔ کیا اس سے معاذ اللہ ان کی شان والا میں کچھ نقص واقع ہوسکتا ہے۔ ایسے اعتراضات کرنے کے وقت شیعوں کو یہ خیال کر لینا چاہیے کہ کیا اس سے ہم پر زد تو نہیں پڑتی مگر ان کا تو یہ اصول ہے کہ پرائی شگون کے لیے اپنی ناک کٹوا دی جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی نعش مبارک بڑی عزت و احترام سے جنت البقیع میں دفن کی گئی جو مدفن ازواج و اولاد امجاد اکثر اصحاب رضی اللہ عنہم باصفا ہے۔ اس امر کی تصدیق شیعہ کی مستند تفسیر جامع عباسی باب دوم میں درج ہے۔

غرض عثمان غنی رضی اللہ عنہ برگزیدۂ خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے جن کو دوہری دامادی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا فخر حاصل تھا۔ آپ کے مال طیب سے اسلام کو بہت بڑی مدد ملتی رہی۔ آپ کے عہد خلافت میں جانب غرب اندلس تک اور جانب مشرق کابل و بلخ تک اسلامی مقبوضات کی وسعت ہوئی۔ اور بری و بحری جنگ عظیم ہو کر اہل روم کو مسخر کیا گیا۔ عراق و عجم و

خراسان زیر نگین سلطنت ہوئے۔ پس آپ کی شہادت پر ترقی اسلام کا خاتمہ ہو گیا۔ عہد امارت جناب امیر علیہ السلام میں صرف خانہ جنگیاں ہوتی رہیں اور بہت سے اسلامی نفوس حفاظ و اصحاب رضی اللہ عنہم نے جام شہادت نوش کیا۔ کسی شاعر نے آپ کی منقبت میں یوں درفشانی کی ہے:۔

نبی کی بہن کے تھے عثمانؓ بیٹے
ہو کیا اس سے بڑھ کر نجابت غنیؓ کی
سب اسلامیوں سے ہوئی دور عسرت
ہوئی نفع بخش ایسی دولت غنیؓ کی
ہوئی فوت اِک، دوسری دے دی بیٹی
یہ دل میں نبی کے تھی وقعت غنی کی
نبیؐ نے سفارت پہ مکے کو بھیجا
تو لی ہاتھ اپنے سے بیعت غنیؓ کی
علیؓ ان کے ہم زلف زہراؓ تھی سالی
یہ سبطینؓ سے تھی قرابت غنیؓ کی
ہے اوراقِ تاریخ میں ثبت اب تک
شجاعت علیؓ کی سخاوت علیؓ کی

(دائرۃ الاصلاح۔ لاہور)

مطاعن اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ پر مدلل بحث ہو چکی۔ آپ کے فضائل بہ شہادت کتاب اللہ و کتب شیعہ ثابت کر دیئے گئے ہیں۔

اب ہم تھوڑا سا تذکرہ اس امر کا کر دینا مناسب سمجھتے ہیں کہ جناب امیر علیہ الرضوان اور ان کے اہل بیت کو اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے کہاں تک محبت و پیار تھا۔ کہ زندگی میں تو ان سے شیر و شکر رہے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے اسمائے گرامی پر اولاد کے نام رکھے۔ تاکہ اگر ان کی صورتیں موجود نہیں تو ان کے نام پکار کر یاد تازہ کرتے رہیں۔

اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے نام پر فرزندان علی رضی اللہ عنہ کے نام:

کتب معتبرہ تواریخ فریقین سے ثابت ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھا جو لیلیٰ بنت مسعود کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ ایک صاحبزادہ کا نام عمر رضی اللہ عنہ تھا جو حبیبہ بنت ربیعہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ ایک کا نام عثمان رضی اللہ عنہ رکھا جو ام البنین بنت حرام بن خالد سے متولد ہوئے تھے۔ ایک صاحبزادی کا نام ام المومنین زوجۂ رسول خدا کے نام پر میمونہ رکھا۔ دوسری دو صاحبزادیوں کا نام رقیہ۔ ام کلثوم رکھا۔ جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے نام تھے۔ جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زوجیت میں آئی تھیں۔ ایسا ہی امام حسن رضی اللہ عنہ نے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ رکھا۔ ایک کا نام عمر رضی اللہ عنہ رکھا جو آپ کی جاریہ (کنیز) کے شکم سے پیدا ہوا تھا۔ یہ دونوں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکۂ کربلا میں شہید ہوئے تھے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ امام زین العابدین نے بھی اپنے ایک فرزند کا نام عمر رضی اللہ عنہ رکھا۔ اور حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے ایک صاحبزادہ کا نام ابوبکر رضی اللہ عنہ تھا۔ حضرت امام رضا نے اپنی دختر کا نام عائشہ رضی اللہ عنہا رکھا اور حضرت علی نقی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی نور چشمی کا یہی نام رکھا۔

اب شیعہ حضرات سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ اگر جناب امیر علیہ الرضوان اور ان کے فرزندان گرامی کو حضرت ثلاثہ رضی اللہ عنہم اور ازواج مطہرات سے محبت و پیار نہ تھا۔ تو اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے۔ قاعدہ کی بات ہے کہ فوت شدگان سے جو بزرگ واجب الاحترام اور ذی شرافت سمجھا جاتا ہے۔ اس کا نام تبرکاً اولاد کا رکھا جاتا ہے۔ کوئی شخص دشمن کے نام پر اپنی اولاد کے نام نہیں رکھے گا۔ چنانچہ واقعہ کربلا کو مدتیں گزر گئیں۔ لیکن اب تک کسی مسلمان نے اپنے فرزند کا نام یزید یا شمر نہیں رکھا۔ یہ ایک ایسی زبردست دلیل ہمارے ہاتھ میں فضیلت و عظمت اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ ثابت کرنے کے لیے ہے جس کا کوئی جواب شیعہ سے قیامت تک نہیں ہوسکتا۔ پس تمام نزاع کے فیصلہ کے لیے یہی ایک بات کافی ہے۔ بشرطیکہ شیعہ اصحاب میں کوئی صاحب انصاف موجود ہو:

لطیفہ:

ہمارے ایک شیعی دوست حکیم جمشید علی نامی جہلم میں رہتے ہیں۔ جو شیعوں کے لیڈر بنے ہوئے ہیں۔ ایک دفعہ ہم نے ان کے سامنے اس امر کا تذکرہ کیا کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزندوں کے نام اصحاب ثلاثہ کے نام پر کیوں رکھے؟ آپ تھوڑی دیر خاموش ہو کر کہنے لگے کہ اس لیے ایسا کیا گیا تا کہ ان بیٹوں کے نام لے کر ہر وقت گالیاں دیا کریں۔ میں نے کہا آپ تو ماشاء اللہ عالم الغیب تھے اور آپ کو معلوم تھا کہ آپ کے لخت جگر امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزید ملعون شمر بد بخت کے ذریعہ شہید کرے گا۔ اس لیے آپ کو اپنے بیٹوں کے نام یزید اور شمر رکھ دینے چاہیے تھے۔ تا کہ ان کو گالیاں دے کر دل کی بھڑاس نکالتے رہیں۔ نیز اگر یہی منطق درست ہے تو اب آپ ہی اس کمی کو پورا کر دیں اپنے عزیزوں میں سے کسی کا نام یزید یا شمر رکھ کر خوب تبرا بازی کیا کریں۔ بس آپ خاموش ہو گئے، افسوس یہ لوگ ان مقدس نفوس کو اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ گالی گلوچ کرنا مومنوں کی شان سے بمراحل بعید ہے۔ کافی کلینی کی حدیث دیکھو۔ منافق کی علامات سے ایک یہ علامت لکھی گئی ہے: اِذَا خَاصَمَ فَجَرَ ''جب جھگڑا کرتا ہے فحش گوئی کرتا ہے'' جناب امیر رضی اللہ عنہ تو وہ پاک باطن تھے کہ اپنے دشمن قاتل ابن ملجم لعین پر بھی رفق و مدارات کرنے کی سفارش فرمائی۔ جیسا کہ جلاء العیون اُردو ص ۲۷۱ میں ہے۔

''جب امیر کرم اللہ وجہہ نے اپنے قاتل کی امام حسن رضی اللہ عنہ سے سفارش کی۔ اور ارشاد کیا کہ اسے کھانا پانی دو، اور اس کے پاؤں میں زنجیر نہ ڈالو بلکہ اس کے ہمراہ رفق و مدارات کرو۔ اور جب میں دنیا سے رحلت کروں۔ اس پر ایک ضربت سے قصاص کرنا۔ اور جسم اس کا آگ سے نہ جلانا۔ اور مثلہ نہ کرنا یعنی ہاتھ پاؤں، کان، ناک اور جمیع اعضاء اس کے نہ کاٹنا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مثلہ ہرگز نہ کرو۔ اگر چہ سگ درندہ ہو، اور اگر میں اچھا ہو گیا، سزاوار زیادہ ہوں کہ اسے عفو کر دوں۔ اس لیے کہ ہم اہل بیت صاحب وکرم وعفو ورحمت ہیں''۔

پھر تعجب ہے کہ جمشید جیسے شیعہ آپ کی نسبت یہ خیال کریں کہ اپنے بیٹوں کے نام اصحاب رضی اللہ عنہم کے نام پر اس لیے رکھتے تھے کہ ان کو گالیاں دے کر دل کا بخار نکالتے رہیں۔

جب زندگی میں تو اُن کی مدحت سرائی کرتے رہے۔ وظائف لیتے رہے غنائم سے حصہ وصول کرتے رہے اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہے۔ ان کو نیک مشورے دیتے رہے اپنی لختِ جگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح کر دی تو ان کی وفات کے بعد گالیاں دینا کونسی جوانمردی ہے؟ خیر یہ ایک لطیفہ تھا۔ جو درج کیا گیا۔ فی الواقع اس کا جواب شیعہ کے پاس ہرگز ہرگز نہیں ہے۔

شیعہ سے چند سوالات:

ہم شیعہ سے چند سوالات کرتے ہیں۔ امید ہے کہ کوئی صاحب جواب باصواب سے مطلع کریں گے اور اگر جواب نہ دے سکیں۔ اور ہرگز نہیں دے سکتے۔ تو خدارا راہِ راست پر آجائیں اور اصحاب رسول ﷺ کی بدگوئی سے باز آجائیں۔

① پہلا سوال یہی ہے کہ اگر اصحاب ثلثہ رضی اللہ عنہم معاذ اللہ منافق و کافر تھے۔ ان کو اہل بیت سے بغض و عداوت تھی۔ تو جناب امیر علیہ السلام اور ان کے اہل بیت نے اپنی اولاد کے نام ان کے ناموں پر کیوں رکھے؟

② اگر نعوذ باللہ وہ کافر و منافق تھے۔ تو رسول پاک ﷺ نے اپنی بیٹیوں کے ناطے ان کو کیوں دیئے اور ان کی بیٹیاں اپنی زوجیت میں کیوں لیں۔ حالانکہ قرآن نے اس سے صریح ممانعت کر دی ہے کہ کفار کو ناطے دیئے جائیں یا ان سے لیے جائیں۔

③ اگر معاذ اللہ وہ کافر و منافق تھے تو جناب امیر علیہ السلام نے اپنی بیٹی ام کلثوم کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح کر دی۔ اگر کہا جائے کہ انہوں نے جبراً چھین لی۔ تو آپ کی شجاعت و غیرت پر حرف آتا ہے۔ اگر رضامندی سے دی تو اُن کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

④ اگر وہ منافق و کافر تھے تو جناب رسول پاک ﷺ نے اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے اُن سے لڑائی کیوں نہ کی۔ حالانکہ قرآن کا حکم ہے:

یا ایها النبی جاهد الکفار والمنافقین۔

”اے نبی کافروں اور منافقوں سے جہاد کیجئے۔“

﴿ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ ﴾

”اور کافروں سے قتال کیجیے، تاکہ فتنہ مٹ جائے اور دین حق پھیل جائے۔“

⑤ جب بقول شیعہ اصحاب ثلثہ نے جناب امیر علیہ السلام سے خلافت چھین لی۔ فدک دبا لیا۔ جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کی سخت ہتک کی۔ جناب امیر علیہ السلام نے کیوں تلوار نہ اٹھائی۔ اگر کہو کہ صبر کیا تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے کیوں جنگ کر کے صدہا مسلمانوں کی جانیں تلف کرائیں اور پھر صبر کا حکم تھا تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہم نے کیوں یزید سے لڑ کر اپنی اور معصوم بچوں کی جانیں قربان کیں؟

⑥ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا.

(منافق لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسائگت میں زیادہ عرصہ تک نہیں ٹھہر سکیں گے)۔

حالانکہ اصحاب ثلثہ رضی اللہ عنہم زندگی میں ہمیشہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مصاحب خاص رہے اور بعد وفات بھی ان کو ایسی مجاورت (ہم نشینی) حاصل ہے کہ دو یار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو بہ پہلو سوئے ہوئے ہیں ایسا کیوں ہوا؟

⑦ قرآن میں ہے:

لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَاءَ.

(میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ)۔

تو جب بقول شیعہ اصحاب ثلثہ رضی اللہ عنہم جناب رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب امیر رضی اللہ عنہ کے دشمن تھے تو کیوں رسول صلی اللہ علیہ وسلم پاک نے ان کو دوست بنائے رکھا۔ حتیٰ کہ سفر و حضر میں آپ کے رفیق رہے اور پھر بعد وفات رسول صلی اللہ علیہ وسلم جناب کیوں اُن اُن سے یارانہ گانٹھے رہے؟ اگر کہو کہ بے بس تھے تو پھر وہاں سے ہجرت کیوں نہ کی۔ جو ایسے مواقع [1] پر فرض ہو جاتی ہے۔

---

[1] چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا (النساء:۱۴ارکوع) اس آیت کے تحت شیعوں کی مشہور تفسیر صافی میں یوں لکھا ہے: اقول وفی الاية دلالة على وجوب الهجرة من موضع لايتمكن فيه اقامة دينه (مظہر حسین غفرلہ)۔

⑧ قرآن میں ہے:

اَنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا.

(ہم اپنے رسولوں اور مومنوں کو نصرت بخشا کرتے ہیں)۔

اگر اصحابؓ ثلثہ مومن نہ تھے تو کیوں نصرت الٰہی ان کے شاملِ حال رہی۔ قیصر و کسریٰ کی حکومت اُلٹ دی، مُلک بھر میں اسلامی سلطنت قائم ہوگئی۔ ہر ایک معرکہ میں مظفر و منصور ہوئے۔ حتیٰ کہ خلافت بھی اُنہی کو ملی۔

⑨ اگر خلافت اصحاب ثلثہؓ حق نہ تھی تو حضرت شہر بانو بنت یزدجر دُختر شاہِ فارس جو غنیمت میں مقید ہو کر آئی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ آپ نے کیوں قبول کی؟ جبکہ یہ غنیمت دُرست اور حلال ہی نہ تھی تو امام معصوم نے کیوں عطیہ ناجائز اور نادرست میں تصرف کیا۔ جو منافی عصمت ہے۔

⑩ جب متعہ اتنا بڑا ثواب کا کام ہے کہ متعی مرد اور ممتوعہ عورت جب غسل کرتے ہیں تو ہر ایک قطرہ سے ستر ستر فرشتے پیدا ہوتے ہیں جو ان کے لیے قیامت تک استغفار کیا کرتے ہیں تو ائمہ اہل بیت کیوں اس کارِ ثواب سے محروم رہے۔ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ کسی امام نے متعہ نہیں کیا۔

⑪ کتب شیعہ سے ثابت ہے کہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے تین فرزند، جن کا نام ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ تھا۔ وہ بھی امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ معرکہ کربلا میں شہید ہوئے۔ مرثیوں میں ان کا نام کیوں ذکر نہیں کیا گیا جب کہ وہ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے اور اپنے بھائی جناب امام حسین رضی اللہ عنہ پر انہوں نے بھی جانیں قربان کر دی تھیں۔

(۱۲) کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن جمع کر کے اصحاب کو دکھلایا تھا انہوں نے قبول نہ کیا تو آپ نے کہا اب تم لوگ اس قرآن کو تا قیامت نہ دیکھو گے۔ وہ قرآن اس وقت کہاں ہے؟ اگر وہ ہدایت خلق کے لیے تھا تو اس کے اتنا عرصہ گم رکھنے کی کیا وجہ ہے؟ اور ایسے قرآن سے مسلمانانِ عالم کو کیا فائدہ ہے؟ اگر امام غائب علیہ السلام نے اس کو چھپا رکھا ہے تو کیا وہ کتاب ہدایت چھپا رکھنے کے مجرم نہیں ہیں؟

کافی کلینی میں تصریح ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہوتے ہی تمام اصحاب رضی اللہ عنہم

سوائے تین چار کے اسلام سے پھر گئے۔ پھر بعثتِ رسول ﷺ اور نزولِ قرآن سے کیا فائدہ ہوا۔ کیا خدا نے ان تین چار آدمیوں کے لیے اتنا بڑا سامان کیا۔ اور پھر سوال یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام صرف ان ہی تین چار بزرگوں کے اجماع سے خلیفہ ہوئے۔ تو آپ امیر المومنین نہیں کہلا سکتے بلکہ آپ تو صرف تین چار کے امیر ہوئے۔

کیا کوئی شیعہ بزرگ ان چند سوالات کا کوئی معقول جواب دیں گے؟ ہمیں تو امید نہیں ہے۔

عاشق ہوئے ہیں یار کے ہم کس اُمید پر
جز آہِ نارسا کوئی اُمید ہی نہیں

اصحاب رضی اللہ عنہم ثلاثہ کے متعلق کافی بحث ہو چکی۔ اب ہم ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کرتے ہیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

یوں تو حضرات شیعہ کی زبان طعن سے انسان تو کیا خدا اور رسول اللہ ﷺ بھی نہیں بچے۔ لیکن اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے بعد زیادہ غیظ و غضب شیعہ اصحاب کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ہے اور آپ کے خلاف چند الزامات لگائے گئے ہیں جن کا جواب دینا فرض ہے۔

پہلا طعن قرآن مجید میں ہے:

وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ۔

"اپنے گھروں میں بیٹھی رہو اور زمانہ جاہلیت کی طرح باہر نہ نکلا کرو۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس حکم کی مخالفت کی کہ معرکۂ کارزار میں نکل کر شریکِ جنگ ہوئیں۔ جہاں کہ ہزارہا کی تعداد میں نامحرم اشخاص موجود تھے۔

جواب: نادان معترض جس کو تدبر فی القرآن نصیب نہیں۔ آیات قرآن کے معنی کرتے وقت ہمیشہ ٹھوکر کھاتا ہے۔ کیا اس کا یہ معنیٰ ہے کہ گھر کی چار دیواری میں عمر بھر ایسی محبوس و مقید رہیں کہ گھر سے باہر نکلنا کسی دینی ضرورت کے لیے بھی جائز نہ ہو۔ ہر گز نہیں

آنحضرت ﷺ ازواج مطہرات کو حج وعمرہ کے لیے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ میکے جانے، عیادتِ مریض، تعزیت قریبی میت کی ممانعت نہ تھی۔ غزوات میں بھی ساتھ لے جانے کی اجازت تھی۔ پھر آیت سے مخالف کا استدلال صحیح نہیں ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں جیسے عورتیں بے حجاب ہوکر زیورات زرق برق لباس پہنے بازاروں میں پھرتی تھیں۔ اب اس طرح بے پردہ پھرنا جائز نہیں ہے جیسا کہ اس آیت سے اس کی تشریح ہوتی ہے۔

یایها النبی قل لازواجک وبناتک و نساء المومنین یدنین علیهن من جلابیبهن ذلک ادنیٰ ان یعرفن فلایؤذین و کان الله غفورا رحیما.

ترجمہ: ''اے نبی! اپنی عورتوں (بیٹیوں اور مومنوں کی عورتوں) کو کہہ دیجیے کہ اپنے منہ پر چادر (نقاب) ڈال لیا کریں۔ یہ اس بات کے قریب تر ہے کہ پہچانی نہ جائیں اور ایذا نہ اٹھائیں)

حدیث میں ہے کہ اس آیت کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

اُذِنَ لَکُنَّ اَنْ تَخْرُجْنَ لِحَاجَتِکُنَّ .

(اب تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ اپنی حاجت کے لیے نکل سکو)۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا چونکہ مظلوم خلیفہ عادل کے قصاص کے لیے سفر میں نکلنے پر مجبور ہوئی تھیں، اس لیے یہ سفر جہاد حج، عمرہ کے سفر کی طرح ایک دینی ضرورت تھی، جس پر طعن نہیں ہوسکتا۔ پھر آپ کے ساتھ آپ کے اقارب میں سے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ آپ کے ہمشیرہ زاد اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد سب محرم تھے۔ علاوہ ازیں آپ ام المومنین ہونے کی وجہ سے تمام مسلمانوں کی ماں اور سب ان کے فرزند تھے۔ اس لیے آپ کے اس سفر پر معترض ہونا شیعہ کی سخت حماقت ہے۔ ابن قتیبہ اپنی تاریخ میں جو شیعہ کے معتمد علیہ ہے۔ رقمطراز ہے:

لَمَّا بَلَغَهَا بَيْعَةُ عَلَى اَمَرَتْ اَنْ يُعْمَلَ لَهَا هُوْدَجٌ مِنْ حَدِيْدٍ جُعِلَ فِيْهَا مَوْضَعُ الدُّخُوْلَ وَالْخُرُوْجِ فَخَرَجَتْ وَاَبْنَاءُ

الطَّلْحَةِ الزُّبَیْرَ مَعَهَا.

(جب حضرت عائشہ کو بیعت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اطلاع ملی۔ حکم دیا کہ آپ کے لیے ایک آہنی کجاوہ بنایا جائے اور اس میں داخل ہونے اور نکلنے کا راستہ بنایا جائے۔ پس آپ نکلیں جب طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کے فرزند آپ کے ہمراہ تھے)

اب بتلایئے! ایک اہم دینی ضرورت کے لیے اپنے محرموں کے ساتھ سفر کرنے پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ جب کہ پردہ کا بھی اس قدر اہتمام کیا جائے۔

غالباً شیعہ صاحبان اہل سنت پر ایسے اعتراض کرتے وقت اپنے گھر سے بے خبر ہوجاتے ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا گھر سے باہر نکل کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دست وگریباں ہوئیں۔

فَاَخَذَتْ بِتَلابِیْبِ عُمَرَ وَجَذَبَتْهَا اِلَیْهَا :

(جناب سیدہؓ نے عمرؓ کا گریبان پکڑ لیا اور اپنی طرف کھینچا)۔

کیا ایک پردہ نشین خاتون کو ایک نامحرم شخص سے یوں دست وگریباں ہونا جائز ہے؟ شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ جناب سیدہؓ نے باغ فدک کے لیے دربارِ خلافت میں اصالتاً جا کر دعویٰ کیا۔ یہ بھی شیعہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔ کہ غصب خلافت و دیگر حقوق پر جناب امیر علیہ السلام خاتون جنت کو سوار کر کے مہاجرین وانصار کے گھر پھرے کیا یہ باتیں جائز تھیں؟

دوسرا طعن : حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جناب امیرؓ سے بغاوت کی اور جنگ کی۔ حالانکہ خلیفہ سے بغاوت جائز نہیں اور جرم کبیرہ ہے۔

جواب: اسی قسم کا اعتراض جناب امیر علیہ السلام پر عائد ہوتا ہے کہ بحکم وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهَاتُهُمْ (رسول کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں)۔ جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں، آپ کو ان سے جنگ کرنا ہرگز جائز نہ تھا۔ قرآن میں ہے ولاتقل لهما اف (ماں باپ کو اُف تک بھی نہ کہو)

حقیقت یہ ہے کہ یہ جنگ وجدل طرفین کی کسی بدنیتی پر مبنی نہ تھا بلکہ ہر دو فریق کی اجتہادی غلطی تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے طرف دار حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص

لینے کے لیے ان کے قاتلین کو امیر علیہ السلام سے مانگتے تھے۔ جناب امیر علیہ السلام ان کے شر وفساد کے اندیشہ سے ان کو حوالہ نہ کر سکے۔ دوسری طرف سے سمجھا گیا کہ قتل عثمان رضی اللہ عنہ میں آپ کا بھی کچھ ہاتھ ہوگا، حالانکہ امیر علیہ السلام اس الزام سے پاک تھے، جس کا اظہار بار بار آپ بذریعہ خطوط وخطبات کرتے رہے۔ اسی طرح جناب امیر علیہ السلام اور ان کے معاونین نے خیال کیا کہ دوسرا فریق خلیفہ سے باغی ہو کر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ طرفین میں معرکہ کی جنگ ہوئی۔ بہت سے مسلمان شہید ہوئے۔ آخر کار صلح و صفائی ہوئی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے کیے پر پشیمان ہوئیں۔ جناب امیر علیہ السلام نے ان کو بڑی عزت وتکریم سے گھر پہنچایا اور دلی صفائی ہوگئی۔ اب اس بات پر طعن کرنا خود موردِ طعن بننا ہے۔ اعتراض ہر دو فریق پر یکساں عائد ہوتا ہے۔ فما هو جوابكم فهو جوابنا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مومنوں کی ماں ہیں۔ آپ کو ہی یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ کے حجرہ میں آپ کی گود میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا۔ آپ کی نسبت قرآن کریم میں آپ کی بریت کے متعلق آیات نازل ہوئی اور آپ کے قاذفین اور (طاعنین) کو عتاب ہوا۔ پھر جو لوگ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیقہ کی بدگوئی کرتے ہیں۔ وہ خدا اور رسول سے دشمنی رکھتے ہیں۔ اعاذنا الله منهم۔

تیسرا طعن: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روضہ مطہرہ میں اپنے باپ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دفن کرنے کی اجازت دی حالانکہ اس مکان کی آپ اکیلی مالک نہ تھیں۔ تمام ورثاء کا حق تھا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ازواج مطہرات کو الگ الگ مکان دے کر ان کو ان کا مالک کر دیا ہوا تھا۔ چنانچہ یہ حجرہ جو مدفنِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حجرہ تھا، جو ان کی ملکیت تھا اس لیے ان کو اختیار تھا کہ اپنے باپ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مزارات کی وہاں اجازت دیں۔ اگر عائشہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت نہ تھی تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے مزار کے لیے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کیوں اجازت طلب فرمائی (یہ روایت کتبِ شیعہ میں موجود ہے) قرآن سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حجرات ازواجِ مطہرات کی ملکیت تھے، جہاں وہ بستی تھیں،

قرآن میں وَقَرْنَ فِيْ بُيُوْتِكُنَّ (اور اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) غرض یہ اعتراض نہ تو جناب امیر علیہ السلام اور نہ دیگر ائمہ اہل بیت کو سوجھا۔ اب شیعہ ایسے بیہودہ اعتراضات اُٹھانے لگے ہیں۔ ہم تو یہی کہیں گے۔

کون سنتا ہے کہانی تیری او یار غلط
کیوں بغل میں لیے پھرتا ہے یہ طومار غلط

اب ہم حضرت امیر معاویہؓ کا ذکر کرتے ہیں، جن کو شیعہ صاحبان سخت مطعون کرتے ہیں

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

شیعہ صاحبان حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہت کوستے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے جناب امیر علیہ السلام سے جنگ کی، اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ یہ ناگوار واقعہ طرفین کی اجتہادی رائے کی وجہ سے ہوا۔ وہ باہم جدّی بھائی تھے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کاتب وحی بھی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سالے بھی تھے۔ آپ کی شان میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔ پھر اس ایک واقعہ سے جس کا خاتمہ صلح پر ہوا، آپ کو برا کہنا اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کرنا ہے۔ بھائیوں کے درمیان تنازعات ہوا کرتے ہیں اور صلح وصفائی بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن ایک اجنبی شخص کا حق نہیں ہے کہ اس تنازعہ کی وجہ سے ایک کو برا بھلا کہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام پر ان کے بھائیوں نے کس قدر مظالم توڑے اور تکلیف دی تھی۔ لیکن آخر یوسف علیہ السلام نے ان کی خطاء کو معاف کر دیا۔ باہم بغل گیر ہوئے۔ ایسا ہی یہ واقعہ ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے اس بارہ میں کیا فتویٰ دیا ہے؟ ان کو مسلمان اپنا بھائی قرار دیا ہے۔ یا کافر دمنافق اور ان کو لعن طعن کرنے کا حکم دیا ہے یا اس سے منع فرمایا ہے سو آپ نے جو ایک گشتی چٹھی بدست خاص تحریر فرما کر مختلف بلاد وامصار میں شائع کی تھی جو نہج البلاغت مطبوعہ طہران ص ۵۰۲ میں ہے، درجِ ذیل کی جاتی ہے جس سے امیر علیہ السلام کے خیالات کا پتہ چلتا ہے جو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کی نسبت بعد واقعہ جنگ تھے۔

وَمِنْ كِتَابٍ لَهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَتَبَهُ إِلَى أَهْلِ الْأَمْصَارِ الْقَوْمُ

يَقْتَصُّ بِهٖ مَا جَرٰى بَيْنَهٗ وَبَيْنَ اَهْلِ صِفِّيْنَ وَكَانَ بَدْءُ اَمْرِنَا اِنَّا الْتَقَيْنَا وَالْقَوْمَ مِنْ اَهْلِ الشَّامِ وَالظَّاهِرُ اَنَّ رَبَّنَا وَاحِدٌ وَدَعْوَتَنَا فِي الْاِسْلَامِ وَاحِدَةٌ وَلَا نَسْتَزِيْدُهُمْ فِي الْاِيْمَانِ بِاللّٰهِ وَالتَّصْدِيْقِ بِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَسْتَزِيْدُوْنَنَا الْاَمْرُ وَاحِدٌ اِلَّا مَا اخْتَلَفْنَا فِيْهِ مِنْ دَمِ عُثْمَانَ وَنَحْنُ مِنْهُ بُرَآءُ.

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک دستخطی چٹھی لکھ کر مختلف بلاد و امصار میں مشتہر فرمائی۔ اس میں جنگ صفین کا واقعہ درج تھا کہ ہمارے معاملہ کی ابتدا یوں ہے کہ ہماری اور اہل شام کی آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ہم دونوں فریق کا ایک خدا اور ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ہمارا اسلام میں بھی دعویٰ ایک رہا ہے۔ ہم ان سے دربارۂ اعتقادات توحید و رسالت کچھ زیادتی نہیں چاہتے اور نہ اس بارہ میں وہ ہم سے کچھ زیادتی کے طالب ہیں۔ بات ایک ہی ہے۔ اختلاف صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق تھا۔ حالانکہ ہم اس الزام سے بری ہیں۔"

حضرت امیر علیہ الرضوان کا یہ مکتوب امر متنازعہ کے متعلق ایک قاطع النزاع صریح فیصلہ ہے۔ آپ نے اس میں بالتصریح تحریر فرمایا کہ ہمارا اور اہل شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ) کا اسلام اور ایمان کے بارے میں کوئی جھگڑا نہیں ہوا۔ وہی خدا اور رسول اُن کا ہے جو ہمارا ہے اور اسلام بھی ہر ایک فریق کا ایک ہی ہے۔ اعتقادات میں بھی کوئی نزاع نہیں ہے۔ ہم ان کو توحید و رسالت میں کامل الایمان سمجھتے ہیں اور وہ ہم کو بھی ایسا ہی سمجھتے ہیں۔ ہمارا اور ان کا صرف یہ اختلاف تھا کہ انہوں نے اپنے خیال میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذمہ دار ہمیں قرار دیا حالانکہ ہم اس الزام سے بالکل بری الذمہ ہیں۔

بتلائیے ایسے صریح فیصلہ کے بعد حضرات شیعہ ہم سے کیا ثبوت چاہتے ہیں؟ جناب امیر رضی اللہ عنہ جن سے جنگ ہوئی وہ تو تمام اسلامی عقائد میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جیسا مسلمان سمجھتے ہیں۔ لیکن شیعہ صاحبان برخلاف فیصلہ جناب امیر کو کافر و منافق قرار دیتے

ہیں۔ اب ناظرین خود ہی انصاف کریں کہ قولِ امیر رضی اللہ عنہ کو معتبر سمجھا جائے یا شیعہ کو؟ ہر ایک منصف شخص اس مکتوب کے پڑھنے کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو ایسا ہی کامل الایمان سمجھے گا جیسا امیر علیہ الرضوان ان کو سمجھتے تھے۔ ہاں جن کے دلوں پر خدا نے مہر کردی ہے وہ مجبور ہیں۔

اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ معاذ اللہ فاسق ومنافق ہوتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہرگز ان کی بیعت نہ کرتے بلکہ تلوار اٹھا کر ان سے مقابلہ کرتے جیسا کہ بعد میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید لعین سے مقابلہ کیا۔ اہل انصاف کے لیے اس قدر بحث اس بارہ میں کافی ہے۔ ہاں ضد کا کوئی علاج ہی نہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل کے متعلق اخبار النجم [1] لکھنؤ مؤرخہ ۷ ؍ ستمبر ۱۹۳۴ء سے ایک مضمون ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو جمیع اصحاب رسول کی محبت وعقیدت عطا فرمائیں۔

سیّدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

حامداً ومصلیاً۔ ارباب بصیرت واہل فہم وفراست پر اظہر من الشمس ہے کہ ابتدائے آفرینش سے لے کر زمانِ نبوت محمدیہ تک جتنے بھی انبیاء کرام علیہم السلام اور اللہ رب العزت کی برگزیدہ ہستیاں دنیا کی ہدایت کے لیے تشریف لائیں، اور اپنے اپنے نورِ ہدایت سے عالم میں اجالا پھیلایا اور جیسا کہ حق تھا تشنگانِ ہدایت کو سیراب فرمایا اور طالبانِ فیض کو فیض پہنچایا۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بھٹکے ہوئے راستے سے صراطِ مستقیم پر آ گئے اور بھولے ہوؤں

---

[1] یہ اخبار بسر پرستی حضرت مولانا عبدالشکور صاحب اور ان کے صاحبزادگان کے زیر ادارت لکھنؤ سے شائع ہوتا ہے۔ جس کو اہل سنت والجماعت کا واحد آرگن کہنا چاہیے جو اہل تشیع کے درجنوں جرائد ورسائل کا اکیلا ڈٹ کر مقابلہ کر رہا ہے۔ اس کے علمی محققانہ مضامین قابل داد ہیں۔ ہر ایک ذی علم سنی مسلمان کے گھر میں ہونا چاہیے۔

نے منعم حقیقی کو پہچان لیا۔لیکن پھر بھی ان مقدس ہستیوں کو مطعون کیا گیا، جہاں تک ہوسکا ان کی ایذا رسانی کی گئی۔ اتہامات اور الزامات کا طومار ان پر باندھا گیا۔ ان کے پاک دامن کو گالم گلوچ اور سب وشتم سے ملوث کیا گیا ایسے ہی جتنے اولیاءِ کرام ومشائخ عظام آج تک پیدا ہوئے۔ان پر بھی طعن وتشنیع کا بازار گرم کیا گیا اور کتنے جلاوطن اور شہر بدر کر دیئے گئے اور کتنوں کو بے خانماں کیا گیا۔خود ہمارے آقا تاجدارِ مدینہ ﷺ کو ساحر کہا گیا۔ مفتری اور کذاب کے خطاب سے یاد کیا گیا۔حتی کہ مجنون اور پاگل بھی بنائے گئے وَاللّٰہُ عَزِیْزٌ ذُوْانْتِقَام اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ خود اللہ جل جلالہ پر بھی اعتراض کیا گیا۔ اسی سلسلہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مبارک ہستیاں ہیں کہ ایک گروہ نے ان کو بھی برا کہا، ان کی توہین اور ان پر تبرا اور سب وشتم کرنے کو اپنا دین سمجھا۔ حالانکہ صحابہ کرامؓ کو خداوند قدوس نے جو فضیلت بخشی اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے ان کی جو عزت کی اور تعریف فرمائی قرآنِ مجید اور احادیث صحیحہ میں اُس کے متعلق دفترِ کا دفتر موجود ہے مگر ایک گروہ جو اپنی دریدہ دہنی سے باز نہیں آتا برابر ان پر لعن وطعن کرتا رہتا ہے۔

اوروں سے ہمیں کیا شکوہ خود ہمارے یہاں بعض ایسے حضرات موجود ہیں جو بظاہر سنی حنفی اپنے کو کہتے ہیں لیکن درحقیقت ان کا مجازی شعار یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ فاسق وفاجر تھے۔نعوذ باللہ من ذلک۔ مجازی شعار میں نے اس وجہ سے کہا کہ اصل میں شعار اس کو کہتے ہیں جو کھلم کھلا ہو۔ مگر یہ طائفہ پہلے تو اہل بیت کی محبت اور بزرگانِ دین کی مؤدت ظاہر کرتا ہے۔ جب تمام لوگ اس کے دامِ پرفریب میں پھنس جاتے ہیں تب اس عقیدۂ باطلہ کا زہر لوگوں میں پھیلا کر قصرِ ایمان کو تباہ وبرباد کر دیا کرتا ہے۔العیاذ باللہ! ہمارے دیار میں بھی ایسے نام نہاد سنی حنفی جماعت کا وجود پیدا ہو چلا ہے اس لیے اس مسئلہ پر کچھ لکھنے کی جرأت ہوئی۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

حضرات! معلوم نہیں کس دل سے یہ لوگ بدزبانی کرتے ہیں۔قلم لرزتا ہے اور دل دہلتا ہے کہ وہ مقدس ہستیاں جن کی شان میں تمام امت کا اتفاق ہو، الصحابة کلھم عدول (یعنی اصحابِ رسول سب عادل ہیں) جن کے فضائل میں احادیث نبویہ کا خزانہ معمور ہوا اور قرآنِ کریم جن کے ایمان اور قوتِ ایمان پر شاہد عدل ہو، کیسے ان کی تفسیق کی جائے؟

خواہ کیسا ہی ادنیٰ درجہ کا صحابی کیوں نہ ہو۔ بالخصوص جب تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہو کہ کتنا ہی بڑا غوث قطب کیوں نہ ہو ایک ادنیٰ درجہ کے صحابی کے مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ جیسا کہ بزرگانِ دین کے مقالاتِ گرامی قدر سے ظاہر و باہر ہے۔

چنانچہ از غوث الثقلین قدس سرہٗ منقول است کہ اگر در رہ گزر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نشنیم و گرد سم اسپ برمن افتد باعث نجات می شناسم۔ (فتاویٰ امدادیہ، ص۱۲۳ جلد۴)

''غوث الثقلین (حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ) سے منقول ہے کہ اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے رہگزر میں بیٹھوں اور آپ کے گھوڑے کے سم کا غبار میرے اوپر پڑ جائے تو میں اس کو باعث نجات خیال کروں۔''

سبحان اللہ کیا جلالت شان ہے۔ اور سنیے:

امام ہمام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔ یا عمرو بن عبدالعزیز؟ (ان کی شان میں بس اتنا ہے کہ ان کو عمر ثانی کہا گیا) تو جواب دیا: **واللہ ان الغبار الذی دخل فی انف فرس معاویة مع رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل من عمرو الف مرة** (مفتی معاویہ من الفرقۃ الغاویہ، ص:۲۸) یعنی خدا کی قسم وہ غبار جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے گھوڑے کی ناک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گھسا ہے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ سے ہزار درجہ افضل ہے۔ اسی طرح بہت سے بزرگوں کے اقوال حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں منقول ہیں مگر منصف مزاج حضرات کے لیے انہیں دونوں بزرگوں کی شہادت کافی ہے۔ اب آیئے کتب فن رجال کی سیر بھی فرمایئے:

تقریب التہذیب میں ہے: **معاویة بن ابی سفیان خلیفة صحابی اسلم قبل الفتح و کتب الوحی.** (حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ خلیفہ صحابی ہیں۔ فتح مکہ سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور آپ نے وحی لکھی، ایک شاعر اسی کے متعلق کہتا ہے:

قَدْ کَانَ کَاتِبَ وَحْیِهٖ وَ اَمِیْنَهٗ

سَنَدُ الاَمَانَةِ حَاصِلٌ لِمُعَاوِیَةَ

یعنی حضرت معاویہ کاتب وحی تھے جس کی وجہ سے آپ کو امین ہونے کی سند حاصل

ہے کہ وحی جیسا مہتم بالشان کام آپ کے سپرد کیا گیا۔ علامہ صفی الدین اپنی کتاب خلاصہ میں تحریر فرماتے ہیں:

معاوية بن ابی سفيان بن صخر بن حرب الاموی ابو عبدالرحمن اسلم زمن الفتح له مائة وثلثون حديثا.

(امیر معاویہ فتح مکہ کے زمانہ میں اسلام لائے اور آپ سے ۱۳۰ حدیثیں روایت کی گئی ہیں۔)

تاریخ الخلفاء میں ہے کہ حضرت معاویہ نے نبی کریم ﷺ سے ۱۶۳ احادیث روایت کی ہیں اور آپ سے بہت سے صحابہ مثلاً ابن عباس، ابن عمر، ابن زبیر، ابوالدرداء، جریر البجلی، نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہم وغیرہم اور تابعین مثلاً ابن المسیب، حمید بن عبدالرحمن وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین نے روایت کی ہے۔ آپ ہوشیاری، دانائی اور بُردباری میں بہت زیادہ مشہور تھے۔ آپ کی فضیلت میں بہت زیادہ احادیث وارد ہیں۔ آپ کا حلم ضرب المثل تھا۔ چنانچہ ابن ابی الدنیا رضی اللہ عنہ اور ابوبکر بن ابی عاصم رضی اللہ عنہ نے تو آپ کے حلم پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ حضرت امیر معاویہ لمبے قد کے خوبصورت اور وجیہہ آدمی تھے۔ آپ کی طرف عمر رضی اللہ عنہ دیکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ یہ عرب کے کسریٰ ہیں۔ نیز حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا نہ سمجھو۔ جس وقت یہ تمہارے پاس سے اٹھ جائیں گے تو تم دیکھو گے کہ بہت سے سرتن سے جدا کیے جائیں گے۔ مقری کہتے ہیں کہ لوگوں پر تعجب ہے کہ کسریٰ اور ہرقل کا تو ذکر کرتے ہیں مگر امیر معاویہ کو بھول جاتے ہیں۔

(بیان الامراء ترجمہ تاریخ الخلفاء، ص: ۲۰۷، ۲۰۸)

حافظ شمس الدین ذہبی میزان الاعتدال میں ارقام فرماتے ہیں:

ولی الشام عشرين سنة وملك عشرين سنة وكان حليماً كريماً سائساً عاقلاً خليقاً للامارة كامل السُّود.

کہ حضرت امیر معاویہؓ بیس سال شام کے والی اور بیس سال مالک رہے اور حلیم وکریم تھے اور بہت مدبر و منتظم تھے۔ عقل مند تھے اور امیر ہونے کے لائق اور سرداری کے لیے کامل تھے۔

حضرات! امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بہت بڑے مجتہد تھے۔ اگر اُن کی شان فقاہت اور اجتہاد بھی ملاحظہ فرمانا ہو تو بخاری اور مشکوٰۃ ملاحظہ فرمائیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ وتر ایک رکعت پڑھتے ہیں تو ابن عباس نے فرمایا: اصاب انه فقیه کہ معاویہ صائب الرائے شخص ہیں اور فقیہ ہیں اور ایک اور روایت میں ہے:

دعه انه اصحب النبی صلی الله علیه وسلم.

(مشکوٰۃ، ص:۱۱٤)

یعنی معاویہ کو کچھ نہ کہو، وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ بخاری میں ہے:

عن حمید بن عبد الرحمٰن انه سمع معاویة بن ابی سفیان یوم عاشوراء عام حج علی المنبر یقول یا اهل المدینة این علماء کم سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول هذا یوم عاشوراء ولم یکتب الله علیکم صیامه وانا صائم فمن شاء فلیصم فمن شاء فلیفطر. (بخاری شریف جز۱، ص: ۲٦۸)

حمید بن عبدالرحمٰن نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو حج کے سال میں عاشورہ کے دن منبر پر کہتے ہوئے سنا کہ اے اہل مدینہ! کہاں ہیں تمہارے علماء؟ میں نے رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ یہ یومِ عاشورہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم پر اس کا روزہ فرض نہیں کیا البتہ میں روزہ دار ہوں۔ پس جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے۔

حضرات! اس طرح سے مجمع عام میں تمام علماء کو دعوت دے کر حکم شرعی بیان فرمانا مجتہد ہی کی شان ہے۔ ما و شما کا کام نہیں۔ پھر بھی باوجود اتنے فضائل و کمالات کے فسق کا فتویٰ دینا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بدگمانی کرنا کہ اہل بیت کے نعوذ باللہ آپ دشمن تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت حسن اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہم میں جو کچھ ہوا یا اور جتنے واقعات مابین صحابہ رضی اللہ عنہم اس قسم کے واقع ہوئے۔ وہ محض خطاءِ اجتہادی پر مبنی تھے اور ہر فرد اپنے آپ کو حق پر سمجھتا تھا نہ بغض و عناد کی وجہ سے بالخصوص جب تینوں حضرات میں صلح ہوگئی جیسا کہ تمہید شرح عقاید میں ہے:

لا یجوز اللعن علی المعاویة لان علیا صالح معه وفیه ان الحسن بن علی صالح معه ولو کان مستحقا للعن لکان لا یجوز الصلح معه. (الفرقة الغاویة، ص:۸ شرح عقاید، ص:۱۱۶)

یعنی حضرت معاویہؓ پر لعن جائز نہیں۔ کیونکہ حضرت علیؓ نے ان سے صلح کر لی تھی اور اسی حاشیہ میں ہے کہ حضرت حسنؓ نے بھی آپ سے مصالحت فرمالی تھی۔ اور اگر حضرت امیر معاویہؓ لعن کے مستحق ہوتے تو البتہ ان کے ساتھ صلح جائز نہ ہوتی۔ وفی الانوار لا یجوز الطعن فی المعاویة لانه من کبار الصحابة. (حوالہ بالا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں طعن جائز نہیں کیونکہ وہ کبار صحابہ میں سے ہیں۔ علامہ نووی شارح مسلم رقمطراز ہیں: وما معاویة فهو من العدول الفضلاء والصحابة والنجباء (نووی شرح مسلم، جلد۲، ص۲۷۲ وتتمہ مظاہر حق، ج:۴، ص:۸۲) یعنی حضرت امیر معاویہ فضلاء عادلین اور صحابہ اخیار میں سے ہیں۔ صاحب تاریخ الخلفاء چند واقعات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے چونکہ ارشاد فرمایا ہے کہ جب ہمارے اصحاب کا ذکر کیا جائے تو خاموش ہو جاؤ اس لیے مجال دم زدنی نہیں۔ (بیان الامراء ص:۱۸۵) بہر کیف اگر ذاتی عداوت ان باہمی لڑائیون کا سبب ہوتی تو صلح مشکل ہوتی۔ اس کے علاوہ بیہقی اور ابن عساکر نے ہشام کے والد سے روایت کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت حسنؓ کو ایک لاکھ سالانہ وظیفہ ملا کرتا تھا۔ (بیان الامراء، ص:۲۰۵) کیا کوئی خلیفہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی ایسا معاملہ کرتا ہے۔ حاشا وکلا ان کا آپس میں ذاتی عناد نہیں تھا اس لیے کسی پر بھی لعن جائز نہیں بلکہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے۔ جیسا کہ علامہ نووی اور علامہ نسفی تحریر فرماتے ہیں:

واما الحروب التی جرت بین الصحابة فکانت لکل طائفة شبهة اعتقدت تصریب انفسها وکلهم عدول ومتاولون فی حروبهم وغیرها ولم یخرج شیء من ذالک احدا من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل من

الدعاء وغيرها ولم يلزم من ذالک نقص احد منهم.

(نووی ج:۲، ص: ۲۷۲، مظاهر حق ج:۴، ص: ۸۲)

اور بہر حال وہ لڑائیاں جو مابین صحابہ واقع ہوئیں، پس ہر گروہ کے لیے شبہ تھا جس کے سبب سے ہر شخص نے اپنے کو حق پر سمجھا اور سب کے سب عادل ہیں اور اپنے حروب وغیرہ میں متاول ہیں اور ان اشیاء میں سے کوئی شے عدالت سے اُن کو نہیں نکالتی۔ اس واسطے کہ صحابہ مجتہد ہیں۔ مسائل میں اختلاف محل اجتہاد میں فرمایا ہے جیسا کہ ائمہ مجتہدین صحابہ کے بعد دعا وغیرہ کے مسائل میں مختلف ہوئے ہیں اور اس اختلاف سے ان میں سے کسی کا نقص نہیں لازم آتا۔ حضور سرورِ کائنات ﷺ امیر معاویہ کے متعلق فرماتے ہیں:

عن عبد الرحمن بن ابی عمیرة عن النبی ﷺ انه قال لمعاوية اللهم اجعله هادياً مهدياً واهد به رواه الترمذی

مشکوٰۃ شریف، ص: ۵۷۱.

ابو عمیرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کے لیے حضور اقدس ﷺ نے فرمایا ہے کہ اے اللہ معاویہ کو ہدایت کرنے والا اور ہدایت پانے والا بنا دے اور معاویہؓ کے ذریعے سے لوگوں کو ہدایت دے۔) اسی روایت کے تحت علامہ طیبی فرماتے ہیں

ولا ارتياب ان دعائه صلى الله عليه وسلم فمن كان هذا حالته كيف يرتاب فی حقه (حاشیہ حوالہ بالا) (یعنی اس بات میں شک نہیں ہے کہ جو دعا رسولِ اکرم ﷺ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرمائی وہ عند اللہ مقبول ہے۔ پس جس کی یہ حالت ہو کہ حضور اس کے حق میں دعا فرمائیں اور وہ مقبول بھی ہو تو اس کے حق میں کیونکر شک کیا جائے؟)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے نجی حالات:

صاحب مظاہر حق بھی اسی روایت کی شرح میں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ کاتب وحی تھے اور بعض نے کہا کہ کاتب وحی نہیں تھے۔ بلکہ حضور ﷺ کے خطوط نویس تھے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں شام کے حاکم ہوئے اور بیس سال تک حکومت کی اور اٹھہتر

سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ آپ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا تہبند اور چادر اور قمیص تھی اور کچھ حضور کے موئے مبارک اور ناخن تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی کہ آنحضرت ﷺ کی قمیص میں مجھ کو کفنانا اور چادر میں لپیٹنا اور تہبند باندھنا۔ اور میرے سجدہ کی جگہوں میں اور میرے حلق میں آنحضرت ﷺ کے موئے مبارک اور ناخن باندھ کر اور رکھ کر میرے اور ارحم الراحمین کے درمیان تخلیہ کر دینا۔ (تتمہ مظاہر حق، ج۴، ص:۱۹۹، ۲۰۰)

اور احمد نے مسند میں عرباض بن ساریہ سے روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ الٰہی معاویہ رضی اللہ عنہ کو حساب و کتاب سکھلا دے اور اپنے عذاب سے اُن کو بچا لے۔ نیز مصنف ابن ابی شیبہ میں اور طبرانی کبیر میں عبدالملک بن عمیر سے روایت کرتے ہیں کہ خود حضرت معاویہ نے کہا کہ مجھے خلافت کی اس وقت سے امید تھی جس وقت سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ معاویہ جب تو بادشاہ ہو جائے تو لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا۔ (بیان الامراء، ص: ۲۰۷، ۲۰۸)

چنانچہ لوگوں کے ساتھ وہ حتی الوسع عدل وانصاف کے ساتھ پیش آئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والا حضور ﷺ کے مبارک ارشاد لا تسبوا اصحابی (مسلم) اور حدیث اذا رأیتم الذین یسبون اصحابی فقولوا لعنة الله علی شرکم (ترمذی) کی وعید داخل ہے کہ جب تم ان کو دیکھو جو میرے اصحاب کو گالیاں دیتے ہیں۔ تو کہہ دو تمہارے شر پر خدا کی لعنت ہو۔ سبِّ صحابہ (گالی دینا) حرام ہے۔ جیسا کہ حضور اقدس ﷺ کی نہی سے ظاہر ہے اور علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:

> واعلم ان سب الصحابة حرام فواحش المحرمات سواء من لابس الفتن منهم وغيره لانهم مجتهدون في تلك والحرب متاولون.
>
> ''اور جان تو کہ حرام ہے صحابہ کو گالی دینا فواحش محرمات میں سے ہے۔ چاہے وہ صحابہ ہوں جو فتنہ میں ملابس ہوئے (جیسے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ) کیوں کہ وہ باہمی جنگوں میں مجتہد اور متاول ہیں۔''

وقال القاضي وسب احدهم من المعاصي الكبائر (اور قاضی نے فرمایا

کسی صحابی کو گالی دینا گناہ کبیرہ میں سے ہے۔) اچھا اگر کوئی بد طینت، بد بخت ایسا ہو جو نعوذ باللہ صحابہ کو گالیاں دے تو اس کا کیا حکم ہے؟ آگے فرماتے ہیں: مذهبنا ومذهب جمهور انه يعذر ولا يقتل وقال بعض المالكيه يقتل (نووی، ص: ۳۱۰) "اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ اس کی تعزیر دی جائے اور قتل نہ کیا جائے اور بعض مالکیہ نے فرمایا کہ قتل کیا جائے۔"

علماء کرام کے ارشادات مبارک ملاحظہ ہوں: ويكف عن ذكر الصحابة الا بخير (شرح عقاید، ص: ۱۱۶) یعنی "صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذکر سے روکا جائے مگر خیر کے ساتھ۔" اس عبارت کے حاشیہ پر محشی بحوالہ شرح فقہ اکبر تحریر فرماتے ہیں: ولذا ذهب جمهور العلماء الى ان الصحابة كلهم عدول قبل فتنة عثمان وعلى كذا بعدها. "اسی لیے جمہور علماء اس طرف گئے ہیں کہ تمام صحابہ عادل ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کے فتنہ سے پہلے اور ایسے ہی بعد فتنہ بھی۔" علامہ نسفی رحمہ اللہ بھی اسی متن کی شرح میں فرماتے ہیں: وبالجملة لم ينقل عن السلف المجتهدين والعلماء الصالحين جواز اللعن على معاوية واحزابه. (شرح عقائد، ص: ۱۱۶) "الحاصل سلف مجتہدین اور علماء صالحین سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے شرکاء پر جواز لعن منقول نہیں۔" لہٰذا اب محقق ہو گیا کہ علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فاسق کہنا یا اُن پر لعن طعن کو جائز قرار دینا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو محفوظ رکھے۔

چوالیسواں مسئلہ طینت

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ انسانوں کی سزا وجزا نیک وبد اعمال پر موقوف ہے:

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

یعنی "جو شخص ذرہ بھر نیکی کرے گا۔ اس کو دیکھ لے گا۔ اور جو شخص ذرہ بھر بدی کرے گا۔ وہ بھی اس کو دیکھ لے گا۔"

قرآن میں دوسری جگہ ہے:

﴿لَيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ۝ وَ اَنَّ سَعْيَهٗ سَوْفَ يُرٰى ۝﴾

یعنی "انسان کو اس کی سعی عمل کا ہی ثمرہ ملے گا۔ اور اس کی سعی کا نتیجہ قریب ہی مل جائے گا۔"

نیز قرآنِ کریم میں ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاكُمْ یعنی "خدا کے نزدیک فضیلت اسی شخص کی ہے جو متقی ہے۔" لیکن شیعوں کا عجیب و غریب عقیدہ ہے کہ ان کی پیدائش اس طینت (مٹی) سے ہے جس سے ائمہ کرام اور انبیاء پیدا ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ قطعی جنتی ہیں۔ خواہ کیسے ہی بد اعمال کیوں نہ ہوں اور کافروں اور سنیوں کی پیدائش دوزخ کی آگ سے ہے۔ اس لیے وہ یقیناً دوزخی ہیں۔ خواہ کتنے ہی نیک عمل کرتے رہیں۔

اصول کافی ص: ۳۵۸ میں باب طينة المومن والكافر میں اس کے متعلق بہت سی احادیث درج ہیں۔ ہم ان کا صرف محصل بیان کرتے ہیں۔ علی بن حسین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کے ابدان وقلوب علیین سے پیدا کیے ہیں اور مومنین یعنی شیعہ کے قلوب بھی اسی طینت سے پیدا کیے گئے ہیں۔ اور کفار کے ابدان وقلوب سجین سے پیدا کیے ہیں۔ دوسری حدیث میں امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ مومن کی طینت جنت سے ہے اور کافر کی طینت دوزخ سے ہے۔ اسی حدیث کی اخیر میں تصریح ہے: طِيْنَتُ النَّاصِبِ مِنْ حَمَاءٍ مَسْنُوْنٍ (ناصبی یعنی سنی کی طینت سڑے گارے سے ہے) یعنی دوزخ کی آگ سے ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ صالح بن سہل نے امام جعفر صادق سے پوچھا کہ میں قربان جاؤں۔ خدا نے مومن کو کس طینت سے پیدا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انبیاء کی طینت سے۔ پس یہ کبھی پلید نہیں ہوتا۔ (ظاہر ہے کہ شیعہ کی اصطلاح میں مومن سے مراد شیعہ ہی ہوتا ہے۔) جب ان احادیث سے ثابت ہوا کہ شیعوں کی طینت انبیاء کی طرح جنت سے ہے۔ اور اس وجہ سے ان کا نجس ہونا بالکل محال ہے۔ تو اس کا صاف نتیجہ یہی ہے کہ شیعہ ہر چند بد اعمالیاں کرتے رہیں۔ جنت اُن کی میراث ہے۔

کتاب مذکور کے ص ۴۵۹ پر ایک اور حدیث درج ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق سے کہا کہ حضور میں آپ کا غلام عبداللہ بن کیسان ہوں۔ آپ نے فرمایا میں آپ کے نسب سے تو واقف ہوں۔ لیکن تجھے نہیں پہچانتا۔ اُس نے کہا میری پیدائش تو پہاڑ میں ہوئی ہے لیکن پرورش ملک فارس میں ہوئی ہے میں اکثر تجار لوگوں سے ملتا رہا ہوں۔ بعض ایسے شخص ملا کرتے ہیں کہ ان کے اخلاق وعادات اچھے ہوتے ہیں اور وہ بڑے امین ہوتے ہیں۔ جب ان کی تفتیش کی جاتی ہے تو ان کے دلوں میں آپ سے عداوت ہوتی ہے، اور بعض اشخاص ایسے ہوتے ہیں۔ جو بڑے بد اخلاق اور خائن ہوتے ہیں۔ لیکن وہ آپ کے محب ہوتے ہیں۔ آپ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک طینت جنت سے کی اور دوسری دوزخ سے۔ پھر ان دونوں طینتوں کو آپس میں ملا دیا۔ تو ہمارے دشمنوں میں جو حسن خلق اور کثرت امانت پائی جاتی ہے وہ اس جنت کی طینت کی ملاوٹ کی وجہ سے ہوتی ہے اور ہمارے شیعوں میں جو بد اخلاقی اور بد دیانتی پائی جاتی ہے، وہ دوزخ کی طینت کی ملاوٹ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ لیکن انجام کار اوّل الذکر کا حشر دوزخ میں اور مؤخر الذکر کا جنت میں ہوتا ہے۔

تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جنت اور دوزخ کی ہر دو طینتوں کو ملا دینے کی کیا ضرورت پیش آئی۔ دھوکہ سے ایسا ہو گیا یا دانستہ ایسا کیا گیا۔ ایسا تو کوئی معمولی کاریگر بھی نہیں کر سکتا کہ اچھی اور بری جنس کو باہم ملا کر اپنی مصنوعات کی قدر و منزلت گنوا دے۔ (یا للعجب!)

نوٹ: ہم نے احادیث مندرجہ اصول کافی کا ملخص لکھا ہے جو شخص پوری حدیث دیکھنا چاہے کتاب مذکور سے دیکھ لے۔ جلاء العیون (اُردو) جلد اوّل ص ۱۸۴ میں ہے۔ بسند معتبر جناب امام محمد باقر سے روایت ہے کہ جناب رسولِ خدا ﷺ نے علی ابن ابی طالب سے کہا۔ یا علی رضی اللہ عنہ چاہتے ہو تم کو میں بشارت دوں۔ جناب امیر نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا ہم اور تم ایک طینت سے مخلوق ہوئے۔ اور ہماری زیادتی طینت سے ہمارے شیعہ پیدا ہوئے۔ جب قیامت ہوگی۔ لوگوں کو ان کی ماں کے نام سے پکاریں گے۔ مگر تمہارے شیعوں کو ان کے باپ کے نام سے طلب کریں گے۔

اس لیے کہ حلال [1] زادہ ہیں۔

جائے غور ہے کہ حسب اعتقاد شیعہ یہ تمام بھنگی، چرسی، شرابی، ڈوم، میراثی، قلندر، کنجر، جو اکثر شیعہ کہلاتے ہیں۔ بمنطوق احادیث مندرجہ اصول کافی چونکہ ان کی پیدائش طینت انبیاء کی زیادتی سے ہے۔ اس لیے قطعی جنتی ہیں اور حسب روایت مندرجہ جلاء العیون یہی لوگ حلال زادہ ہیں۔ اور تمام بزرگانِ دین اہل سنت والجماعت واولیاء کرام ومشائخ عظام وغوث وقطب وابدال معاذ اللہ دوزخی اور غیر صحیح النسب ہیں۔ ایسے اقوال یہودی بے ایمان عبداللہ بن سبا نے خود گھڑ کر ائمہ پاک سے منسوب کر دیئے ہیں۔ تاکہ شیعہ لوگ اس بات سے غرہ ہو کر کہ جنت ان کے لیے واجب ہوگئی ہے، تمام بداعمالیاں شراب نوشی، زنا کاری، چوری، رہزنی کرتے رہا کریں۔ ان کی کوئی پرسش نہ ہوگی۔ شیعو غور کرو اور پھر غور کرو۔

پینتالیسواں مسئلہ رجعت

شیعہ کا ایک یہ بھی عجیب وغریب اعتقاد ہے۔ کہ جب امام مہدی کا ظہور ہوگا اور حکومت کی تلوار ان کے ہاتھ میں ہوگی۔ وہ پہلا کام یہ کریں گے کہ مدینہ منورہ میں جا کر دریافت کریں گے کہ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ عنہم کے تابعین اور حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کہاں کہاں مدفون ہیں؟ جب لوگ ان کی قبروں کا نشان دیں گے تو وہ ان سب کو کھینچ کر زندہ کر

---

[1] اور فروع کافی کتاب الروضہ ص ۱۳۵ میں لکھا ہے: عن ابی جعفر علیه السلام قال قلت له ان بعض اصحابنا یفترون ویفتانون من خالفهم فقال انکم عنهم قال والله یا با حمزة ان الناس کلهم اولاد بغایا ما خلا شیعتنا یعنی ابوحمزہ نے امام علیہ السلام سے کہا کہ یا حضرت! بعض آدمی ہمارے مخالفین پر افترا کرتے ہیں۔ اور ان پر حرامی ہونے کی تہمت لگاتے ہیں۔ اس پر امام صاحب نے فرمایا کہ ان کو نہ چھیڑنا اچھا ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ اے ابوحمزہ! خدا کی قسم ہمارے شیعوں کے سوا تمام لوگ حرامی (ولد الزنا) ہیں العیاذ باللہ۔ علمائے شیعہ کا یہ استدلال اگر خدانخواستہ صحیح ہو تو پھر جو سنی المذہب شیعہ ہو جائے تو اس کے حلال زادہ اور جنتی ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ (احقر مظہر حسین غفرلہ)

لیں گے۔ اور حضرت علی، حسنینؓ اور ان کی ذریت اور شیعوں کو بھی زندہ کر لیں گے اور ان کے روبرو اصحاب و ازواج رسول ﷺ اور ان کے اتباع کو طرح طرح کی اذیت پہنچا کر پھر ان کو مار دیں گے اور ان کی لاشوں کو درختوں سے لٹکا دیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وحسنین رضی اللہ عنہما ان کی ذرّیت اور شیعہ یہ انتقامی منظر دیکھ کر باغ باغ ہو جائیں گے۔ اس مسئلہ کے متعلق ملا باقر مجلسی نے ایک رسالہ ''رجعت'' لکھا ہے۔

ہم پوچھتے ہیں کہ جب علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ باوجود اسد اللہ الغالب ہونے کے ان حضرات پر غالب نہ ہو سکے اور اپنی تمام عمر اُن سے ڈر کر تقیہ میں گزار دی۔ اُن کی گردن میں رسا ڈال کر کھینچا گیا۔ معاذ اللہ خاتون جنت کے بطن مبارک پر ضرب لگا کر محسن کو شہید کیا گیا۔ دیکھو (جلاء العیون، ص: ۱۵۲) اور اُن کی زندگی میں ہی نہیں بلکہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کے دل پر ایسا رعب طاری رہا کہ ان کے خلاف کوئی عمل بھی کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ نہ ورثاء فاطمہ رضی اللہ عنہا پر ردّ فدک کر سکے اور نہ نماز تراویح کو موقوف کرنے کی ہمت ہوئی۔ نہ متعہ جیسے کارِ ثواب کو رواج دے سکے، تو اب آپ کے پوتے امام مہدی جنہوں نے اپنی تمام عمر سنی ملوک وسلاطین سے ڈر کر غار سرمن رای میں محبوس رہ کر گزاری اور غار سے قدم باہر نہ نکالا۔ اب ان میں ایسی جرأت کہاں سے آ جائے گی کہ ان بہادرانِ اسلام خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو یوں اذیتیں پہنچا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ وحسنین رضی اللہ عنہما اور ان کے شیعوں کا دل ٹھنڈا کریں گے۔ اِنْ ھٰذَا اِلَّا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ۔ اب مطاعن کی بحث ختم ہو چکی۔ فضائل صحابہ کرام کا قرآنِ کریم اقوال ائمہ اہل بیت بحوالہ کتب معتبرہ شیعہ دیا جا چکا۔ شیعہ کے عجیب وغریب حیرت انگیز مسائل بھی بیان ہو چکے۔ جن کو پڑھ کر ناظرین حیران ہوں گے کہ اس عجیب وغریب مذہب کی آخر ابتداء کس طرح ہوئی؟ اس لیے اب اس کے متعلق بھی کچھ تذکرہ کر دیا جاتا ہے تاکہ ناظرین کی یہ حیرت رفع ہو جائے۔ کتب تاریخ میں تصریح ہے کہ اس مذہب کا موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے۔

عبداللہ بن سبا

یہ شخص ملک یمن (صنعان) کا باشندہ تھا۔ یہودی تھا۔ بعدہٗ بظاہر اسلام لایا لیکن اندر سے اسلام کا سخت دشمن تھا۔ یہ تخریب اسلام کی جدوجہد میں سرگرم تھا اور اسلام لانے کی غرض ہی یہ تھی کہ دوستوں کے بھیس میں دشمنی کرے۔ تاریخ طبری میں اس کا یوں حال لکھا ہے۔

عبداللہ ۲۵ھ میں مسلمان ہوا تا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کی کچھ عزت کریں۔ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کچھ بھی اس کے حال پر توجہ نہ کی۔ اس لیے وہ بدنصیب ازلی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی غائبانہ برائیاں بیان کرتا تھا۔ اُس نے مذہب رجعت کا ایجاد کیا۔
(ملخص ترجمہ تاریخ طبری باب اوّل)

شیعہ کی مستند کتاب "اطواق الحمایۃ" بحث امامت پر سوید بن غفلہ سے یہ روایت درج ہے:

اِنَّهٗ قَالَ مَرَرْتُ لِقَوْمٍ يَنْقِصُوْنَ اَبَا بَكْرٍ وَّعُمَرَ فَاَخْبَرْتُ عَلِيًّا وَقُلْتُ لَوْلَا اَنَّهُمْ يَرَوْنَ اِنَّكَ تُضْمِرُ مَا اَعْلَنُوْا مَاجْتَرَءُوْا عَلٰى ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنِ سَبَا هُوَ كَانَ اَوَّلَ مَنْ اَظْهَرَ ذَالِكَ فَقَالَ عَلِيٌّ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ ثُمَّ نَهَضَ وَاَخَذَ بِيَدِىْ وَاَدْخَلَنِى الْمَسْجِدَ فَصَعِدَ الْمِنْبَرَ ثُمَّ قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ وَجَعَلَ يَنْظُرُ لِلْبُقَاعِ حَتّٰى اجْتَمَعَ النَّاسُ ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ مَا بَالُ قَوْمٍ يَّذْكُرُوْنَ اَخَوَا رَسُوْلِ اللّٰهِ وَوَزِيْرَيْهِ وَصَاحِبَيْهِ وَسَيِّدِىْ قُرَيْشٍ وَاَبَوِى الْمُسْلِمِيْنَ وَاَنَا بَرِىٌّ مِمَّا يَذْكُرُوْنَ اَعَاقِبُهُمْ صَحِبَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ بِالْجِدِّ وَالْوَفَاءِ وَالْجِدِّ فِىْ اَمْرِ اللّٰهِ يَأْمُرَانِ وَيَنْهِيَانِ وَيَقْضِيَانِ وَيُعَاقِبَانِ لَا يَرٰى رَسُوْلُ صلعم كَرَائِهُمَا رَأْيًا وَيُعَاقِبَانِ لَا يَرٰى عَزْمَهُمَا فِىْ اَمْرِ اللّٰهِ فَقُبِضَ وَهُوَ عَنْهُمَا

رَاضٍ وَالْمُسْلِمُوْنَ رَاضُوْنَ لَمَّا تَجَاوَزَا اَنِّیْ فِیْ اَمْرِهِمَا وَسِیْرَتِهِمَا رَاٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم وَاَمْرَهٗ فِیْ حَیَاتِهٖ وَبَعْدَ مَوْتِهٖ فَقُبِضَا عَلٰی ذٰلِکَ رَحِمَهُمَا اللّٰهُ فَوَالَّذِیْ خَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَاءَ النَّسَمَةَ لَا یُحِبُّهُمْ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاضِلٌ وَلَا یُبْغِضُهُمَا الْاَشْقِیُّ مَارِقٌ حُبُّهُمَا قُرْبَةٌ وَبُغْضُهَا مُسْرُوْقٌ.

راوی کہتا ہے۔ میں ایک گروہ کو ملا جو شیخین رضی اللہ عنہما کی تنقیص شان کرتے تھے میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی اور آ کر کہا کہ اگر تم خفیہ طور سے ان لوگوں سے متفق نہ ہو تو ان کو ایسا کرنے کی جرأت نہ ہو۔ عبداللہ بن سبا پہلا شخص ہے جس نے اپنا خبث باطن ظاہر کیا۔ حضرت علی نے کہا میں ان لوگوں سے پناہ مانگتا ہوں۔ خدا شیخین پر رحمت کرے۔ پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر مسجد میں داخل کیا خود منبر پر چڑھے۔ پھر اپنی ریش مبارک مٹھی میں پکڑ لی اور وہ سفید تھی۔ آپ کے آنسو بہہ کر ڈاڑھی پر گرنے لگے۔ آپ مسجد کے مکانات دیکھنے لگے حتی کہ لوگ جمع ہو گئے۔ پھر خطبہ شروع کیا۔

کیا حال ہے اس گروہ کا جو رسول اللہ ﷺ کے بھائیوں آپ کے دو وزیروں، آپ کے دو یاروں، قریش کے دو سرداروں، مسلمانوں کے دو باپوں کا اہانت سے ذکر کرتے ہیں۔ میں اُن کی اس جرأت سے بیزار ہوں اور میں اُنہیں اس بات پر سزا دوں گا۔ رسولِ خدا ﷺ کے دو اصحاب تھے جو جدوجہد اور وفاداری سے احکامِ الٰہی کی تبلیغ کرتے تھے۔ امر و نہی کرتے اور فصل خصومات کرتے اور مجرموں کو سزا دیتے تھے۔ رسولِ خدا ﷺ ان کی رائے کے برابر کسی کی رائے نہ سمجھتے تھے اور ان کی محبت کے برابر کسی کی محبت تصور نہ فرماتے تھے۔ کیونکہ آپ نے ان کو کارِ خدا میں مستعد و مضبوط پایا۔ آپ ﷺ ان سے راضی ہو گئے اور تمام مسلمان ان سے راضی ہوئے۔ انہوں نے اپنے کام و دستور میں حضور کی مرضی مبارک سے آپ کی زندگی میں تجاوز نہ کیا اور آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی پوری اتباع کی۔ اسی

بات پر دونوں کی وفات ہوئی۔ خدا کی ان دونوں پر رحمت ہو جیو۔ مجھے اس خدا کی قسم ہے جس نے دانہ کو چیرا اور زوج کو پیدا کیا۔ ان کا دوست مومن کامل ہے اور اُن کا دشمن بدنصیب خارج از اسلام ہے۔ ان کی محبت باعث قرب الٰہی ہے اور ان کی عداوت موجب زوال ایمان۔‘‘

اسی کتاب میں دوسری جگہ یوں لکھا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا:

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَضْمَرَ لَهُمَا اِلَّا الْحَسَنَ الْجَمِيْلَ وَسَيَرٰى ذٰلِكَ اِنْ شَاءَ اللّٰهِ ثُمَّ اَرْسَلَ اِلَى ابْنَ سَبَا فَسَيَّرَهٗ الْمَدَائِنِ وَقَالَ لَا تُسَاكِنُ فِىْ بَلْدَةٍ اَحَدًا.

خدا اس کو لعنت کرے جو ان کی نسبت سوائے خیر و خوبی کے اپنے دل میں رکھتا ہے اور اس کا ثمرہ دیکھ لے گا۔ پھر آپ نے ابن سبا کی طرف حکم بھیج کر اس کو مدائن کی طرف نکال دیا۔ اور حکم نافذ فرمایا کہ یہ کسی ایک بستی میں اقامت نہ کرنے پائے۔

ان روایات سے ثابت ہوا کہ بغض، عداوتِ اصحاب کا بیج اس یہودی عبداللہ بن سبا کا بویا ہوا ہے۔ اس نے اپنے ہم خیال آدمی پیدا کر لیے تھے اور ان کو کہتا تھا کہ امیر علیہ السلام کا حقیقتاً مذہب یہی ہے۔ بظاہر تقیہ کر کے ان کی مدح سرائی کرتے ہیں۔ چنانچہ اس امر کی شکایت امیر علیہ الرضوان تک پہنچی تو آپ لاحول پڑھنے لگے اور مسجد میں عام مجمع کے سامنے برسرِ منبر ایک فصیح خطبہ پڑھ کر فضائل شیخین کا اعتراف فرمایا کہ رسول کے بھائی، راست بازو یارانِ غار، سرداران قریش جملہ مسلمانوں کے روحانی باپ تھے۔ ان کے دشمنوں سے سخت بیزار اور انہیں سزا دینے پر تیار ہوں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شیخین نے رسول خدا کا پورے طور پر حق صحبت ادا کیا۔ اور تبلیغ احکامِ الٰہی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا۔ حضور ان کی رائے کو ہر حالت میں ترجیح دیتے تھے اور ان سے سب سے بڑھ کر محبت و پیار فرماتے تھے۔ حضور ﷺ اُن سے راضی و خوشنود ہو کر فوت ہوئے اور کافۃ المسلمین اُن کے کارناموں پر خوش و خرم رہے۔ انہوں نے رسول پاک کی زندگی میں اور بعد وفات پورے طور اتباع کی۔ اور سرمُو سیرت الرسول ﷺ سے

تجاوز نہ کیا۔ حتی کہ اس پر ان کی وفات ہوگئی۔ جناب امیر علیہ السلام نے اپنے اس بلیغ خطبہ میں بالآخر حلفیہ طور پر فرمایا کہ جو شیخین سے محبت رکھے وہی مومن کامل ہے۔ جو بدنصیب ان سے بغض وعناد رکھے وہ خارج از اسلام ہے۔

کیا شیعہ صاحبان جناب امیر علیہ السلام کے صریح فیصلہ پر صاد کریں گے یا اس کو بھی تقیہ نا مرضیہ پر محمول کریں گے؟

دوسری روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نے اس نابکار ابن سبا کو اس جرم پر کہ وہ لوگوں کو شیخین کی بدگوئی کی تعلیم دیتا تھا۔ ملک بدر فرمادیا اور اس کے لیے یہ سزا تجویز کی کہ وہ مردود کسی ایک بستی میں رہنے نہ پائے تاکہ اپنا شر پھیلا سکے بلکہ ہمیشہ در بدر مارا پھرے۔

ایک اور روایت کتب شیعہ سے لکھی جاتی ہے جس سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اس مذہب کا بانی درحقیقت وہی ابن سبا ہے چنانچہ ایک شیعہ مجتہد استر آبادی اپنی تصنیف ''منہج المقال'' میں لکھتا ہے:

فَانْظُرُوْا اِلٰی عِبَارَۃِ الْکَشِیّ ذَکَرَ بَعْضُ اَھْلِ الْعِلْمِ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ ابْنِ سَبَا کَانَ یَھُوْدِیًّا وَاَسْلَمَ وَوَالِی عَلِیًّا وَکَانَ یَقُوْلُ وَھُوَ عَلٰی یَھُوْدِیَّتِہٖ فِیْ یُوْشَعُ وَصِیّ بِالْغَلُوِّ فَقَالَ بَعْدَ اِسْلَامِہٖ بَعْدَ وَفَاتِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ عَلِیٍّ مِثْلَ ذَالِکَ فَکَانَ مَنْ اَشْھَرَ بِالْقَوْلِ بِفَرْضِ اِمَامَۃِ عَلِیٍّ عَلَیْہِ السَّلَامُ الْجَرَاءَۃَ مِنْ اَعْدَائِہٖ وَکَاشَفَ مُخَالِفِیْہِ وَاَکْفَرَھُمْ فَمِنْ ھٰھُنَا قَالَ مَنْ خَالَفَ الشِّیْعَۃَ اَھْلُ التَّشِیْعِ وَالرِّفْضِ مِنَ الْیَھُوْدِیَّۃِ.

(رجال کشی، ص:۷۱)

''عبارت کشی دیکھو۔ بعض اہل علم نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن سبا یہودی تھا۔ اسلام لایا اور علی رضی اللہ عنہ کا محب بنا۔ وہ اپنے یہودیت کے زمانہ میں یوشع وصی موسیٰ کی نسبت غلو کرتا تھا۔ پھر اسلام کے بعد رسول خدا کے فوت ہوجانے پر علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ایسا خیال رکھتا تھا۔ اور پہلا شخص ہے جس نے فرضیت

امام علی کا اعلان کیا اور ان کے اعداء سے تبرا کیا۔ علی رضی اللہ عنہ کی مخالفین کو برا کہتا اور ان کو کافر قرار دیتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مخالفین شیعہ کہتے ہیں کہ تشیع اور رفض کی اصل بناء یہودیت پر ہے۔

اس روایت نے جو فاضل مصنف منہج المقال نے بحوالہ رجال کشی بیان کی ہے۔ سارا بھانڈا ہی پھوڑ دیا کہ عبداللہ بن سبا ایک غالی شیعہ تھا۔ یہودیت کے وقت یوشع خلیفہ موسیٰ کی نسبت غالیانہ اعتقاد رکھتا تھا۔ اسلام کے بعد وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت ایسا غلو کرنے لگا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ امامت علی رضی اللہ عنہ (خلافت بلا فصل) کی فرضیت کا پہلا اعلان عبداللہ بن سبا کی طرف سے ہوا۔ اور لعنت تبرا کی سنت کا بھی وہی امام ہے۔ اس بات کا اعتراف ہے کہ انہی وجوہات سے شیعہ کے مخالفین (اہل سنت) کہتے ہیں کہ تشیع و رفض کا بانی و موجد عبداللہ بن سبا یہودی ہے اور رفض و تشیع یہودیت کی شاخ ہے۔ مبارک! مبارک!! ❶

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے

حضرات شیعہ کو جب کہا جائے کہ مذہب پاک شیعہ کا موجد عبداللہ یہودی ہے تو وہ سخت گھبرا کر برا بھلا کہنے لگتے ہیں۔ ان حضرات کو بات بالا پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا چاہیے۔ بہر حال بقول شخصے ع

---

❶ ابن سبا کا یہ بھی عقیدہ تھا کہ حضرت علی قتل نہیں ہوئے آسمان پر زندہ موجود ہیں۔ قرب قیامت میں واپس تشریف لائیں گے۔ بلکہ اس نے متبعین میں یہ عقیدہ بھی پھیلا دیا تھا کہ حضرت علی میں جزء الٰہی پائی جاتی ہے اور وہ معبود برحق ہیں۔ فَاعْلَمُوْا اَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْاِلٰهُ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ علامہ تقریزی نے خطوط و آثار میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے اس قسم کے غالیوں کو آگ میں جلا دیا تھا اور غضب ہے۔ آگ میں یہ نعرہ لگاتے ہوئے بخوشی داخل ہو جاتے تھے لَا يُعَذِّبُ بِالنَّارِ اِلَّا رَبُّ النَّارِ (یعنی آگ کا عذاب سوائے خدا کے اور کوئی نہیں دیتا) اور بخاری شریف میں حضرت عکرمہ سے مروی ہے اُتِيَ عَلِيٌّ بِزَنَادِقَةٍ فَاَحْرَقَهُمْ (یعنی زندیق لوگ حضرت علی کے پاس لائے گئے اور آپ نے ان کو جلا دیا) منقول از النجم۔ جمادی الآخر ۱۳۴۱ھ۔ (احقر مظہر حسین غفرلہٗ)

ساتھ انکار کے پردہ میں کچھ اقرار بھی ہے

شیعہ حضرات لاکھ چھپائیں۔ حق برزبان جاری اس امر کا انہیں اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ بیشک عبداللہ بن سبا یہودی نے موالات علی کے بھیس میں حضرات شیخین سے بغض وعناد کی تعلیم خفیہ وعلانیہ دی۔ جلا وطنی کی سزا بھی پائی۔ جناب امیر علیہ السلام نے برسر منبر اس کو اور اس کی ذریت کو پھٹکار بھی کی۔ لیکن جو شرارت کا تخم بو چکا۔ اُس نے آخر بار آور ہونا تھا۔ پہلے تقیہ کی صورت میں مریدانِ ابن سباء سبّ صحابہ کرتے رہے۔ اب اعلانیہ ہونے لگی۔ اعاذنا اللہ منہ

شیعہ کے مختلف فرقے

چونکہ بانی مذہب شیعہ عبداللہ بن سبا کی اصل غرض تخریب اسلام اور مسلمانوں میں نا اتفاقی پیدا کرنی تھی۔ اُس نے اپنے زمانۂ جلا وطنی میں مختلف بلاد میں مختلف قسم کی تعلیم دی۔ بعض کو یہ کہا کہ علی خدا ہیں انسان کی شکل میں دنیا میں آئے۔ بعض کو کہا کہ وہ نبی ہیں۔ وحی ان کے پاس آنی تھی لیکن غلطی سے جبرئیل محمد کے پاس لے گیا تھا۔ بعض کو کہا کہ وصی نبی ہیں اور خلیفہ بلافصل۔ اس تعلیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ شیعہ کے بے تعداد فرقے پیدا ہوگئے ان کی تفصیل تحفہ اثنا عشریہ و دیگر کتب مبسوط میں موجود ہے۔ لیکن ہم نے چونکہ اسی قدر بیان کرنا ہے جس کا ثبوت کتب شیعہ میں موجود ہو۔ اس لیے ہم کل فرقہ جات کی تشریح کرنا ضروری نہیں سمجھتے کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ ایسے بھی شیعہ ہیں کہ جو جناب امیر علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہیں۔ بعض ان کی نبوت کے معتقد ہیں۔ اور وہ زیادہ ہیں جو ان کو وصی نبی اور خلیفہ بلافصل مانتے ہوئے ان کی تعریف میں غلو کرتے ہیں کہ رسول پاک ﷺ سے بھی ان کو زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔ بلکہ خدائی صفات سے اُن کو متصف گردانتے ہیں۔

حق الیقین اُردو ص ۳۷۰ میں ہے کہ ان بزرگوں کے غرائب احوال ومحاسن صفات اور حالات غیب کی خبر دینے اور تمام معجزوں کے سبب جو کہ ان کے سبب مشاہدہ کرتے تھے۔ غالیوں میں سے بعضوں کو ان کی پیغمبری کا اور بعضوں کو ان کی خدائی کا اعتقاد ہے۔

اسی کتاب کے ص ۱۶ میں ہے۔ بعض غالیوں کا یہ اعتقاد ہے کہ حق تعالیٰ نے ائمہ ہدیٰ کو پیدا کر کے خلقت عالم کو ان بزرگواروں پر چھوڑ دیا۔ پھر اسی کتاب کے ص ۱۹ میں لکھا ہے۔ بعض غالیانِ شیعہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے حضرت رسولِ خدا ﷺ اور ائمہ ہدیٰ میں حلول کیا ہے یا ان کے ساتھ متحد ہوا ہے یا ان کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔

نیز حق الیقین ص ۷۸ میں ہے۔ بعض غالیوں کا یہ قول ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام حضرت رسول ﷺ سے افضل تھے۔"

حق الیقین کی ان روایات سے ثابت ہوا کہ شیعہ میں ایسا فرقہ بھی موجود ہے جو جناب امیر علیہ السلام کو پیغمبر بلکہ خدا مانتے ہیں ایک فرقہ کا اعتقاد ہے کہ امیر علیہ السلام بلکہ تمام اہل بیت مخلوق خدا کے جملہ امور کے کفیل ہیں۔ رزق دینا، نفع ونقصان پہنچانا، موت وحیات سب ان کے اختیار میں ہے۔ خدا نے صرف ان کو پیدا کیا ہے پھر معطل ہو گیا اور خدائی کے کُل اختیارات ائمہ اہل بیت کو مل گئے۔ ایک فرقہ اس امر کا معتقد ہے کہ خدا نے رسول اور حضرت علی اور ائمہ اہل بیت میں حلول کیا ہے اور ان سے متحد ہو گیا ہے یا ان کی شکل میں ظاہر ہوا ہے۔ ایک فرقہ کا یہ بھی عقیدہ ہے کہ جناب امیر حضرت رسول سے افضل ہیں۔ حق الیقین میں تصریح ہے کہ یہ سب شیعانِ علی رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کے اور دیگر ائمہ ہدیٰ کے معجزات اور صفات قدرت اور علم غیب کے مشاہدات کی وجہ سے ان کی الوہیت کے قائل ہوئے ہیں۔ بقول شخصے ع

اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

یہ ساری مہربانی یہودی، یمنی صنعانی (ابن سبا) کی ہے جس نے اس نئے نرالے مذہب کی ایجاد کر کے اپنی تاثیر صحبت اور تعلیم ظاہری اور باطنی سے اپنے متبعین (شیعہ) میں یہ سپرٹ پیدا کی۔

اور سچ پوچھو تو بعض نہیں بلکہ تمام شیعہ جناب امیر علیہ السلام اور ائمہ اہل بیت کو اگر خدا نہیں تو شریک خدا ضرور مانتے ہیں۔ کیونکہ کافی کلینی میں ایسی احادیث موجود ہیں کہ ائمہ ہدیٰ علم ما کان وما یکون رکھتے ہیں۔ مرنا جینا ان کے اختیار میں ہے، چاہے مریں چاہے زندہ رہیں۔ آسمان وزمین ومافیہا کا ان کو کلی علم ہے۔ حق الیقین ص ۴۳۶ میں جناب امیر علیہ السلام کا قول درج ہے کہ بادل اور برق ورعد نور وظلمت، ہوا اور پہاڑ

اور دریا، سورج، چاند سب کچھ میرے تابع حکم ہیں۔ اب بتایئے خدا کی کون سی صفت باقی رہ جاتی ہے۔ غرض وہ تمام خیالات جو تمام فرقوں میں پائے جاتے ہیں، فرقہ امامیہ، اثنا عشریہ کی کتب حدیث وتفسیر میں اس کی تصدیق موجود ہے۔

ہمارے ملک کے شیعہ کے اعتقادات غالی شیعوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں۔ اور اٹھتے بیٹھے، چلتے پھرتے، یا اللہ کے بجائے یا علی رضی اللہ عنہ کا ورد پکارتے ہیں۔ السلام علیکم کی بجائے انہوں نے مسلمانوں سے الگ جو سلام بنالیا ہے یا علی مدد۔ اس سے ان کے عقیدہ کی کہ وہ حضرت علی کو خدا سے کم نہیں سمجھتے پوری تصدیق ہوتی ہے اور آپ کی نبوت یا افضل النبی ہونے کا یقین تو رگ وریشہ میں میں سمایا ہوا ہے چنانچہ اشعار ذیل ان کے اندرونی صحیح خیالات کی ترجمانی کرتے ہیں۔

۱۔ غَلَطَ الْاَمِیْنُ فجازها عَنْ حَیْدَرِ

(یعنی جبرائیل امین نے غلطی کر کے نبوت علی رضی اللہ عنہ کو نہ دی۔)

۲۔ جبریل کہ آمد ز بر خالق بے چوں در پیش محمد شد و مقصود علی بود

(جبریل جو درگاہ الٰہی سے آیا اور محمد کے پاس چلا گیا۔ دراصل مقصود تو علی رضی اللہ عنہ تھے۔)

چونکہ شیعہ کے تمام فرقے اسی یونیورسٹی کے درس یافتہ ہیں جو عبداللہ بن سبا نے قائم کی، اس لیے معتقدات میں ان کا متحد ہونا قدرتی اور لازمی بات ہے۔ غرض یہ سب کچھ مہربانی اسی استادِ ازل (ابن سبا) کی ہے۔

ہر خس وخار کہ در رہ نمودے دارد
آخر اے بادِ صبا ایں ہمہ آوردۂ تست

خدا ہمیں ایسے مشرکانہ خیالات سے بچائے اور تمام مسلمانوں کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین ثم آمین

شیعہ کا ادّعائے قدامت

شیعہ کہتے ہیں ہمارا وجود قدیم سے ہے۔ تمام پیغمبر شیعہ تھے۔ آدم، نوح، ابراہیم،

موسیٰ علیہ السلام سب شیعہ تھے۔ رسولِ پاک بھی شیعہ تھے۔ ع

بریں فہم وادراک باید گریست

ان کو اتنی سمجھ بھی نہیں کہ شیعہ خارجی کا وجود تو اس وقت سے ہے جب بقول اُن کے غصب خلافت ہوا۔ جو لوگ تین یاروں کو نہیں مانتے اور ایک حضرت علی علیہ السلام کو مانتے ہیں وہ شیعہ اور رافضی کہلاتے ہیں۔ پھر پہلے پیغمبروں نوح، ابراہیم، موسیٰ کا شیعہ ہونا چہ معنی دارد؟ جب نہ حضرت علی تھے نہ باقی یارانِ نبی، اور حضرت رسولِ پاک ﷺ اگر شیعہ ہوتے تو تین یاروں کو ان کے دربار میں جگہ ہی کاہے کو ملتی۔ وہ رسول کے شام وسحر کے رفیق، سفر وحضر کے ہمدم کیوں ہوتے، حضور ان کو اپنی بیٹیاں نہ دیتے نہ ان کی بیٹیاں لیتے۔ یہ تو فیصلہ ہو گیا کہ آپ شیعہ نہ تھے ورنہ یہ تین بزرگوار یارانِ نبی نہ کہلاتے۔ ہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شیعہ نہ تھے ورنہ ان کے مشیر کار ہر امر میں ان کے معین ومددگار نہ بنے رہتے۔ ان کے پیچھے نمازیں نہ پڑھتے۔ غنائم سے حصہ نہ لیتے۔ اپنے فرزندوں کے نام ان کے ناموں پر نہ رکھتے۔ اپنی بیٹی ام کلثوم خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو نکاح کر کے نہ دیتے۔ ان کی مدح وتوصیف میں رطب اللسان نہ رہتے۔ غرض دربارِ مرتضوی رضی اللہ عنہ میں بھی دربارِ مصطفوی کی طرح شیعیت کو جگہ نہ ملی بلکہ آپ مجمع عام میں برسرِ منبر اصحاب رسول ﷺ کی تعریف کر کے شیعیت کی مذمت فرماتے رہے۔ ہر چند تلاش کرو۔ شیعیت کا سراغ ملتا ہے تو اسی ابن سبا سے جس کو حضرت امیر نے دھتکار کر مدینۂ رسول سے نکال دیا تھا اور وہ ملک بہ ملک مارا مارا پھرتا رہا۔

اب ہم قرآنِ پاک کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں شیعیت کی نسبت کیا فیصلہ ہے۔ شیعہ بڑا ناز کیا کرتے ہیں کہ ہمارا نام قرآنِ مجید میں بھی ہے۔ لیکن سنیوں کا نام ونشان قرآن میں نہیں ملتا یہ معلوم نہیں کہ قرآن میں جہاں کہیں لفظ شیعہ لکھا ہے اس سے مراد کفار اشرار ہیں اور بس۔ آؤ قرآن پاک کی ورق گردانی کریں۔ پھر شیعہ تفاسیر سے اس کا معنی تلاش کریں۔ شاید شیعہ حضرات میں سے کسی کو سمجھ آ جائے کہ یہ منحوس نام قرآنِ پاک میں نیکوں کی بجائے بدوں کے حق میں استعمال ہوا ہے۔

لفظ شیعہ کی مذمت قرآن میں

۱۔ اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا. (پارہ۔ ۲۰، پاؤ ۱)
یعنی فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اہل ملک کو شیعہ بنا دیا۔ (شیعو مبارک)

۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ.
(پارہ ۸، پاؤ ۲)
یعنی جن لوگوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور ہو گئے شیعہ شیعہ، اے میرے حبیب تیرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

شیعہ کی مستند تفسیر عمدۃ البیان جلد ا، ص ۳۷۹ میں اس کا خلاصہ یوں لکھا ہے کہ اس جگہ شیعہ کا لفظ یہود اور نصاریٰ وغیرہ پر استعمال ہوا ہے۔

۳۔ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا. (پارہ ۷ پاؤ ۳)
یعنی اللہ اس بات پر قادر ہے کہ بھیجے عذاب تم پر اوپر سے اور تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو شیعہ شیعہ بنا کر آپس میں لڑائے۔ یعنی ایسے عذاب میں اللہ تم کو خراب کرے۔

عمدۃ البیان جلد ا، ص ۳۵۳ میں ہے کہ یہاں شیعہ کا لفظ شریروں، فتنہ بازوں اور فسادیوں پر استعمال ہوا ہے۔

۴۔ وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا. (پارہ ۲۱، پاؤ ۱)
یعنی اے لوگو! نہ ہو تم ان شیعوں سے کہ جنہوں نے فرقہ فرقہ ہو کر اپنے دین کو برباد کر دیا۔

عمدۃ البیان جلد ۳، صفحہ ۱۳ میں لکھا ہے کہ یہاں شیعہ شیعہ مشرکوں، بت پرستوں اور مخالفانِ دین یہود و نصاریٰ کو کہا گیا ہے۔

۵. وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ o وَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُ وْنَ o (پارہ ۱۴، پاؤ ۱)

یعنی ہم بھیج چکے ہیں اے رسول تجھ سے پہلے اگلے شیعوں میں نہیں آیا ان کے پاس کوئی رسول مگر کرتے رہے اُن سے ٹھٹھے۔

عمدۃ البیان جلد۲، ص۱۷۴ میں ہے کہ اس آیت میں شیعہ ان لوگوں کو کہا گیا ہے جو خدا کے پیغمبروں کو ٹھٹھہ مخول کرنے والے کافر تھے۔

۶. کَمَا فُعِلَ بِاَشْیَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ اِنَّهُمْ کَانُوْا فِیْ شَکٍّ مُّرِیْبٍ

یعنی ایسا کیا گیا اگلے شیعوں کے ساتھ وہ شک و بدگمانی میں پڑے ہوئے تھے۔

عمدۃ البیان جلد۳، ص۹۳ میں ہے کہ یہاں شیعہ ان کافروں کو کہا گیا ہے جو خانہ کعبہ کو گرانے آئے تھے اور جن پر عذاب نازل ہوا۔

۷. وَلَقَدْ اَهْلَکْنَا اَشْیَاعَکُمْ . (پارہ ۲۷، پاؤ ۲)

یعنی ہم نے ہلاک کیا ہے اگلے شیعوں کو۔ اشیاع جمع شیعہ کی ہے۔

عمدۃ البیان جلد۳۳، ص۳۳ میں ہے۔ یہاں شیعہ اگلے کافروں کو کہا گیا ہے۔

۸. فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا. (پارہ ۱۶، پاؤ ۶)

یعنی قسم ہے تیرے رب کی کہ قیامت کو ہم ضرور حشر کریں گے ان کو شیطانوں کے ساتھ پھر حاضر کریں ۔ ۔ ۔ ا ۔ ۔ کو گردا گرد دوزخ کے جب دوزانوؤں کے بل چل کر آئیں گے۔

ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ کُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَی الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا.

پھر ہم نکالیں گے دوزخ میں ڈالنے کو پہلے ان شیعوں سے جو ہوگا ان سے سخت خدا سے سرکش۔

یعنی کفار و شیاطین سے جو بڑا کافر دنافرمان شیعہ ہوگا پہلے ہم اس کو دوزخ میں ڈالیں گے۔

عمدۃ البیان جلد۲ ص۶۱۶ میں ہے۔ فرمایا اللہ عزوجل نے کہ ان شیعوں میں سے جو

بڑا سرکش ہوگا پہلے ہم اس کو دوزخ میں ڈالیں گے۔

ان تمام آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق کفار، مشرکین، فتنہ باز، فسادیوں، یہود ونصاریٰ، سرکش شیطان صفت گروہ پر ہوا ہے۔ پھر شیعہ خود ہی غور کریں کہ کیا وہ اس لفظ کا مصداق بننا چاہتے ہیں؟ اگر لفظ شیعہ پر ناز ہے تو لیجیے ان آیات کا مصداق بننا گوارا کیجیے۔ آخر قرآن ہی کے الفاظ تو ہیں۔ بقول شخصے:

کعبے سے ان بتوں کو نسبت ہے دور کی
گو واں نہیں، وہاں سے نکالے ہوئے تو ہیں!

ہاں ان دو آیات میں لفظ شیعہ کا اطلاق بظاہر اچھے معنی میں نظر آتا ہے جس سے شیعہ اپنی قدامت پر استدلال بھی کیا کرتے ہیں۔

۱۔ هٰذَا مِنۡ شِيۡعَتِهٖ وَهٰذَا مِنۡ عَدُوِّهٖ. (پارہ ۲، پاؤ ۲)

یہ اس گروہ سے ہے اور یہ اس کے دشمنوں سے۔ شیعہ کا معنی دوست ورفیق ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے رفقاء کو بھی شیعہ کہا جاتا تھا لیکن یہ محض شیعہ کی نافہمی اور عدم تدبر فی القرآن کا نتیجہ ہے۔ وہ پہلا شخص گو حضرت موسیٰ کے قبیلے بنی اسرائیل میں سے تھا مگر منافق ومشرک تھا اور اسی گروہ میں سے تھا جو اس سے پہلے گوسالہ پرستی میں مبتلا ہوئے تھے۔ بلکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اسی کا نام سامری تھا جو گوسالہ پرستوں کا استاد تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے پہلے دن بھی اسی شیعہ کو لفظ مجرمین میں شمار کیا۔ پھر دوسرے دن تو اس کی نسبت صاف صاف ❶ فرمادیا۔ اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ (یعنی تو ایک

---

❶ ۱۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ فَلَنْ اَکُوْنَ ظَهِیْرًا لِّلْمُجْرِمِیْنَ موسیٰ نے کہا اے رب جیسا تو نے مجھ پر فضل کیا پھر میں کبھی گنہگاروں کا مددگار نہ ہوں گا۔ ''یعنی ایک مفسد بدکار کی مدد کر کے ایک جان کو ضائع کیا ہے۔ پھر ایسا کبھی نہ کروں گا۔

۲۔ فَاَصْبَحَ فِی الْمَدِیْنَةِ خَآئِفًا یَّتَرَقَّبُ فَاِذَا الَّذِی اسْتَنْصَرَهٗ بِالْاَمْسِ یَسْتَصْرِخُهٗ قَالَ لَهٗ مُوْسٰٓی اِنَّکَ لَغَوِیٌّ مُّبِیْنٌ صبح کو موسیٰ اٹھا۔ اس شہر میں گھبرایا ہوا راہ دیکھتا۔ اچانک وہی شخص نظر آیا جس نے کل مدد مانگی تھی۔ اس سے فریاد کرتا ہے۔ موسیٰ نے کہا بیشک تو صریح گمراہ ہے۔ یہ وہی شیعہ تھا جس نے پہلے روز اشتعال دلا کر ایک آدمی مروا ڈالا۔ دوسرے روز پھر اسی طرح چلاتا ہوا آپ کو اکسانے کے لیے آیا تو آپ نے اسے کہہ دیا ہٹ جاؤ تم ایک مفسد صریح گمراہ آدمی ہو۔ ۱۲

مفسد بدخواہ بظاہر گمراہ ہے۔) پھر یہاں بھی لفظ شیعہ کا اطلاق اچھے شخص پر نہیں بلکہ برے شخص پر ہوا ہے۔ یہ شخص موسیٰ کا دوست نما دشمن (منافق) تھا جس کی وجہ سے آپ کو شہر چھوڑ کر مدین کی طرف بھاگ جانا پڑا۔ بڑی صعوباتِ سفر برداشت کرتے ہوئے ایک نیک مرد شعیب کے ہاں جا کر پناہ لی۔ کئی سال اپنے وطن سے جلا وطن رہے۔ غرض اس آیت سے بھی شیعہ کا مدعا پورا نہیں ہوتا بلکہ ان کی تردید ہوتی ہے۔

(۲) وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرَاهِيْمَ ○ اِذْ جَاءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ○ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ○

(یعنی اس کے گروہ میں تھا ابراہیم، جبکہ آیا رب اپنے کی طرف سے سلامت دل لے کر۔)

شیعہ کہتے ہیں یہاں شیعہ کا لفظ ابراہیم پیغمبر پر اطلاق ہوا ہے اور ابراہیم شیعہ تھے۔ لیکن یہ بھی ان کی خوش فہمی اور قرآن دانی کا نتیجہ ہے۔ معنی آیت کا یہ ہے کہ ابراہیم کا تولد قوم شیعہ (کفار) میں ہوا جس سے نکل کر آپ اپنے رب کی طرف صاف صاف دل ہو کر آ گئے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خود شیعہ تھے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ قوم شیعہ یعنی اس قوم سے نکل کر آپ ہدایت یافتہ ہو کر اپنے ربّ کے پاس آ گئے جو نوح علیہ السلام کے مخالف گمراہ قوم چلی آتی تھی اور نوح علیہ السلام کے وعظ و نصیحت سے اُن کو کچھ اثر نہ ہوا تھا۔ یہ اِس آیت کی تصدیق ہے جس کا مضمون ہے کہ اے رسول تجھ سے پہلے اگلے شیعوں میں بھی ہم رسول بھیج چکے ہیں جو پیغمبروں کو ایذا پہنچاتے تھے۔

یہ دونوں آیات بھی پہلی آیات کی طرح شیعوں کے سخت مخالف ہیں۔ ہاں ان کی سمجھ کا فرق ہے:

ہرگز نہ ہوئے مغز سخن سے آگاہ
لا حول ولا قوۃ الا باللہ!

شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سنیوں کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں اس لیے ہم لفظ سنت کو قرآن میں تلاش کرتے ہیں۔

قرآن میں لفظ سنت کی تعریف

۱۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ كَانَ اَمْرُ اللّٰهِ قَدَرًا مَّقْدُوْرًا.

عمدۃ البیان جلد۳ ص ۲۴ میں ہے کہ سنت طریقہ اللہ کا ہے جو چلا آیا ہے اگلے پیغمبروں میں۔

۲۔ يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَ يَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ يَتُوْبَ عَلَيْكُمْ. (پارہ ۵، پاؤ ۱)

عمدۃ البیان جلد ا ص ۲۳۲۔ ''ہدایت کرے اللہ تم کو طریقے ان لوگوں کے جو پہلے تم سے مثل ابراہیم اور اسمٰعیل گزرے۔''

۳۔ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا.

سنت طریقہ ان رسولوں کا ہے جو پہلے بھیجے ہم نے اور نہ پائے گا تو میری سنت دستور میں تفاوت۔

یعنی سب رسولوں میں اسی طرح میری سنت کا طریقہ چلا آیا ہے۔ عمدۃ البیان جلد۲ ص ۲۸۵ میں ہے۔ طریقہ رکھنا ان رسولوں کا کہ تحقیق بھیجا ہم نے ان کو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہ جو کوئی پیغمبروں کو جھٹلا دے تو ہم ہلاک کر دیتے ہیں اس کو اور نہ پائے گا تو اے محمد واسطے اس سنت اور طریقے ہمارے کے پھر جانا۔

۴۔ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِنَا تَبْدِيْلًا. (پارہ ۲۶، پاؤ ۲)

عمدۃ البیان جلد۳، ص ۲۷۲ میں ہے: یعنی سنت طریقہ اللہ کا ہے۔ اس کو کوئی تغیر کرنے والا نہیں ہے۔

۵۔ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ. (پارہ ۱۴، پاؤ ۱)

"گزر چکا طریقہ پہلے لوگوں کا۔"

٦. اِلَّا اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ. (پارہ ١٥، پاؤ ٤)

عمدۃ البیان جلد۲،ص ۲۸۸ میں ہے یعنی پہنچا ان کو طریقہ خدا کا ہلاک کرنے والا اگلوں کو۔

٧. سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِیْ قَدْ خَلَتْ فِیْ عِبَادِهٖ وَخَسِرَ هُنَالِکَ الْکٰفِرُوْنَ.

عمدۃ البیان جلد۳،ص ۱۱۹ میں ہے۔سنت طریقہ خدا کا ہے اس کے اگلے بندوں میں چلا آیا ہے۔

٨. قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَهُوْا یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَ اِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ.

"کفار کو کہہ دیجیے اگر وہ باز آ جائیں ان کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے اگر انہوں نے پھر وہی گناہ کیا تو پہلوں کا طریقہ گزر چکا ہے۔" (یعنی خدا ان سے وہی سلوک کرے گا جو پہلے سے اس کا دستور چلا آتا ہے۔)

٩. فَهَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا وَ لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَحْوِیْلًا. (پ ٢٢)

یعنی وہ نہیں دیکھیں گے مگر پہلوں کے طریقہ کو اور خدا کے طریقہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

ان تمام آیاتِ قرآن میں لفظ سنت کی خدا یا رسول کی طرف اضافت ہے اور پھر سنی اور اہل سنت وہ لوگ ہیں جو سنت الرسول کے پیرو ہیں۔یہی رسولی گروہ متبع السنّت ہے۔ اسی کی تاکید رسولِ پاک اور ائمہ ہدیٰ کرتے رہے کہ سنت الرسول کو کبھی نہ چھوڑنا۔لیکن آج مدعیانِ اسلام سے ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو جہالت سے لفظ سنت اور اہل سنت پر تمسخر کرتے ہیں۔

ہم اس امر کا ثبوت کتب شیعہ سے دینا چاہتے ہیں کہ رسولِ پاک ﷺ اور ائمہ اہل بیت سنت الرسول ﷺ کے اتباع کی تاکید فرماتے رہے۔

اتباع سنت کی تاکید

۱: جلاء العیون اردو جلد ۱، ص: ۴۲ میں ہے۔ شیخ مفید و شیخ طوسی نے روایت کی ہے کہ جب حضرت رسول ﷺ نے حجۃ الوداع سے مراجعت فرمائی اور حضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ اب زمانۂ وفات قریب ہے۔ ہمیشہ خطبہائے بلیغ فرماتے تھے اور لوگوں کو اپنے احکام کی مخالفت اور اپنے بعد فتنہ و فساد کرنے سے منع فرماتے اور ڈراتے تھے اور وصیت فرماتے تھے کہ میرے طریقۂ سنت سے دست بردار نہ ہونا۔

۲: کتاب مذکور جلد ۱ ص: ۲۰۵ میں جناب امیر کی آخری وصیت کے الفاظ یوں درج ہیں: میری وصیت تم سے یہ ہے کہ شرک بخداوند بزرگوار نہ لانا اور کسی چیز کو اس کی عبادت میں شریک نہ کرنا اور سنت و طریقہ حضرت رسول ﷺ کو ضائع نہ کرنا۔

۳: نہج البلاغت ص ۱۲۸ میں ہے میں تم کو دو چیزوں کی وصیت کرتا ہوں۔ ایک خدا کو واحد سمجھنا دوسری محمد ﷺ کی سنت کو ضائع نہ کرنا۔

۴: کتاب مذکور ص ۱۴۲ میں ہے: امام وہ ہے جو سنت نبوی کا عامل ہو۔
اسی کتاب کے ص ۱۹۳ میں ہے: وہ امام قرآن و سنت پیغمبر ﷺ کو زندہ کرے گا۔

۵: فروع کافی میں ہے: فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ جو شخص میری سنت سے روگرداں ہوا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

دیکھئے رسول پاک ﷺ اور جناب امیر نے جو وصیت بوقت وفات فرمائی وہ اتباع سنت رسول ہے۔ امام کی تعریف ہی یہ بیان کی کہ جو سنت نبوی کا عامل ہو اور جو سنت پیغمبر کو زندہ کرے۔ پھر جو لوگ لفظ سنت یا اہل سنت پر تمسخر کرتے ہیں وہ رسول پاک ﷺ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقوال کو جھٹلاتے ہیں۔ بیشک بقول رسول و ائمہ اہل بیت بشہادت کتب شیعہ وہی فرقہ حقہ ناجی ہے جو اہل سنت کہلاتا ہے۔ ہاں شیعہ کی ہسٹری قرآن سے پڑھ چکے ہو اور یہ بھی کہ لفظ شیعہ کا اطلاق قرآن میں جا بجا فرعونی گروہ کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ پر ہوا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ شیعہ کہتے ہوئے نہیں شرماتے کہ شیعہ کا

ذکر تو قرآن میں ہے لیکن اہل سنت کا قرآن میں نام ونشان تک نہیں۔ٹھیک ہے۔

اوّل ہی سے بشر کو ہے رغبت خلاف سے
لیتا تھا کام منہ کا شکم میں یہ ناف سے

شیعوں کی احادیث

اس سے پہلے ہم کافی بحث کر آئے ہیں کہ شیعوں کا اس قرآن پر ایمان نہیں ہے اور جس قرآن جمع کردہ علی رضی اللہ عنہ پر ان کا ایمان ہے وہ ابھی غار سے باہر نہیں نکلا اور ظاہر ہے تا تریاق از عراق آوردہ شود مار گزیدہ مردہ شود۔ لاکھوں شیعے اس قرآن کے انتظار میں مر گئے اور کروڑوں آئندہ مریں گے لیکن اس موہوم قرآن کا ملنا محال۔ اب ہم یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ حدیث کا سرمایہ شیعہ کے ہاں کہاں تک پایا جاتا ہے؟ ہم دلائل سے بیان کریں گے کہ صحیح حدیث کی طرف سے بھی ان بیچاروں کو صاف جواب ہے۔ اوّل اس لیے کہ رواۃ حدیث ایسے ملے ہیں کہ ان کے سرغنوں پر ائمہ اہل بیت کو اعتبار نہ تھا۔ انہوں نے ائمہ ہدیٰ کو سخت سست کہا۔ ائمہ نے ان کو کوسا۔ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ وہ عمداً ائمہ ہدیٰ پر جھوٹ باندھتے اور جھوٹی حدیثیں بنا بنا کر ان سے منسوب کیا کرتے تھے۔

راویانِ حدیث

احادیث شیعہ کا بہت بڑا راوی، زرارہ بن اعین ہے۔ کتاب کافی کی ثلث احادیث اسی کی روایت ہیں اور منجملہ مبشر بالجنہ ہے۔ (رجال کشی، ص:۱۱۳) اس کی نسبت امام جعفر صادق فرماتے ہیں: زُرَارَةُ شَرٌّ مِنَ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰی (رجال کشی، ص:۱۱۷) یعنی زرارہ یہود ونصاریٰ سے بھی بدتر ہے۔ یہ بھی فرمایا: كَذَبَ عَلَيَّ وَاللّٰهِ لَعَنَ اللّٰهُ زُرَارَةَ (رجال کشی، ص:۱۵۶) خدا کی لعنت ہو زرارہ پر اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے۔ یہی زرارہ صاحب ہیں جنہوں نے امام محمد باقر کو بڈھا بے علم کہا۔ جیسا کہ اصول کافی، ص: ۵۵۷ میں ہے کہ زرارہ کو امام ممدوح سے ایک مسئلہ میں تکرار ہوگئی۔ جب امام نے زرارہ

کو اس پر تنبیہ کی تو کہنے لگا۔ شَیْخٌ لَا عِلْمَ لَهُ بِالْخُصُومَةِ (اس بڈھے کو خصومت کا علم نہیں ہے۔)

رجال کشی کی بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ زرارہ پر امام نے اور امام پر زرارہ نے لعنت کی۔ (معاذ اللہ) دوسرا راوی ابوبشیر ہے۔ جس نے امام جعفر صادق کو طماع بتایا جس پر کتے نے اس کے منہ میں پیشاب کر دیا۔ امام موسیٰ کاظم کو ناقص کہا۔ (تنقیح، ص: ۱۶۸)

ایک اور راوی مختار بن ابی عبیدہ ہیں جس کی نسبت امام جعفر صادق نے فرمایا: كَانَ الْمُخْتَارُ يَكْذِبُ عَلَىَّ بْنِ الْحُسَيْنِ۔ (مختار امام زین العابدین رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھا کرتا تھا یعنی ان کے نام پر جھوٹی حدیثیں وضع کرتا تھا۔ ایک اور راوی حکم بن عینیہ ہے۔ زرارہ نے امام جعفر صادق سے کہا کہ حکم بن عینیہ نے آپ کے والد سے یہ روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: نماز مغرب مزدلفہ سے ورے پڑھ لے۔ اس پر امام جعفر صادق نے تین بار قسم کھا کر فرمایا: مَا قَالَ اَبِىْ هٰذَا قَطُّ كَذِبَ الْحَكَمُ ابْنُ عُيَيْنَةَ عَلٰى اَبِىْ عَلَيْهِ السَّلَامُ۔ (رجال کشی، ص: ۱۲۷) ''میرے باپ نے ہرگز نہیں فرمایا۔ حکم بن عینیہ نے میرے والد پر جھوٹ باندھا ہے۔'' امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں:

> كَانَ الْحَسَنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَذَّابٌ يَّكْذِبُ عَلَيْهِ كَانَ لِلْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَذَّابٌ يَكْذِبُ عَلَيْهِ وَكَانَ الْمُخْتَارُ يَكْذِبُ عَلٰى عَلِى ابْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَكَانَ الْمُغِيْرَةُ ابْنَ سَعِيْدٍ يَكْذِبُ عَلٰى اَبِىْ. (رجال کشی، ص: ۱۵۰)
>
> یعنی امام حسن رضی اللہ عنہ کے لیے ایک کذاب تھا جو ان پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ ایسا ہی ایک اور کذاب تھا جو امام حسین رضی اللہ عنہ پر جھوٹ باندھتا تھا۔ مختار امام زین العابدین پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ اور مغیرہ بن سعید میرے والد محمد باقر پر جھوٹ باندھنے والے تھے۔

پھر بتایئے جب ایک ایک امام کے لیے ایک ایک شخص ایسا مقرر تھا جس کی ڈیوٹی امام والا مقام کی طرف سے جھوٹی حدیثیں وضع کر کے لوگوں میں مشتہر کرنے کی تھی۔ چنانچہ امام حسنین رضی اللہ عنہما اور امام زین العابدین اور امام محمد باقر تک حضرت صادق نے ان

کذابوں کی تشریح کردی تو پھر احادیث شیعہ کا اعتبار کیا رہا؟

اور سنیئے۔ امام ابوالحسن رضا علیہ السلام کذابین کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

كَانَ بَنَانٌ يَكْذِبُ عَلٰى عَلِي ابْنِ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ فَاَذَاقَهُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ وَكَانَ مُغِيْرَةُ ابْنُ سَعِيْد يَكْذِبُ عَلٰى اَبِيْ جَعْفَرَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَذَاقَهُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ وَكَانَ مُحَمَّدُ ابْنُ بَشِيْرٍ يَكْذِبُ عَلٰى اَبِي الْحَسَنِ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَذَاقَهُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ وَكَانَ اَبُو الْخَطَّابِ يَكْذِبُ عَلٰى اَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاَذَاقَهُ اللّٰهُ حَرَّ الْحَدِيْدِ وَالَّذِيْ يَكْذِبُ عَلٰى مُحَمَّدِ ابْنُ فُرَاتٍ. (رجال کشی، ص: ۱۹۵)

یعنی بنان امام زین العابدین پر جھوٹ باندھا کرتا تھا۔ خدا اسے گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔ مغیرہ بن سعید امام باقر پر، محمد بن بشیر موسیٰ رضا پر، ابوالخطاب امام صادق پر جھوٹ باندھا کرتے تھے۔ خدا ان کو گرم لوہے کا عذاب چکھائے۔ اور مجھ پر محمد بن فرات جھوٹ باندھا کرتا ہے۔

دیکھئے امام صادق نے تو صرف امام باقر تک ان پر جھوٹ باندھنے والوں کی فہرست دی تھی لیکن امام رضا نے اپنے زمانہ تک کے کذابوں تک کی تشریح کردی جو اپنے اپنے وقت کے امام کی طرف سے جھوٹی حدیثیں گھڑ کر لوگوں کو سنایا کرتے تھے۔ پھر بقول شخصے ع این خانہ تمام آفتاب است

جب تمام رواۃ کی حالت یہ ہو کہ انہوں نے ائمہ کرام پر جھوٹ باندھے، ان کی طرف سے جھوٹی حدیثیں وضع کرنے کا ٹھیکہ لے رکھا ہو۔ تو پھر احادیث شیعہ کا کیا اعتبار کیا جا سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ایسی ایسی احادیث کتب شیعہ کافی، تہذیب، استبصار وغیرہ میں بھری ہیں جو کبھی عقل باور نہیں کر سکتی کہ ائمہ طاہرین نے ایسا فرمایا۔ (تمام تفصیلہ)

اب ناظرین خود ہی خیال فرمائیں کہ قرآن تو پہلے ہی سے گم تھا۔ حدیث کا بھی اعتبار جاتا رہا تو مذہب شیعہ کی تمام بنیاد ہی متزلزل ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ سبائی کمیٹی کی

کارگزاری ہے کہ جن کو زرارہ، ابو بصیر، مختار، مغیرہ جیسے سرگرم ممبر مل گئے جو کوفہ میں بیٹھ کر ائمہ کرام کی طرف سے حدیثیں گھڑ کر سبائی مذہب کی ترویج کرتے تھے۔ چونکہ شیعہ مذہب میں تنقید رجال کا کوئی سامان نہیں۔ نہ اسناد کا اوپر تک پہنچنا ضروری ہے۔ روایت حدیث کے لیے راوی کا اتنا ہی فرض ہے کہ کسی امام کے ذمہ لگا کر روایت سے سبکدوش ہو جائے۔ اس لیے یہ طوفان بدتمیزی برپا ہو گیا۔ تقیہ (جھوٹ) جزو ایمان سمجھا گیا۔ متعہ کی فضیلت کی حدیثیں بنائی گئیں۔ تعزیہ داری کو باعث نجات تصور کیا گیا۔ وقِس علی ھذا

روایتِ حدیث

شیعہ کے ہاں روایت حدیث کا بھی عجیب طریق ہے۔ الفاظِ حدیث میں کمی بیشی کر لینے کا بھی اختیار دیا گیا ہے اور جس حدیث کو بیٹے سے سنا ہو، وہ باپ سے اور جو باپ سے سنی ہو وہ بیٹے سے روایت ہو سکتی ہے۔ یہ بھی اختیار ہے کہ حدیث کے الفاظ یاد نہ ہوں تو اوّل وآخر و درمیان کے کچھ الفاظ لکھ کر حدیث کی روایت کی جائے اور کسی کی کتاب میں کوئی حدیث لکھی ہوئی مل جائے تو صاحب کتاب کی طرف سے بغیر دریافت کے روایت کر سکتے ہیں اور جو شخص کوئی حدیث سچ جھوٹ کر دے اس کی روایت قبول کر لینا جائز ہے۔ سچ ہو تو راوی کو ثواب ورنہ مروی عنہ کو گناہ ہوگا۔ یہ جملہ امور حدیث ذیل سے ثابت ہیں۔

۱۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ مُسْلِمٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَسْمَعُ الْحَدِیْثَ مِنْکَ فَاَزِیْدُ وَاَنْقُصُ قَالَ اِنْ تُرِیْدُ مَعَانِیَهٗ فَلَا بَأْسَ بِهٖ. (اصول کافی، ص:۲۸)

محمد بن مسلم نے کہا میں نے امام جعفر سے دریافت کیا کہ جو حدیث میں نے آپ سے سنی ہو کیا مجھے اس میں کمی بیشی کرنے کا اختیار ہے؟ آپ نے کہا: اگر معانی مطلوب ہوں تو کچھ حرج نہیں۔"

۲۔ عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ الْحَدِیْثُ اَسْمَعُهٗ

عَنْکَ اَرْوِیْهِ عَنْ اَبِیْکَ اَوْ اَسْمَعُهٗ عَنْ اَبِیْکَ اَرْوِیْهِ عَنْکَ قَالَ سَوَآءٌ اِلَّا اَنَّکَ تَرْوِیْهِ عَنْ اَبِیْ اَحَبُّ اِلَیَّ وَقَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ لِجَمِیْلٍ مَا سَمِعْتَ مِنِّیْ فَارْوِهٖ عَنْ اَبِیْ.

(اصول کافی، ص:۲۹)

امام بصیر نے امام جعفر سے کہا جو حدیث میں نے آپ سے سنی ہو، وہ آپ کے والد سے اور جو آپ کے والد سے سنوں وہ آپ سے روایت کرسکتا ہوں یا نہیں؟ آپ نے کہا: دونوں روایت کرنا یکساں ہے۔ مگر میرے والد سے روایت کرنا بہتر ہے۔"

۳. عَنْ ابْنِ مَحْبُوْبٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ یَجِیْئُنِی الْقَوْمُ فَیَسْمَعُوْنَ مِنِّیْ حَدِیْثَکُمْ فَاَضْجَرُ وَلَا اَقْوٰی قَالَ فَاقْرَءْ عَلَیْهِمْ مِنْ اَوَّلِهٖ حَدِیْثًا وَمِنْ وَسْطِهٖ حَدِیْثًا وَمِنْ اٰخِرِهٖ حَدِیْثًا. (اصول کافی، ص: ۲۹)

عبداللہ نے امام جعفر سے کہا میرے پاس لوگ حدیث سننے آتے ہیں۔ اور میں بیان حدیث پر قادر نہیں ہوسکتا۔ آپ نے کہا اوّل وآخر اور درمیان سے حدیث بیان کردیا کرو۔

۴. عَنْ اَحْمَدَ بْنَ عُمَرَ الْحَلَّال قَالَ کُنْتُ لِاَبِی الْحَسَنِ الرِّضَا الرَّجُلُ مِنْ اَصْحَابِنَا یُعْطِیْنِی الْکِتَابَ وَلَا یَقُوْلُ اِرْوِهٖ اِنِّیْ یَجُوْزُ لِیْ اَنْ اَرْوِیَهٗ عَنْهُ قَالَ اِذَا عَلِمْتَ اَنَّ الْکِتَابَ لَهٗ فَارْوِهٖ عَنْهُ. (اصول کافی، ص:۲۹)

احمد بن عمر حلال نے امام رضا سے پوچھا ایک شخص نے میرے احباب سے کوئی کتاب دی ہو اور یہ نہ کہا ہو کہ مجھ سے روایت کرو کیا مجھے اس سے روایت کرنے کا اختیار ہے یا نہ؟ آپ نے کہا کہ اگر تجھے معلوم ہے کہ کتاب اسی کی ہے تو اس سے روایت کرنا جائز ہے۔

۵. عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ حَدَّثْتُمْ

بِحَدِیْثٍ فَاَسْنِدُوْهُ اِلَى الَّذِیْ حَدَّثَکُمْ فَاِنْ کَانَ حَقًّا فَالَکُمْ وَاِنْ کَانَ کَذِبًا فَعَلَیْهِ. (اصول کافی، ص:۲۹)

امام جعفر صادق نے کہا امیر علیہ السلام کا قول ہے کہ جب تم سے حدیث بیان کی گئی ہو تو تم اُس کے راوی تک اس کا اسناد پہنچا دو۔ اگر وہ حدیث سچی ہے تمہیں ثواب ہوگا۔ جھوٹی ہو تو اس کا گناہ بگردن راوی ہے۔

اب دیکھیے اسناد حدیث میں اس قدر بے پرواہی کرنا روا ہو۔ تو حدیث کا کیا اعتبار؟ اصول کافی، ص: ۳۶ میں رواۃ حدیث چار قسم کے بیان کیے گئے ہیں۔ اوّل منافق، دوم مخطی صادق فی الوہم، سوم، مصیب (لیکن حدیث منسوخ بیان کرتا ہے۔)، چہارم مصیب (جو حدیث غیر منسوخ بیان کرتا ہے۔) پھر جب منافق اور مخطی اشخاص سے بھی روایت حدیث جائز ہے تو حدیث کس طرح معتبر سمجھی جائے گی۔ علاوہ ازیں چونکہ شیعہ مذہب میں تقیہ جائز بلکہ باعث ثواب ہے اس لیے یہ پتا لگنا مشکل ہے کہ راوی نے حدیث کو سچے دل سے سچ سمجھ کر بیان کیا ہے یا کسی خوف اور مصلحت سے تقیۃً جھوٹ لکھ دیا ہے۔

ائمہ اہل بیت پر جھوٹ کا الزام

ایک مسئلہ کے تین متعارض جواب: اہل بیت کے ذمہ رواۃ حدیث شیعہ نے یہاں تک بہتان باندھا ہے کہ انہوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق تین مختلف اشخاص کو الگ الگ مختلف و متعارض جواب دیئے ہیں۔ جن میں سے ایک سچ ہو سکتا ہے باقی سب جھوٹ۔ چنانچہ احادیث ذیل سے جو اصول کافی، ص: ۳۷ میں درج ہے، اس کا انکشاف ہوتا ہے:

۱۔ عَنْ مَنْصُوْرِ بْنِ حَازِمٍ قَالَ قُلْتُ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ مَا بَالِیْ اَسْئَلُکَ عَنِ الْمَسْئَلَةِ فَتُجِیْبُنِیْ فِیْهَا بِالْجَوَابِ فَیَسْئَلُکَ غَیْرِیْ فَتُجِیْبُهُ فِیْهَا بِجَوَابٍ اٰخَرَ فَقَالَ اِنَّا نُجِیْبُ النَّاسَ بِزِیَادَةٍ وَنُقْصَانٍ.

منصور بن حازم کہتا ہے میں نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا کیا وجہ ہے کہ میں آپ سے ایک مسئلہ پوچھتا ہوں آپ مجھے اس کا جواب دیتے ہیں۔ پھر ایک دوسرا شخص آ کر وہی مسئلہ پوچھتا ہے اور اس کو اس کے خلاف جواب دیتے ہیں آپ نے کہا ہم لوگوں کو بڑھا گھٹا کر جواب دیتے ہیں۔"

۲. عَنْ زَرَارَةَ ابْنِ اَعْيَنٍ عَنْ اَبِيْ جَعْفَرٍ قَالَ سَئَلْتُهُ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَاَجَابَنِيْ ثُمَّ جَاءَهُ رَجُلٌ فَيَسْئَلُهُ عَنْهَا فَاَجَابَهُ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ ثُمَّ جَاءَ اٰخَرُ فَاَجَابَهُ بِخِلَافِ مَا اَجَابَنِيْ وَاَجَابَ صَاحِبِيْ فَلَمَّا خَرَجَ الرَّجُلَانِ قُلْتُ يَا ابْنَ رَسُوْلٍ رَجُلَانِ مِنْ اَهْلِ الْعِرَاقِ مِنْ شِيْعَتِكُمْ قَدْ مَا يَسْئَلَانِ فَاَجَبْتَ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِخِلَافِ مَا اَجَبْتَ بِهٖ صَاحِبَهُ فَقَالَ يَا زَرَارَةُ اِنَّ هٰذَا خَيْرٌ لَنَا وَاَبْقٰى لَنَا وَلَكُمْ وَلَوِ اجْتَمَعْتُمْ عَلٰى اَمْرٍ وَّاحِدٍ لَصَدَّقَكُمُ النَّاسُ عَلَيْنَا وَلَكَانَ اَقَلَّ لِبَقَائِنَا وَبَقَائِكُمْ ثُمَّ قَالَ قُلْتُ لِاَبِيْ عَبْدِ اللّٰهِ شِيْعَتُكُمْ لَوْ حَمَلْتُمُوْهُمْ عَلَى الْاَسِنَّةِ اَوْ عَلَى النَّارِ لَمَضَوْا وَهُمْ يَخْرُجُوْنَ مِنْ عِنْدِكُمْ مُخْتَلِفِيْنَ قَالَ فَاَجَابَنِيْ بِمِثْلِ جَوَابِ اَبِيْهِ. (اصول کافی، ص:۱۰۷)

زرارہ بن اعین کہتا ہے کہ میں نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا جس کا جواب انہوں نے مجھے دیا۔ پھر دوسرے شخص نے آ کر وہی مسئلہ ان سے پوچھا۔ اس کو میرے برخلاف جواب دیا۔ پھر ایک تیسرا شخص آ گیا اور وہی مسئلہ پوچھا اور اس کو مجھ سے اور اس دوسرے شخص سے بھی مخالف جواب دیا۔ جب وہ دونوں چلے گئے تو میں نے پوچھا۔ حضور یہ دونوں عراقی مرد آپ کے شیعہ ہیں۔ جنہوں نے آ کر ایک ہی مسئلہ پوچھا۔ آپ نے دونوں کو مختلف جواب دیئے۔ آپ نے کہا: اے زرارہ! یہی بات ہمارے لیے بہتر ہے۔ ہماری اور تمہاری بقا کا باعث ہے۔ اگر تم ایک ہی بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ ہمارے بارہ میں تم کو سچا سمجھ لیں گے اور یہ ہماری اور تمہاری زندگی کے لیے

مضر ہوگا۔ زرارہ کہتا ہے کہ میں نے جعفر علیہ السلام سے عرض کی کہ یہ لوگ تمہارے (راسخ الاعتقاد) شیعہ ہیں۔ اگر تم نیزوں پر یا آگ پر برانگیختہ کرو تو کبھی پیچھے نہ ہیں گے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ سے یہ لوگ مختلف ومتعارض جواب سن کر جاتے ہیں۔ پھر امام علیہ السلام نے وہی جواب دیا جو ان کے والد نے دیا تھا۔

ناظرین غور کر سکتے ہیں کہ ائمہ معصومین کی نسبت کوئی یقین کر سکتا ہے کہ وہ ایک مسئلہ میں تین ایسے اشخاص کو جو ان کے راسخ الاعتقاد مرید (شیعہ) ہوں۔ تین مختلف متعارض جواب دیں۔ مثلاً ایک کو کہیں کہ یہ چیز حرام ہے۔ دوسرے کو کہیں حلال ہے۔ تیسرے کو کہیں نہ حلال نہ حرام۔ یقیناً ان تینوں میں سے ایک سچ ہوگا۔ دو صریح جھوٹ اور ایسا جھوٹ کہنا موجب درازیٔ عمر اور بقائے حیات سمجھا جائے۔ پاک لوگوں کے منہ سے کبھی جھوٹ نہیں نکل سکتا۔ ان کا اس بات پر ایمان ہوتا ہے کہ اَلصِّدْقُ یُنْجِیْ وَالْکِذْبُ یُھْلِکُ (راستی موجب نجات اور جھوٹ باعث ہلاکت ہے۔) اگر بفرض محال ائمہ اہل بیت کا یہ حال تھا کہ راستی کی کوئی پابندی نہ تھی بلکہ مصلحت وقت کے مطابق سچ جھوٹ کہہ دیتے تھے تو پھر ان کی حدیث کا کیا اعتبار ہوگا اور وہ کیونکر قابل عمل ہوں گی؟ جب ایک ہی مسئلہ میں دو مختلف احادیث ایک ہی راوی سے مروی ہوں تو بحکم اِذَا تَعَارَضَا تَسَاقَطَا دونوں پایۂ اعتبار سے ساقط ہو جائیں گی۔

اہل سنت سے عداوت

ایک اور بات بھی از بس عجیب ہے جو بذمہ اہل بیت افتراء کیا گیا ہے کہ ان کا فتویٰ ہے کہ اہل سنت کا قول کیسا ہی کتاب اللہ اور سنت الرسول کے مطابق کیوں نہ ہو اس کی مخالفت ہی کرنا چاہیے جیسا کہ اصول کافی ص:۳۹ میں ہے:

قُلْتُ فَاِنْ کَانَ الْخَبَرَانِ عَنْکُمُ الْمَشْھُوْرَ اَنْ قَدْرَ مَاھُمَا الثِّقَاتِ عَنْکُمْ قَالَ یَنْظُرُ فَمَا وَافَقَ حُکْمُہُ الْکِتَابِ وَالسُّنَّۃَ وَخَالَفَ الْعَامَۃَ فَیُؤْخَذُ بِہٖ وَیُتْرَکُ مَا خَلَفَ حُکْمُہُ حُکْمَ

الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ قَالَ جُعِلْتُ فِدَاكَ اَرَأَيْتَ اَنْ كَانَ الْخَبَرَانِ عُرِفَ حُكْمُهُمَا مِنَ الْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ وَوَجَدْنَا الْخَبَرَيْنِ اِحْدَاهُمَا مُوَافِقًا لِلْعَامَّةِ وَالْاٰخَرُ مُخَالِفًا بِاَيِّ الْخَبَرَيْنِ يُؤْخَذُ قَالَ مَا خَالَفَ الْعَامَّةَ فَفِيهِ الرَّشَادُ فَقُلْتُ جُعِلْتُ فِدَاكَ فَاِنْ وَافَقَهُمَا الْخَبَرَانِ جَمِيعًا قَالَ يُنْظَرُ اِلٰى مَا هُمْ اَمْيَلُ حُكَّامُهُمْ وَقُضَاتُهُمْ فَيُتْرَكُ وَيُؤْخَذُ بِالْاٰخِرِ.

''راوی نے امام جعفر علیہ السلام سے کہا کہ اگر دو حدیثیں آپ سے مشہور ہیں اور ان کے راوی بھی ثقہ اشخاص ہیں تو کس کو لیا جائے؟ کہا جس کا حکم کتاب اللہ وسنت الرسول کے مطابق ہو اور عامہ (اہل سنت) کے مخالف ہو۔ اس کو لیا جائے اور جو کتاب وسنت کے مخالف ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔ راوی نے کہا اگر دونوں حدیثیں کتاب وسنت سے ماخوذ ہوں اور ایک اہل سنت کے مطابق اور دوسری ان کے مخالف ہے۔ ہم کس کو لیں؟ کہا جو اہل سنت کے مخالف ہو۔ اس کو لینا بھلائی ہے۔ میں نے کہا اگر دونوں حدیثیں اہل سنت کے قول کے مطابق ہوں۔ کہا پھر یہ دیکھا جائے کہ ان میں سے جس کی طرف ان کے حکام اور قاضیوں کا میلان ہے اس کو چھوڑ دیا جائے اور دوسری پر عمل کیا جائے۔''

جائے غور ہے کہ اہل بیت کو اہل سنت سے اس قدر دشمنی تھی کہ اگر اُن کا قول مطابق کتاب اللہ اور سنت الرسول بھی ہو اور اسی کے مطابق ائمہ کی حدیث بھی ہو تو پھر بھی حتی الامکان اُس کی مخالفت ہی کرنا چاہیے۔ حاشا وکلا۔ پاک لوگوں کی کسی سے عداوت نہیں ہوتی۔ جہاں حق مل گیا سر جھکا دیا۔ اُنْظُرْ اِلٰى مَا قَالَ وَلَا اِلٰى مَنْ قَالَ ایک مسلّم مقولہ ہے۔ یہ سب کچھ سبائی کمیٹی کے ممبران کی گھڑت ہے کہ اسلام میں تفرقہ کی بنا ڈالنے کے لیے ایسے ایسے خرافات لکھ دیے گئے۔

نے فروعت محکم آمد نے اُصول
شرم باید از خدا و از رسولؐ

اب ہم شیعہ کے بعض مسائل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ منجملہ ان کے تعزیہ داری، ماتم، سینہ کوبی اور مرثیہ خوانی کا مسئلہ ہے جس کو شیعہ نے باعث نجات سمجھ رکھا ہے۔

تعزیہ و مرثیہ خوانی

واضح ہو کہ اسلام میں بدعات محرم کی ایجاد واختراعات شیعہ سے ہے۔ جو سنت یزید تازہ کرنے کے لیے سال بسال ماہِ محرم میں کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ شیعان حسین کے لیے نجاتِ اخروی کے لیے اسی قدر کافی ہے کہ سال بھر میں ایک دفعہ غم حسین میں سینہ کوبی کرلیں۔ ماتمی لوگ بغیر کسی پرسش کے سیدھے جنت میں چلے جائیں گے اور اُن سے نہیں پوچھا جائے گا کہ تم نے دنیا میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ فرائض ادا کیے ہیں یا نہیں۔ شیعوں کا یہ مسئلہ عیسائیوں کے مسئلہ صلیب سے کم نہیں۔ جیسا کہ ان کا اعتقاد ہے کہ مسیح ہمارے تمام گناہوں کا کفارہ ہوچکے ہیں۔ اسی طرح حضرات شیعہ کہتے ہیں کہ ہمارے گناہوں کا کفارہ شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ ہمارے لیے صرف اتنا ضروری ہے کہ اس واقعہ کی یادگار میں مجلس ماتم قائم کر کے خوب روئیں اور پیٹیں۔ ہم بخشے جائیں گے اور جنت ہمارے ہی لیے ہے۔ سُنیوں کی کیا مجال ہے کہ جنت کا نام بھی لے جائیں۔

ہم نے قرآن وحدیث اور دینی کتب کو چھان مارا ہے۔ ہمیں اس مسئلہ کا کہیں کھوج نہیں مل سکا۔ شیعہ کی اپنی کتابیں بھی اس مسئلہ کی سخت مخالف ہیں۔ پھر معلوم نہیں کہ شیعہ نے یہ مسئلہ کہاں سے نکالا ہے؟ ہم شیعہ بھائیوں سے پوچھتے ہیں کہ تعزیہ مرثیہ خوانی کا شروع کس پیغمبر یا امام سے ہوا؟ اگر کسی نبی یا امام یا صحابی رضی اللہ عنہ سے اس کی ابتداء ثابت نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ سب کچھ بدعات محرمہ سے ہے اور بس۔ اگر کہا جائے کہ واقعہ شہادت حسین کے بعد اس کی ایجاد کی ضرورت ہوئی۔ تو ہم کہیں گے کہ اس سے پیشتر بھی کئی بزرگانِ دین شہید ہوتے رہے پھر کیوں سلف صالحین نے ایسا نہیں کیا؟

جناب امیر علیہ السلام نہایت بیدردی سے مسجد میں شہید کیے گئے۔ حسنین رضی اللہ عنہما نے ان کے غم میں مجالس ماتم قائم نہیں کیں۔ پھر حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ بھی زہر خورانی سے

شہید کیے گئے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے بڑے بھائی کے غم میں کبھی ماتم نہیں کیا۔ حضرت زین العابدین نے محشر خیز واقعہ کربلا اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ انہوں نے بھی ماتم نہیں کیا۔ نہ پیٹنے کی رسم ادا کی۔ ایسا ہی دیگر ائمہ عظام نے بھی کبھی تعزیے نہیں نکالے۔ پھر اُن سے بڑھ کر کس شخص کو شہداء کربلا کا غم ہوگا کہ بغیر سوانگ نکالنے کے تسکین نہیں ہوسکتی۔ اسلام میں پہلا سانحہ عظیم وفات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوا۔ مگر اہل بیت یا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کبھی نوحہ، بکا، مرثیہ خوانی اور سینہ کوبی کی رسم ہونے نہ دی۔ پھر کیونکر کہا جائے کہ یہ بدعات باعث ثواب اور موجب نجات ہوسکتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جابجا قرآنِ کریم میں مومنین کو صبر کی ترغیب دی ہے اور مومنوں کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچ جائے وہ صبر سے کام لیتے اور معاملہ خدا کے سپرد کردیتے ہیں۔

﴿وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ o الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o﴾

”اے رسول ان صبر کرنے والوں کو بشارت دیجیے کہ جب انھیں کوئی دکھ درد پہنچتا ہے کہتے ہیں ہم خدا کے لیے ہیں اور ہماری بازگشت اُسی کی طرف ہے۔“

مسلمانوں کو ارشاد ہے:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ o الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ o﴾

”صبر اور نماز کے وسیلہ سے مدد مانگو۔ اور یہ صبر و نماز بڑی شاق ہے۔ ہاں ان ڈرنے والوں پر جن کو اس بات کا تیقن ہے کہ وہ اپنے ربّ سے ملنے والے ہیں اور وہ اسی کی طرف واپس جانے والے ہیں۔“

پھر معلوم نہیں قرآن کے کس پارہ میں یہ آیت لکھی ہے کہ کوئی واقعہ ہائلہ (مصیبت) پیش آجائے تو سوانگ بنا کر خوب جزع فزع، کپڑے پھاڑو، رخسارے طمانچوں سے لال

کرو، سینہ کوٹ کوٹ کرلہولہان کردو۔ شاید اس قرآن میں یہ حکم ہو جو ستر ہزار آیات کا ہے کہ جو ابھی گوشۂ غار میں مدفون ہے۔ یہ قرآن تو آیاتِ صبر سے پُر ہے اور کسی ایک جگہ بھی جزع فزع کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

اصولِ کافی، ص: ۴۱۰ میں یہ حدیث ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ فَاِذَا ذَهَبَ الرَّأْسُ ذَهَبَ الْجَسَدُ کَذَالِکَ اِذَا ذَهَبَ الصَّبْرُ ذَهَبَ الْاِیْمَانُ.

''امام صادق نے فرمایا: کہ صبر ایمان کے سر کے بجا ہے جب سر کٹ جائے تو جسد بیکار ہو جاتا ہے۔ اسی طرح جب صبر چھوڑ دیا جائے، ایمان جاتا رہتا ہے۔''

پھر جو لوگ برخلاف اس حدیث کے جزع فزع کرتے اور روتے پیٹتے، سینہ کوبی کرکے بے صبری دکھاتے ہیں۔ بشہادت حضرت امام موصوف وہ بالکل بے ایمان ہیں۔ ائمہ اہل بیت نے جزع فزع سے یہاں تک منع فرمایا ہے کہ مصیبت کے وقت رانوں پر ہاتھ مارنا بھی موجب حبط اعمال قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ فروع کافی جلد ۱، ص: ۱۲۲ میں درج ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ضَرَبُ الْمُسْلِمِ یَدَهٗ عَلٰی فَخِذِهٖ اِحْبَاطٌ لِّاَجْرِهٖ.

اب برخلاف اس کے جو لوگ منہ پر طمانچے رسید کرنا اور سینہ کوبی کرنا موجب ثواب سمجھتے ہیں وہ امام صادق کے قول کی تکذیب کرتے ہیں۔

اس بارہ میں قول فیصل جناب امیر علیہ السلام کا قول ہے۔ جو نہج البلاغت ص: ۱۹۳ و ص ۳۳۸ مطبوعہ تہران میں یوں درج ہے:

وَمِنْ کَلَامٍ لَّهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَهٗ وَهُوَ یَلِیْ غُسْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَتَجْهِزَهٗ بِاَبِیْ اَنْتَ وَاُمِّیْ قَدْ اِنْقَطَعَ بِمَوْتِکَ مَا لَمْ یَنْقَطِعْ بِمَوْتِ غَیْرِکَ مِنَ النُّبُوَّةِ وَالْاَنْبِیَاءِ وَاَخْبَارِ السَّمَآءِ

خُصِّصْتَ حَتّٰی صِرْتَ مُسَلِّيًا عَمَّنْ سِوَاکَ وَعُمِّمْتَ حَتّٰی صَارَ النَّاسُ فِیْکَ سَوَاءً وَلَوْلَا اَنَّکَ اَمَرْتَ بِالصَّبْرِ وَنَهَيْتَ عَنِ الْجَزْعِ لَاَنْفَدْنَا عَلَيْکَ مَاءُ الشُّئُوْنِ.

امیر علیہ السلام نے رسول پاک ﷺ کے غسل اور تجہیز کے وقت فرمایا میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔ آپ کی وفات سے وہ امور منقطع ہوئے ہیں جو کسی اور کی وفات سے نہ ہوسکتے تھے۔ وہ امور نبوت اور آسمانی وحی ہیں۔ آپ ایسے خاص ہوئے کہ ماسوائے قطع کر دیا۔ اور آپ کا فیض ایسا عام ہوا کہ تمام لوگ اس سے یکساں مستفیض ہوئے۔ اگر آپ نے ہمیں صبر کرنے کا حکم اور جزع فزع سے منع نہ کردیا ہوتا تو آج ہم آپ کی وفات پر اتنا روتے کہ رطوبت بدن خشک ہو جاتی۔''

دیکھئے! جناب امیر علیہ السلام کا ایسے دردناک موقعۂ وفات رسول پر جزع فزع چھوڑ کر صبر سے کام لینا اور اس پر رسول پاک ﷺ کے امر بالصبر ونہی عن الجزع کو دلیل پیش کرنا اس امر کی فیصلہ کن دلیل ہے کہ بعد الرسول ﷺ اور کسی شخص کی وفات وشہادت پر جزع فزع کرنا اور بے صبری دکھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ کیونکہ وفاتِ رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی سخت صدمہ مسلمان کے لیے بالخصوص اصحاب واہل بیت رسول ﷺ کے لیے ہو نہیں سکتا اور جیسا غم حضور علیہ السلام کی وفات سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تھا کسی اور شخص کی وفات سے کسی دیگر شخص کو نہیں ہوسکتا؟ پھر ایسے دردناک وقت میں جزع فزع اور سینہ کوبی تو کجا آنسو بہانے تک کو بھی خلاف صبر تصور کر کے صبر وتحمل سے کام لیا گیا تو پھر کس طرح کسی اور شخص کی وفات پر یا شہادت پر اس کے خلاف رونا پیٹنا اور سینہ کوبی کرنا روا ہوسکتا ہے۔ یہ کسی ایسے ویسے شخص کا فیصلہ نہیں ہے بلکہ جناب امیر علیہ السلام اور حضرت امام صادق علیہ السلام کے فیصلہ جات ہیں جن پر شیعہ مذہب کا دار و مدار ہے۔ اس لیے کہ شیعہ کو ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے بغیر ہرگز چارہ نہیں ہوسکتا۔

گل وگلچیں کا گلہ بلبل خوش لہجہ نہ کر
تو گرفتار ہوئی اپنی صدا کے باعث

رسولِ پاکؐ کی وصیّت دربارۂ ممانعت جزع وفزع

اس بارہ میں ناطق فیصلہ آنحضرت ﷺ کی آخری وصیت ہے جو بوقت وفات آپ نے اپنی جگر گوشہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمائی۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب جلاء العیون اردو جلد نمبر ا، ص ٦٦ میں لکھا ہے:

''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا واضح ہو کہ پیغمبر کے لیے گریبان چاک نہ کرنا چاہیے اور بال نوچنے نہ چاہئیں اور واویلا نہ کہنا چاہیے۔ لیکن وہ کہنا جو تیرے باپ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کے مرنے میں کہا کہ آنکھیں روتی ہیں اور دل درد میں آتا ہے اور میں نہیں کہتا ہوں کہ موجب غضب پروردگار ہو اور اے ابراہیم میں تجھ پر اندوہناک ہوں۔''

نیز اسی کتاب کے ص ٦٧ میں یوں لکھا ہے:

''ابن بابویہ نے بسند معتبر حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت رسول نے وقت [1] وفات جناب سیدہ سے کہا۔ اے فاطمہ جب میں مرجاؤں۔ اس وقت تو اپنے بال میری مفارقت سے نہ نوچنا اور اپنے گیسو پریشان نہ کرنا اور واویلا نہ کہنا اور مجھ پر نوحہ نہ کرنا اور نوحہ کرنے والوں کو نہ بلانا۔''

اس سے زیادہ صریح فیصلہ ممانعت ماتم کے متعلق کیا ہوسکتا ہے کہ حضورؐ اپنی پیاری بیٹی جناب سیّدہ رضی اللہ عنہا کو وصیت فرماتے ہیں کہ میری وفات کا تم کو صدمہ عظیم ہوگا لیکن

---

[1] ایسا ہی شیعہ کی مستند کتاب حدیث فروع کافی جلد نمبر ۲، ص ۲۱۴ میں ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ عِنْدَ وَفَاتِهٖ لِفَاطِمَةَ لَا تَمْشِي عَلَيَّ وَجْهَهَا وَلَا تُوْخِيْ عَلَيَّ شَعْرًا وَلَا تُنَادِيْ بِالْوَيْلِ وَلَا تُقِيْمِيْ عَلَيَّ نَائِحَةً۔ رسول ﷺ نے بوقت وفات حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا میری وفات پر منہ نہ پیٹنا، بال نہ بکھیرنا، واویلا نہ کرنا، اور نوحہ نہ کرنا۔

جہال کی طرح جزع فزع مت کرنا، نہ سر پیٹنا، نہ گریبان چاک کرنا، نہ واویلا کرنا اور نہ نوحہ کرنا، نہ نوحہ گروں کو گھر میں داخل ہونے دینا۔ اگر یہ امور باعث ثواب ہوتے تو حضور علیہ السلام بجائے ممانعت کے جناب سیدہ کو اذنِ عام دیتے کہ اپنے والد سردارِ دو عالم ﷺ کا ماتم خوب زور شور سے کرنا، خود بھی سر پیٹ کر اور سینہ زنی کر کے قیامت برپا کرنا، اطراف سے نوحہ گروں کو جمع کر کے خوب حق ماتم ادا کرنا۔ جب آپ ﷺ نے ان امور سے سخت ممانعت فرمادی تو معلوم ہوا کہ یہ جملہ حرکات ممنوع ناجائز داخل معصیت ہیں۔ ان کے کرنے سے بجائے ثواب کے عذاب ہوتا ہے بلکہ میت کو بھی ایذا ہوتی ہے۔

جلاء العیون ص: ۷۷ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو آخری وصیت اہل بیت و اصحاب کو فرمائی اس میں یہ الفاظ بھی تھے:

''پس تم لوگ فوج فوج اس گھر میں آنا اور مجھ پر صلوٰت بھیجنا اور سلام کہنا اور مجھ کو نالہ وفریاد وگریہ وزاری سے آزار نہ دینا۔''

ایک اور حدیث فروع کافی جلد ا میں یوں درج ہے۔

امام جعفر صادق کا فتویٰ کفر

حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ نے ماتمیوں کے لیے فتویٰ کفر صادر فرمایا۔ چنانچہ فروع کافی جلد ا، ص ۱۲۱ میں ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ اِنَّ الصَّبْرَ وَالْبَلَاءَ یَسْتَبِقَانِ اِلَی الْمُوْمِنِ فَیَاْتِیْہِ الْبَلَاءُ وَھُوَ صَبُوْرٌ وَاَنَّ الْجَزْعَ وَالْبَلَاءَ یَسْتَبِقَانِ اِلَی الْکَافِرِ فَیَاْتِیْہِ الْبَلَاءُ وَھُوَ جَزُوْعٌ.

''امام صادق نے فرمایا صبر اور مصیبت مومن کے پیش آتے ہیں۔ اسے مصیبت آجاتی ہے اور وہ صبر کرتا ہے اور گھبراہٹ اور مصیبت کافر کے پیش آتی ہے اور اسے مصیبت آجاتی ہے اور وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے۔''

اس حدیث میں حضرت امام نے مومن اور کافر کی شناخت یہ بتائی ہے کہ مومن کو

مصیبت آ جائے تو اس پر وہ صابر ہوتا ہے۔ لیکن جب کافر کو مصیبت پیش آ جائے تو وہ جزع فزع کرنے لگتا ہے، دوسرے لفظوں میں حدیث کا مطلب صاف یہ ہے کہ جو مصیبت پر صبر کرے وہ مومن ہے اور جو جزع فزع کرے وہ کافر ہے۔

جزع کی تعریف

جزع کی تعریف بھی حضرت امام نے بتا دی ہے۔ چنانچہ دوسری حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرٍ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ قَالَ قُلْتُ لَهٗ مَا الْجَزْعُ قَالَ اَشَدُّ الْجَزْعِ الصَّرَاخِ بِالْوَيْلِ وَالْعَوِيْلِ وَلَطْمُ الْوَجْهِهٖ وَالصَّدْرِ وَجَزُّ الشَّعْرِ مِنَ النَّوَاصِیْ وَمَنْ اَقَامَ النَّوَاحَةَ فَقَدْ تَرَكَ الصَّبْرَ وَاَخَذَ فِیْ غَيْرِ طَرِيْقِهٖ. (فروع کافی، جلد ۱، ص: ۱۲۱)

"جابر کہتا ہے میں نے حضرت صادق سے پوچھا: جزع کیا ہے؟ فرمایا: انتہائی جزع ویل وعویل کی پکار کرنا اور منہ پر طمانچے لگانا، سینہ زنی کرنا، بال نوچنا اور جس نے نوحہ (ماتم) کیا۔ اس نے صبر چھوڑ دیا اور غیر شرع کام کیا۔"

یہ بات الم نشرح ہے کہ ماتمی لوگ یہ جملہ حرکات ویل وعویل کیا کرتے، منہ پیٹتے، سینہ کوٹتے اور بال اکھیڑتے اور نوحہ کرتے ہیں۔ اس لیے حسب فتویٰ امام والا مقام یہ کافر ہیں اور خلاف شرع کام کر رہے ہیں۔ کیا ماتمی لوگ ان صریح احادیث ائمہ اہل بیت کو بغور پڑھ کر اس فعل شنیع سے باز آئیں گے؟

ہم نے ممانعت ماتم پر قول خدا، قول رسول، قول جناب امیر اور اقوال امام جعفر صادق پیش کر دیئے ہیں کہ خدا اور رسول خدا نے صبر کا حکم دیا اور جزع سے منع کیا ہے اور جناب امیر علیہ السلام نے اپنے قول وفعل سے اختیار صبر وترک جزع کا فتویٰ دے دیا ہے۔ پھر حضرت صادق نے تو صریح الفاظ میں جزع کی تشریح فرما کر فتویٰ دے دیا ہے کہ جزع وفزع کرنے والے سب کافر ہیں۔ ایسا ہی جناب امام حسینؓ نے بھی اپنے عمل سے بتا دیا کہ خواہ کیسی ہی مصیبت پیش آئے صبر کو ہاتھ سے نہ جانے دینا چاہیے۔ چنانچہ فروع

کافی جلد۱،ص۱۱۹میں ہے:

كَمَا أُصِيبَ أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ صَلَوٰتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ نَعَى الْحَسَنُ إِلَى الْحُسَيْنِ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَهُوَ بِالْمَدَائِنِ فَلَمَّا قَرَأَ الْكِتَابَ قَالَ يَا لَهَا مِنْ مُصِيبَةٍ مَا أَعْظَمَهَا مَعَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أُصِيبَ مِنْكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَلْيَذْكُرْ مُصَابَهُ بِي فَإِنَّهُ لَنْ يُصَابَ بِمُصِيبَةٍ أَعْظَمَ مِنْهَا وَصَدَقَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ.

''جب جناب امیر کی شہادت کا واقعہ ہوا۔حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی حسین رضی اللہ عنہ کو آپ کی وفات کی اطلاع بھیجی۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ نے خط پڑھا۔فرمانے لگے کیسی بڑی مصیبت پیش آئی ہے۔لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو کوئی مصیبت پیش آجائے وہ میرے واقعہ ہائلہ وفات کی مصیبت کو یاد کرے کیونکہ وفات رسول ﷺ سے بڑھ کر مسلمانوں کے لیے کوئی بڑی مصیبت نہ ہوگی اور حضور علیہ السلام نے سچ فرمایا ہے۔''

یعنی حضرت امام حسین علیہ السلام نے اس خبر وحشت اثر کو سن کر ذرہ بھر جزع وفزع نہ کی بلکہ صبر وشکیب سے کام لیا اور یہ فرمایا کہ وفاتِ رسول سے بڑھ کر بقول آنحضرت ﷺ مسلمانوں کے لیے کوئی مصیبت نہیں ہے۔ پھر جب اس پر بھی صبر کا حکم ہے تو پھر کس مصیبت پر بے صبری کرنا جائز ہوسکتا ہے؟

امام حسین رضی اللہ عنہ کی آخری وصیّت

شیعہ کی معتبر کتاب انارۃ البصائر، ص:۲۹۷ میں ہے کہ جناب سیّد الشہداء امام حسین نے کربلائے معلّٰی میں اپنی ہمشیرہ حضرت زینب علیہا السلام کو فرمایا کہ اے بہن جو میرا حق تم پر ہے اسی کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ میری مصیبت مفارقت پر صبر کرو۔ پس جب میں مارا جاؤں تو ہرگز منہ نہ پیٹنا اور بال اپنے نہ نوچنا اور گریبان چاک نہ کرنا کہ تم فاطمہ

زہراء کی بیٹی ہو۔ جیسا انہوں نے پیغمبر خدا کی مصیبت میں صبر فرمایا تھا اسی طرح تم بھی میری مصیبت میں صبر کرنا۔

اس سے زیادہ واضح دلیل اس امر کی کہ شہداء کربلا کی مصیبت میں منہ پیٹنا سینہ کوبی کرنا ناجائز ہے، اور کیا ہوسکتی ہے کہ خود سیّد الشہداء نے اپنی ہمشیرہ کو آخری وقت میں یہ وصیت فرمادی کہ میری شہادت پر جزع وفزع نہ کرنا، نہ پیٹنا، نہ بال نوچنا، نہ گریبان چاک کرنا، بلکہ ایسا ہی صبر کرنا جیسا کہ جناب سیّدہ نے وفات رسول ﷺ پر صبر کیا۔ پھر جو لوگ اس کے خلاف ماتم حسین میں اس قدر طوفانِ بے تمیزی برپا کرتے ہیں کہ عورتیں مرد جمع ہو کر سینہ کوٹتے، منہ پیٹتے، ہائے وائے کی دوہائی سے زمین ہلا دیتے ہیں۔ یہ سیّد الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے حکم کی نافرمانی کرتے اور خدا اور رسول کو ناراض کرتے ہیں ع

نہ اس پر بھی اگر سمجھو تو پھر تم سے خدا سمجھے!

فی زمانا جو رواج ہوگیا ہے کہ مجلس ماتم میں جوان مرد اور جوان عورتیں زرق برق پوشاکیں پہنے آنکھوں میں کاجل لگائے بالوں کو معطر تیل لگا کر کنگھی پٹی کیے ایک دوسرے کی دید بازی کے لیے جمع ہو جاتے ہیں اور راگ ممنوع میں سر اور تال سے مرثیہ خوانی ہوتی اور سینہ زنی کی جاتی ہے اور تعزیہ پر نذر ونیاز چڑھائے جاتے ہیں۔ سجدے ہوتے اور عرضیاں گزاری جاتی ہیں۔ یہ سب شرک وبدعت ہے۔ جس کی مخالفت نہ صرف کتب اہل سنت بلکہ کتب اہل تشیع میں بھی بالتصریح لکھی ہے۔ چنانچہ شیعہ کی ایک نہایت معتبر تفسیر عمدۃ البیان مطبع یوسفی دہلی کے ص ۳۲۸ میں ذیل آیت وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ، یوں لکھا ہے:

یہ آیت حقیقت میں امام حسینؓ کے حق میں نازل ہوئی ہے اس واسطے کہ جو کچھ آیت میں ہے وہ ان کے حال پر صادق آتا ہے اور دوسرے شخص کو ہم ایسا نہیں کہتے ہیں اور یہ معرکہ آں حضرت کا بڑا معرکہ ہے رونا رلانا ان کی مصیبت پر ثوابِ عظیم رکھتا ہے۔ لیکن اکثر آدمی محرم میں بدعت کرکے ثواب کو ضائع کرتے ہیں باجے بجاتے اور بجواتے ہیں اور مرثیوں میں جھوٹی حدیثیں اپنی طرف سے ایجاد کرکے داخل کرتے ہیں اور غلو اور تنقیص کی روایتوں کو مجلسوں میں بیان کرکے لوگوں کے ایمانوں کو فاسد کرتے ہیں اور جو راگ کہ

شرع میں ممنوع ہیں اس میں مرثیوں کو پڑھتے ہیں اور عورتیں بلند آواز سے مرثیوں کو پڑھتی ہیں اور نامحرم ان کی آواز کو سنتے ہیں۔ ان امور میں مومنین کو اجتناب لازم ہے اور تعزیوں پر محتاج آدمی تو اپنی احتیاج کی عرضیاں باندھتے ہیں اور یا کاغذ کی روٹی کتر کر باندھتے ہیں۔ اس مراد سے کہ اگر میری آسودگی اور فراغت ہوئی تو میں چاندی کی روٹی گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھاؤں گا، اور بے اولاد آدمی کاغذ کا لڑکا کتر کر تعزیہ پر باندھتے ہیں۔ اس ارادہ سے کہ اگر ہمارے بیٹا پیدا ہوگا تو ہم چاندی کا لڑکا گھڑوا کر تعزیہ پر چڑھائیں گے۔ اوّل یہ کہ تصویر انسانی ہے اور تصویر کے بنانے سے اجتناب لازم ہے اور سوا اس کے حاجت کا طلب کرنا پروردگار سے چاہیے کہ وہ قاضی الحاجات ہے نہ غیر اُس کا۔ ہاں حضرات ائمہ معصومین علیہم السلام سے شفاعت کا چاہنا کہ خدا تعالٰی ہماری شفاعت کو بر لائے اور ان کے واسطے سے دعا مانگنا موجب قضائے حاجت اور موجب حصولِ مقصد ہے جیسے کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔ اور بعض جہلاء تعزیہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ یہ طریقہ کفار و مشرکین کا ہے، اس سے پرہیز کرنا واجب ہے اور تعزیہ و علم پر زیارت کا پڑھنا نہ چاہیے۔ البتہ اگر کربلائے معلٰی کی طرف منہ کر کے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے روضہ کی نیت سے زیارت پڑھے تو مضائقہ نہیں ہے۔"

دیکھئے سیّد عماد علی جو ایک غالی شیعہ ہے، وہ بھی اپنی کتاب میں بدعاتِ تعزیہ کی سخت مذمت کرتا ہے۔ کیا شیعہ اُن بدعات سے باز آئیں گے؟

یہ ماتم بھی عجیب ہے کہ ڈھول بجا کر گتکہ بازی کی جاتی ہے۔ تعزیہ کے ساتھ شاہدانِ بازاری کا اجتماع ہوتا ہے جو سرو پا برہنہ تعزیہ کے آگے سلامی کرتی جاتی ہیں۔ دید باز لوگ اس دلفریب منظر کو غنیمت سمجھ کر حظ اٹھاتے ہیں۔ کیا یہ یزیدی گروہ کے جشن کی نقالی نہیں ہے جنہوں نے امام حسین کو شہید کرا کے ڈھول وباجے بجائے اور محفلہائے شادمانی قائم کیں۔ ہاں ہمیں یہ تو بتایا جائے کہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کون لوگ تھے؟ جس پر کتب شیعہ بالاتفاق شاہد ہیں۔

قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ شیعہ تھے

شیعہ کی کتابوں میں بالتصریح لکھا ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو اہل کوفہ نے جو شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کا مولد و مسکن تھا لاتعداد تائیدی خطوط لکھ کر بلوایا۔ آپ نے پہلے اپنے عم زاد بھائی حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ کو روانہ کیا۔ ان کو معہ ان کے صغیر السن دو صاحبزادوں کے بڑی بے دردی سے شہید کیا گیا۔ پھر جب امام والا مقام پہنچے۔ آپ کو بھی انہی شیعوں نے جو آپ کی بیعت کر چکے تھے، شہید کیا۔

شیعانِ کوفہ کی خط و کتابت

شیعہ کی مستند کتاب اخبار ماتم مطبوعہ رام پور، ص: ۲۵۸ میں لکھا ہے:

بَلَغَ اَهْلَ الْكُوْفَةِ هَلَاكُ مُعَاوِيَةَ وَعَرَفُوْا خَبَرَ الْحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَاجْتَمَعَتِ الشِّيْعَةُ فَكَتَبُوْا اِلَيْهِ ثُمَّ سَرَحُوْا بِالْكُتُبِ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مِسْمَعٍ وَعَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ وَالٍ فَخَرَجَا مُسْرِعَيْنِ حَتّٰى قَدِمَا عَلَى الْحُسَيْنِ بِمِائَةٍ مِنْ عَشْرٍ مَضَيْنَ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ.

''جب امیر معاویہ کی خبر وفات اہل کوفہ کو پہنچی اور امام حسین علیہ السلام کی ہجرت مکہ کا حال معلوم ہوا تو تمام شیعہ نے مجتمع ہو کر بالاتفاق آپ کی طرف خط لکھا اور عبداللہ بن مسمع اور عبداللہ بن وال کے ہاتھ وہ خط روانہ کیا۔ یہ دونوں قاصد دوڑتے ہوئے مکہ معظمہ میں ۱۰ ر رمضان کو امام صاحب کی خدمت میں پہنچے۔''

یہ سلسلہ یوں ہی جاری رہا کہ ایک دن میں ۶۰۰ خطوط آپ کی خدمت میں پہنچے۔ اور بالآخر ان کی تعداد بارہ ہزار تک پہنچ گی۔ چنانچہ کتاب مذکور کے صفحہ مذکورہ میں ہے:

فَوَرَدَ عَلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ وَاحِدٍ سِتَّةُ مِائَةِ كِتَابٍ وَتَوَاتَرَاتِ الْكُتُبُ

حَتّٰی اجْتَمَعَ عِنْدَهٗ اثْنَا عَشَرَ اَلْفَ كِتَابٍ.

یعنی امام صاحب کے پاس متواتر خط شیعوں کے مختلف جگہ سے بارہ ہزار جمع ہو گئے۔ اور شعبی نے روایت کی ہے:

وَبَايَعَ الْحُسَيْنُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَرْبَعُوْنَ اَلْفًا مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ عَلٰى اَنْ يُحَارِبُوْا مَنْ حَارَبَ وَيُسَالِمُوْا مَنْ سَالَمَ.

یعنی چالیس ہزار کوفہ کے شیعیان نے امام صاحب کی بیعت اس بات پر کی کہ اگر وہ لڑیں گے تو ہم لڑیں گے۔ اگر وہ صلح کریں تو ہم ہر حال میں اُن کے تابعدار اور مطیع ہیں۔ آخر الامر امام صاحب نے مجبور ہو کر ان کی آرزو کے مطابق خط روانہ کیا۔

فَعِنْدَ ذَالِكَ رَدَّ جَوَابَ كُتُبِهِمْ بِمَنِّيْهِمْ بِالْقُبُوْلِ بَعْدَهُمْ بِسُرْعَةِ الْقُبُوْلِ.

''یعنی امام صاحب کے ان کے خطوط کا جواب مطابق ان کی دلی خواہش کے روانہ فرمایا اور وعدہ بہت جلدی کوفہ میں تشریف فرمانے کا دیا اور سفر کوفہ کا قصد مصمم امام صاحب کا ہوا۔''

شیعہ کی معتبر کتاب ''خلاصۃ المصائب'' ص ۱۴۱ میں ہے کہ جب امام حسینؓ ظلم اعداء سے تنگ آ کر مرقد مطہر رسولِ خدا ﷺ سے جدا ہوئے تیسری تاریخ شعبان کو مکہ معظمہ میں کوفیانِ پُر دغا نے نامے علی الاتصال حضرت کی خدمت میں بھیجے۔ بعض ناموں کا مضمون یہ تھا: لَيْسَ عَلَيْنَا اِمَامٌ فَاَقْبِلْ لَعَلَّ اللّٰهَ اِنْ يَجْمَعُنَا بِكَ عَلَى الْحَقِّ (یعنی اے حضرت ہم امام و پیشوا نہیں رکھتے۔ جلدی تشریف لائیے۔ شاید خدا حق کو ہمارے ہاتھ جاری کر دے اور شیث بن ربعی وغیرہ شیعہ نے بایں طور خط لکھ کر روانہ کیا۔ اَمَّا بَعْدُ فَقَدِ اخْضَرَّتِ الْجَنَّاتُ وَانْبَعَثَ الثِّمَارُ فَاقْدَمْ عَلَيْنَا لَكَ عَلٰى جُنْدٍ وَّالسَّلَامُ.

''بعد حمد و صلوٰۃ کے تحقیق صحرا و بیابان سبز و خرمی میں ہیں اور درخت میوہ جات بار آور ہیں پس آپ ہماری طرف تشریف لائیے کہ فوج کثیر آپ کی نصرت و امداد کے لیے تیار ہے اور شب و روز انتظار کرتے ہیں۔''

نیز کتاب مذکور ص: ۵۶ میں ہے کہ جب امام علیہ السلام کو راستہ میں خبر شہادت امام کی

ہوئی تو آپ نے تمام لشکر کو جمع کیا اور فرمایا:

وَقَدْ خَذَلَنَا شِيْعَتُنَا فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمُ الْاِنْصِرَافَ فِىْ غَيْرِ حَرَجٍ لَيْسَ عَلَيْهِ ذِمَامٌ.

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ آپ کو ذلیل وخوار کرنے والے شیعہ ہی لوگ تھے۔ کیونکہ آپ نے فرمایا بیشک ہمیں ہمارے شیعہ نے بلا کر خوار کیا اور نصرت سے ہاتھ اٹھالیا۔ پس اب جو چاہے چلا جائے جو چاہے ہمارے ساتھ رہے۔ جو چلا جائے اُسے کچھ حرج نہیں ہوگا۔" اُس کے آگے لکھا ہے کہ امام صاحب سے یہ بات سن کر بہت سے دنیا پرست لوگ آپ سے علیحدہ ہوگئے جو مدینہ سے آپ کے ساتھ آئے۔ انہوں نے شہادت پائی۔

امام علیہ السلام نے بعد نماز جو خطبہ پڑھا اس میں یہ الفاظ تھے:

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ لَمْ اٰتِكُمْ حَتّٰى اَتَتْنِىْ كُتُبُكُمْ وَاِنْ كُنْتُمْ كَارِهِيْنَ لِمَقْدِمِىْ اِنْصَرَفْتُ عَنْكُمْ.

"اے اہل کوفہ میں نہیں آیا مگر جب تمہارے بہت نامے میری طلب کو پہنچے۔ اگر تم عہد و پیمان پر ثابت ہو تو تازہ عہد کرو تاکہ مجھے اطمینان ہو اور اگر تم میرے آنے کو ناپسند کرتے ہو تو میں جہاں سے آیا ہوں وہاں پھر جاؤں۔"

شیعہ کا ایک خط

شیعہ کی مستند کتاب جلاء العیون ص ۳۴۰ میں ایک خط شیعیان کوفہ کا بدیں مضمون مسطور ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ نامہ سلیمان بن مردہ مسبب بن نخبہ اور رفاعہ بن حبیب بن مطاہر اور جمیع شیعیان ومومنین ومسلمین اہل کوفہ کی جانب سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے۔ آپ پر سلامِ خدا ہو اور ہم اس نعمتہائے کاملہ خدا پر جو ہم پر ہیں حمد کرتے ہیں۔ اور ہم خدا کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے آپ کے دشمن جبار معاند کو بغیر

رضا مندی امت ان پر حاکم ہوا تھا ہلاک کیا۔ اور وہ بجور عدوان امت پر حاکم ہوا اور ان کے اموال میں ناحق تصرف کیا اور نیکانِ امت کو قتل کیا۔ اور بداطواروں کو نیکوں پر مسلط کیا اور اموالِ خدا کو مالداروں اور جباروں پر تقسیم کیا۔ خدا اسے نفرین کرے جس طرح قوم ثمود پر نفرین کی اور واضح ہو کہ اس وقت ہمارا کوئی امام پیشوا نہیں پس آپ ہماری طرف توجہ کیجیے اور ہمارے شہر میں قدم رنجہ فرمایئے کہ ہم سب آپ کے مطیع ہیں۔ شاید حق تعالیٰ حق کو آپ کی برکت سے ظاہر کرے اور نعمان بن بشیر حاکم نہایت ذلیل وخوار دارالامارت میں بیٹھا ہے اور ہم جمعہ وعیدین کو وہاں پڑھنے نہیں جاتے ہیں اور جب آپ کی خبر تشریف آوری کی ہم کو ملے گی، تو ہم اسے کوفہ سے نکال دیں گے۔

دوسرا خط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم یہ عریضہ شیعوں اور فدویوں ومخلصوں کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ امابعد بہت جلد اپنے دوستوں، ہوا خواہوں کے پاس تشریف لایئے کہ جمیع مردماں ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں اور بغیر آپ کے دوسرے شخص کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں البتہ بہ تعجیل تمام ہم مشتاقوں کے پاس تشریف لایئے۔

امام حسین علیہ السلام کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین ابن علی رضی اللہ عنہ کا مومنوں مسلمانوں شیعیان کی طرف ہے امابعد قاصدوں اور بے شمار خطوط آنے کے بعد جو تم نے مجھے خط ہانی اور سعید کے ہاتھ بھیجا، مجھے پہنچا۔ تمہارے سب خطوط سے مطلع ہوا۔ تم نے سب خطوط میں مجھے لکھا ہے کہ ہمارا کوئی امام نہیں۔ آپ بہت جلدی تشریف لایئے۔ خدا آپ کی برکت سے ہم کو بحق ہدایت کرے۔ واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر وپسر عم محل اعتماد مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے۔ بمشورۂ عقلاء

واشراف و بزرگانِ قوم لکھا ہے، اسی وقت میں ان شاء اللہ بہت جلدی تمہارے پاس چلا آؤں گا۔ میں اپنی جان کی قسم کھاتا ہوں۔ امام وہی ہے جو درمیان مردم بکتابِ خدا حکم اور آیت کا قیام کرے اور قدم جادۂ شریعت مقدسہ سے باہر نہ رکھے اور لوگوں کو دین حق پر مستقیم رکھے۔ (جلاء العیون، ص:۴۳۱)

اس تمام خط و کتابت کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ شیعیان کوفہ نے کس منت وسماجت سے ارادت مندانہ اور مخلصانہ خطوط لکھ کر امام علیہ السلام کو بلوایا۔ اور آخر اُنہی بلانے والے مخلص شیعوں نے آپ کو تیغ جفا سے شہید کیا جیسا کہ جلاء العیون جلدا ص ۴۷۹ میں تصریح ہے۔

"پس بیس ہزار مردم عراقی نے امام حسین سے بیعت کی تھی خود انہوں نے شمشیر امام حسین پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے حسین ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسین کو شہید کیا۔

اسی کتاب کے صفحہ ۴۶۹ میں لکھا ہے کہ امام نے شیعیان کوفہ کو میدانِ کربلا میں کہا کہ تم نے مجھے طلب کیا اور اظہارِ محبت کے دم بھرے اور اب میری جان کو قتل کرنا چاہتے ہو اور حالانکہ میری طرف سے کوئی اب تک بیوفائی کی بات بہ نسبت تمہارے واقعہ نہیں ہوئی۔

ماتم حسین رضی اللہ عنہ کی ابتداء

کتبِ شعیہ میں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ امام مظلوم کو شہید کر دینے کے بعد ماتم حسین کرنے والے بھی وہی آپ کے قاتل شیعہ غدارانِ کوفہ تھے۔ چنانچہ شیعہ کی معتبر کتاب اخبار ماتم ص ۴۰۲ میں ہے:

"جب امام شہید ہو گئے تو اہل کوفہ وغیرہ نے اس قدر ماتم کیا کہ کسی کو ضبط کرنے کی تاب نہ رہی۔ فَجَعَلَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ يَنُوْدُوْنَ وَيَبْكُوْنَ۔ تب ابن حسینؓ نے فرمایا: فَقَالَ عَلِيُّ ابْنُ الْحُسَيْنِ بِصَوْتٍ مَنِيْلٍ اَيَبْكُوْنَ مِنْ حُبِّنَا فَمَنْ ذَالَّذِيْ قَتَلَنَا۔ (یعنی جب شیعیان کوفہ نے ماتم برپا کیا تو فرمایا زین العابدین نے، باریک آواز سے فرمایا اب تم

لوگ روتے اور چلاتے ہو ہمارے لیے۔ یہ تو بتاؤ کہ ہمیں ذبح کس نے کیا۔ (یعنی تم ہی تو قاتل ہو، پھر رونے چلانے کے کیا معنی؟)

اسی کتاب کے صد ۸۱۸ میں ہے کہ حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہا نے اہل کوفہ کو مخاطب کر کے فرمایا:

ثُمَّ اِنَّ اُمَّ كُلْثُوْمَ اطْلَعَتْ رَاسَهَا مِنَ الْمَحَلِّ وَقَالَتْ لَهُمْ يَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ يَقْتُلُنَا رِجَالُكُمْ وَتَبْكِيْنَا نِسَاءُ كُمْ فَالْحَاكِمُ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْفَصْلِ لِلْقَضَايَا.

یعنی مائی صاحبہ ام کلثوم نے محل سے اپنا سر باہر نکال کر فرمایا کہ چپ رہو۔ اے کوفیو! تمہارے مردوں نے ہمیں قتل کیا اور تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں۔ عجب ہے۔ بروز قیامت ہمارے اور تمہارے درمیان خدا خود فیصلہ کرے گا اور بدکرداروں کو جہنم واصل کرے گا۔

اخبار ماتم ص ۱۲۲ میں ہے کہ حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

يَاَيُّهَا النَّاسُ فَانْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ هَلْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّكُمْ كَتَبْتُمْ اِلٰى اَبِىْ وَخَدَعْتُمُوْهُ.

(یعنی اے گروہِ مرداں، قسم ہے پروردگار کی تم کو۔ سچ کہو جو میں کہتا ہوں کہ تم نے کس قدر خط میرے والد بزرگوار کے نام تحریر کیے تھے۔ پھر تم نے میرے باپ کا ساتھ چھوڑ دیا، اور ظلم وستم پر کمر باندھ لی۔)

حضرت زینبؓ کا خطبہ

اخبار ماتم ص ۸۰۵ میں ہے کہ حضرت زینب نے اہل کوفہ کا رونا پیٹنا دیکھا تو آپ نے ایک خطبہ پڑھا۔ جس میں ان بے وفا شیعوں قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کو بددعا کی گئی:

قَالَتْ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالصَّلٰوةُ عَلٰى اَبِىْ مُحَمَّدٍ وَاٰلِهِ الطَّيِّبِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَيَا اَهْلَ الْكُوْفَةِ اَتَبْكُوْنَ وَتلحونَ اى وَاللّٰهِ فَابْكُوْا كَثِيْرًا

وَّاضْحَكُوْا قَلِيْلًا.

مائی صاحبہ نے فرمایا:

''بعد حمد وصلوٰۃ کے، اے اہل کوفہ! اب تم روتے اور رقت کرتے ہو۔ اللہ کی قسم روتے پھرو، تم بہت روؤ اور تھوڑا ہنسو۔ (یعنی ہمیشہ روتے پیٹتے رہو اور ہنسی کبھی تمہارے نصیب نہ ہو)۔''

کسی پنجابی شاعر نے مائی صاحبہ کے خطبہ کا ترجمہ پنجابی شعروں میں حسب ذیل کیا ہے:

مائی صاحبہ رضی اللہ عنہا کی بددعا

جس دن ماتم قائم کیتا کوفیاں بے ایماناں
خاطر کارن اہل البیتاں کھولیاں خوب زباناں
کھلیاں باہیں وین الائے ماتم سخت اٹھایا
مرثیہ پڑھ دے ڈھول وجاندے ہے ہے شور مچایا
بھین امام حسین ولی دی سن کے ایہہ فرماوے
کیہا شور کُکارا لوکو وچہ کناں دے آوے
ماتم والیاں بول سنایا سن توں سیّد زادی
دین دُنی دے اندر دائم عزت رہی تساڈی
ماتم دیر تیرے دا کردے روندے زار وزاری
بی بی کہیا چپ کروتاں دساں حقیقت ساری
سن کے سخن ہوئے اوہ ساکت بی بی نے فرمایا
واہ سبحان اللہ کیا مطلب بی بی کھول سنایا
میں تعریف کراں اس رب دی جس نے ملک وسایا
پڑھاں درود رسول اللہ تے جس دا شان سوایا

جس نے سچیاں خبراں ربّ تھیں ظاہر کر دکھلایاں
جس نے خبراں صبراں والیاں سانوں کھول سنایاں
کراں دعا خداوند اگے سچے دلوں بجانوں
شالا روندے پٹدے جاؤ سارے ایس جہانوں
خوشی تسانوں کدے نہ ہووے نہ رب کدے ہساوے
روز حشر تک وقت تساڈا اینویں ربّ لنگھاوے
ۂی قبول دعا مائی دی کیتی پاک الٰہی
دیکھو ہن تک سارا ٹولہ ہے اندر گمراہی
چڑھدے سال ایہہ ماتم کردے ربّ تھیں مول نہ ڈردے
دِل وچہ ہتک امام مکرم خستہ خستہ کردے

پہلا ماتمی یزید ہے

''اخبار ماتم'' میں لکھا ہے کہ سب سے اوّل ماتم یزید عنید کے گھر ہوا اس لیے ماتم گویا یزید کی سنت ہے۔ باقی سب ماتمی اس کے متبع ہیں۔ چنانچہ اخبار ماتم ص ۹۶۷ میں ہے:

فَلَمَّا جَلَسْنَا بَيْنَ يَزِيْدِ دقَّ لَنَا وَالْطَفَنَا وَاَمَرَ بِاَهْلِ بَيْتِ حُسَيْنٍ اَنْ يَّدْخُلُوْا دَارَهٗ فَلَمَّا دَخَلَتِ النِّسْوَةُ دَارَ يَزِيْدَ لَمْ يَبْقَ مِنْ آلِ مُعَاوِيَةَ وَاَبِىْ سُفْيَانَ اَحَدٌ اِلَّا اسْتَقْبَلَهُنَّ بِالْبُكَاءِ وَالصُّرَاخِ وَالنِّيَاحَةِ عَلَى الْحُسَيْنِ وَخَرَجَتْ هِنْدَةُ حَتّٰى شَقَّتِ السِّتْرَ وَهِىَ حَاسِرَةٌ فَقَالَتْ يَا يَزِيْدُ رَاْسُ ابْنِ فَاطِمَةَ مَصْلُوْبٌ عَلٰى فَنَاءِ بَابِىْ فَوَثَبَ اِلَيْهَا يَزِيْدُ فَغَطَّاهَا وَقَالَ نَعَمْ فَاعْوِلِىْ عَلَيْهِ يَا هِنْدَةُ وَالْقِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنَ الثِّيَابِ وَالْحُلِىِّ وَاَقِمْنَ الْمَاتَمَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ اَيَّامٍ وَجَعَلَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ يَنُوْحُوْنَ وَيَبْكُوْنَ فَقَالَتْ زَيْنَبُ مَا هٰذَا الْبُكَاءُ فَقَالُوْا لِاَجْلِ اَخِيْكِ فَاَشَارَتْ اِلَى النَّاسِ

اُسْكُنُوْا فَسَكَتَتِ الْاَجْرَاسُ وَارْتَعَدَتِ الْاَنْفَاسُ فَقَالَتْ اَلْحَمْدُلِلّٰهِ.

ترجمہ: ''جب اہل بیت یزید کے سامنے لائے گئے، بڑی نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اہل بیت کے لیے حکم کیا کہ میرے گھر داخل کیے جائیں۔ جب مستورات یزید کے گھر داخل ہوئیں بنوسفیان کی تمام عورتیں چیخنے لگیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ پر نوحہ شروع کر دیا۔ ہندہ زوجہ یزید پردہ پھاڑ کر برہنہ بدن باہر نکل پڑی اور کہنے لگی، اے یزید جگر گوشۂ فاطمہؓ (حسین) کا سرِ مبارک نیزہ پر تانا ہوا، میرے گھر کے دروازہ پر رکھا ہوا ہے۔ یزید اپنی عورت کے پاس کود کر گیا اور اس کو کپڑوں سے ڈھانکا اور کہا۔ ہاں تم اس پر ماتم کرو۔ کپڑے اور زیور اس پر اُتار پھینکو اور تین دن صفِ ماتم بچھائے رکھو۔ اس پر اہلِ کوفہ ماتم کرنے اور رونے پیٹنے لگے تو حضرت زینب رضی اللہ عنہا (ہمشیرہ امام حسین علیہ السلام) نے کہا۔ یہ شور وفغاں کیسا ہے؟ لوگوں نے کہا۔ تمہارے بھائی کا ماتم ہے۔ بی بی صاحبہ نے کہا۔ چپ کرو۔ گھڑیال چُپ کرائے گئے اور شور بند ہوا تو آپ فصیح و بلیغ خطبہ پڑھنے لگیں۔'' (جس میں یہ دُعا کی گئی جو اوپر درج ہو چکی ہے)۔

شیعہ غور کریں کہ وہ ماتم کرنے میں کس کی اتباع کرتے ہیں اور پہلا ماتمی کون شخص ہے اور کس کے گھر سے پہلے یہ رسم شروع ہوئی؟ جب شیعہ کی معتبر کتب میں تصریح ہے کہ ماتم کرنے والوں کا پہلا امام یزید عنید ہے تو ان کو شرم آنی چاہیے کہ کس کی تقلید کر رہے ہیں۔ ایک شخص نے کیا عبرت آموز مضمون اس کے متعلق نظم میں بیان کیا ہے:

نظمِ اُردُو

بے اَدب کون تھا اور ظلم کمایا کس نے	ابنِ حیدر کو تھا کوفہ میں بُلایا کس نے؟
کس نے خط بھیجے ذرا دیکھو کتابیں اپنی	سچ کہو جھوٹ نہ کہنا کہ رُلایا کس نے؟
آلِ سرور کے دُلارے پہ چلا کر خنجر	دشت پر کرب وبلا میں تھا لٹایا کس نے؟

وہ حسینؑ ابن علیؓ لختِ جگر پاک نبیؐ
نُورِ زہرا کی شعاعوں کو بجھایا کس نے؟
تھا جو گلزارِ محمدؐ کا وہ تازہ پودا
آتشِ جور و جفا سے تھا جلایا کس نے؟
فخرِ اسلام کو، بل یوسفؑ ثانی کو وہاں
قتل کر رُتبہ اسلام گھٹایا کس نے؟
قتلِ احمدؐ تھا وہ لاریب جو تھا قتلِ حسینؓ
سچ کہو خون پیغمبر کا بہایا کس نے؟
کس نے تشنوں پہ کیا بند تھا پانی پینا
بہتی ندیوں سے پھر مار ہٹایا کس نے؟
خانۂ زہرا کے جلانے کی ہے تہمت کن پر
خیمہ کو کرب و بلا میں تھا جلایا کس نے؟
حضرتِ خانۂ زہرا کے جگر کی دولت
دشتِ پُر خار میں لی لوٹ، لٹایا کس نے؟
ایک کو ایک سے دعویٰ تھا محبت بڑھ کر
حیف اس عہدِ محبت کو بھلایا کس نے؟
اہلِ تطہیر جو تھیں پردہ نشینانِ امامؑ
دربدر خاک بسر ان کو پھرایا کس نے؟
گھر میں بیٹھے تھے بہ آرام جو مردانِ خدا
لکھ کے خط مکہ سے تھا ان کو بلایا کس نے؟
پرِ جبریلؑ کے سایہ میں جو رہتے تھے سدا
خاک اور دھوپ میں تھا ان کو گرایا کس نے؟
ہو گیا تیروں سے چھلنی تھا وہ جسم اَطہر
دوشِ نورانی پہ تھا گھوڑا دوڑایا کس نے؟
بوسہ گاہِ پاک محمدؐ سے جو انور شفتین
پے بہ پے لکڑی کو تھا ان پہ چلایا کس نے؟

دوشِ سرورؐ پہ سواری تھے جو کرتے رہتے
بیچ پاؤں کے گرا ان کو روندایا کس نے؟

نظمِ اُردو

یہ تھا شیعانِ علیؓ کا سب کا سب جور و جفا
معتبران کی کتابوں میں جو ہے لکھا ہوا
دیکھ لو تم کوفہ کے وہ جملہ شیعانِ علیؓ
قلب کے کوڑھی تھے وہ اور پُر دغا تھے وہ سدا
چلتے سب خطوات پہ جن کے محبانِ حسینؓ
روتے ہیں اور سینہ کوبی سے نہیں ٹلتے ذرا

کام ان کا ہے یہی آباء اور اجداد سے
چل بسیں گے اس جہاں سے کرتے یہ آہ و بکا

ایک اور دلیل

ماتم کے ناجائز ہونے پر ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم پارہ (۲) میں ہے۔ وَلَاتَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ (یعنی جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوں۔ ان کو مردے مت کہو) نیز پارہ ۴ میں ہے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا (یعنی جو خدا کی راہ میں شہید ہوجائیں، ان کی نسبت مردے ہونے کا گمان نہ کرو) پھر سید الشہداء کو مُردہ قرار دے کر ان کا ماتم کرنا۔ قرآن پاک کی ان آیات کی تکذیب کرنا ہے۔

تعزیہ کے عدم جواز پر ایک اور دلیل یہ ہے کہ کتاب من لایحضرہ الفقیہ ص ۳۷ میں ہے: مَنْ جَدَّدَ قَبْرًا اَوْمَثَّلَ مِثَالاً فَقَدْ خَرَجَ عَنِ الْاِسْلَامِ (یعنی جس شخص نے کسی قبر کی تجدید کی یا اس کی مثال بنائی وہ اسلام سے خارج ہوگیا) جب بحکمِ حدیث قبر کی تجدید اور اس کی مثال بنانا بھی کفر ہے تو پھر تعزیہ بنانا بطریقِ اولیٰ موجبِ ضلالت ہوا۔

شیعہ کا استدلال

جب قرآن وحدیث اور کتب شیعہ پیٹنے اور سینہ کوبی کو حرام قرار دیتے ہیں اور شیعہ کو اس کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ملتی تو بقول اَلْغَرِيْقُ يَتَشَبَّثُ بِالْحَشِيْشِ (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) وہ عجیب مضحکہ خیز دلائل پیش کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی کو جب بشارت فرزند کی گئی فَصَكَّتْ وَجْهَهَا (اس نے منہ پر ہاتھ رسید کیا) اس سے پیٹنے پر استدلال کیا جاتا ہے۔ کوئی ان عقل کے اندھوں سے پوچھے کہ فرزند پیدا ہونے کی بشارت ملنے پر لوگ خوشی کیا کرتے ہیں یا ماتم؟ دوسری جگہ بیوی صاحبہ کے ہنسنے کا بھی ذکر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماتم کا ایک طریق ہنسنا کودنا بھی ہے۔

آفریں باد بریں عقل و بریں دانش تو

سب لوگ جانتے ہیں کہ عورتوں کا قاعدہ ہے کہ جب وہ بات کرنے لگتی ہیں، منہ پر ہاتھ رکھ لیتی ہیں، اسی طریق کے مطابق بیوی صاحبہ نے منہ پر ہاتھ رکھا حالانکہ آپ کو اس بشارت کے ملنے سے کمال مسرت تھی اور وہی قلبی مسرت ان کے ہنسنے کا باعث ہوئی لیکن خوش فہمی قابلِ داد ہے کہ اس سے جوازِ ماتم پر استدلال کیا جاتا ہے۔

دوسری دلیل

شیعہ کی دوسری دلیل یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں بہت روئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ وَهُوَ كَظِيمٌ۔ (یعقوب علیہ السلام کی دونوں آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں اور ان کو بہت رنج تھا) معلوم نہیں، اس آیت میں رونے پیٹنے کا کس لفظ سے استدلال کیا جاتا ہے اور کس لفظ کا معنی رونا پیٹنا لیا جاتا ہے؟ یہ آیت اُن کی دلیل نہیں بلکہ اُن کی صریح تردید ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کے فراق کا اس قدر رنج و غم تھا کہ غم کی وجہ سے ان کا دماغ کمزور ہو کر بصارت جاتی رہتی تھی۔ اگر شیعہ کا خیال صحیح ہو تو مِنَ الْحُزْنِ کی جگہ مِنَ الْبُكَاءِ وَالصَّرَاخِ ہونا چاہیے تھا۔ حالانکہ آیت میں ایسا نہیں ہے۔ اگر رونا پیٹنا بصارت کے زوال کا باعث ہوتا تو آج دُنیا کے کل ماتمی شیعہ جو زیادہ نہیں تو سال میں ایک دفعہ اس قدر پیٹا کرتے ہیں کہ نمونۂ محشر برپا ہو جاتا ہے، تمام اندھے نظر آتے حالانکہ ہم نے کوئی ماتمی ماتم کی وجہ سے اندھا ہوا نہیں دیکھا۔ یہ اس امر کا صریح ثبوت ہے کہ ماتمی لوگوں کے دلوں میں رنج و غم کا ذرہ بھی وجود نہیں ہے۔ ان کا یہ گریہ و بکا، ان کی سینہ کوبی و طمانچہ زنی صرف چاول پلاؤ ٹرخانے کی خاطر ہے اور بس۔ اگر شیعہ لوگ اس موقعہ پر دیگ نہ پکایا کریں تو مجلسِ ماتم میں اُلو بولا کریں۔ صرف پلاؤ زردہ کی خاطر میراثی، قلندر، اور مصلی وغیرہ ماتم حسین کے بہانہ سے جمع ہو جاتے ہیں اور مجلس کی رونق ہو جاتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ کارنامۂ یزید کو اس شان و شوکت سے ہمیشہ تازہ کیا جاتا ہے کہ رُوحِ یزید کو اس سے کمال خوشی ہوتی ہوگی اور یوں تو ذاکروں، مرثیہ خوانوں پر یزید علیہ ما علیہ کا ایسا احسان عظیم ہے کہ اس کا شکریہ ان سے ادا ہونا محال ہے۔ اگر یزید لعین یہ کرتوت نہ کرتا تو ان ٹکڑ گداؤں کو کون پوچھتا۔ ماہِ محرم ان لوگوں کے لیے گویا ماہِ عید ہوتا ہے، پہلے سے تیاریاں شروع کر دیتے ہیں۔ بیاضیں لیے رات بھر مرثیے یاد کیا کرتے ہیں۔ حلق سنوارتے، منہ بناتے اور تال سُر کرتے رہتے ہیں۔ اُدھر ماہِ محرم نمودار ہوا، اِدھر اُن پر چاندی برسنے لگی۔ جا بجا اُن کی آؤ بھگت ہونے لگتی ہے۔ روٹیاں مفت کی ملتی ہیں اور

روپے پیسے الگ۔ ان کو تو یزید کے نام کی ماہ بماہ شیرینی دینی چاہیے اور اس کے نام کا سجدہ کرنا چاہیے۔

غرض کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ ماتم کی رسم کس پیغمبر یا کس امام یا ولی کی ایجاد ہے؟

اگر یہ ماتم باعث ثواب ہوتا تو ائمہ معصومین اس سے محروم نہ رہتے۔ جب کسی امام نے ایسا نہیں کیا تو اس کو شیطانی ایجاد سمجھنا چاہیے۔ خدا کرے شیعہ حضرات اس بدعت سیئہ سے باز آ جائیں اور سال بسال سوانگ بنا کر توہین اہلبیت کرنے سے اجتناب کریں۔

ماتم حسین علیہ السلام کے متعلق مفصل بحث ہو چکی، اب ہم شہدائے کربلا کی مکمل فہرست ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں، جس سے یہ حقیقت منکشف ہوگی کہ میدانِ کربلا میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے صاحبزادگان مسمّی بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، اور حضرت حسن کے صاحبزادہ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا حالانکہ مدعیانِ محبت اہلبیت نے اپنی مجلسوں میں کبھی ان کا نام تک نہیں لیا۔ اصحابِ ثلاثہؓ کے مبارک ناموں پر اولاد کے نام رکھنے سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کو اصحابِ ثلاثہ رضی اللہ عنہم سے غایت درجہ کی محبت وعقیدت تھی۔ (رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ)

شُہداءِ کربلا کے اسماءِ گرامی

(۱) سیّد شہدائے کربلا حضرت حسین [1] بن علی ابی طالب رضی اللہ عنہ (۲) حضرت جعفر بن عقیل بن ابی طالب (۳) حضرت عبدالرحمٰن بن عقیل بن ابی طالب (۴) عبداللہ بن عقیل بن ابی طالب (۵) حضرت محمد بن ابی سعید بن عقیل بن ابی طالب (۶) حضرت عبداللہ بن مسلم بن عقیل بن ابی طالب (۷) حضرت محمد بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب (یہ حضرت حسین کے حقیقی بھانجے اور حضرت زینب کے صاحبزادے ہیں (۸) حضرت عون بن عبداللہ بن جعفر طیار بن ابی طالب (۹) حضرت ابوبکر بن حسن بن علی بن ابی طالب (یہ حضرت حسینؑ کے حقیقی بھتیجے ہیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے (۱۰) حضرت عمر بن حسن بن علی بن ابی طالب (۱۱) حضرت عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی

---

[1] تاریخ یافعی میں لکھا ہے کہ آپ کی ولادت ۵ رشعبان ۴ھ میں ہوئی۔ آپ کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے، لیکن آپ کی شہادت بالاتفاق دسویں محرم بعد از زوال کتاب ۶۱ ھ میں واقع ہوئی ہے۔ (احقر مظہر حسین غفرلہ)

طالب (۱۲) حضرت قاسم بن حسن بن علی بن ابی طالب (۱۳) حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین علیہ السلام کے علاتی بھائی ہیں) (۱۴) حضرت عثمان بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین کے علاتی بھائی ہیں) (۱۵) حضرت ابوبکر بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین علیہ السلام کے علاتی بھائی ہیں (۱۶) حضرت جعفر بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین کے علاتی بھائی ہیں) (۱۷) حضرت عباس بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین کے علاتی بھائی ہیں۔ لشکر کے علمبردار تھے۔ ان کو سقاء اہلبیت بھی کہتے ہیں، کیونکہ حضرت علی اصغر اور بی بی سکینہ کے لیے فرات پر پانی لینے کے لیے آپ گئے تھے (۸) حضرت عبداللہ بن علی بن ابی طالب (۱۹) حضرت علی اکبر بن حسین بن ابی بن ابی طالب (حضرت حسین علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے ہیں) (۲۰) حضرت علی اصغر بن حسین بن علی بن ابی طالب (حضرت حسین علیہ السلام کے شیرخوار صاحبزادے ہیں) (۲۱) حضرت فیروز (امام حسین کے غلام (۲۲) حضرت سعد (حضرت علی غلام) (۲۳) مسلم بن عوسعہ اسدی (۲۴) حبیب بن الازہر اسدی (۲۵) انس بن کاہل اسدی (۲۶) حبان بن حارث سلیمانی اسدی (۲۷) بشیر بن عمرو حضرمی (۲۸) بن جندب حضرمی (۲۹) جریر ہمدانی یا یزید بن حصنین ہمدانی (۳۰) زید بن قیس بجلی (۳۱) بلال بن نافع علی (۳۲) عبداللہ بن عمرو کلبی (۳۳) وہب بن عبداللہ کلبی (۳۴) قیس بن مسہر صیداوی (۳۵) عمرو بن خالد صیداوی (۳۶) سعید (غلام آزاد عمرو بن خالد صیداوی) (۳۷) عبداللہ بن عروہ بن خراق غفاری۔ (۳۸) عبدالرحمٰن بن عروہ غفاری (۳۹) حُر (غلام آزاد ابوذر غفاری (۴۰) شیث بن عبداللہ نہشلی (۴۱) قاسط بن زہیر تغلبی (۴۲) کردوس بن زہیر تغلبی (۴۳) کنانہ بن عتیق انصاری (۴۴) عمرو بن ضبیعہ (۴۵) عبداللہ بن یزید قیسی (۴۶) عبیداللہ بن یزید قیسی (۴۷) یزید قیسی (۴۸) عمرو بن ضبیعہ (۴۵) عبداللہ بن یزید قیسی (۴۶) عبیداللہ بن یزید قیسی (۴۷) یزید قیسی (۴۸) قعضب بن عمرو نمری (۴۹) سالم (غلام آزاد عامر بن مسلم (۵۰) زہیر بن بشیر جعفی (۵۱) حجاج بن مسروق جعفی (۵۲) بدر بن معقل جعفی (۵۳) مسعود بن حجاج انصاری (۵۴) سیف بن مالک انصاری (۵۵) عامر بن مسلم انصاری (۵۶) جوہر بن مالک انصاری (۵۷) ذغانہ بن مالک انصاری (۵۸) نعیم بن عجلان

انصاری (۵۹) ابوتمامہ انصاری (۶۰) عمار بن ابی سلات انصاری (۶۱) شیب بن حارث انصاری (۶۲) مالک بن سریع انصاری (۶۳) محمد بن انس انصاری (۶۴) محمد بن مقدار انصاری (۶۵) قیس بن ربیع انصاری (۶۶) حر بن یزید رباحی (۶۷) مصعب برادر حر رباحی (۶۸) علی بن حر بن یزید رباحی (۶۹) عروہ (غلام علی بن حر رباحی) (۷۰) سلیمان (غلام آزاد حضرت حسین) (۷۱) قلب (غلام آزاد حضرت حسین علیہ السلام) (۶۲) ظاہر (غلام آزاد دین الحق خزاعی بن حجر خولانی (۷۳) سعد بن ابی دجانہ (۷۴) مجمع بن عبداللہ عائذی (۷۵) عمار بن حسان بن شریح طائی (۷۶) جندب بن حجر خولانی (۷۷) یزید بن زیاد بن مظاہر کندی (۷۸) حبلہ بن علی شیبانی (۷۹) حنظلہ بن اسعد شیبانی (۸۰) سالم کلبی (غلام آزاد بنی مزینہ) (۸۱) اسلم بن کثیر اعرج ازدی (۸۲) زہیر بن سلیم ازدی (۸۳) قاسم بن حبیب ازدی (۸۴) مالس بن حبیب شاکری (۸۵) سعد بن عبداللہ الطبقی (۸۶) مسیح (غلام آزاد امام حسین علیہ السلام (۸۷) شوذب غلام آزاد شاکر (۸۸) ہاشم بن عتبہ (۸۹) قیس بن منبہ (۹۰) عمار بن احسان (۹۱) زبیر بن حسان (۹۲) حماد بن انس (۹۳) وقاص بن مالک (۹۴) خالد بن عمر (۹۵) شریح بن عبید (۹۶) مالک بن انس اوّل (۹۷) مالک بن انس ثانی (۹۸) عبداللہ بن سمر (۹۹) یحییٰ بن سلیم (۱۰۰) عمرو بن مطاع (۱۰۱) عاس بن شیث (۱۰۲) عبداللہ بن معد (۱۰۳) جباد بن عارث (۱۰۴) عمرو بن حیاد (۱۰۵) سعد بن حنظلہ تمیمی (۱۰۶) یزید مہاجر جعفی (منقول از کربلا نمبر، النجم لکھنؤ ۱۰ رمحرم الحرام ۱۳۵۶ھ)۔

اب ہم اختلافی مسائل پر روشنی ڈالنا چاہتے ہیں جو ہمارے اور شیعہ کے مابین متنازعہ فیہا ہیں اور شیعہ کی کتابوں سے ہی ان کے خلاف استدلال کریں گے:

بعض اختلافی مسائل

چونکہ شیعہ کو ہر ایک امر میں اہل سنت والجماعت کی مخالفت کا حکم ہے۔ چنانچہ پہلے یہ حدیث نقل ہو چکی ہے کہ اگر اہل سنت کا قول مطابق کتاب اللہ بھی ہو، تو بھی حتیٰ الوسع ان کی مخالف کرنا چاہیے۔ اس لیے معاملات میں، عبادات میں، ہر ایک بات میں

شیعہ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد دنیا سے الگ ہی بنانا چاہتے ہیں۔ ہم ہاتھ باندھ کر نماز پڑھتے ہیں تو وہ کھول کر، ہم چار تکبیر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ تو وہ پانچ پڑھتے ہیں۔ ہم وضو میں پاؤں کو دھوتے ہیں اور وہ مسح کرتے ہیں۔ ہم سلام مسنون السلام علیکم کہتے ہیں۔ وہ بجائے اس کے یا علی مدد پکارتے ہیں۔ ہم لبوں کے بال کٹاتے اور ڈاڑھی بقدر قبضہ رکھتے ہیں۔ وہ مونچھیں بڑھاتے اور ڈاڑھیں چٹ کرا دیتے ہیں۔ ہم مساجد میں نماز پڑھنے کے لیے جاتے ہیں۔ وہ دائرہ میں بیٹھ کر بھنگ رگڑتے اور حقہ ٹرخاتے ہیں اور مسجد کے مقابلہ میں امام باڑہ بناتے ہیں۔ اس لیے ہم چند اختلافات پر تبصرہ کرتے ہوئے شیعہ کی کتابوں سے ان کو ان کی غلطی کا قائل کرنا چاہتے ہیں۔ وباللہ التوفیق۔

پہلا مسئلہ (نماز دست بستہ)

شیعہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاتھ باندھ کر پڑھنے سے نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے اس مسئلہ پر عقلی اور نقلی بحث کر کے قرآن و حدیث اور کتب شیعہ سے استدلال کر کے روشنی ڈالی جاتی ہے۔ ممکن ہے کہ کوئی ہوشمند اس کو پڑھ کر راہ راست پر آ جائے۔

عقلی دلیل

نماز عجز و نیاز کا نام ہے۔ اس میں جلسہ: قعدہ؛ قیام اور رکوع و سجود وغیر جملہ حرکات و سکنات اظہار عجز و انکسار کے لیے کیے جاتے ہیں اور غایت درجہ تذلل اور تضرع مطلوب ہوتا ہے۔ قرآن حکیم میں ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (بے شک فلاح ان مومنوں کے لیے ہے جو اپنی نماز میں خضوع و خشوع کرتے ہیں) دوسری جگہ ہے: قوموا لله قانتين (خدا کے حضور میں ادب و انکسار سے کھڑے رہو) غرض نماز میں مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے معبود کے سامنے مودبانہ کھڑا ہو کر ذات کبریائی کی عظمت وجلال کا اعتراف کرتے ہوئے زبان سے، جوارح سے اپنی عاجزی اور انکساری کا اظہار کرے تاکہ دریائے رحمت باری جوش میں آ کر اس کی سیہ کاریوں اور بدکرداریوں کو دھوڈالے اور اس کے نامۂ اعمال میں نیکی اور ثواب لکھا جائے۔

ہر ایک ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ طریق عجز و نیاز یہی ہے کہ دست بستہ کھڑے ہو کر اپنے رب العباد کے سامنے عرض و معروض کیا جائے۔ ہاتھ کھول کر اکڑ کر کھڑا ہو جانا ہرگز طریق ادب نہیں ہے۔ تم دیکھتے ہو۔ معمولی انسان تو حکام و امراء کے سامنے بھی پیش ہو کر ہاتھ باندھ کر عرض کیا کرتے ہیں۔ ہر ایک شاہی دربار کا یہی آئین ہے کہ غلام و خدمت گار اور پیش کار وہاں دست بستہ کھڑے [1] رہتے ہیں۔ کوئی چھوٹے بڑے یا واجب التعظیم بزرگ کو خط لکھنا شروع کرے تو یوں لکھنا شروع کرتا ہے کہ دست بستہ سلام کے بعد یوں عرض ہے۔ کوئی قاصد کسی بزرگ کی طرف بھیجا جائے تو کہا جاتا ہے کہ میری طرف سے ہاتھ باندھ کر عرض کرنا۔ پھر جب اعلیٰ سرکار احکم الحاکمین کے دربار میں دینی اور دنیوی برکات حاصل کرنے کی تمنا میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگیں تو عرفاً و اصطلاحاً و شرعاً طریق ادب یہی ہے کہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوں۔ یہ کوئی طریق ادب نہیں ہے کہ ہاتھ کھولے ہوئے اکڑ کر کھڑے ہو جائیں بلکہ یہ حد درجہ کی گستاخی ہوگی۔ خضوع و خشوع اور قنوت اسی میں متصور ہے کہ ہاتھ باندھ کر نماز پڑھیں۔ ہاتھ کھولے ہوئے اکڑ کر سلیوٹ کرنا نصاریٰ کا آئین ہے۔ اسلامی طریق اس سے جدا ہونا چاہیے۔

نقلی دلائل

پہلی دلیل: قرآن میں ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (خدا کی نماز ہاتھ باندھ کر پڑھ) نحر کے معنی کتب لغت میں ہاتھ باندھنے کے بھی ہیں۔ چنانچہ علم لغت کی سب سے مستند اور متداول کتاب قاموس جلد اول، ص ۳۴۲ میں باب الراء فصل نون میں ہے: نَحَرَ الرَّجُلُ فِي الصَّلٰوةِ اِنْتَصَبَ وَنَهَدَ صَدْرَهٗ وَوَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى شِمَالِهٖ. (نماز میں نحر کا معنی یہ ہے کہ سینہ قبلہ رو سیدھا کر کے یا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر

---

[1] یہ دست بستہ کھڑا ہونا اگرچہ عجز و نیاز کے اظہار کی بہترین صورت ہے لیکن بوجہ حق تعالیٰ کی عبادت (نماز) کے لیے مختص ہونے کے غیر اللہ کے لیے اس قسم کی تعظیمی ہیئت اختیار کرنا شرعاً ناجائز ہے جیسا کہ غیر اللہ کے لیے سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ (احقر مظہر حسین غفرلہ)

باندھ کر کھڑا ہو) علم لغت سب کے لیے یکساں حجت ہے۔ اس سے کسی کو انکار کی گنجائش نہیں ہے۔ آیت فَصَلِّ میں چونکہ نماز پڑھنا صاف قرینہ موجود ہے۔ اس لیے یہاں نحر [1] کا معنی یہی ہے کہ داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر ہاتھ باندھے ہوئے نماز پڑھو۔ امام فخر رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر جلد ۸، ص ۱۲۷ میں آیت مذکورہ کی تفسیر میں جناب مدینۃ العلم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا قول یوں نقل کیا ہے۔ والاشهر وضعها على النحر على عادة الخاشع (وانحر کا اشہر اور اظہر معنی یہی ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھ کر نماز پڑھے جیسے خضوع و خشوع کا طریقہ ہے) ایسا ہی تفاسیر دُرِّ منثور، معالم التنزیل، تنویر المقیاس حسینی وغیرہ۔ اور کتب حدیث، بخاری، ترمذی، دارقطنی وغیرہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن عباس اور دیگر جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایت سے یہی معنی لکھا گیا ہے۔ پھر ایسی صریح اور صاف آیت کے ہوتے ہوئے دوسری کسی دلیل کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

دوسری دلیل: حضرت موسیٰ جب کوہ طور پر خدا کے حضور میں پیش ہوئے تو جوتیاں اتار کر نماز پڑھنے کا حکم ہوا اور طریق ادب بھی بتایا گیا اور ارشاد ہوا: واضمم اليك جناحك من الرهب اس واقعہ کا قرآن کریم میں دو جگہ ذکر ہے۔ سورۂ قصص اور سورۂ طٰہٰ میں نماز پڑھنے کا یوں ارشاد ہے: فَلَمَّآ اَتٰهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى . اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى . وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى . اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۔ (ترجمہ) پھر جب موسیٰ علیہ السلام اس آگ کے پاس آئے تو آواز آئی اے موسیٰ علیہ السلام میں تیرا رب ہوں۔ جوتیاں اُتار دے تو ایک پاک وادی میں ہے۔ میں نے تجھے چُن لیا۔ تو سن جو وحی کی جاتی ہے۔ میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی دوسرا معبود نہیں ہے۔ میری عبادت کر اور میری یاد کے لیے نماز پڑھ)

---

[1] سورۂ کوثر میں نحر سے مراد قربانی لینا اس لیے درست نہیں ہے کہ قربانی کا حکم مدینہ طیبہ میں ہوا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ مدنی میں لفظ والھدی اور سورہ حج مدنی میں منسکا کے لفظ سے اس کا حکم ہوا۔ [illegible] قربانی کے حکم سے ۵ سال پہلے مکہ میں دوبارہ نازل ہو چکی ہے۔۱۲

دوسرے موقعہ پر: سورۂ قصص میں اسی واقعہ کا بیان ہوا ہے۔ جہاں عصا ڈالنے، گریبان میں ہاتھ ڈالنے اور اس کے منور ہو کر نکلنے کا بھی ذکر ہے۔ اسی جگہ وَاضْمُمْ اِلَیْکَ بھی مذکور ہے۔ چونکہ بعض آیات بعض کی تفسیر ہوتی ہیں۔ اس لیے اگرچہ اس جگہ اَقِمِ الصَّلٰوۃ مذکور نہیں ہے۔ لیکن حکماً گویا وہی حکم یہاں بھی موجود ہے اور یہاں نماز میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ ضم ایک چیز کو دوسری کے ساتھ جمع کرنے کو کہتے ہیں۔ جناح کا معنی ہاتھ ہے۔ جو اسم جنس ہونے کی وجہ سے واحد اور جمع پر اطلاق ہوتا ہے۔ رہب کا معنی عاجزی کا ہے۔ معنی آیت وَاضْمُمْ کا یہ ہے کہ اپنے جسم سے اپنا ہاتھ ضم کرے عاجزانہ شکل بنا کر۔ اس سے ہاتھ کے ضم کرنے کا اور عاجزانہ صورت دکھانے کا تو صریح حکم ثابت ہوتا ہے۔ یہ امر کہ داہنے ہاتھ کو بائیں کے اوپر باندھنا چاہیے۔ سو چونکہ داہنا بائیں سے افضل ہے اس لیے بحکم اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِا لسُّفْلٰی (اوپر کا ہاتھ نچلے سے بہتر ہوتا ہے) داہنے کو اوپر اور بائیں کو نیچے رکھنا بھی ثابت ہو گیا ہے۔ ھو المقصود.

چونکہ قرآن کریم میں دو جگہ صریح حکم موجود ہے کہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھی جائے اور عقل کا تقاضا بھی یہی ہے اس لیے مزید دلائل کی چنداں ضرورت نہیں ہے لیکن ضدی خصم (شیعہ) کے لیے ان کی اپنی کتابوں سے بھی استدلال کی ضرورت ہے۔

تیسری دلیل: شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی جلد ا، ص ۱۹۸ میں ہے:

عَنْ زُرَارَۃَ قَالَ اِذَاقَامَتِ الْمِرْاَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ جَمَعَتْ بَیْنَ قَدَمَیْھَا وَلَا تُفَرِّجُ بَیْنَھُمَا وَتَضُمُّ یَدَیْھَا اِلٰی صَدْرِھَا لِمَکَانِ ثَدْیَیْھَا

(زرارہ سے روایت ہے۔ کہا جب عورت نماز میں کھڑی ہو۔ اپنے دونوں پاؤں پھیلا کر رکھے اور ان میں فاصلہ نہ ہو اور دونوں ہاتھ پستانوں کی جگہ پر باندھ لے)۔

بعینہٖ یہی روایت علل الشرائع ص ۱۳۵، اور تہذیب الاحکام جلد ۲، ص ۱۶۱ میں موجود ہے۔ پھر جب عورت کو ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا صریح حکم کتب شیعہ میں موجود ہے تو مرد کیوں ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں۔ کیا صرف عورتوں کے لیے نماز میں تذلل وانکسار کا حکم ہے اور مردوں کے لیے اکڑ کر نماز میں فرعونیت، دکھانا مطلوب ہے؟ کیا شیعہ اس کا

جواب دے سکتے ہیں۔ احکام قرآن مردوں اور عورتوں کے لیے عبادت میں یکساں ہیں۔ پھر کس قرآنی دلیل سے عورت کو ہاتھ باندھ کر اور مردوں کو کھول کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔
هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

چوتھی دلیل: شیعہ کی کتابوں سے ثابت ہے کہ جناب امیر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ شیعہ کی معتبر کتاب لمعۃ البیضاء ص ۴۰۵، میں تصریح ہے تو اس وقت یہ مشکل ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کھول کر نماز پڑھی ہو۔ جب کہ دیگر امور میں بقول شیعہ تقیہ سے اوقات بسر کرتے تھے تو اقتداء ابوبکر رضی اللہ عنہ میں بھی ایسا ہی کرتے ہوں گے۔ پھر شیعہ کو بھی ایسا ہی کرنا چاہیے کیونکہ یہ لوگ قیامت تک تقیہ پر مامور ہیں۔ شیعہ کی معتبر کتاب من لا یحضرہ الفقیہ، کتاب الصلوٰۃ میں لکھا ہے کہ شیعہ کو چاہیے کہ اہل سنت والجماعت کے پیچھے تقیہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ اس سے ان کو پچیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے تو بالضرور جو لوگ ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں وہ ثواب تقیہ سے محروم رہتے ہیں۔

استدلال شیعہ

شیعہ کہتے ہیں کہ قرآن میں لکھا ہے: وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلٰوتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ (پرندے صف باندھے، عبادت خدا ہر ایک کی نماز و تسبیح کو جانتا ہے) اور ظاہر ہے کہ پرندے ہاتھ کھول کر عبادت کرتے ہیں، اس لیے ہمیں بھی ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا چاہیے۔

جواب

انسان اشرف المخلوقات ہو کر پرندوں کی اتباع کرے۔ یہ از بس عجیب بات ہے۔ حیوانی و انسانی عبادت میں ضرور تمیز ہونا چاہیے۔ خدا ان بے تمیزوں کو ہدایت کرے۔ کیسی بے تکی ہانکتے ہیں۔ پرندے تو اپنے بازوؤں کو ہلاتے ہیں۔ پھر شیعوں کو بھی بازو ہلاتے رہنا چاہیے۔ پرندے اُڑتے ہوئے پیخال بھی کرتے رہتے ہیں۔ یہ بھی نماز میں بول و براز کرتے رہا کرے۔ پرندے جدھر منہ آئے اڑتے جاتے ہیں، قبلہ کے پابند

نہیں لیکن انسان قبلہ کا پابند ہے اور ہمیں ایک جگہ کھڑا رہنے کا حکم ہے وَقُوْمُوْ لِلّٰہِ قَانِتِیْنَ (یعنی عجز و انکساری سے یک جا کھڑے ہو کر نماز گزارو) غرض انسان ہو کر مایعقل حیوانات چرند و پرند پر اپنے آپ کو قیاس کرنا ذوی العقول کے لیے زیبا نہیں ہے۔ نہ یہ کوئی دلیل ہے بلکہ مضحکہ اطفال ہے۔ شیعہ کی دلیل کا کیا کہنا۔

دوسری دلیل: دوسری دلیل شیعہ کی یہ ہے کہ صلوٰۃ الخوف میں مسلمانوں کو حکم ہے: وَلْیَا خُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ. (اور اپنے ہتھیاروں کو پکڑ رکھا کریں) یہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ ہاتھ کھولے ہوئے ہوں۔ ہاتھ باندھ کر ہتھیار کس طرح پکڑے جاسکتے ہیں۔

جواب

اول تو نماز خوف پر دوسری نماز کا قیاس نہیں ہوسکتا۔ وہ بحالت مجبوری ہوتی ہے۔ اس لیے ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ کر ایک فریق لڑنے کو چلا جاتا ہے۔ دوسری جماعت آ کر نماز پڑھتی ہے پھر پہلی جماعت آ کر بقیہ نماز پڑھ لیتی ہے لیکن صلوٰۃ امن میں ایک رکعت پڑھ کر کوئی ایسا عمل کریں تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔

دوم: شیعہ کو اتنا بھی معلوم نہیں کہ سپاہی ہاتھوں میں ہتھیار پکڑے نہیں رکھتے بلکہ اکثر ہتھیار بندھے ہوئے ہوتے ہیں اور عہد رسالت میں تو ہتھیار ہی اس قسم کے تھے جو جسم سے بندھے ہوئے ہوتے تھے۔ تلوار کمر سے بندھی رہتی تھی۔ تیر کش (جھولا) میں پڑے ہوئے جسم سے پیوست ہوتے تھے۔ ایسی صورت میں ہاتھ باندھ کر غازی نماز بھی پڑھ سکتے تھے۔ اور وَلْیَا خُذُوْا حِذْرَھُمْ وَاَسْلِحَتَھُمْ ہتھیار پکڑ رکھنے کی تعمیل بھی ہو جاتی تھی۔ شیعہ کو ایسا استدلال کرنے سے شرم آنی چاہیے مگر کیا کریں۔ الغریق یتشبث بالحشیش (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) ایسا کرنے پر مجبور ہیں۔

شیعہ ایک یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک ہاتھ کھول کر نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

جواب

یہ بھی شیعہ کا ایک دھوکہ ہے کیونکہ حقیقت میں یہ امام مالک مجتہد کا مذہب نہیں بلکہ ایک اور صاحب مالک بن عطیہ (شیعی) ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا۔ شیعہ ہمنامی کی وجہ سے اس مسئلہ کو امام مالک کی طرف منسوب کر بیٹھتے ہیں۔ امام مالک کی مشہور متداول کتاب مؤطا امام مالک موجود ہے اس میں وَضعَ الْیَدَیْنِ احْدَاھُمَا عَلَی الْاُخْـــرٰی حدیث موجود ہے۔ امام موصوف بھی نماز میں ہاتھ باندھنے کے قائل ہیں۔ علاوہ ازیں ہم امام ممدوح کے مقلد نہیں ہیں کہ قول امام ہم پر حجت ہو سکے۔ یہ سب بودے دلائل ہیں۔ شیعہ کو چیلنج دیا جاتا ہے کہ ہماری کتب صحاح و معتبر کتب فقہ سے ائمہ اہلبیتؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ، امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، کا مذہب ہاتھ کھول کر نماز پڑھنا ثابت کر دیں بلکہ وہ اپنی کتابوں سے بھی ثابت نہیں کر سکتے۔ ہم نے قرآن و حدیث و کتب شیعہ سے ہاتھ باندھ کر نماز پڑھنے کا ثبوت پیش کر دیا ہے۔ کیا شیعہ حضرات سے کوئی صاحب انصاف ہے جو ضد چھوڑ کر راہ راست پر آ جائے۔

مسئلہ تکبیرات جنازہ

چونکہ تکبیرات جنازہ دوسری نماز کی رکعات کی بجائے ہیں اور کوئی فرض، نماز چار رکعات سے زیادہ نہیں۔ اس لیے شیعہ کا پانچ تکبیر جنازہ کا قائل ہونا قول بلادلیل ہے۔ ہم اس سے پہلے فروع کافی جلد ۳، کتاب الروضہ ص ۳۰، سے ایک طولانی حدیث لکھ چکے ہیں، جس کا مفہوم یہ ہے کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں بھی وہی امور قائم رکھے۔ جو خلفاء ثلاثہ کے عہد میں نافذ تھے۔ نہ فدک ورثاء فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دے سکے نہ متعہ کی حلت کا فتویٰ جاری کیا۔ نہ نماز تراویح موقوف کر سکے، نہ پانچ تکبیراتِ جنازہ پڑھا سکے، پھر جب جناح ممدوح اپنے وقت میں چار تکبیر جنازہ پڑھتے رہے تو اب شیعہ اس کے خلاف کرنے کے کس طرح مجاز ہو سکتے ہیں۔

دوم: شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی جلد ص ۹۵ میں ایک حدیث ہے جس میں تصریح ہے کہ آنحضرت ﷺ پہلے (جب منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت تھی) پانچ

تکبیر پڑھا کرتے تھے لیکن جب منافقین کا جنازہ پڑھنے کی ممانعت ہوگئی تو پھر چار تکبیر ہی پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ حدیث یہ ہیں:

عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَاعَبْدِاللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُوْلُ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَلّٰى عَلٰى مَيِّتٍ كَبَّرَ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ كَبَّرَ ثُمَّ صَلّٰى عَلَى الْاَنْبِيَاءِ وَدَعَا ثُمَّ كَبَّرَ وَدَعَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ كَبَّرَا الرَّابِعَةَ وَدَعَا لِلْمَيِّتِ ثُمَّ كَبَّرَ وَانْصَرَفَ فَلَمَّا نَهَاهُ اللّٰهُ عَنِ الصَّلٰوةِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ كَبَّرَ وَتَشَهَّدَ ثُمَّ كَبَّرَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّيْنَ وَدَعَا لِلْمُؤْمِنِيْنَ ثُمَّ كَبَّرَا الرَّابِعَةَ وَانْصَرَفَ وَلَمْ يَدْعُ لِلْمَيِّتِ۔

ترجمہ: ''ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ آنحضرت ﷺ جب میت پر نماز جنازہ پڑھتے تھے، تکبیر کہتے اور کلمہ شہادت پڑھتے پھر تکبیر کہتے، پھر انبیاء پر درود پڑھتے اور دعا کرتے اور پھر تکبیر پڑھتے اور مومنوں کے لیے دعا کرتے۔ پھر چوتھی تکبیر کہتے اور میت کے لیے دعا کرتے پھر تکبیر کہتے اور فارغ ہوجاتے تھے۔ پھر جب منافقین پر نماز جنازہ پڑھنے کی ممانعت ہوگئی تو یوں نماز پڑھتے، تکبیر پڑھتے اور کلمہ شہادت پڑھتے۔ پھر تکبیر کہتے اور انبیاء پر درود پڑھتے اور مومنوں کے لیے دعا کرتے تھے۔ پھر چوتھی تکبیر کہتے اور فارغ ہوجاتے تھے اور میت کے لیے دعا نہ پڑھتے تھے) بعینہ یہی حدیث من لا یحضرہ الفقیہ ص ۵۰، اور علل الشرائع ص ۱۳۷، میں بھی موجود ہے۔''

اس حدیث سے جو جناب صادق سے مروی ہے۔ بالتصریح ثابت ہوا کہ پانچ تکبیر نماز جنازہ کا عملِ رسول ابتداء میں تھا۔ جب تک منافقین پر بھی نماز جنازہ پڑھا کرتے تھے۔ لیکن آخری عمل جب منافقین پر نماز پڑھنے کی ممانعت ہوگئی۔ یہی تھا کہ چار تکبیریں پڑھا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ آخری فعل رسول ﷺ ہی حجت ہوا کرتا ہے۔ اس سے زیادہ صاف زبردست دلیل کیا ہوسکتی ہے۔ جو شیعہ کی اپنی معتبر کتاب کافی کلینی وغیرہ بروایت صادق چار تکبیر نماز جنازہ کا ثبوت پیش کر دیا گیا ہے۔ کیا اب بھی شیعہ ضد

سے باز نہ آئیں گے؟

ہماری کتابوں میں یوں تصریح ہے: صَلّٰی جِبْرَائِیْلُ عَلٰی اٰدَمَ وَکَبَّرَ عَلَیْهِ اَرْبَعًا (دارقطنی) آدم علیہ السلام پر جبرئیل علیہ السلام نے مع ملائکہ کے نماز جنازہ پڑھی۔ اور چار تکبیریں کہیں) اسی کتاب دارقطنی جلد ۱، صفحہ ۹۰، میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث ہے کہ آدم علیہ السلام پر چار تکبیریں پڑھی گئیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جنازہ پر بھی چار تکبیریں پڑھی گئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنازہ ابوبکر رضی اللہ عنہ پر صہیب رضی اللہ عنہ نے جنازہ عمر رضی اللہ عنہ پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر، امام حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ پر چار تکبیریں پڑھیں۔

اہل السنت والجماعت کی جملہ کتب حدیث میں تصریح ہے کہ آخری عمل رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ نجاشی کے بعد چار تکبیر نماز جنازہ پر ہی رہا۔

جب کتب معتبرہ فریقین سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ آخری عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چار تکبیر نماز جنازہ پر ہی رہا تو اب شیعہ کو اپنی ضد چھوڑ دینا چاہیے۔ واللہ الهادی۔

تیسرا مسئلہ "پاؤں کا مسح"

ہر مذہب کے مسلمان وضو میں پاؤں دھونا فرض سمجھتے ہیں لیکن شیعہ عقل و نقل ❶ کے خلاف پاؤں دھونے کی بجائے مسح کی فرضیت کے قائل ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ منہ ہاتھ جن پر نجاست پڑنے کا بہت کم احتمال ہوتا ہے وہ تو دھوئے جائیں لیکن پاؤں

---

❶ قرآن مجید میں ارشاد ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَ اَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ. یہاں ارجلکم منصوب واقع ہوا ہے۔ جو فاغسلوا کا معمول ہے اور یہی قرأت مشہور و متواتر ہے اور الی الکعبین میں الی تحدید کے لیے ہے۔ اور یہ بھی پاؤں دھونے کے حکم پر دلالت کرتا ہے کیونکہ حد بیان کرنا مغسولات کے لیے ہی فائدہ دیتا ہے نہ کہ ممسوحات کے لیے۔ کیونکہ مسح میں خفت مقصود ہوتی ہے۔ نہ استیعاب اور غسل میں چونکہ استیعاب مقصود ہوتا ہے، اس لیے الی الکعبین سے اس کی حد بیان فرمائی ہے (احقر مظہر حسین غفرلہ)

جن سے زمین پر چلتے ہیں اور جن کے پلید ہونے کا احتمال ہے۔ ان پر صرف مسح کر لینا کافی سمجھا جائے۔ جو اعضاء کھلے رہتے ہیں۔ مثلاً منہ، ہاتھ، پاؤں، چونکہ گردوغبار پاک و پلید اُڑ کر ان پر پڑا کرتا ہے اور میل کچیل جم جاتی ہے [1]۔ اس لیے شارع علیہ السلام نے صفائی بدن کے لیے ان کا دھونا فرض قرار دیا ہے لیکن سر چونکہ ہر وقت ڈھکا رہتا ہے اور جملہ اعضاء سے بلند تر ہے، اس کی نجاست کا احتمال تک نہیں ہوسکتا۔ اس لیے تبرید دماغ کے لیے اس کا صرف مسح کر لینا کافی سمجھا گیا ہے لیکن شیعہ چونکہ عقل کے دشمن ہیں اور دیگر مسلمانوں سے خلاف کرنا ان کا شیوہ ہے۔ پاؤں کو دھونے کی بجائے اُن پر مسح کرلیا کرتے ہیں اور پھر اس پر بھی اطمینان نہیں ہوسکتا، پہلے دھولیا کرتے ہیں، پھر بعد وضو مسح بھی کرلیا کرتے ہیں (یاللعجب) خدا نے قرآن میں سب سے اوّل مُنہ دھونے کا حکم دیا ہے لیکن شیعہ کا طرز خلافِ قرآن یہ ہے کہ منہ دھونے سے اوّل پاؤں دھویا کرتے ہیں۔

کافی کلینی کی حدیث

اس کے متعلق بھی فروع کافی جلد ا ص ۱۹، سے ایک حدیث پیش کی جاتی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے: وَاِنْ نَسِیْتَ مَسْحَ رَاسِکَ حَتّٰی تَغْسِلَ رِجْلَیْکَ فَامْسَحْ رَاسَکَ ثُمَّ اغْسِلْ رِجْلَیْکَ (امام صادق نے فرمایا۔ اگر سر کا مسح بھول جائے اور پہلے پاؤں کو دھو ڈالے تو سر کا پھر مسح کرلے اور بعد ازاں پاؤں دھو ڈالے)۔

---

[1] وضو کی فرضیت اس لیے ہے کہ اعضاء وضو دھو لینے سے دماغ کو فرحت ہوتی ہے۔ تکاسل دور ہوجاتا ہے۔ اور انسان خوش و خرم کھڑا ہو کر بارگاہ ایزدی میں اپنا عرض احوال کرنے کے قابل ہوجاتا ہے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ اطراف (ہاتھ پاؤں) دھونا باعث تفریح طبع اور رفع تکاسل ہوتا ہے۔ جب کسی کو بخار ہو۔ تو طبی علاج یہ بھی ہے کہ پاشویہ کرایا جاتا ہے۔ جس سے بخار دور ہو کر صحت عود کرتی ہے۔ پھر یہ غرض تب ہی حاصل ہوسکتی ہے کہ منہ ہاتھ کے ساتھ پاؤں بھی دھوئے جائیں۔ پاؤں پر صرف مسح کرنے سے یہ فائدہ ہرگز حاصل نہیں ہوسکتا۔ ۱۲

اس حدیث سے بالصراحت ثابت ہے کہ پاؤں کا دھونا فرض ہے۔ اس لیے جناب امام نے فرمایا کہ اگر مسح سر کو بھول کر غلطی سے پاؤں دھوئے جائیں تو پھر ایسا کرنا چاہیے کہ سر کا مسح کر لیا جائے اور ترتیب کی درستی کے لیے پھر دوبارہ پاؤں دھوئے جائیں۔ اگر پاؤں کا دھونا فرض نہیں بلکہ ازالۂ نجاست منظور تھا۔ جیسا کہ شیعہ کہا کرتے ہیں۔ تو پہلے دھونے سے ازالہ نجاست تو ہو چکا تھا۔ مسح سر کرنے کے بعد مکرر پاؤں دھونے کا حکم کیوں دیا جاتا؟ اس حدیث کا کوئی جواب شیعہ نہیں دے سکتے اور یہ حدیث خلاف شیعہ ہمارے پاس ایک زبردست حربہ ہے جس سے ان کے تمام استدلال پر پانی پھر جاتا ہے۔

کیا لطف جو غیر پردہ کھولے
جادو وہ جو سر چڑھ کے بولے

فی الواقع کافی تمام مسائل کے لیے کافی ووافی ہے۔ ہاں انصاف شرط ہے۔ ضد کا کوئی علاج ہی نہیں۔

داڑھی چٹ، مونچھیں دراز!

آج کل شیعان علی رضی اللہ عنہ کا نشانِ امتیاز یہ ہے کہ داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز ہوتی ہیں۔ پس اسی حلیہ سے وہ پہچانے جاتے ہیں۔ جس کی داڑھی مسنون ہو اور شوارب (مونچھیں) کٹی ہوئی ہوں۔ اس کو شیعہ حضرات غیظ وغضب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ان لیے کتبِ شیعہ سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالنا ضروری ہے تا کہ دیکھ کر اپنی حالت پر افسوس ہو اور آئندہ اس سے باز آ جائیں۔

(۱) شیعہ کی مستند کتاب حدیث من لایحضرہ الفقیہ میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُحْفُوا الشَّوَارِبَ واعْفُوْ للّحِيِ وَلَا تَشَبَّهُوْا بِالْيَهُوْدِ

(رسول اللہ نے فرمایا کہ مونچھیں کٹاؤ اور داڑھی رکھو اور یہودیوں سے مشابہت پیدا نہ کرو)

(۲) فروعِ کافی جلد ۲، ص ۵۳ میں ہے:

عَنْ بَعْضِ اَصْحَابِهٖ عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ فِیْ قَدْرِ اللِّحْیَةِ قَالَ تَقْبِضُ بِیَدِكَ وَتَجُزُّ مَا فَضُلَ۔

(امام صادقؑ سے بعض اصحاب نے داڑھی کی مقدار کا سوال کیا، آپ نے فرمایا، بقدر قبضہ رکھو۔ اور اس سے زائد کاٹو)۔

(۳) اسی کتاب کے صفحہ مذکور میں ہے:

عَنْ عَلِیِّ ابْنِ جَعْفَرٍ عَنْ اَخِیْهِ اَبِی الْحَسَنِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ سَئَلَهٗ عَنْ قَصِّ الشَّوَارِبِ اَمِنَ السُّنَّةِ قَالَ نَعَمْ[1]۔

(علی ابن جعفر رضی اللہ عنہ نے اپنے بھائی ابوالحسن سے روایت کی ہے کہ ان سے دریافت ہوا۔ کیا مونچھوں کا کاٹنا سنت ہے؟ کہا، ہاں بے شک!)

(۴) پھر اسی کتاب کے ص ۵۳ میں ہے:

عَنْ اَبِیْ عَبْدِاللّٰهِ عَلَیْهِ السَّلَامُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایُطَوِّلَنَّ اَحَدُكُمْ شَارِبَهٗ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ یَتَّخِذُهٗ خَبَاءً یَسْتَتِرُبِهٖ۔

(امام صادقؑ سے روایت ہے کہ رسولِ پاک ﷺ نے فرمایا۔ کوئی شخص تم میں سے مونچھوں کو نہ بڑھائے کیونکہ شیطان خیمہ بناتا ہے جو اس کے پردہ کا کام دے)۔

(۵) اصولِ کافی ص ۲۱۷، میں ہے:

یَا اَمِیْرَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَمَا جُنْدُ بَنِیْ مَرْوَانَ قَالَ فَقَالَ لَهٗ قَوْمٌ حَلَقُوا اللِّحٰی وَفَتَلُوا الشَّوَارِبَ۔

(جناب امیر سے پوچھا گیا بنو مروان کا لشکر کون ہے تو فرمایا وہ ایک قوم تھی جو داڑھی چٹ کراتے اور مونچھوں کو تاؤ دیتے تھے۔ ان کی صورتیں مسخ ہوگئیں)۔

---

[1] حیات القلوب جلد ۱، ص ۱۲۶، میں ہے: از سنتہائے ابراہیم است، شارب را گرفتن وریش را بلند داشتن (مونچھیں کٹانا) اور داڑھی رکھنا سنت ابراہیم علیہ السلام سے ہے)

شیعہ غور کریں: حدیث نمبر۱ میں مونچھیں کٹانے اور ڈاڑھی رکھنے کا صاف حکم ہے اور یہ کہ جو ایسا نہیں کرتے وہ یہودیوں سے مشابہ بنتے ہیں۔

حدیث نمبر۲ میں ڈاڑھی کی مقدار بتائی گئی ہے کہ بقدرِ قُبضہ اس کا رکھنا ضروری ہے۔

حدیث نمبر۳ میں مونچھیں کٹانا سنت نبوی قرار دیا گیا ہے۔

حدیث نمبر۴ میں تو مونچھیں کٹانے کی ایسی تاکید کی گئی ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: لمبی مونچھیں شیطان کے خیمہ کے کام آتی ہیں، جس سے وہ پردہ بناتا ہے۔

حدیث نمبر۵ میں ڈاڑھی چٹ اور مونچھیں دراز بنو مروان کے لشکر کا حلیہ بتایا گیا ہے۔

جو حضراتِ شیعہ ان احادیث کے خلاف داڑھی چٹ اور مونچھیں دراز اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں، وہ ان احادیث کی رُو سے یہودی صفت اور سنت نبوی ﷺ کے منکر شیطان کے مددگار ہیں۔ کہاں ہیں وہ شیعہ جو جہال کو کہا کرتے ہیں کہ لمبی مونچھیں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے شاہپر ہیں؟ اور اس لیے ہم سنت علی رضی اللہ عنہ کے عامل ہیں۔ اگر تمہاری کتابیں سچی اور تمہارے امام صادق اور رسول پاک ﷺ کا قول سچا ہے تو یہ لوگ سنتِ شیطان کے عامل اور یہود صفت خداوند رسول ﷺ کے نافرمان ہیں، خدا ان کو ہدایت کرے۔ غضب تو یہ ہے کہ شیعہ علماء بھی ڈاڑھی چٹ اور مونچھیں دراز نظر آتے ہیں۔ گویا وہ اس کو شعارِ اسلام سمجھتے ہیں، ایسے علماء سے خدا کی پناہ جو ضَلُّوا فَاضَلُّوا کے مصداق ہیں۔

بھنگ اور شراب

ہر چند شراب کی حرمت نصِ قرآن سے ثابت ہے اور لحم خنزیر و شراب حرمت میں برابر ہیں لیکن شیعہ حضرات کے بہت سے پیر فقیر شراب کے عادی ہوتے ہیں اور اس کو شیرِ مادر سمجھ کر استعمال کرتے ہیں۔ مریدانِ خوش اعتقاد کہتے ہیں۔ ہمارے مرشد جی کے پاس شراب کی بوتل لاؤ تو دودھ خالص شراباً طہوراً بن جاتا ہے۔ بہت سے وضعی شرابی پیر نذر و نیاز میں بھی شراب کی بوتل کی فرمائش کیا کرتے ہیں اور بھنگ تو ملنگانِ مولا علی رضی اللہ عنہ کا صبح وشام کا وظیفہ ہوتا ہے۔ ادھر بھنگ رگڑتے ہیں اور ادھر بزرگانِ دین کو لعنت وتبرا کہہ کر نامۂ اعمال سیاہ کرتے ہیں۔ کوئی منع کرے تو کہا کرتے ہیں کہ ان مُلانوں کو کیا

خبر کہ بھنگ اور چرس کے نشہ میں کیسی معرفت کی باتیں سوجھتی ہیں اور عالمِ ملکوت کے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لیے ذیل میں چند مسائل شراب و بھنگ کے متعلق ہم شیعہ کی معتبر کتابوں سے نقل کرتے ہیں۔ شاید کسی کو ہدایت ہو جائے۔

شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی جلد ۲ جزوِ دوم میں ص ۱۷۲ سے ص ۱۷۷ تک شراب کی خباثتوں، شاربِ خمر کی برائیوں کا مفصل تذکرہ ہے۔ چونکہ عربی احادیث ہیں۔ اس لیے ہم صرف شیعہ کی مستند تفسیر عمدہ البیان سید عمار علی شیعی سے ایک عبارت لکھتے ہیں جو جامع و مانع ہے اور ان تمام احادیث کا نچوڑ ہے اور اُردو خوان اصحاب اس کو پڑھ کر مستفید ہو سکتے ہیں۔ وَهُوَ هٰذَا

جناب صادقؑ نے فرمایا کہ پینے والا شراب کا بیمار ہو تو اس کو پوچھنے نہ جاؤ اور اگر مر جائے تو اس کے جنازہ پر مت جاؤ اور اگر حاجت مند ہو تو اس کو زکوٰۃ مت دو۔ اور اگر عورت کو واسطے نکاح کے چاہے تو نکاح اس سے مت کرو اور جو شخص کہ اپنی دختر کا نکاح کسی شرابی سے کرے تو اس نے گویا اپنی بیٹی کو دوزخ میں ڈالا ہے اور فرمایا جناب رسولِ خدا ﷺ نے کہ جو کوئی شرابی کو ایک لقمہ کھانے کو دیوے یا ایک گھونٹ پانی کا دیوے تو البتہ معین کرے گا خدا او پر اس کے قبر میں سانپ اور بچھو۔ کہ طول اس کے دندان کا ایک سو دس گز ہو گا اور پلایا جائے گا، قیامت کے روز دوزخیوں کے زخموں کا پانی اور جو کوئی سلام کرے اس پر تو لعنت کریں گے اس پر ستر ہزار فرشتے۔ اور لعنت کی ہے خدا نے شراب پینے والے کو اور اس کے نچوڑنے والے کو اور اس کے پلانے والے کو اور اس کے اُٹھا لے جانے والے کو اور جس کے پاس لے جائے اس کو اور تنبیہ الغافلین میں لکھا ہے کہ فرمایا جنابِ رسولِ خدا ﷺ نے کہ جو کوئی ایک لقمہ بھنگ کا کھائے ایسا ہے کہ گویا اس نے خانہ کعبہ کو ستر بار ڈھا دیا اور جو کوئی خانہ کعبہ کو ایک بار ڈھائے تو ایسا ہے گویا اس نے ستر پیغمبروں کو قتل کیا اور قرآن میں جو شجرِ ملعونہ ہے، مُراد اس سے بھنگ کا درخت ہے۔"

(تفسیر عمدۃ البیان، مطبوعہ یوسفی دہلی، جلد ۱، ص ۳۲۸)

اب بھنگ اور شراب کی فضیلت آپ نے شیعہ کی مستند تفسیر سے سُن لی ہے۔ آپ غور کریں کہ کتنے بھنگی اور شرابی مولا علی رضی اللہ عنہ کے ملنگ اور پیر فقیر نکلتے ہیں جو شیعہ صاحبان

کے قبلہ و کعبہ اور شیعہ مذہب کے رُکنِ اعظم اور معتمد علیہ سمجھے جاتے ہیں۔ پھر کیوں نہ کہا جائے کہ اس مذہب میں رُوحانیت مطلق نہیں ہے، ورنہ ان لوگوں کو ایسے محرمات کے علانیہ استعمال سے کچھ خوف ہو۔

ترکِ صلوٰۃ

اگرچہ نماز عماد الدین اور اسلام کا اعلیٰ رکن ہے اور مسلمان و کافر میں مابہ الامتیاز ہی نماز سمجھی جاتی ہے لیکن شیعہ صاحبان نماز سے ایسے بے پروا ہیں کہ گویا اس کی فرضیت کے قائل ہی نہیں نہ صرف یہ کہ خود تارکِ صلوٰۃ ہیں بلکہ نماز پڑھنے والوں پر تمسخر کرتے اور پھبتیاں اُڑاتے ہیں۔ دعویٰ سے کہا جاتا ہے کہ ہمارے ملک کے شیعہ فیصدی شاید دو شخص بمشکل مل سکیں۔ جو پانچ وقت نماز قائم کرتے ہوں۔ باقی سب بے نماز یا نماز میں سخت سُست نظر آئیں گے۔ بلکہ شیعہ کا وہ فرقہ جو اپنے آپ کو مولا علی رضی اللہ عنہ کے ملنگ کہلاتے اور عوام ان کو خدا رسیدہ اولیاء تصور کرتے ہیں اور دارہ پر بیٹھ کر ہر وقت بھنگ رگڑا کرتے اور بکواس کیا کرتے ہیں۔ یہ لوگ ننگ دھڑنگ دھوتی باندھے علی علی پکارتے پھرتے ہیں، انہوں نے تو نماز کا عمر بھر کبھی نام ہی نہیں لیا بلکہ جس شخص کو نماز پڑھتا ہوا دیکھ لیں اس سے ٹھٹھا کرتے اور سخت نفرت سے دیکھتے ہیں۔ ان لوگوں کا اعتقاد ہے کہ بخشش نماز میں نہیں بلکہ حبِ حسین رضی اللہ عنہ میں ہے اور محفل حسین میں ماتم کرنا اور نوحہ کرنا ہزار نماز سے افضل ہے۔ حالانکہ شیعہ کی معتبر کتاب فروع کافی جلد ۱، ص ۵۱۳ میں ہے: تَارِكُ الصَّلٰوةِ كَافِرٌ مِنْ غَيْرِ عِلَّةٍ (امام جعفر صادق کا قول ہے کہ تارک الصلوٰۃ کافر مطلق ہے) پھر سمجھ لینا چاہیے کہ یہ محبانِ حسنین اور مولا علی رضی اللہ عنہ کے ملنگ تارک الصلوٰۃ بفتویٰ امام جعفر کافر مطلق ہیں۔

اب ہم تارک الصلوٰۃ کی فضیلت میں شیعہ کی ایک معتبر کتاب تحفۃ العوام جلد ۱، ص ۲۱، سے ایک نظم نقل کرتے ہیں تاکہ پڑھنے سننے والوں کو عبرت ہو:

نظمِ اُردُو

نماز ایک جس شخص نے ترک کی ۔۔۔ تو خوں اس نے اپنا کیا بے چھری

اگر دو نمازوں کا تارک ہوا تو گویا کہ خوں اک نبی کا کیا
ہوئی تین وقتوں کی جس سے قضاء تو کعبہ کو اس شخص نے ڈھا دیا
دیا چار وقتوں کو گر ہاتھ سے تو ایسا ہے جیسا کہ اس شخص نے
زنا اپنی مادر سے ہفتاد بار کیا عین کعبے میں اے ہوشیار
جو تارک ہوا پنج اوقات کا بیاں کیا کروں اس کے حالات کا
ندا اس کو کرتا ہے یوں بے نیاز یہ تو نے جو کی ترک میری نماز
ہوا میری طاعت سے بیزار تو غضب کا ہوا اب سزاوار تو
بہت میں بھی بیزار ہوں تجھ سے اب خدا اور اپنے لیے کر طلب
مرے آسمان و زمیں سے نکل کہیں اور رہ جا کے اے بدعمل
یہ ارشاد کرتے ہیں شاہِ حجاز سبک اور ضائع کرے جو نماز
نہیں مجھ سے اور میری اُمت سے وُہ
بہت دُور ہے حق کی رحمت سے وُہ

یہ تو شیعہ کی کتابی باتیں ہیں لیکن عملی حالت سخت قابلِ افسوس ہے۔ جہاں کہیں شیعوں کی آبادی ہے مساجد ویران، دارے آباد ہیں۔ ہم نے دو جلسے مناظرہ کے دیکھے۔ ایک کندیاں ضلع میانوالی میں، دوسرا چک بیلی خان تحصیل گوجر خان میں۔ ظہر کی نماز کا وقت میدانِ مناظرہ میں آیا۔ تمام مسلمانوں نے نماز باجماعت پڑھی۔ مگر شیعہ کے علماء اور مقتدی سب یوں ہی کھڑے رہے۔ کسی ایک متنفس نے بھی نماز ادا نہ کی، لیکن شیعہ کو تکلیف برداشت کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ صرف متعہ جیسا کارِ ثواب کرنے سے امام حسن رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ مل جاتا ہے۔ عید غدیر کا ہی شیعہ کے ہاں (۱۸رذی الحجہ) روز متبرک ایسا آ جاتا ہے کہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ کے اس روز تمام صغیرہ وکبیرہ گناہ بخشے جاتے ہیں اور نویسندگانِ اعمال کو حکم ہوتا ہے کہ شیعانِ علی رضی اللہ عنہ اور محبانِ اہل بیت کے گناہ تین روز تک نہ لکھو یعنی اٹھارویں سے بیسویں تک۔ (تحفۃ العوام جلد ۲، ص ۱۶۱)

سیّد جنتی ہے

شیعہ کا یہ بھی اعتقاد ہے کہ اولادِ سادات کے لیے تو جنت واجب ہو چکی ہے۔ سیّد عبادت کرے نہ کرے کیسے ہی جرائم کبیرہ کا مرتکب ہو، جنت ہاتھ سے نہ جائے گی گویا ان کو رب العزت سے جنت کا ٹھیکہ مل چکا ہے۔ زنا کرے، چوریاں کرے، واردات قتل و ڈکیتی کا مجرم بنے۔ دوزخ کی آگ سیّد ❶ پر حرام ہے اور جنت الفردوس کا واحد مالک ہے۔ یہ اعتقاد عوام ہی کا نہیں بلکہ اخص الخواص شیعہ بھی یہ خبط رکھتے ہیں۔ مگر ہم کتب شیعہ سے یہ مسئلہ بحوالہ احادیث بیان کر کے ان کی اس غلط فہمی کو رفع کرتے ہیں۔

---

❶ حکم نکاح سیدہ با غیر سیّد: یہ بھی شیعوں کا عقیدہ ہے کہ سید زادی کا نکاح غیر سید سے ہرگز جائز نہیں۔ جیسا کہ عینی شرح ہدایہ میں اس قول کو شیعہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن محققین اہل سنت کے نزدیک سیدہ کا نکاح غیر سید سے درست ہے۔ چنانچہ اس مسئلہ کے متعلق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سابق مفتی دار العلوم دیوبند ایک استفسار کے جواب میں فرماتے ہیں: ان لوگوں کا یہ خیال غلط اور بے دلیل ہے۔ بنی ہاشم کی عورتوں کا نکاح بالغہ لڑکی اور اس کے اولیاء کی اجازت سے تو ہر قوم کے مسلمانوں میں ہو سکتا ہے لیکن بغیر رضا اولیاء قریش کے علاوہ کسی دوسری قوم میں کرنا درست نہیں اور اگر کر لیا گیا تو وہ نکاح قول مفتی بہ کے موافق درست نہ ہوگا۔ علی ما اختارہ صاحب الدر المختار الشامی وغیرہ البتہ قریش کے تمام خاندان خواہ وہ بنی ہاشم میں سے ہوں یا نہ ہوں بنی ہاشم کی کفو میں ان میں نکاح بلا اجازت اولیا بھی جائز ہے اور یہ حکم بنی ہاشم کی عورتوں کا نہیں، بلکہ جملہ اقوام کا یہی حکم ہے کہ غیر کفو میں نکاح کر لینے پر اولیاء کو فسخ کرانے کا حق ہوتا ہے۔ قال فی الهدایه وغیره واذا ازوجت المرأة نفسها من غیر کفو فلا ولیا أن یفرقوا بینهما دفعاً لضرار العار عن أُنفسهم انتهیٰ والفتویٰ علی روایت الحسن عن انه ینعقد کما صرح بافی الدر المختار (جو لوگ بنی ہاشم کی عورتوں کے نکاح کو غیر بنی ہاشم سے حرام کہتے ہیں سخت گنہگار ہیں۔ ولا تقولوا لما تصف السنتکم الکذب هذا حلال وهذا حرام۔ لیکن من حرم حلالاً کا فتویٰ کتب عقائد سے نقل کیا گیا ہے۔ وہ مقید بقیود ہے۔ یہاں اس کا حکم نہیں کیا جا سکتا اور ان لوگوں کو اسلام سے خارج کہنا جائز نہیں (امداد المفتین باب الکفاء ۃ ص ۱۲)، فتاویٰ دار العلوم دیوبند۔ (مظہر حسین ابن مصنفؒ)

فروع کافی جلد۳ کتاب الروضہ ص ۸۹ میں ہے:

عن ابی جعفر علیہ السلام قال قَامَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمَ عَلَی الصَّفَا فَقَالَ یَابَنِی ھَاشِمَ یَا بنی مُطَّلب اِنِّی رسولُ اللّٰہ الیکم وانی شفیقٌ علیکم وَاَنَّ لِیْ عَمَلِی وَلِکُلِّ رَجُلٍ مِّنْکُمْ عَمَلُہٗ لَاتَقُوْلُوا اِنَّ مُحَمَّدًا مِنَّا وَسَنَدخلُ مُدْخَلَہٗ فلا واللہ ما اولیائی منکم ولا محمدٌ من غیرِکم یابنی عبدالمطلب الا المتقون۔

ترجمہ: ''امام محمد باقر سے روایت ہے کہ رسولِ خدا ﷺ کوہ صفا پر کھڑے ہو کر فرمانے لگے۔ اے بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب میں خدا کا رسول ہوں اور تم پر شفقت کرنے والا ہوں۔ لیکن میرے عمل میرے لیے اور تمہارے عمل تمہارے لیے ہوں گے۔ یہ نہ کہنا کہ محمد ﷺ ہم میں سے ہیں۔ اور اس لیے ہم ان کی جگہ جنت میں جائیں گے۔ بخدا میرے دوست اے بنی مطلب تم میں سے اور دوسروں میں سے نہیں مگر پرہیزگار تم سے یا اور لوگوں سے وہی لوگ ہیں جو متقی اور پرہیزگار ہیں۔''

یہ تو حضور ﷺ کا اپنے تمام قبیلہ بنو ہاشم و بنو عبدالمطلب سے اعلان ہے کہ میری قرابت کا تمہیں کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس گمراہی میں نہ رہنا کہ میرے طفیل تم بخشے جاؤ گے، بلکہ اپنے اپنے اعمال کام آئیں گے اور میرے دوست وہی لوگ ہیں جو نیک اعمال کرتے اور خدا سے ڈرتے ہیں۔ ہاشمی ہوں یا غیر ہاشمی۔

اب حضور علیہ السلام کا وہ فرمان سنیے جو آپ نے مرض الموت میں اپنی دختر بلند اختر فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے خطاب میں فرمایا۔ چنانچہ حیات القلوب جلد۲، ص ۶۵۱ میں لکھا ہے۔

''اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! عمل کن و طاعت بجا آرا کہ بدوں عمل من فائدہ نتوانم بخشید۔''

(اے فاطمہ رضی اللہ عنہا! نیک اعمال کرنا اور عبادت الٰہی سے غافل نہ ہونا کہ نیک اعمال کے بغیر میری قرابت سے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچ سکے گا)۔

کیا سیّدوں کا رتبہ جگر گوشہ رسول زہراء بتول سے زیادہ ہے؟ کہ ان کو تو یہ ارشاد ہو

کہ بدوں اعمالِ صالحہ قرابت رسول ﷺ کوئی فائدہ نہ دے گی اور بعض لوگ جنھوں نے مدت سے اپنی حسب نسب کھودی ہوئی ہے اور تیلی، کشمیری سب سیّد ہونے کے دعویدار ہیں۔ اس امر کی امید رکھ سکتے ہیں کہ چوری، زنا، قتل و غارت کرتے رہیں۔ قیامت کو جنت کا تحفہ مل جائے گا۔ کلاو حاشا۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کو جو نبی کا فرزند، نبی کا پوتا تھا، رسول علیہ السلام کی فرزندی نے کوئی فائدہ نہ بخشا۔ رسول (نوح علیہ السلام) نے بھی التجا کی۔ اِنَّ ابنِی مِنْ اَھْلِی (یا اللہ! میرا بیٹا میری اہل سے ہے، اسے نجات دیجیو) لیکن دربارِ ایزدی سے تنبیہ کے ساتھ جواب ملا کہ اِنَّہٗ لَیسَ مِنْ اَھْلِكَ اِنَّہٗ عَمَلٌ غَیرُ صَالِحٌ (یہ تمہارا بیٹا نہیں ہے۔ اس کے اعمال اچھے نہیں)۔

پھر آج کل کے مشتبہ سیّد اتنی دُور کی نسبت سے کس طرح توقع کر سکتے ہیں کہ بدوں عمل صالح جنت کے مالک ہو جائیں گے۔ ائمہ عظام بھی ایسے شیعوں سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جو برے اعمال کر کے امید رکھتے ہیں کہ صرف محبتِ اہل بیت ہمارے لیے کافی وسیلہ ہے، ہم قیامت کو سیدھے جنت میں چلے جائیں گے۔

اصولِ کافی ص ۲۰۲ میں ہے:

عن جابر عن ابی جعفر قَالَ قَالَ یَا جَابِرُ اَیَکْتَفِی مَنْ یَنْتَحِلُ التَشَیُّعُ اَنْ یَعْقُولَ لِحُبّنَا اَھْلَ البَیْتِ فَوَاللہِ مَا شِیْعَتُنَا اِلَّا مَنِ اتَّقَ اللہ وَاَطَاعَہٗ وَمَا کَانُوا یُعْرَفُوْنَ یا جابر اِلَّا بِالتَّوَاضُعِ وَالتَّخَشُّعِ والامانۃ و کثرۃ ذکر اللہ والصوم والصلوٰۃ والبر بالوالدین والتعاھد للجیران من الفقراء واھل المسکنۃ والغارمین والایتام و صدق الحدیث وتلاوۃ القرآن و کف الالسُنِ من الناس الا من خیر و کانوا امنا عشائرھم فی الاشیاء قال جابر یا ابن رسول اللہ ماتعرف الیوم احد بھذہ الصفۃ فقال یا جابر لاتذھبن بك المذاھب حسب الرجل ان یقول احب علیا والولاۃ ثم لایکون

مع ذلك فعا لاتفعلوا قال انی احب رسول الله و رسول الله خیر من علی ثم لایتبع سیرته ولایعمل بصفته لا ینفعه حبه ایاه شیئا فاتقوالله واعملوا بما عندالله لیس بین الله وبین احد قرابة احب العباد الی الله اتقاهم واعلمهم بطاعته۔

ترجمہ: ''جابر رضی اللہ عنہ نے امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا۔ اے جابر رضی اللہ عنہ! شیعہ پن یہی نہیں ہے کہ کہہ دیا جائے کہ ہم محبِّ اہل بیت ہیں۔ بخدا ہمارے شیعہ وہی لوگ ہیں جو خدا سے ڈرتے اور اُس کی عبادت کرتے ہیں۔ شیعہ کی پہچان عجز و نیاز اور امانت اور یادِ الٰہی ہے، اور نماز و روزہ اور ماں باپ سے بھلائی کرنا، اپنے پڑوسیوں کی امداد کرنا اور لوگوں کی بدگوئی سے اپنی زبان کو روکنا ہے اور کہ وہ بڑے امین ہوں، اپنے قبائل میں۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس صفت کے شیعہ آج کل نظر نہیں آتے۔ آپ نے فرمایا! اے جابر رضی اللہ عنہ ہم مذہبی پابندی سے بچا نہیں سکتے۔ کوئی شخص گمان کرتا ہے کہ میں محبِّ علی رضی اللہ عنہ و اہل بیت ہوں، پھر ان کے طریقہ پر نہیں چلتا، اگر وہ شخص کہے کہ میں مُحبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم علی رضی اللہ عنہ سے بہتر ہیں، پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کی اتباع نہ کرے، نہ نیک عمل کرے تو یہ محبت اسے نفع نہ دے گی۔ خدا سے ڈرو اور یہ سمجھو کہ خدائے پاک کی کسی شخص سے قرابت نہیں ہے۔ خدا کو وہی لوگ پسند ہیں جو بڑے متقی اور عبادت گزار ہیں۔''

دیکھو! اس حدیث میں امام والا مقام نے سچے شیعوں کی شناخت کا معیار مقرر کر دیا ہے کہ جو منکسر المزاج و متواضع اور امین ہوں۔ یادِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہیں۔ نماز، روزہ کے سخت پابند ہوں۔ ماں باپ کے فرمانبردار، اپنے غریب پڑوسیوں کی امداد سے دریغ نہ کریں۔ سچ بولیں۔ تلاوتِ قرآن ان کا وظیفہ ہو۔ کسی کی بدگوئی نہ کریں۔ حضرت امام نے کھول کر فرما دیا کہ نرا محبت علی رضی اللہ عنہ و اہل بیت کا اِدّعا کوئی فائدہ نہیں دے سکتا جبکہ اعمال یزید کے سے ہوں۔ یہ بھی فرمایا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی بلند تر

ہے۔ کوئی شخص یہ کہہ دے کہ میں محبِ رسول ﷺ ہوں لیکن اس کے اعمال کفار کے سے ہوں تو حبِ رسول ﷺ اسے کیا فائدہ دے گی۔ جنابِ ممدوح رضی اللہ عنہ نے یہ بھی بتایا کہ بخشش تو خدا کے ہاتھ میں ہے۔ خدا کی کسی سے قرابت نہیں ہے۔ اس کو وہی لوگ پسند ہیں جو متقی اور عابد زاہد ہوں۔

اب شیعہ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ ان میں اوصافِ بالا سے کوئی ایک صفت بھی پائی جاتی ہے۔ اتقا و ورع تو کجا، نماز و روزہ کا تو کبھی نام بھی نہیں لیا۔ سچ تو کیا بولیں گے۔ تقیہ (جھوٹ) عبادت سمجھ رکھی ہے۔ بدگوئی کا یہ حال ہے کہ شام و صبح اصحابؓ و ازواجِ رسول ﷺ پر لعنت و تبرا زبان پر جاری رہتا ہے۔ تلاوتِ قرآن کی بجائے سُر تال سے مرثیہ خوانی میں مصروف رہتے ہیں، جو سراسر توہینِ اہلبیت ہے۔ کیا ان لوگوں کو دعویٰ حبِ علی رضی اللہ عنہ و حسنین رضی اللہ عنہ کچھ فائدہ دے سکتا ہے۔ کَلَّا وَ حَاشَا۔

ایں خیال است و محال است و جنوں

ایسے لوگ قیامت میں امام حسین رضی اللہ عنہ نہیں بلکہ یزید کے گروہ میں اُٹھیں گے کیونکہ ان کے افعال و اعمال سب کے سب وہی ہیں۔ جو یزید اور اس کے اتباع کے تھے۔ سیّد گیری کسی کام نہ آئے گی جبکہ اعمال درست نہ ہوں۔

نظم

خدا جانے روافض کا بُرا انجام کیا ہوگا ۔۔۔ بُرا ہوگا، بُرا ہوگا، بُرا ہوگا، بُرا ہوگا
خدا کے پاک بندوں کو بُرا کہتے ہیں دُنیا میں ۔۔۔ قیامت میں خدائے پاک بس ان سے خفا ہوگا
بُرا کہتے نبیؐ کے دوستوں کو اور احبا کو ۔۔۔ خفا ان سے یقیناً شافعِ روزِ جزا ہوگا
نبیؐ کی بیویوں کو گالیاں دنیا جفا کیا ہے ۔۔۔ مسلماں کب بھلا ایسا یہ بندہ بے حیا ہوگا
بُرا کہتے ہیں حضرت غوثِ اعظمؒ کو یہ بد باطن ۔۔۔ مگر حضرت کے والا شان کا نقصان کیا ہوگا
زباں پر ہے سدا دنیا میں ان کی وردِ لعنت کا ۔۔۔ قیامت کو گلے میں طوقِ لعنت کا پڑا ہوگا
پیمبر ہیں ہمارے رحمۃ للعالمین یارو ۔۔۔ انہیں پیارا وہی ہوگا، جو لعنت سے بچا ہوگا
نبی کے سخت دشمن ہیں جو دشمن ہیں صحابہؓ کے ۔۔۔ جو مومن ہے سدا دل سے صحابہؓ پر فدا ہوگا
عقیدت مومنوں کو ہے خدا کے پاک بندوں سے ۔۔۔ جو بد خواہ اُن کا ہے بندہ وہ دوزخ میں پڑا ہوگا

بُرا کہتا جو نامعقول حضرت کے خلیفوں کو — بھلا کب اس سے خوش یارو علی المرتضیٰ ہوگا
رسولِ پاک کی ازواج کو ہیں جو بُرا کہتے — نہ خوش ان سے کبھی روحِ بتول فاطمہؓ ہوگا
عجب بیباک دیکھا ہم نے ہے فرقہ روافض کا — نہ کوئی پاک بندہ شر سے ان کی بچا ہوگا
جو اہلِ بیت کی توہین کرتے ہیں سرِ اجلاس — یزیدی فوج نے ہرگز نہیں ایسا کیا ہوگا
محرم میں نکلتے سوانگ بھر کر جب روافض ہیں — تماشا رام لیلا کا نہ ایسا دِل رُبا ہوگا
مسلماں ہو کے یہ بدعات کرنا ہے بہت افسوس — کبھی راضی نہ ان بدعات سے ربّ الورا ہوگا
نہ سکھلائی کبھی اسلام نے بدعات ہیں ایسی — یہ شیطانی طریقہ ہے وہی موجد بنا ہوگا
علم اور تعزیہ دُلدل نئی بدعات ہیں ساری — رسومِ شرک ہیں یہ سب نہ کچھ ان میں بھلا ہوگا
قلندر، ڈوم، کنجر، ماتمِ حسنینؓ کرتے ہیں — نہ کیوں خوش پھر بھلا روحِ شہید کربلا ہوگا
عمر گزری برائی اور بُرائی کی کمائی میں — عمر میں اپنی استنجا نہیں ہرگز کیا ہوگا
وہ کیسی نامبارک اور ہوگی ناسزا مجلس — کہ شامل جس میں یہ پُر از خباثت طائفہ ہوگا
وہ نامِ پاک لینے کے نہ یہ ناپاک ہیں لائق — نہ اس ماتم کا تم کو دوستو کچھ فائدہ ہوگا
پڑھو قرآن اور ارواح کو بخشو یہ نیکی ہے — اسی سے خوش خدا اور سرورِ ہر دوسرا ہوگا
اسی سے خوش ہوں اہلبیت اور شہداء کے ارواح — یقیناً فائدہ یارو تمہیں اس سے بڑا ہوگا
الٰہی کر ہدایت اپنے بندوں کو زفضلِ خود — بجز تیری ہدایت کے نہ کوئی رہنما ہوگا

دبیرؔ اب ختم کر دو نظمِ پُرتاثیر کو اپنی
اثر ہوگا، اُسے دل درد سے جس کا بھرا ہوگا

(از تازیانہ[1] سنت)

اختلافی مسائل پر ہم بحث کر چکے ہیں اور کتبِ شیعہ کے حوالہ جات سے اپنا مدعا ثابت کیا جاچکا ہے۔ اُمید ہے کہ اہلِ انصاف ناظرین کی اس سے تسلی ہوجائے گی۔ اسلام کے تمام فرقوں سے نرالے عقاید شیعہ کے ہیں جو عقل ونقل کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تسلیم ہیں۔

---

[1] بحمد للہ مولانا کرم الدین دبیرؒ کی یہ تاریخی اور دلچسپ کتاب بھی بہت جلد شائع ہو کر منظر عام پر آنے والی ہے۔ (عبدالجبار سلفی)

شیعہ صاحبان بغضِ خلفاءِ ثلاثہؓ کی وجہ سے عقل بھی کھو چکے ہیں اور ان کو سمجھ نہیں آتی کہ سبائی مذہب کہاں تک اسلامی عقاید کی نقیض ہے!

نقشۂ اسلام حسب عقائد شیعہ

اس بات کو مخالفینِ اسلام بھی مانتے ہیں کہ اسلام نے تھوڑے عرصہ میں حیرت انگیز ترقی کی کہ اقطاع الارض میں اس کی روشنی پھیل گئی اور جس سینہ میں نورِ اسلام پرتو فگن ہوا پھر اس میں ظلمتِ کفر لوٹنا محال تھا اور یہی صداقتِ اسلام کی ایک روشن دلیل ہے لیکن تعجب ہے کہ شیعہ صاحبان اسلام کے دعوے دار ہو کر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ ہادی اسلام (فداہ ابی وامی) کی تبلیغی جدوجہد اور خدا کے پاک کلام قرآن کی تعلیم کا صرف یہ نتیجہ ہوا کہ سچے مسلمان رسول پاک کے کنبہ کے لوگوں کے علاوہ صرف تین شخص ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے، جو آخری دم تک اسلام پر ثابت قدم رہے۔ باقی تمام مسلمان جن کی تعداد لاکھوں کی تھی، برائے نام مسلمان تھے۔ جو رسولِ پاک ﷺ کی وفات کے بعد یک لخت اسلام سے پھر گئے اور اُلٹے خاندانِ نبوت کے جانی دشمن بن بیٹھے۔ اس کے متعلق شیعہ کی معتبر کتب کے حوالے درج ذیل کیے جاتے ہیں:

(۱) فروعِ کافی جلد ۳، کتاب الروضہ ص ۱۱۵، میں درج ہے:

عَنْ اَبِیْ جَعْفَرٍ قَالَ کَانَ النَّاسُ اَھْلَ رِدَّۃٍ بَعْدَالنَّبِیِّ اِلَّا ثَلَاثَۃٌ فَقُلْتُ وَمَنِ الثَّلَاثَۃُ فَقَالَ الْمِقْدَادُ ابْنُ الْاَسْوَدِ وَ اَبُوْذَرَ الْغِفَارِیُّ وَ سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ۔

ترجمہ: ''امام محمد باقر سے روایت ہے۔ فرمایا: رسول ﷺ خدا کی وفات کے بعد سب لوگ مرتد ہو گئے۔ صرف تین مسلمان رہ گئے۔ راوی نے پوچھا، وہ کون؟ کہا مقداد رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، اور سلمان فارسی)۔''

(۲) حیات القلوب جلد ۲، ص ۶۰۰ میں ہے: ''بسندِ معتبر از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ مردم ہلاک شدند بعد از وفات رسول مگر سلمان، ابوذر و مقداد۔''

''امامِ صادق علیہ السلام سے بسندِ معتبر روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سب لوگ ہلاک ہوگئے۔ (مرتد ہوگئے) صرف سلمان رضی اللہ عنہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ ومقدار رضی اللہ عنہ مسلمان رہ گئے۔''

ایسا ہی شیعہ کی دوسری کتابوں میں ہے اور یہ عقیدہ متفقہ ہے۔ اس لیے زیادہ بحث کی ضرورت نہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ یہ مسلمان کیسے تھے۔

سلمان رضی اللہ عنہ ومقداد رضی اللہ عنہ کی ایمانی حالت

حیات القلوب جلد۲ ص۶۰۰ میں سلمان رضی اللہ عنہ ومقداد رضی اللہ عنہ کے ایمان کی کیفیت عجیب لکھی ہے کہ ایک کی حالت کی دوسرے کو خبر ہو تو فوراً کافر ہو جائے۔ عبارت یوں ہے:

''در کتاب اختصاص بسند معتبر روایت کردہ است کہ حضرت رسول ﷺ فرمودہ کہ اے سلمان رضی اللہ عنہ اگر عرض کنند علم ترا بر مقداد ہر آئینہ کافر میشود''

(کتاب اختصاص میں معتبر سند سے امام صادق سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا۔ اے سلمان رضی اللہ عنہ، اگر تیرا علم مقداد پر پیش کیا جائے تو ضرور وہ کافر ہو جائے)۔

اس کے بعد یوں لکھا ہے:

''پس فرمود اے مقداد رضی اللہ عنہ اگر عرض کنند صبر ترا بر سلمان رضی اللہ عنہ ہر آئینہ کافر میشود۔''

(پھر جناب رسول ﷺ نے فرمایا۔ اے مقداد۔ اگر تمہارا صبر سلمان پر پیش کیا جائے تو ضرور وہ کافر ہو جائے)۔

کیا خوب مسلمانی ہے

کہ سلمان کے علم کی اطلاع مقداد کو ملے تو وہ کافر ہو جائے اور مقداد کے صبر کی سلمان کو خبر ملے تو وہ بھی کافر ہو جائے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہادئ اسلام نے ایسے بمشکل تین مسلمان پیدا کیے تھے، جو بعد وفات رسول ﷺ مسلمان رہے۔ ان میں سے بھی دو ایسے ڈھلمل یقین تھے کہ ایک کی

حالت پر دوسرا مطلع ہو جائے تو اسلام کو خیر باد کہہ دے۔ اب صرف ابوذر رضی اللہ عنہ مسلمان رہ گئے۔ اس سے تو نہ صرف رسول ﷺ اور قرآن پاک ہی پر بلکہ خدائے پاک پر بھی حرف آتا ہے کہ اتنا بڑا کارخانہ اسلام قائم ہوا۔ رسول ﷺ خاتم الانبیاء مبعوث ہوئے اور حسب فرمان وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ (ہم نے آپ کو ساری دنیا کا رسول بنا کر بھیجا ہے) رسول بھی سارے جہان جن وانس کی ہدایت کے لیے اور نتیجہ اس تمام کارگذاری کا یہ ہوا کہ صرف ایک مسلمان پیدا ہوا۔ کیا کوئی شخص شیعہ کا یہ عقیدہ درست مان کر مخالفینِ اسلام کے سامنے ایک منٹ کے لیے بھی کھڑا ہو کر صداقتِ اسلام پر بحث کر سکتا ہے تُف ایسے بُرے عقیدہ پر۔ مسلمانو! غور کرو اور پھر غور کرو۔

شیعہ سے ایک سوال

شیعہ برائے مہربانی ہمیں یہ بتائیں کہ ان برائے نام مسلمانوں نے (جن کو تم معاذ اللہ کافر و مرتد کہتے ہو) تو اسلام کی وہ خدمات کیں کہ مُلک کے مُلک فتح کر کے زیرِ نگین اسلام کیے۔ لاکھوں کروڑوں نفوس کو مسلمان کر کے ان کو کلمہ توحید پڑھایا۔ ہزاروں مساجد تعمیر کرائیں۔ قرآن کی جمع و ترتیب میں اس قدر اہتمام کیا کہ اصلی قرآن جو نازل ہوا تھا، یک جا جمع کر کے سورتوں، رکوعوں اور آیات کو ترتیب دی۔ اعراب لگائے، سینکڑوں حافظ تیار کیے گئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن تمہارے ان مخلص مسلمانوں ابوذر رضی اللہ عنہ، مقداد رضی اللہ عنہ، سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، نے کون کون سی خدماتِ اسلام کیں؟ کن کن کفار کو مسلمان کیا۔ کون کون سے ملک فتح کیے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو یہی بتایا جائے کہ جنابِ امیر رضی اللہ عنہ کی انہوں نے کون سی امداد کی۔ کیا اس نازک وقت میں اُن کی امداد کو پہنچے، جب کہ بقول فاسد تمہارے گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹ کر بیعتِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے لیے لے جا رہے تھے۔ یا ان کی خلافت جو چھین لی گئی تھی، ان کو واپس دلائی یا فدک جو بزعم تمہارے حق زہرا رضی اللہ عنہا کا چھین لیا گیا تھا، واپس دلایا۔ غرض کون سا ایسا کارنامہ تین سچے اور پکے مسلمانوں کا پیش کیا جائے، جس سے ان کی قدر و منزلت ظاہر ہو سکے۔ اگر ان تمام اُمور سے ایک بھی انہوں نے نہیں کیا تو ان کی مسلمانی سے اسلام کو اور علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو کیا نفع؟ ان سے تو وہ برائے نام مسلمان ہی اچھے تھے، جنہوں نے ملک کے ملک فتح کر کے اعلائے کلمۂ حق کیا۔ قیصر و کسریٰ کے تخت اُلٹ کر رسول خدا ﷺ کی پیشین گوئیوں کو پورا کیا اور گرانقدر وظائف دے کر اہل بیت کو مالا مال کر دیا۔ ہاں یہی بتاؤ کہ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ہی بعد وفاتِ رسول ﷺ کونسا ایسا کارِ نمایاں کیا، جس پر اسلام و مسلمانوں کو فخر ہو سکے۔ اپنے عہدِ حکومت میں کتنے کفار کو تہ تیغ کر کے وسعتِ ممالک اسلام کی؟ ہم تو جہاں تک تاریخِ اسلام کی ورق گردانی کرتے ہیں، یہی پتہ چلتا ہے کہ آپ کے وقت میں مسلمانوں پر تلوار چلی۔ ہزاروں جلیل القدر صحابیؓ جن میں سینکڑوں حفاظ قرآن تھے، شہید ہوئے۔ آپ کا عام زمانہ خانہ جنگیوں ہی میں گزرا اور خدمتِ قرآن کا تو یہ حال ہے کہ قرآن جمع کر کے کہیں ایسا غائب غلہ کیا کہ شیعوں کی نذر سے بھی اوجھل ہے۔ اگر ان برائے نام چند مسلمانوں (خلفاء ثلاثہؓ) کا وجود نہ ہوتا تو دُنیا میں آج ایک بھی مسلمان کلمۂ توحید پڑھنے والا نظر نہ آتا۔ دُنیائے اسلام ان نفوس مقدسہ (خلفاء ثلاثہ) کی بدولت تا قیامت گرویدۂ اسلام ہے جنہوں نے اپنی جانوں پر مصائب برداشت کر کے اسلام کو شرق سے غرب، جنوب سے شمال تک پھیلا دیا۔ تائید ایزدی ان کے شاملِ حال تھی اور فتح و نصرت ان کے پاؤں چومتی تھی۔ آؤ کچھ ہوش کرو۔ کفرانِ نعمت نہ کرو۔ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو آج ایک بھی سیّد جو اولادِ حسین رضی اللہ عنہ بطنِ حضرت شہر بانو سے پیدا ہوئے، صفحہ دہر پر نہ ہوتے۔

شیعیانِ علی رضی اللہ عنہ

اب ہم شیعیانِ علی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہوتے ہیں۔ ذرا تم ہی بتاؤ کہ تم نے اسلام یا ائمہ اہلبیت کی کیا کچھ امداد کی؟ اپنے عہد میں علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تمہارا ہی رونا روتے رہے۔ ائمہ اہلبیت اپنے وقت میں تمہارے شاکی رہے۔ تم نے ہی جناب امیر رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں جامِ شہادت پلایا۔ تم نے ہی حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو کوفہ میں بُلا کر مع صغیر السن بچوں کے ذبح کیا۔ تم نے سید الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو خطوطِ عقیدت لکھ کر دھوکہ و فریب سے بلوا کر مع بال بچے کربلا میں شہید کیا۔ کیا کوئی ایسا کارنامہ پیش کر سکتے ہو، جو

اس بات کا ثبوت ہو کہ تم نے اسلام یا ائمہ عظام ہی کو کچھ فائدہ پہنچایا۔ جناب امیر علیہ السلام کے ان خطبات سے جو نہج البلاغت میں بکثرت ہیں، تمہارے ایمانی حالت اور عقیدت کا پتہ چلتا ہے۔ نمونتہً ہم آپ کا ایک خطبہ نیرنگِ فصاحت ترجمہ نہج البلاغت سے درجِ ذیل کرتے ہیں جو اس کے صفحہ ۲۶۰ میں ہے۔

خطبۂ امیر علیہ السلام اپنے شیعوں کی مذمت میں

جو امر کہ گزر گیا اور جو فعل مقدر اور مشخص کر دیا ہے، میں اس پر خدا کی حمد کرتا ہوں اور اس امر پر بھی اس کی تحمید و تقدیس کرتا ہوں کہ مجھے آپ کے ساتھ مبتلا کیا۔ اے میرے حکم کی اطاعت نہ کرنے والے اور دعوت کو قبول نہ کرنے والے گروہ اگر تمہیں محاربہ دشمن سے مہلت دی جاتی ہے تو تم لہو ولعب اور ہوا و ہوس میں مشغول ہو جاتے ہو اور تمہیں ساتھ لے کر دشمن سے جنگ کی جاتی ہے تو مقابلے میں ضعیف و سُست ہو جاتے ہو۔ اگر لوگ اپنے امام کے پاس جمع ہوں تو تم میں تفرقہ پڑ جاتا ہے۔ اگر کسی مشقت و محنت کی طرف بُلانے والی آواز کو قبول بھی کرتے ہو تو پھر بہت جلدی رجعتِ قہقہری کر جاتے ہو۔ تمہارے دشمن کے لیے کوئی مربی باقی نہ رہے۔ وہ جہاد جو تمہارے ذمے واجب ہے اس میں نصرت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کا تم انتظار کر رہے ہو وہ تمہاری موت اور ذلت ہے۔ تم جہاد اور نصرت میں سستی اور کاہلی سے کام لے رہے ہو۔ اس کا انجام موت اور خواری ہے۔ قسم خدا کی اگر میرا روزِ موعود (موت) آ جائے اور بے شک وہ ضرور آ جائے گا تو وہ ایسی حالت میں میرے اور تمہارے درمیان تفرقہ اندازی کرے گا کہ میں تمہاری مصاحبت کے لیے دشمن ہوں گا اور تمہارے سبب سے کسی قسم کی قوت و شوکت مجھے حاصل نہ ہو گی۔ تم میری زندگی تک مجھ سے برگشتہ رہو گے۔ مجھے دشمن سمجھو گے اور تمہارے سبب سے میں صاحب شوکت نہ ہوں گا۔ خدا کے بندو کیا دین میں اتنی بندش کی قوت نہیں کہ تمہیں ایک جگہ جمع کر دے۔ اپنے امثال واقران کو بھی دیکھ کر حمیت و غیرت نہیں آتی۔ (جو تمہیں مدافعہ دشمن کے لیے) تیز و طرار کر سکے۔ کیا یہ مقام نصیحت نہیں کہ معاویہ نہایت ہی سفیہہ ستمگاروں کو بلاتا ہے اور وہ بغیر کسی قسم کے احسان و انعام و بخشش

کے اس کی متابعت کرتے ہیں اور میں تمہیں انعام اور احسان کے ٹکڑوں کی طرف بُلا رہا ہوں۔ حالانکہ تم اہل اسلام کے خلف ہو، معقول انسانوں کی اولاد ہو۔ مگر پھر بھی مجھ سے متفرق ہوتے ہو اور برابر مجھ سے اختلاف کیے جاتے ہو۔ میرا کوئی حکم تمہارے لیے ایسا کوئی صادر نہیں ہوا جو موجب خوشنودی ہو اور تم اس پر رضامند ہو جاؤ اور نہ کوئی ایسی چیز جو باعثِ غفلت ہو اور تم اس پر اجتماع کرلو۔ میرا کوئی امر و نہی خواہ تمہیں پسند ہو یا ناپسند مگر اس سے لامحالہ انحراف کرو گے اور یاد رکھو کہ بہترین شئے جس کی ملاقات کا مجھے اشتیاق ہے میرے نزدیک موت ہے۔ (کیونکہ میں اس کے سبب سے تمہاری بے جا مخالفتوں سے نجات پا کر بہشتِ بریں کی سیر کروں گا)۔ میں نے تمہیں کتابِ خدا کا سبق دیا۔ تمہاری تعلیم میں حجت و برہان کے ساتھ ابتداء کی۔ تمہیں اس چیز کو پہنچوا دیا جس کا تم انکار کرتے تھے۔ جس سے تم جاہل تھے۔ میں نے تمہیں وہ چیز (شرابِ معارفِ دینیہ پلا دی) جسے تم اپنے لبوں سے دُور رکھتے تھے جو تمہیں ناگوارِ خاطر تھی۔''

(نہج البلاغہ مطبوعہ طہران، ص ۲۴۳)

اس خطبہ اور ہمچو قسم دیگر خطبات ... پتہ چلتا ہے کہ جناب امیر علیہ السلام اپنے وقت کے شیعوں سے کس قدر نالاں تھے کہ ان کی مصاحبت پر موت کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ اُن کا کوئی حکم نہ مانتے تھے اور ہر ایک کام میں نافرمانی کرتے تھے۔ ان کے وعظ و تذکیر کی ان کے دلوں پر مطلق تاثیر نہ ہوتی تھی اور نہ انعام و اکرام ہی سے ان کے سنگین دل موم ہوتے تھے۔

شیعہ کا اِمام حسن علیہ السلام سے سلوک

جو سلوک شیعہ حضرات نے حضرت امام حسن علیہ السلام سے کیا، اس کا ذکر جلاء العیون جلد ۱، ص ۶۷ میں امام ممدوح کی زبانی یوں ہے:

''یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شیعہ ہیں اور میرا ارادہ قتل کیا۔ میرا مال لُوٹ لیا۔ بخدا سوگند اگر میں معاویہ سے عہد لوں اور اپنا خون حفظ کروں اور اپنے اہل و عیال میں ایمن ہو جاؤں۔ اس سے بہتر ہے کہ یہ لوگ مجھے قتل کریں۔''

اسی کتاب کے ص ۷۷ میں ایک شیعہ کی گستاخی کا حال یوں درج ہے:

''شیخ کشی نے بسند معتبر امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے گھر کے دروازہ پر بیٹھے تھے۔ ناگاہ ایک سوار آیا کہ اُسے سفیان بن لیلیٰ کہتے تھے۔ اس نے کہا، السلام علیکم اے ذلیل کنندۂ مومناں۔''

اسی کتاب کے ص ۲۶۸ میں لکھا ہے کہ آنجناب نے معاویہ سے صلح کا ارادہ کیا تو شیعوں نے چراغ پاء ہو کر حرکت کی۔ پس سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا (معاذ اللہ) یہ شخص مثل پدر کافر ہو گیا ہے۔ یہ کہہ کر بلوہ کیا اور اسباب امام حسن علیہ السلام لُوٹ لیا۔ یہاں تک کہ جائے نماز حضرت کے پاؤں کے نیچے سے کھینچ لی اور رداء دوشِ مبارک سے اُتار لی۔''

یہ تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی سے دعویدارانِ حبِ حسین علیہ السلام کا سلوک ہے۔

اِمام حسین علیہ السلام سے سلوک

خود فخر الشہداء جناب امام حسین علیہ السلام سے تو شیعوں نے وفاداری کی حد کر دی۔

صاحبِ جلاء العیون جلد ا، میں یوں رقمطراز ہے:

''پس بیس ہزار مرد عراقی نے امام حسین علیہ السلام سے بیعت کی، اور جنہوں نے بیعت کی تھی، خود اُنہوں نے شمشیر امام حسین علیہ السلام پر کھینچی اور ہنوز بیعت ہائے امام حسین علیہ السلام ان کی گردنوں میں تھی کہ امام حسین علیہ السلام کو شہید کیا۔''

اس سے پہلے ہم اخبار ماتم کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ شیعہ صاحبان نے ہی نہایت بے دردی و بے رحمی سے حضرت امام حسین علیہ السلام کو دشتِ کربلا میں بھوکا پیاسا معہ بال بچوں کے شہید کیا۔ مستورات کو بے ستر کیا۔ سرِ امام حسین علیہ السلام کو نیزہ پر چڑھا کر یزید کے پاس لے گئے اور وہاں جا کر ماتم حسین علیہ السلام برپا کر دیا۔ شیعہ کی فیملی بھی شریک ماتم ہوئی۔ یزید عنید کے خاص حکم اور ہندہ زوجۂ یزید کے اہتمام سے یزید پلید کے گھر میں تین دن ماتم ہوتا رہا۔ یہ ہیں ماتمیوں کے کرتوت، خدا بچائے، اگر خدانخواستہ آج کوئی مخالفِ اسلام، اسلام پر حملہ کر دے اور پلاؤ زردہ پکا کر ماتمیوں کے سامنے رکھ دے تو یہ محبانِ حسین علیہ السلام جو صرف چاولوں کے ماتمی ہیں۔ بیت اللہ کعبہ پاک پر گولیاں چلانے سے کبھی دریغ نہ کریں، جب اس وقت یہ حالت تھی کہ ائمۂ عظام کی مقدس صورتیں ان کے

سامنے تھیں اور مؤثر پُر درد الفاظ میں ان کو وعظ سنائے جاتے تھے اور ان کے پتھر دلوں میں ذرّہ تاثیر نہ ہوتی تھی (جیسے کہ خطبات جناب امیر علیہ السلام لکھے جا چکے ہیں) تو اب سینکڑوں سال کے بعد ان حضرات نے کیا حمیتِ اسلام دکھائی ہے۔

بعد کے شیعہ

یہ تو زمانہ خیر القرون کے شیعوں کا حال ہے۔ بعد کے شیعوں کی نسبت کتاب اصولِ کافی ص ۳۶۹ میں لکھا ہے:

> وكانت الشيعة قبل ان يكون ابو جعفر وهم لا يعرفون مناسك حجهم وحلالهم وحرامهم.
>
> (حضرت امام باقر رحمہ اللہ سے پہلے شیعوں کی یہ حالت تھی کہ وہ احکامِ حج سے نابلد تھے اور حلال وحرام کی انہیں کوئی تمیز نہ تھی۔ امام باقر رحمہ اللہ نے انہیں احکامِ حج بتلائے اور حلال وحرام کا بیان کیا)

اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام باقر رحمہ اللہ سے پہلے کے شیعہ کفارِ جاہلیت کی طرح احکامِ حج سے نابلد اور حلال وحرام کی بھی تمیز نہ رکھتے تھے۔ امام باقر رحمہ اللہ نے ان کو حلال وحرام کی تعلیم دی اور ضروری احکام سکھائے۔

شیعہ کی تعداد حضرتِ صادق علیہ السلام کے وقت

اب شیعیت کی ترقی کا زمانہ لیجیے۔ شیعہ کے نزدیک ان کے مذہب کی ترویج حضرت امام جعفر رحمہ اللہ کے وقت میں ہوئی۔ بلکہ شیعہ صاحبان اس مذہب کو منسوب ہی امام ممدوح کی طرف کرتے ہیں لیکن آپ نے جو اپنے وقت کے شیعوں کی حالت بتائی ہے۔ وہ سخت مایوس کن تھی۔ اصول کافی ص ۴۹۶ میں ہے:

> عن ابن رباب قال سمعت ابا عبدالله عليه السلام يقول لابي بصير اما والله لو اني اجدمنكم ثلاثة مؤمنين يكتمون حديثي ما استحللت ان اكتم لهم حديثا.
>
> (راوی کہتا ہے کہ امام صادق رحمہ اللہ ابوبصیر سے فرمانے لگے۔ اگر میں تم میں

سے تین مومن بھی ایسے دیکھوں جو میری حدیث کو مخفی رکھ سکیں تو میں کبھی یہ روا نہ رکھوں کہ میں ان سے اپنی حدیث چھپا رکھوں)۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب صادق کے عہد میں جو بقول شیعہ شیعیت کی ترقی کا زمانہ تھا، یہ حالت تھی کہ جناب امام ہمام رحمۃ اللہ علیہ کو ایسے تین شیعہ بھی نظر نہ آتے تھے جو خالص الایمان اور قابلِ اعتماد ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سچی بات ایک کو بھی نہ بتا سکتے تھے بلکہ ایک سوال کے تین تین مختلف و متعارض جواب دے کر دفع الوقتی کرتے تھے۔

اسی صفحہ پر دوسری حدیث یوں ہے:

عن سدیر الصیر فی قال دخلت علی ابی عبداللہ فقلت له واللہ مایسعک القعود فقال لم یاسدیر قلت لکثرة موالیک وشیعتک وانصارک واللہ لو کان لامیر المؤمنین علیه السلام مالک من شیعة والانصار والموالی ماطمع فیه تیم ولاعدی فقال یا سدیرو کم حتی ان یکونوا قلت مائة الف قال مائة الف قلت نعم ومائتی الف قال ومائتی الف قلت نعم و نصف الدنیا قال فسکت عنی ثم قال ایخف علیک ان تبلغ معنا الی ینبع قلت نعم فامرلحمار وبغل ان یسرجا فبادرت فرکبت الحمار فقال یا سدیرنری ان توشرنی بالحمار قتل البغل ازین وانبل قال الحمار ارفق لی فنزلت فرکب الحماد و رکبت البغل فمضینا فحانث الصلوٰة فقال یا سدیرا نزل بنانصلی ثم قال ھٰذہ ارض سبحة لایجوز الصلوٰة فیھا فسرنا الی ارض الحمرا ونظر الی غلام یرعی جداء فقال واللہ یاسعیر لو کان لی شیعة بعدد ھٰذہ الجداء ماوسعنی القعود ونزلنا وصلینا فلما فرغنا من الصلوٰة عطفت الی الجداء فعددتھا فاذاھی سبعة عشرا۔

ترجمہ: ''سدیر صیرفی سے روایت ہے، کہا میں امام صادق کے پاس گیا، اور ان کو کہا۔ بخدا آپ کو اب بیٹھ نہیں رہنا چاہیے۔ فرمایا کیوں؟ مَیں نے کہا، اِس لیے کہ آپ کے پاس غلام اور شیعہ اور مددگار کثرت سے ہیں۔ بخدا اگر امیر علیہ السلام کے پاس اتنے آدمی ہوتے جتنے آپ کے پاس شیعہ مددگار اور غلام ہیں، تو بنو تمیم وعدی طمع خلافت نہ کرتے۔ آپ نے فرمایا۔ سدیر، کتنے ہونے چاہئیں؟ مَیں نے کہا، ایک لاکھ، امام نے کہا، ایک لاکھ، مَیں نے کہا، ہاں دو لاکھ، امام نے کہا، اور دو لاکھ، مَیں نے کہا، ہاں نصف دُنیا۔ پھر آپ خاموش ہو گئے۔ پھر کہا۔ کیا تجھے گنجائش ہے کہ میرے ساتھ باہر چلو۔ مَیں نے کہا، ہاں۔ آپ نے گدھے اور خچر کو کَسنے کا حکم دیا۔ مَیں جلدی گدھے پر سوار ہو گیا۔ فرمایا۔ سدید، مجھے گدھا دے سکتے ہو۔ میں نے کہا خچر کی سواری اچھی اور تیز رفتار ہوتی ہے، فرمایا: گدھے کی سواری ہلکی ہوتی ہے میں اُتر کر خچر پر سوار ہو گیا۔ آپ گدھے پر سوار ہو گئے۔ ہم چل دیئے۔ نماز کا وقت ہو گیا، امام نے فرمایا! سدیر، اُترو نماز پڑھ لیں۔ پھر کہنے لگے، یہ شور زمین ہے۔ یہاں نماز نہیں ہو سکتی۔ پھر ہم ایک سُرخ مٹی کی زمین میں گئے اور آپ نے ایک لڑکا دیکھا جو بھیڑیں چرا رہا تھا۔ امام باقر رحمہ اللہ فرمانے لگے۔ اگر میرے پاس ان بھیڑوں جتنے بھی شیعہ ہوں تو بیٹھ نہ رہوں۔ (جنگ کے لیے اُٹھوں) پھر ہم نے اُتر کر نماز پڑھی۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے ان بھیڑوں کا شمار کیا تو ان کی تعداد سترہ نکلی۔''

اب آپ غور کریں کہ جہاں شیعہ کی تعداد لاکھ دو لاکھ بلکہ نصف دُنیا سمجھی جاتی تھی، وہاں خالص مخلص شیعہ سترہ نکلے اور زمانہ بھی صاحب المذہب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ وہاں آج کل کے شیعہ کی ایمانی حالت کا کیا ٹھکانا؟ یہ سب ڈوم، میراثی، قلندر، مصلی، کنجر جو شیعہ بن کر محرم میں رونق افزا مجلس ماتم ہوا کرتے ہیں۔ یہ سب چاولوں کے شیعہ ہیں۔ اگر منتظمانِ مجالس عزا، ایک سال چاول پکانے بند کر دیں تو دیکھیں، کتنے شیعیانِ علی رضی اللہ عنہ سینہ کوبی کے لیے جمع ہوتے ہیں۔

اِمام مہدی کے نہ ظاہر ہونے کا سبب

چونکہ کتب شیعہ میں تصریح ہے کہ امام غائب علیہ السلام اس وقت تشریف لائیں گے، جب ان کے مخلص شیعوں کی تعداد تین سو تک پہنچ جائے گی۔ جو ان کے محافظ ہوں گے اور اعداء اسلام سے ان کی نگہبانی کریں گے۔ باوجودیکہ مدعیانِ شیعیت کی تعداد اس وقت ہزاروں نہیں، بلکہ لاکھوں تک پہنچی ہوئی ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ سب برائے نام چاولوں کے شیعہ ہیں۔ اگر سچے شیعہ ہوتے تو کب کے امامِ منتظر تشریف لے آتے۔

اِمام کے ظہور کا وقت ہے

چونکہ اس وقت شیعوں پر سخت اعتراض ہورہا ہے کہ ان کا قرآن جمع کردہ علی رضی اللہ عنہ کہیں نظر نہیں آتا۔ اس کے متعلق مطالبہ پر مطالبہ ہورہا ہے کہ شیعہ کہیں سے وہ قرآن پیدا کریں ورنہ ان کی کوئی مسلمانی نہیں جب کہ ان کے ہاتھ میں کتاب آسمانی نہیں۔ شیعہ بیچارے سخت پریشان ہیں، کچھ جواب بن نہیں سکتا۔ شیعوں کا عقیدہ ہے کہ وہ قرآن صاحب الامر حضرت امام مہدی علیہ السلام کے پاس موجود ہے اور شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اِمام علیہ السلام بمعہ اپنے فرزندوں کے ایک غائب مُلک میں حکمران کر رہے ہیں۔

شیعوں کے قبلہ و کعبہ علامہ سیّد علی الحائری کی ایک مصنفہ کتاب ''غایۃ المقصود'' میں بہت سی حکایات درج ہیں کہ لوگوں نے وہاں جا کر آپ کی زیارت بھی کی۔ چنانچہ اسی کتاب کے ص ۲۵ سے ۳۰ تک ایک قصہ لکھا ہوا ہے کہ

''چند کس دریائی سفر کرتے ہوئے، اس ملک میں جا پہنچے اور وہاں پانچ بڑے بڑے شہر دیکھے جو امام کے فرزندوں کے زیرِ حکومت تھے۔ ان میں سے بعض کا طول و عرض دو ماہ کا راستہ) بعض کا چار ماہ کا راستہ ہے۔ وہاں بڑے بڑے شہر اور تجارت کی منڈیاں دیکھی گئیں اور عجیب و غریب باغات و جنات تجری من تحتها الانهار مشاہدہ میں آئے۔ ان لوگوں نے امام علیہ السلام کی زیارت بھی کی اور اسلام بھی تازہ ہوا۔''

(معلوم نہیں اتنی بڑی آبادی جغرافیہ والوں کی آنکھوں سے آج تک کیوں مخفی ہے، جنہوں نے زمین کا چپہ چپہ پیمائش کر کے جغرافیۂ سدنیا تیار کیا ہے، یہ سب داستانیں

فرضی، بوستانِ خیال یا شیخ چلی کی گپوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتیں) بہر حال اگر امام اتنی بڑی سلطنت کے مالک، دُنیا کے کسی حصہ میں رہتے ہیں، آپ گاہے گاہے اپنے خواص شیعہ کو ملتے بھی رہتے ہیں، جیسا کہ حائری کی کتاب غایۃ المقصود میں ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اس وقت کے شیعہ اس نعمت (زیارتِ امام سے محروم ہیں؟)

وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں ہوسکتی کہ یہ سب حلوے مانڈے اور چالوں کے شیعہ ہیں۔ اصلی شیعہ کی ان میں بُو تک نہیں ہے۔ ورنہ اگر اس وقت دُنیا میں کوئی ایک بھی سچا شیعہ موجود ہوتا تو اس آڑے وقت میں حضرت امام ان کی ضرور دستگیری کرتے اور اصلی قرآن اگر اس وقت ظاہر نہیں کیا جاسکتا تو اس کی نقل ہی کرا کر کسی مخلص شیعہ کی معرفت دُنیا میں بھیج دیتے، تاکہ شیعہ بیچارے وہ قرآن دکھا کر سرخروئی حاصل کرتے۔

ایک عجیب حکایت

اسی کتاب غایۃ المقصود کے ص ۷۰-۷۱ میں ایک عجیب حکایت لکھی ہے، جو قاضی نوراللہ شوستری کی مجالس المومنین سے نقل کی گئی ہے:

> ”کہ ایک اجل فاضل اہل سنت جو علامہ حلی کے استاذوں میں سے تھا، اس نے مذہبِ شیعہ امامیہ کے ردّ میں ایک مبسوط کتاب لکھی تھی اور وہ کتاب مختلف مجالس میں سُنا کر شیعوں کو پھسلاتا تھا اور اس خوف سے کہ کوئی شیعہ اس کی تردید نہ کردے، کسی شیعہ عالم کے ہاتھ میں وہ کتاب نہ دیتا تھا۔ شیخ حلی ہمیشہ اس کوشش میں رہتے تھے کہ وہ کتاب ہاتھ آئے تاکہ اس کی تردید کی جائے۔ ایک روز استادی شاگردی کا وسیلہ پیش کرکے کتاب عاریۃً دینے کی استدعا کی۔ استاد نے کہا! صرف ایک رات کے لیے کتاب دے سکتا ہوں۔ شیخ نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور کتاب لے لی اور اپنے گھر میں لے گئے تاکہ کچھ نہ کچھ رات میں نقل کرلیں۔ جب لکھنے لگے تو نیند نے غلبہ کیا اور سو گئے۔ جناب مہدی علیہ السلام نمودار ہوگئے اور شیخ کو فرمانے لگے کہ کتاب مجھے دے دو اور تم سو رہو۔ جب شیخ نیند سے جاگے تو دیکھا کہ کتاب ساری لکھی ہوئی موجود ہے۔

حالانکہ وہ کتاب ایک سال سے کم عرصہ میں نہ لکھی جا سکتی تھی''۔

یہ حکایت فارسی میں ہے۔ میں نے سہولتِ ناظرین کے لیے اس کا ترجمہ بجنسہٖ اُردو میں لکھ دیا ہے، جو چاہے اصل کتاب دیکھ سکتا ہے۔

اس قسم کی حکایات عجیب وغریب اس لیے وضع کی گئی ہیں کہ شیعوں کا اس بات پر اعتقاد جمار ہے کہ ضرور امام مہدی علیہ السلام اس وقت موجود ہیں اور کبھی کبھی خاص لوگوں کو ان کی زیارت ہو جایا کرتی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر یہ باتیں درست ہیں تو اس وقت شیعیانِ علی رضی اللہ عنہ کیوں کوشش نہیں کرتے کہ مِل کر شب بیداری کریں اور مناجاتیں کر کے امام کی زیارت سے مستفید ہوں اور منت وخوشامد سے عرض ومعروض کریں کہ حضرت جی اس وقت بڑا آزادی کا وقت ہے آپ ظہور فرمائیں تو کوئی شخص آپ کا بال بیکا بھی نہیں کر سکتا اور لاکھوں کی تعداد میں لٹھ بند شیعہ جو گتکا باز بھی ہیں، آپ کی امداد میں موجود ہوں گے، تشریف لا کر شیعیت کی اشاعت فرمائیں اور اگر آپ خود تشریف نہیں لا سکتے تو قرآن تو ہمیں مرحمت فرمائیں تاکہ مخالفین کو دکھا کر ہم سُرخروئی حاصل کریں اور مخالفین کے قرآن کے رہینِ منت نہ رہیں۔ شیعوں کے قبلہ وکعبہ سرکار شریعت مدار ہی اپنی رُوحانی کشش سے حضرت امام کو بُلا لیں، لکھنؤ کے بڑے بڑے مجتہدینِ شیعہ کوئی حیلہ کریں اور نہیں تو ایران کے بڑے بڑے جُبہ پوش مشائخ شیعہ ہی جدوجہد کریں۔ اگر ایسا نہیں کر سکتے اور ہرگز نہیں ہو سکتا تو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ اس وقت ان ہزاروں لاکھوں نمائشی شیعوں میں خالص مخلص اصلی شیعہ ایک بھی نہیں۔

شیعو! کوشش کرو۔ اپنے سے یہ دھبہ دُور کرو ورنہ ان عقائدِ شیعہ سے باز آ جاؤ۔ ضِد چھوڑ دو۔ آخر مرنا ہے اور خدا کے ہاں جواب دینا ہے۔ بزرگانِ دین کی سب وشتم سے باز آ جاؤ۔ اسی قرآن کے کامل ومکمل ہونے کے قائل ہو جاؤ۔ طریقِ اہل سنت اختیار کر کے مسلمانوں کے سوادِ اعظم میں مل جاؤ۔ تاکہ نجات حاصل ہو۔

وما علینا الا البلاغ

ہمارا کام کہہ دینا تھا یارو
ہو تم مختار مانو یا نہ مانو

کتاب بہت طویل ہوگئی ہے۔ اب ختم کرتا ہوں اور صدق دل سے درگاہِ اللہ العالمین میں دُعا کرتا ہوں کہ میری اس ناچیز تحریر کو قبولِ عامہ کا شرف عطا ہو اور قیامت میں مغفرت کا وسیلہ ہو۔ اٰمِیْنَ ثُمَّ اٰمِیْنَ۔

یہ کتاب ان ناپاک حملوں کی مدافعت میں ایک زبردست حربہ ثابت ہو اور مسلمان بھائی اس کو پڑھ کر فائدہ اُٹھائیں۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِاُسْتَاذِیَّ وَلِجَمْعِ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ آمین بِرَحْمَتِکَ یَآ اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ۔

راقم خاکسار

ابوالفضل محمد کرم الدین عفی عنہ دبیر
متوطن بھیں، تحصیل چکوال، ضلع جہلم (پنجاب)
۲۸ر اگست ۱۹۲۵ء)

فتویٰ تکفیرِ روافض

(از حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ)

جو روافض اصحاب و ازواج رسول ﷺ کو علانیہ گالیاں دیتے اور لعنت و تبرّا اور ردِ زبان رکھتے اور قرآن کریم کا انکار کرتے ہیں۔ بلاشبہ کافر ہیں۔ ان کی تکفیر کے فتاویٰ علماءِ ہند و پاک ہی سے نہیں بلکہ علمائے حرمین شریفین سے صادر ہو چکے ہیں، لیکن ذیل میں ہم صرف چند بزرگانِ اسلام اہلِ باطن کی وہ تحریرات درج کرتے ہیں جو انہوں نے غالی روافض کی تکفیر کے متعلق لکھی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ کے دو مکتوب لکھے جاتے ہیں۔

از مکتوباتِ مترجم اُردو

یقینی طور پر تصور فرمائیں کہ بدعتی کی صحبت کا فساد کافر کی صحبت سے زیادہ مؤثر ہے اور تمام بدعتی فرقوں میں بدتر اس گروہ کے لوگ ہیں جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحاب رضی اللہ عنہم سے بغض رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ان کا نام کفار رکھا ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ قرآن اور شریعت کی تبلیغ اصحاب ؓ نے ہی کی ہے اگر ان پر طعن لگائیں تو قرآن اور شریعت پر طعن آتا ہے۔ قرآن کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمع کیا ہے۔ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مطعون ہیں تو قرآنِ مجید بھی مطعون ہے۔ حق تعالیٰ ان زندیقوں کے ایسے اعتقاد سے بچائے۔ مخالفت اور جھگڑے جو اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے درمیان واقعہ ہوئے ہیں۔ نفسانی خواہشوں پر محمول نہیں ہیں کیونکہ خیر البشر ﷺ کی صحبت میں ان کے نفسوں کا تزکیہ ہو چکا تھا اور ان کا نفس امارہ پن سے آزاد ہو گیا تھا، اس قدر جانتا ہوں کہ حضرت امیر علیہ السلام اس بارہ میں حق پر تھے۔ ان کے مخالف خطا پر، لیکن یہ خطا اجتہادی ہے، فسق کی حد تک نہیں پہنچاتی بلکہ اس قسم کی خطا میں ملامت کی مجال نہیں۔

کیونکہ خطا کرنے والے کو بھی ایک درجہ ثواب کا حاصل ہے اور کمبخت یزید، اصحابؓ سے نہیں ہے۔ اس کی بدبختی میں کسی کو کلام نہیں۔ جو کام اس بدبخت نے کیا ہے کافر بھی نہیں کرتا۔ اہلِ سنت والجماعت میں سے بعض علماء نے اس کو لعنت کرنے پر توقف کیا ہے تو اس لحاظ سے نہیں کہ وہ اس سے راضی ہیں۔ بلکہ اس کے رجوع اور توبہ کے احتمال پر ہے۔

مکتوب نمبر ۸۰

تہتر فرقوں میں سے ہر ایک فرقہ شریعت کی تابعداری کا مدعی ہے اور اپنی نجات کا دعویٰ کرتا ہے لیکن وہ دلیل جو پیغمبر صادق علیہ السلام کے ان متعدد فرقوں میں سے ایک فرقہ ناجیہ کی تمیز کے لیے بیان فرمائی ہے، یہ ہے:

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰى مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ.

''یعنی فرقۂ ناجیہ وہ لوگ ہیں جو اس طریق پر ہوں، جس پر میں اور میرے اصحاب ہیں۔''

اصحاب کا ذکر صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کافی ہونے کے باوجود اس مقام میں اسی واسطے ہوسکتا ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ میرا طریقہ بعینہٖ اصحاب کا طریق ہے اور نجات کا راستہ صرف ان کے طریق سے وابستہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ پس رسول کی اطاعت عین حق کی اطاعت ہے اور ان کی مخالفت عین حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔

جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے خلاف تصور کیا ہے، حق تعالیٰ نے ان کے حال کی خبر دی ہے اور ان پر کفر کا حکم لگایا ہے، حق تعالیٰ فرماتا ہے:

یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝

---

❶ جو جھگڑے بعد از خلافِ اصحابِ ثلاثہؓ واقع ہوئے۔

اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا.

(اور ارادہ کرتے ہیں اللہ اور اس کے درمیان فرق ڈالیں اور کہتے ہیں کہ بعض کے ساتھ ہم ایمان لاتے اور بعض سے ہم انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راستہ اختیار کرلیں۔ یہی لوگ پکے کافر ہیں)۔

پس مذکورہ بالا صورت میں اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم کے طریق و تابعداری کے برخلاف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تابعداری کا دعویٰ کرنا باطل اور جھوٹا ہے بلکہ حقیقت میں وہ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عین نافرمانی ہے۔ پس اس مخالف طریق میں نجات کی کیا مجال۔

وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّھُمْ عَلٰی شَیْءٍ اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ.

(اور گمان کرتے ہیں یہ کہ وہ اوپر کسی چیز کے ہیں۔ خبردار تحقیق وہی جھوٹے ہیں)۔

ان کے حال کے موافق ہے اور اس میں شک نہیں کہ وہ فرقہ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کو لازم پکڑا ہے اہلِ سنت و جماعت ہی ہیں۔ خدائے تعالیٰ ان کی سعی کو مشکور فرمائے۔ پس یہی لوگ فرقۂ ناجیہ ہیں۔ کیونکہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اصحابؓ کو طعنہ لگانے والے ان کی اتباع سے محروم ہیں جیسے کہ شیعہ خارجیہ اور معتزلہ جو مذہب نیا رکھتے ہیں۔ ان کا رئیس واصل بن عطاء، امام حسن بصری کے شاگردوں میں سے تھے جو ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کے باعث امام سے جدا ہو گیا اور امام صاحب نے اس کے حق میں فرمایا: اِعْتَزَلَ عَنَّا (ہم سے جدا ہو گیا) اسی طرح باقی فرقوں کو خیال کرلو۔ مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰہِ مَنْ لَّمْ یُوَقِّرْ اَصْحَابَہٗ (جس نے اصحاب کی تعظیم نہیں کی، وہ رسول اللہ پر ایمان نہیں لایا) کیونکہ ان کا حسد ان کے صاحب کے حسد تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس بُرے اعتقاد سے بچائے اور نیز جو قرآن و حدیث سے ہم تک پہنچے ہیں، وہ انہی کی نقل کے وسیلہ سے ہیں۔ جب یہ مطعون ہوں گے تو ان کی نقل بھی مطعون ہوگی کیونکہ یہ نقل ایسی نہیں کہ بعض کے سوا بعض کے ساتھ مخصوص ہو۔ بلکہ سب کے سب عدل اور صدق اور تبلیغ میں برابر ہیں۔ پس ان میں سے کسی کا طعن دین کے طعن کو مستلزم ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ اگر طعنہ دینے والے یہ کہیں کہ ہم بھی

اصحابؓ کی متابعت کرتے ہیں۔ یہ لازم نہیں کہ ہم سب اصحاب کے تابع ہوں بلکہ ان کی راؤں کے متضاد ہونے اور مذہبوں کے اختلاف کے باعث سب کی تابعداری ممکن نہیں تو اس کا جواب ہم دیتے ہیں کہ بعض کی متابعت اس وقت فائدہ مند ہوسکتی ہے جب کہ بعض کا انکار ان کے ساتھ شامل نہ ہو۔ ورنہ بعض کا انکار کرنے سے بعض کی متابعت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ حضرت امیر علیہ السلام نے خلفائے ثلاثہؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عزت و تعظیم کی ہے اور ان کو اقتداء کے لائق جان کر ان سے بیعت کی ہے۔ پس خلفائے ثلاثہ رضوان اللہ علیہم کا انکار کرنا اور جناب امیر کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افتراء ہے بلکہ یہ انکار درحقیقت حضرت امیر علیہ السلام کا انکار ہے اور ان کے اقوال و افعال کا صریح رد ہے اور تقیہ کے احتمال کو حضرت اسد اللہ کے حق میں دخل دینا بڑی بے وقوفی ہے۔ عقلِ صحیح ہرگز اس کو جائز نہیں سمجھتی کہ حضرت اسد اللہ باوجود کمال معرفت و شجاعت کے خلفائے ثلاثہؓ کے بغض کو تیس سال تک پوشیدہ رکھیں اور ان کے برخلاف کچھ ظاہر نہ کریں اور منافقانہ صحبت ان کے ساتھ رکھیں حالانکہ کسی ادنیٰ مسلمان سے اس قسم کا نفاق متصور نہیں ہوسکتا۔ اس فعل کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہیے کہ حضرت امیر علیہ السلام کے حق میں تقیہ جائز بھی سمجھا جائے تو وہ تعظیم و توقیر جو حضرت پیغمبر ﷺ خلفائے ثلاثہؓ کی کرتے تھے اور ابتداء سے انتہاء تک ان کو بزرگ جانتے رہے ہیں۔ اس کا کیا جواب دیں گے۔ وہاں تقیہ کی گنجائش نہیں۔ حق امر کی تبلیغ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام پر واجب ہے۔ وہاں تقیہ کو دخل دینا زندقہ تک پہنچا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَ إِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ.

(اے میرے رسول، جو کچھ تجھ پر تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کو پہنچا دے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو رسالت کا حق ادا نہیں کیا اور اللہ تجھے لوگوں سے بچائے گا)۔

کفار کہا کرتے تھے کہ محمد ﷺ اس وحی کو جو اس کے موافق ہو، ظاہر کر دیتا ہے اور جو اس کے مخالف ہو، اس کو ظاہر نہیں کرتا اور اس کو پوشیدہ رکھتا ہے اور یہ ثابت ہے کہ نبی کو

خطا پر مقرر رکھنا جائز نہیں، ورنہ اس کی شرافت میں خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ پس سب خلفائے ثلاثہ کی تعظیم و توقیر کے خلاف آنحضرت ﷺ سے ظاہر نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ ان کی تعظیم خطاء اور زوال سے محفوظ تھی۔

اب ہم اصل بات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کا جواب ذرا صاف طور پر لکھتے ہیں کہ تمام اصحابؓ کی متابعت دین کے اصول کے متعلق لازم ہے اور وہ ہرگز اختلاف نہیں رکھتے، اگر اختلاف ہے تو فروع میں ہے اور جو اُن میں سے بعض کو طعن کرتا ہے وہ سب کی متابعت سے محروم ہے۔ ہر چند ان کا کلمہ متفق ہے مگر دین کے بزرگواروں کے انکار کی بدبختی اختلاف میں ڈال دیتی ہے اور اتفاق سے باہر نکال دیتی ہے بلکہ قائل کا انکار اس کے اقوال کے انکار تک پہنچا دیتا ہے اور نیز شریعت کے پہنچانے والے سب اصحابؓ ہی ہیں جیسا کہ ذکر ہو چکا کیونکہ سب کے سب اصحاب عادل تھے۔ ہر ایک نے کچھ نہ کچھ شریعت ہم تک پہنچائی ہے اور ایسے ہی قرآن بھی ہر ایک سے کچھ نہ کچھ لے کر جمع کیا گیا ہے۔ پس بعض کا انکار منکر کے مادہ میں ثابت ہوتا ہے۔ پھر کس طرح نجات اور خلاصی کی اُمید ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۔

(کیا تم بعض کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو۔ پس جو شخص تم میں سے ایسا کرتے ہیں۔ ان کی جزاء اس کے سوا اور کیا ہے کہ دُنیا میں خوار و ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت عذاب کی طرف کھینچے جائیں)۔

یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے، بلکہ درحقیقت جامع القرآن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ ہیں اور حضرت امیر علیہ السلام کا جمع قرآن کے سوا ہے۔ پس سوچنا چاہیے کہ ان بزرگوں کا انکار درحقیقت قرآن کا انکار ہے۔ (نعوذ باللہ)

ایک شخص نے شیعہ کے ایک مجتہد سے سوال کیا کہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے آپ کا اس کے حق میں کیا اعتقاد ہے؟ اس نے کہا میں اس کے انکار میں مصلحت نہیں دیکھتا، کہ اس کے انکار سے تمام دین درہم برہم ہو جاتا ہے۔ دیگر عاقل آدمی ہرگز انکار نہیں کر سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحلت کے دن ۳۳ ہزار اصحابؓ حاضر تھے جنہوں نے رضا و رغبت سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اتنے اصحاب کا گمراہی پر اجماع ہونا محال ہے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: لَاتَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ (انتہی من غنیۃ)

فتویٰ تکفیر روافض

(از دربارِ گولڑہ شریف)

روافض کے کفر کا فتویٰ جب درگاہِ غوث اعظم حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز سے صادر ہو چکا ہے۔ جیسا کہ غنیۃ الطالبین ص ۱۷۹ میں بروایتِ معاذ بن جبل و حضرت انس رضی اللہ عنہما بایں طور پر منقول ہے:

سیجئ فی اخر الزمان قوم ینقصون اصحابی فلاتجالسوھم ولا تشآ ربوھم ولا تواکِلُوھُمْ ولاتناکحوھم ولاتصلوا علیھم ولاتصلوا معھم۔

(آخر زمان میں ایک قوم ہوگی جو میرے اصحاب کی تنقیص شان کریں گے۔ پس تم ان کی مجلس میں نہ بیٹھو، نہ اُن سے مل کر پیئو نہ کھاؤ، نہ ان سے رشتہ بندی کرو، نہ ان کے جنازہ کی نماز پڑو، نہ اُن سے مل کر نماز پڑھو)۔

اس لیے غوثِ وقت حضرت قبلہ عالم خواجہ پیر مہر علی شاہ صاحب مدظلہم سجادہ نشین گولڑہ شریف سے بھی یہی توقع ہو سکتی تھی کہ اپنے جدامجد کی طرح روافض کی تکفیر کا فتویٰ صادر کریں لیکن رافضی لوگ لوگوں کو غلط فہمی میں ڈالتے اور کہا کرتے ہیں کہ جناب پیر صاحبؒ ممدوح شیعہ کو اچھا سمجھتے ہیں اور ان کے کفر کا حکم نہیں دیتے۔

خاکسار نے ایک خاص عریضہ کے ذریعہ پیر صاحب مدظلہم سے اس بارہ میں استفسار کیا جس کے جواب میں جناب ممدوح کے حکم سے ایک معزز و مقتدر خاص حضوری جناب خان بہادر مولوی شیر محمد خان صاحب لاہوری نے ایک فتویٰ کی نقل بھیجی جو دربار تکفیر روافض دربار گولڑہ شریف سے صادر ہو چکا ہے ❶۔ وھوہذا۔

سوال

(۱) قاذف سیدۃ النساء، حضرت عائشہ الصدیقۃ العلیا (۲) منکر صحابیت خلیفۃ الحق والصواب حضرت ابوبکر الصدیقؓ وعمرؓ بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہما (۳) منکرِ بنات رسولِ اکرم ﷺ سوائے فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا (۴) محرف و منکر قرآن مجید سابِ الشیخین رضی اللہ عنہما (۵) بازدارند مردم از دین اسلام کا فراست یا نے؟ ارتباطِ نکاح و استنکاح داشتن و طریق الفت و محبت بوئے پیمودن و آمد و شد در اعراسِ شاں کردن و شمولیت در شادیہائے و مصائب و مواکلت و مشاربت بطریق مواخات و صداقت چہ حکم دارد؟ و ہر کس با چنیں شخص طرح صداقت و محبت انداز و با و موالات و مصادقت جائز یا نہ از بیانِ شافی اطمینان قلب فرمائند۔ والسلام۔

ترجمہ:

”حضرت عائشہ صدیقہؓ کو قذف کرنے والا۔ حضرات ابوبکرؓ و عمر رضی اللہ عنہ کو اصحاب رسول ﷺ نہ سمجھنے والا۔ رسول پاک ﷺ کی دوسری بیٹیوں کو سوائے فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے نہ ماننے والا، قرآنِ موجود کا منکر اور اس کو محرف کہنے والا۔ لوگوں کو دینِ حق (طریق اہل سنت والجماعت) سے ہٹانے والا کافر ہے یا نہ؟ ایسے شخص سے رشتہ داری، نکاح کرنا، ان سے دوستی اور یارانہ گانٹھنا، ایسے شخصوں کی خوشیوں میں شمولیت، شادی و غمی میں ان سے

---

❶ تحریر بدتخطی خان بہادر مولوی شیر محمد خاں صاحب منصف کے پاس موجود ہے، جو چاہے دیکھ لے۔۱۲

شرکت، ان سے مل کر کھانا، اور پینا بطور دوستی بھائی بندی جائز ہے یا نہ؟ اور جو شخص ایسے شخص سے محبت و پیار کرے اس سے برتاؤ اور سلوک جائز ہے یا نہ؟
جواب شافی دے کر پوری تسلی فرمائیں

الجواب

شخصے یا فرقہ کہ اوصافش در سوال مذکور شدہ خارج از دائرۂ اسلام است با چنیں شخص یا فرقہ ضالہ باقتضائے الحب اللہ والبغض اللہ اختلاف وارتباط ممنوع است سابّ شیخین عندالجمہور کافر است ومحرف ومنکر کلام مجید از دائرۂ اسلام خارج، قاذف اُم المومنین رضی اللہ عنہا، نیز منکر قرآنِ مجید است والباقی کذالک موالات ومصادقت با چنیں اشخاص قطعی ممنوع است۔

(حررہٗ غلام محمد خطیب جامع مسجد (بحکم قبلۂ عالم از گولڑہ شریف)

ترجمہ

جس شخص یا فرقہ میں یہ اوصاف ہوں، جو سوال میں مذکور ہیں۔ وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہے، ایسے شخص یا گمراہ فرقہ سے حسب اقتضائے الحب للہ والبغض للہ خلط ملط اور راہ و رسم رکھنا منع ہے۔ شیخین کو بُرا کہنے والا جمہور المسلمین کے نزدیک کافر ہے اور قرآن کریم کا منکر اور تحریف کنندہ بھی مسلمانی سے خارج ہے۔ باقی اُمور کا بھی یہی جواب ہے۔ ایسے اشخاص سے برتاؤ کرنا اور اتحاد رکھنا بالکل ممنوع ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ

اصولِ کافی ص ۵۵۴ میں ہے:

عَنْ اَبِی عَبْدِاللّٰہِ علیہ السَّلام قال لَاتَصْحَبُوا اَھْلَ الْبِدعَۃِ وَلَاتُجَالِسُوھُمْ فَتَصِیْرُوا عِنْدَالنَّاسِ کَوَاحِدٍ مِنْھُمْ قال رسول اللّٰہ المرء عَلٰی دِینِ خَلِیْلِہٖ وقرِیْنِہٖ.

(امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ فرمایا، بدعتی کی صحبت نہ کرو۔ اور نہ ان سے مل کر بیٹھو۔ ورنہ لوگوں میں تم انہیں جیسے ہو جاؤ گے ۔ رسول پاک ﷺ نے فرمایا ہے، آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے)۔

جناب امام نے اس حدیث میں اہلِ بدعت سے برتاؤ کرنے، ان سے دوستی پیدا کرنے، ان سے مل کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ روافض جن کا بھنگ، شراب ظیفہ، ترک صلوٰۃ شیوہ اور بزرگانِ دین کو بُرا بھلا کہنا پیشہ ہے، اہلِ بدعت ہیں۔ اس لیے حسبِ فتویٰ حضرت امامِ ہمام ان سے مسلمانوں کو بائیکاٹ کر دینا چاہیے۔ ورنہ بحکمِ حدیثِ ہذا وہ اُن جیسے سمجھے جائیں گے۔

دوسری حدیث

اصولِ کافی ص ۵۵۵ میں ہے:

عن ابی عبداللّٰہ علیہ السَّلام قال مَنْ قَعَدَ عِنْدَ سَبَّابٍ لِاَوْلِیَآءِ اللّٰہِ فَقَدْ عَصَی اللّٰہَ.

(جو شخص ایسے لوگوں کے پاس نشست و برخاست کرے، جو خدا کے دوستوں کو سب کیا کریں، وہ خدا کا سخت نافرمان ہے)۔

اس حدیث میں امام ممدوح رحمہ اللہ سبّی شخص کے پاس بیٹھنے سے منع فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ روافض نہ صرف سبّ خلفاء ثلاثہ ہی کرتے ہیں بلکہ سبّ اہل بیت رحمہ اللہ سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ حتیٰ کہ جناب امیر علیہ الرضوان کی سبّ کرنے کو بوقتِ ضرورت

جائز سمجھتے ہیں۔اس لیے ان سے برتاؤ کرنے والا امام صادق رحمہ اللہ کا نافرمان ہے۔تحقیق بالا سے ثابت ہوگیا کہ روافض کی تکفیر قرآن وحدیث اوراقوال ائمہ اہل بیت اورفتویٰ علماء ظاہر وباطن کی رُو سے ثابت ہے۔ان سے کسی قسم کا برتاؤ کرنا خدا ورسول ﷺ کی نافرمانی میں داخل ہے۔ان سے بالکل قطع تعلق کرنا چاہیے۔ان سے مل کر کھانے میں، نشست و برخاست رکھنے، رشتے، ناطے کرنے، ان سے محبت واُلفت، راہ و رسم رکھنے، ان کے جنازوں میں شامل ہونے، ان سے مل کر نماز پڑھنے و دیگر تعلقات رکھنے کی سخت ممانعت ہے۔مسلمانوں کو اس پر عمل پیرا ہوکر اپنے دین وایمان کو بچانا چاہیے۔زمانہ بڑا پُرفتن ہے۔نجات اسی صورت میں ہے کہ سوادِ اعظم مسلمانوں کے بڑے گروہ کی جماعت سے علیحدگی نہ ہو۔ورنہ دین وایمان کی خیر نہیں ہے۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ. واٰخِرُ دعوانا ان الحمدُللّٰه رَبِّ الْعَالَمِين والصلوٰة والسلام علی سيدالمَرسلين واٰله واصحابه وَعِبَادِاللّٰه الصَّالِحِيْنَ.

خاکسار

محمد کرم الدین عفی عنہ، متوطن بھیں، تحصیل چکوال ضلع جہلم

صفر ۱۳۴۴ھ ر ستمبر ۱۹۲۵ء

قرآن کا معجزہ

(کوئی شیعہ حافظ نہیں ہو سکتا)

قرآن کریم کا دعویٰ ہے کہ لَا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (اس کو ناپاک مس بھی نہیں کر سکتے) یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں کے سینوں میں جامعین قرآن (خلفائے ثلاثہؓ) کا بغض بھرا ہوا ہے، ان میں خدا کی پاک کتاب کا نقش جم نہیں سکتا۔ قرآنِ پاک کا یہ معجزہ مانا ہوا ہے کہ شیعہ میں کوئی حافظ قرآن ہو نہیں سکتا۔ بارہا اہلِ سنت کی طرف سے اعلان ہو چکا ہے اور انعامی اشتہار بھی شائع ہو چکے ہیں کہ شیعہ میں سے کوئی مردِ میدان ایسا نکلے جو اہل سنت کے اس دعویٰ کو باطل کر سکے لیکن کبھی کسی شیعہ کی جرأت نہیں ہو سکی۔ یوں تو گھر بیٹھ کر عوام میں شیعہ صاحبان یہ ڈینگ مار دیا کرتے ہیں کہ ہمارے ہاں بہت سے حافظ موجود ہیں لیکن شیعہ مشن کے واحد آرگن رسالہ اصلاح نمبر ۶ جلد ۲۸ (ماہِ جمادی الآخر ۱۳۴۴ھ/ص ۳۳ تا ۳۵) میں ایک مضمون بعنوان ''شیعہ حافظِ قرآن'' شائع ہوا ہے، جس نے ڈھول کا پول ظاہر کر دیا ہے۔ اس مضمون میں ایڑی چوٹی کا زور مار کر تمام شیعی دُنیا کی مردم شماری پر سرسری نظر کرتے ہوئے تین اشخاص کا نام لکھا گیا ہے جن کی نسبت حافظِ قرآن ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ وہ نام یہ ہیں:

(۱) حافظ مولوی فیاض حسین میرٹھی (۲) حافظ میر کاظم ساکن نگینہ ضلع بجنور (۳) حافظ مولوی کفایت حسین پشاوری۔ یہ بات مسلم ہے کہ طول و عرض ہند و پنجاب میں لاکھوں کی تعداد میں شیعہ آباد ہیں۔ ان میں اگر بفرض محال تین شخص حافظ ہوں بھی تو بحکم ''النادر کالمعدوم'' اہل سنت کے دعویٰ کی تردید نہیں ہو سکتی۔ بفضلِ خدا اہل سنت والجماعت میں لاکھوں کی تعداد سے حافظ قرآن اس وقت موجود ہیں۔ پھر شیعہ کے لیے ڈوب مرنے کا مقام ہے۔ ان کا رسالہ ''اصلاح'' بہت مبالغہ سے کام لیتا ہوا بھی صرف تین کی تعداد لکھ سکا ہے لیکن یہ بھی اصلاح کے ایڈیٹر صاحب کا تقیہ (جھوٹ) ہے کیونکہ

ان تین میں سے آخری نام کفایت حسین کو ہم خوب جانتے ہیں۔ چکوال کے جلسہ میں اس کو چیلنج دیا گیا تھا کہ میدان میں نکل کر اہلسنت والجماعت کے مقابلہ میں ایک پارہ قرآن مجید سنا دے لیکن کفایت حسین کو ہرگز اس کی جرأت نہ ہوئی اور وہ راتوں رات وہاں سے بھاگ گیا۔ پھر چک بیلی خان تحصیل گوجر خان ضلع راولپنڈی میں بھی یہی شخص شیعوں نے علماء اہلسنت سے مناظرہ کے لیے بلوایا۔ لیکن کھڑے ہو کر آیت کا ایک آدھ ہی ٹکڑا پڑھا۔ وہ بھی غلط۔ لَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتَابٍ مُّبِيْنٍ کو لَا رَطْبٌ وَّلَا يَابِسٌ غلط پڑھا۔ ٹوکنے پر ایسا شرمندہ ہوا کہ فوراً منبر سے اُتر کر بھاگ گیا۔

ایک دلچسپ نظم

پڑھو صلوٰۃ سب مومن رسولؐ اللہ آتے ہیں
ہزاروں رحمتیں اور سینکڑوں برکات لاتے ہیں

ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ بھی ہیں اردل میں
اور ان کے ساتھ سب اصحاب بھی جلوہ دکھاتے ہیں

حسینؓ ابن علیؓ کی تیغ براں کو ذرا دیکھو
کہ اک ضربت میں سو کافر کا سرتن سے اُڑاتے ہیں

شمر کافر کو سب حسب و نسب اپنا بتاتے ہیں
اور اس مردود کو نارِ جہنم سے ڈراتے ہیں

وہ کہتا ہے کہ سب سچ ہے مگر میں کیا کروں حضرت
حکومت سے مجھے پیہم یہی پیغام آتے ہیں

امام پاک گر منظور کر لیں میری بیعت کو
بہت کچھ دُنیوی اعزاز ہم ان کو دلاتے ہیں

وگرنہ قتل کر دو مجھ کو ان سے سخت خطرہ ہے
حکومت کو کوئی دم میں تہ و بالا کراتے ہیں

کہا حضرت نے حاضر ہوں شہادت کے لیے لیکن
نوافل مجھ کو پڑھنے دو جو آخر کام آتے ہیں

نمازی ہو کے حاضر ہوں میں دربارِ رسالت میں
کہ نانا جی مجھے دربار میں اپنے بلاتے ہیں

سبق بتلا گئے حضرت یہی اپنے محبوں کو
کہ میرے دوست دُنیا سے نمازی ہو کے جاتے ہیں

محبت کا جو شیعہ دعویٰ کرتے ہیں یہ جھوٹا ہے
نماز پنجگانہ سے جو اکثر جی چُراتے ہیں

عموماً شیعہ ہیں محروم جمعہ اور جماعت سے
امام المسلمین کو پھر روافض کیسے بھاتے ہیں

سعادت یہ ملی درگاہِ حق سے اہل سنت کو
جو جمعہ اور جماعت میں بھی حاضر ہو ہی جاتے ہیں

نمازِ پنجگانہ سے کبھی غافل نہیں ہوتے
فرائض اور نوافل کو شعار اپنا بناتے ہیں

بکثرت اہلِ سنت تو نمازی پکے ہوتے ہیں
دبیر اس واسطے روزانہ یہ مسجد کو جاتے ہیں
مگر حضرات شیعہ بھنگ❶ دارے میں رگڑتے ہیں
نشہ سے ہو کے پھر بدمست بیٹھے بڑبڑاتے ہیں
تبرا اور لعنت رات دن ان کا وظیفہ ہے
نمازوں کو بجا کارِ ثواب اس کو بتاتے ہیں
بُرا کہتے ہیں ازواجِ نبیؐ اور صحابہؓ کو
ٹھکانا اپنا درکاتِ جہنم میں بناتے ہیں
بکثرت اہلِ سنت حافظ قرآن ہوتے ہیں
ہر اک رمضان میں جا کر مساجد میں سناتے ہیں
مگر چھینی گئی یہ نعمتِ عظمیٰ روافض سے
کہ اس نعمت سے وہ ہرگز کبھی بہرہ نہ پاتے ہیں
ہزاروں مرتبہ یہ ہو چکی ہے آزمائش بھی
یہ بیچارے ہر اک میدان میں ذلت اُٹھاتے ہیں
اگر شیعہ کوئی حافظ ہے تو میدان میں آئے
نقد و پنج صد انعام ہم اس کو دلاتے ہیں

قیامت تک رہے گا معجزہ قائم یہ قرآں کا
دبیر اس معجزہ کو پھر روافض کیوں چھپاتے ہیں

تقریظِ کتاب

(از جناب مولوی محمد حبیب شاہ صاحب، رئیس تلہ گنگ ضلع اٹک❷)

وہی اسلام دُنیا جس نے غفلت سے جگا دی ہے
کہ بس لبیک اک عالم سے اُٹھتے ہی کرا دی ہے
وہی دینِ خدا بنیاد رکھی جس کی احمدؐ نے
بلندی جس کی خود عرشِ معلی سے ملا دی ہے
سلاطیں نے اُٹھایا سر مگر خود مٹ گئے آخر
حقانیت صداقت جملہ عالم سے منادی ہے
مسلماں نام رکھ ابنِ سبا نے دام پھیلایا
رواجِ رفض دے کر اس کی جڑ بُن سے ہلا دی ہے
منافق نے دیا دھوکا عجب جاہل مسلماں کو
نفاقِ باہمی کی آگ گھر گھر میں لگا دی ہے
بنایا رفض نے آزاد اللہ سے بھی جاہل کو
بداء سے شانِ علم الغیب بالکل ہی مٹا دی ہے
علیؓ کا حق چھپایا ڈر کے سہ اشخاص اُمت سے
پیغمبرؐ نے حق تبلیغ پھر کیسے ادا کی ہے
کیا انکارِ قرآں سے مسلمانی کا دعویٰ ہے
روافض نے تو دیوارِ مسلمانی گرا دی ہے

---

❶ اس سے مراد بھنگ نوش اور تبرّہ باز سبی شیعہ ہیں۔
❷ اب تلہ گنگ ضلع چکوال میں ہے، اُس زمانہ میں اٹک کی ضلعی حدود میں تھا (سلفی)

لقب دے کر جنہیں خائن بنایا شاہِ حیدرؓ کو
شجاعت فاتح خیبر پہ اک خنجر چلا دی ہے

نبی کی بیبیاں ہیں، امہات المومنیں یارو
بُرا کہتے ہیں، ان کو کیسے شیطاں نے دغا دی ہے

بنایا سائلہ دُنیا کی ادنیٰ چیز کی خاطر
بتولِؓ پاک کی وہ شان استغنا گنوا دی ہے

غرض کچھ اس طرح پھیلی ہے، یہ طاعون دُنیا میں
مسلمانوں کے ہر ہر گھر میں قیامت ہی مچا دی ہے

بہت علماء و فضلاء نے کیے حیلے رُکاوٹ کے
مرض بڑھتا گیا جوں جوں اطبا نے دوا دی ہے

کوئی دن خاک مُنہ میں سیفِ مسلولی❶ نے ڈالی تھی
مرورِ دہر نے وہ ضرب کاری اب بھلا دی ہے

پڑا تھا تازیانہ❷ سر پہ عبرت کا روافض کو
مگر اب بھول کر وہ مار پھر آندھی مچا دی ہے

دبیرِ غازیٔ الاسلام پر فضلِ خدائی ہے
لکھی ردِّ روافض سیفِ سُنّی کو بنا دی ہے

مخالف نام سُن کر لرزہ براندام ہیں سارے
دلوں پر ان کے دہشت حق نے کچھ ایسی بٹھا دی ہے

کتاب لاجواب ایسی نہ دیکھی اور سُنی پہلے
کہ ہستی مذہبِ باطل کی مٹی میں مِلا دی ہے

لکھوں تعریف گر اس کی بری طاقت سے باہر ہے
حقیقت رفض کی تصویر تفصیلاً بتا دی ہے

ضرورت جس کو ہے مذہب کی یا ڈر ہے قیامت کا
سو اس کی جان دوزخ سے بفضل اللہ چھڑا دی ہے

مصنف اس کا عالمِ شہرۂ آفاق فاضل ہے
کہ ہر اک معرکہ میں حق نے فتح اس کو دلا دی ہے

خدا ہر دو جہاں میں اجر دے اس جانفشانی کا
حبیبِ ناتواں نے یہ مؤلف کو دُعا دی ہے

---

❶ سیفِ مسلول کی طرف اشارہ ہے، جو حضرت مؤلف رحمہ اللہ نے اس سے قبل تصنیف کر کے شائع کی اور اس کے جواب سے شیعہ اب تک عاجز ہیں۔

❷ تازیانہ سنت کی طرف اشارہ ہے جو جنابِ مؤلف کی دوسری لاجواب تصنیف ہے۔
(نوٹ: مذکورہ دونوں کتب اب دوبارہ پاکستان سے طبع ہو گئی ہیں) (سلفی)

قصیدۂ تاریخیہ

(از جناب ابوالفخر مولوی محمد فیض الحسن مرحوم (مولوی فاضل)

ہمشیرہ زادہ حضرتِ مصنف رحمہ اللہ)

یہ تصنیف کیسی نرالی چھپی ہے عجب دھوم دُنیا میں اس کی مچی ہے
عبارت ہے شستہ مضامین اعلیٰ دلائل زبردست حجت قوی ہے
ہر اِک ورک گویا کہ ورقِ طلا ہے ہر اِک سطر اِک موتیوں کی لڑی ہے
ہے اثباتِ دعویٰ ز قرآن و سنت تصانیفِ شیعہ سے تائید بھی ہے
روایاتِ کافی کلینی ہیں اس میں کہ جو حجۃ اللہ نے تصدیق کی ہے
ہوئے درج نہج البلاغت کے خطبے جو مقبول قول جناب علیؓ ہے
عباراتِ تہذیب ولایحضر ❶ اس میں لکھی ہیں، علل ❷ کی سند بھی لکھی ہے
حیات القلوب اور جلاء العیون سے مسائل کے شیعہ کی تشریح لکھی ہے
کہیں پر ہیں حق الیقیں کے حوالے کہیں نقل از حملۂ حیدری ہے
اسی قسم کی مستند ہیں کتابیں کہ شیعہ کی ساری بضاعت یہی ہے
لکھے ہیں بہت ایسے رنگیں مسائل روافض کے مذہب کی قلعی کھلی ہے
مسائل کے شیعہ کے کیا کہنا یارو کہ حیرت میں مخلوق سُن کر پڑی ہے
نہ قرآن پر ہے روافض کا ایماں جو بنیاد اسلام و ایمان کی ہے
وہ کہتے ہیں اصلی یہ قرآں نہیں ہے بہت کچھ ہوئی اس میں بیشی کمی ہے

---

❶ من لایحضرہ الفقیہ

❷ علل الشرائع

مُناجات فارسی

دراں روزے کہ از اہوال دوزخ پُرخطر باشد
شفیعِ من رسولؐ پاک و صدیقؓ و عمرؓ باشد
بزیرِ ظلِ عثمانؓ و علی المرتضیٰؓ باشم
چرا از فتنۂ محشر مرا باک و حذر باشد
دو دستِ من بدامانِ بتول و جملہ اولادشؓ
شفیقِ حال زارم سرورِؐ جن و بشر باشد
چو عمرِ خویش کردم وقف بہرِ خدمت اسلام
چرا از شرِ شیطاں بس مرا رنج و ضرر باشد
سرِ خود فی سبیل اللہ بُورِ من فدا کردہ
اگر منظورِ حق شد یا ورم لختِ جگر باشد
الٰہی رحم فرما بر دبیرؔ خستہ حالِ خود
بفردوسِ برینش یومِ محشر مستقر باشد

ازاحقر ابوالمنظور محمد کرم الدین دبیرؔ عفی عنہ

اسلامک سنٹر محمد علی روڈ بھنڈی بازار بمبئی (بھارت)